کب کا ترک اسلام کیا

سید امجد حسین

ترتیب و تہذیب

سید امجد حسین

سرورق

محمد مصطفی

اپنی آواز کی بجائے اپنے دلائل کو بلند کیجیے،
پھول بادل کے گرجنے سے نہیں برسنے سے اگتے ہیں۔

جلال الدین رومی

مذہبی دیوانے جو معمولی سے اختلاف رائے پر مرنے مارنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں،
فی الحقیقت اپنے مذہب کی صداقت کے بارے میں شک وشبہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ

اگر اسلام چھوڑنے پر سزائے موت نہ ہوتی تو اسلام آج تک موجود نہ ہوتا۔
ارتداد کو روکنا ہی اسلام کے وجود کی وجہ ہے۔

یوسف قرضاوی

میں سچ کا ساتھ دے کر شیطان کہلایا جانا زیادہ پسند کروں گا،
بجائے اس کے کہ جھوٹ کا ساتھ دے کر فرشتہ کہلایا جاؤں۔

فیورباخ

مندرجات

کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منھ بند	سیدامجدحسین
ملاحدہ دور حاضر کے نقطہ نظر سے	علامہ نیاز فتح پوری
الحاد کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟	احمد خان / سیدامجدحسین
دہریت اور سماجی رویے	غلام رسول
الحاد اور ضابطۂ حیات	ایاز نظامی
کیا الحاد جرم ہے؟	اینڈرسن شا
فروغ الحاد: گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ	سیدثاقب اکبر
فروغ الحاد کا چیلنج	جمشید اقبال
پاکستان: گستاخی اور جبر	اسد فاطمی
توہین رسالت کیوں ہوتی ہے؟	ڈاکٹر عرفان شہزاد
پاکستان میں الحاد کے فروغ کی وجوہ	علی رضا
ناروے اور سابقہ مسلمان	خالد تھتھال
ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد	ایان شاہ
گستاخی اور توہین نہیں: ہمیں ہمارا حق چاہیے	سعدرضا
قانون توہین مذہب کا پھندا اور شان تاثیر کی گردن	فرنود عالم

پاکستان کے خفیہ ملحد — مبین اظہر

ایک ملحد سے مکالمہ — علی ارقم

توہین مذہب کے الزامات اور مشتعل ہجوم — ڈاکٹر غزالہ قاضی

گستاخ تو ہم سب ہیں — فرح لودھی خان

توہین رسالت کے نام پر انسان کی تذلیل — دانیال تیموری

پاکستانی ایتھسٹ کو بزدل کہنے والوں کے نام — دانیال تیموری

بلاسفیمی: یورپ نے اپنی گردن کیسے بچائی؟ — رضوان عطا

پاکستان: دست برداری کی طرف گامزن ریاست — مجاہد حسین

بھارت میں نوجوان مسلمان اسلام کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ — طفیل احمد

پاکستانی ملحدین صرف اسلام کے خلاف کیوں؟ — نامعلوم

ایک نعرے کی مار — احسان سبز

میں مذہب کی مخالفت کیوں کرتا ہوں؟ — تصنیف حیدر

میں نے مذہب کیوں چھوڑا؟ — اعتزاز میر (آئزی کشمیری)

میں ملحد کیسے بنا؟ — فراز الٰہی

حساب ترک تعلق تمام میں نے کیا — سید امجد حسین

کب کا ترک اسلام کیا (151 ملحدین کی مختصر روداد) — سید امجد حسین

پیش لفظ

کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منھ بند

سید امجد حسین

قدیم عقلی علوم میں انسان کی تعریف حیوان ناطق کے الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہے، کیونکہ وصف حیوانیت میں انسان دیگر تمام حیوانات کے ساتھ شریک ہے، مگر جو وصف انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتا ہے، وہ نطق ہے۔ "نطق" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مفہوم بولنا ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر کرتا ہے۔ اس لیے اساس تو مافی الضمیر ہے اور نطق اس مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس تمہید کا مقصد انسانی حیات میں نطق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے کہ اس کرۂ ارض پر دیگر مخلوقات کے ہجوم میں نوع انسانی کا تعارف ہی اس کا وصف نطق ہے۔ گویا ہر انسان اس دنیا میں بولنے اور اظہار رائے کا بنیادی حق لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں بولنے اور اظہار رائے کی اس قدر اہمیت کے باوجود ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے اس پیدائشی حق کے حصول کے لیے انتہائی تگ و دو اور مشکل ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ استحصالی قوتوں نے آزادئ اظہار رائے کو اپنے اقتدار کے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس کی بیخ کنی ہے، اور اپنے استحصال کو دوام دینے کے لیے انسانی شعور کی ترقی کی راہ میں ہر ممکنہ رکاوٹ کھڑی کرکے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بنی نوع انسانی کے اجتماعی مفاد کے مستقبل کے ساتھ کھلواڑ کیا۔

آزادئ اظہار رائے کے راستے میں آنے والی ان تمام تر پابندیوں اور مشکلات کے باوجود کوئی نہ کوئی جویائے حق گاہے بگاہے علم بغاوت بلند کرتا رہا، اور اپنے سچ کے اظہار کے لیے ان تمام تر پابندیوں کو چیلنج کرتے ہوئے اپنے اس حق سے دستبردار ہونے سے انکار کرتا رہا۔ آج جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو ہمیں تاریخ کے سنہرے اوراق پر افلاطون، ابن رشد، گیلیلیو، مارٹن لوتھر، جیسے عظیم درخشاں ستارے تو جھلملاتے نظر آتے ہیں مگر ان استحصالی طاقتوں کا ذکر صرف اس لیے تاریخ کا حصہ ہے کہ تاریخ کے ان تاریک کرداروں نے ان روشن ستاروں کے چہروں پر چمکنے والی روشنی کو نوچنا چاہا تھا۔ بہر حال، آزادی کے متوالوں اور جابروں کے درمیان یہ رسہ کشی ہنوز جاری ہے اور جدید تہذیب

کے اس دور میں بھی اس کشمکش کا خاتمہ نہیں ہو سکا، جبر اور پابندی کا نقش کہن اپنی بقاکے لیے ابھی تک کوشاں ہے، حالانکہ وہ اپناوجود کا منطقی جواز کھو بیٹھاہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے ہی ہمیں معلوم ہو تا ہے کہ شاہ اور پروہت (مولوی، پنڈت، پادری، ربی) کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہاہے، اور پروہت نے حصول حق کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کی خاطر شاہ کا ساتھ دیا۔ پروہت نے شاہ کے خلاف عموماً اسی وقت آواز بلند کرنے کی ہمت کی، جب خود پروہت کا مفاد خطرہ کے شکار ہوا۔ مذہبی رہنماؤں نے بسا اوقات خود بھی آزادئ اظہار رائے کی پابندیوں کا سامنا کیا، اور پابندی لگانے والوں پر شدید نقطہ چینی بھی کی، لیکن حیرت انگیز طور پر جب انہی مذہبی پیشواؤں یاان کے متبعین کو اقتدار اور غلبہ حاصل ہواتو انہوں نے بھی آزادئ اظہار رائے پر پابندیاں عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ ان مذہبی پیشواؤں کا یہ رویہ انتہائی ناقابل فہم ہے کہ اپنے مفاد و مقصد کے لیے جب ان کی آزادی پر پابندی لگے تو یہ احتجاجی رویہ اختیار کرتے ہیں، مگر جب یہ خود اقتدار پاکر اس قسم کی پابندیاں عائد کرتے ہیں تو انہیں اپنی بقا اسی جبر اور پابندی میں مضمر نظر آتی ہے۔ حالانکہ اگر اظہار رائے کی راہ میں عائد تمام رکاوٹوں کا خاتمہ کرکے اسے آزاد اور حوصلہ افزا ماحول میں پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا جائے تو انسانی شعور کے ارتقاکی رفتار اپنی قدرتی گنجائش کے مطابق ترقی پذیر ہو سکتی ہے۔

آزادئ اظہار رائے کے حوالے سے جب ہم مذہب کا رویہ دیکھتے ہیں تو انتہائی حیرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ایک طرف تو مذہب کا یہ دعویٰ ہے کہ مذہب خدا کی جانب سے انسانی رہنمائی کا ذریعہ ہے، اور یہ رہنمائی خدا کی وضع کردہ ہے اور دوسری جانب مذہب ہی آزادئ اظہار رائے سے سب سے زیادہ خوف زدہ بھی نظر آتا ہے۔ یقیناً یہ خوف کسی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے، ورنہ جب ایک مذہبی نظریہ خدا کی جانب سے پیش کردہ ہے تو یقیناً اسے کسی بھی طور پر ردّ کرنا آسان نہیں ہوناچاہیے، اور جب رد کرنا ایک مشکل امر ہو تو اٹھنے والے سوالات پر پریشانی بھی لاحق نہیں ہونی چاہیے اور نہ کوئی خوف لاحق ہوناچاہیے۔ جو نظریہ جس قدر قطعیت کے ساتھ اپنے حق اور سچ ہونے کا دعویٰ کرے گا، اسے اسی قدر تنقید کی سخت کسوٹی کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ آزمائش کی اس بھٹی میں سے گذرنے سے کندن ہونے کی صلاحیت رکھنے والے نظریہ کو کیوں انکار ہو سکتا ہے؟ اس آزمائش سے یقینی طور پر وہی گھبرائے گا جسے اپنے کھوٹے ہونے کا یقین یا شک ہو گا۔ اگر میں کوئی نظریہ پیش کروں اور مجھے اس کی صحت پر کامل یقین ہو تو مجھے تشکیکی سوالات پر کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے پریشانی صرف اسی وقت ہی لاحق ہو سکتی ہے، جب مجھے اپنا نظریہ کا وجود خطرے میں نظر آئے اور میں دیانت داری کے تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے حقانیت اور سچائی کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے

نظریہ کے بچاؤ کی تگ و دو میں لگ جاؤں، اور ہر وہ سوال جس سے میرے بیان کردہ نظریہ کو خطرہ لاحق ہو، دبانے کی کوشش کروں۔ میں تو ایک انسان ہوں جس کے نظریہ میں خطا اور صواب کے امکانات برابر ہیں، مگر مذہب کو کیا پریشانی لاحق ہے کہ اس کی پشت پناہی پر تو خود خدا موجود ہے۔ جب انسان کو پیدا کرنے کا دعویٰ کرنے والی ذات انسان کے جذبۂ تشکیک کو مطمئن نہیں کر سکتی تو یہ صورت حال خود تخلیق انسان کی دعوے دار ذات کے وجود کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ایک طرف مذہب یہ وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ انسان اور دنیا کا وجود کس طرح ظہور پذیر ہوا، اور ان کی تخلیق کا مقصد و منشا کیا ہے، اور دوسری جانب جب مذہب کی بیان کردہ وضاحتوں کا انسان اپنے علم اور تجربہ کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہے اور اس ضمن میں ان وضاحتوں پر جو سوالات اٹھتے ہیں، مذہب ان کی حوصلہ شکنی کرتا نظر آتا ہے اور انسانی جذبۂ تشکیک کو مطمئن کرنے میں نہ صرف ناکام رہتا ہے بلکہ اس جذبہ کو سرد کرنے کے لیے نامعقول پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کرتا ہے، جن پابندیوں کو انسانی فطرت ہمیشہ سے رد کرتی نظر آتی ہے۔

انسانی شعور و ادراک آزادئ اظہار رائے کی قدر و قیمت جان چکا ہے، پابندیوں کا دور اب لَد چکا ہے، بجھتے ہوئے چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لَو کی مانند ارباب جبر آخری سانس لے رہیں ہیں۔ اب اس نئ اور بدلتی ہوئی دنیا میں اپنا کوئی مقام اور کردار متعین کرنا ہے تو وقت کے تقاضوں کو سمجھنا ہوگا، اور اقوام عالم میں عزت و سرفرازی کے جینے کی تمنا ہے تو نئے عہد کے پیمانوں کو اپنانا ہوگا۔

عقل کی توہین

عقل کی توہین ایمانی غیبیات کو ماننے والوں کی عادت بن چکی ہے، کیونکہ اسلامی ممالک میں ان کے سامنے کھڑا ہونے والا کوئی نہیں ہے، اور جب تک قانون ان کی رائے کی پشت پناہی اور مخالف رائے کو سختی سے کچلتا رہے گا۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

ہم بچپن سے ہی کچھ مفاہیم کو قبول اور مسترد کرتے ہیں، یہ وہ خیالات ہوتے ہیں جو ہمارے والدین، اسکول ٹیچر، مسجد کا شیخ، میڈیا کے ذریعے سیاسی تلقین ہمارے ذہن میں ڈالتی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ خیالات کس طرح ہمارے دماغ میں ڈالے گئے؟ یوں ہم انہیں اپنے خیالات سمجھنا شروع کردیتے ہیں اور یہ لاشعوری

طور پر ہماری شخصیت سازی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں پھر ہم یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ہم ان خیالات سے متفق ہیں، بھلے ہی شعور ان کی مزاحمت کر رہا ہو اور ان کے فکری تضاد کو مسترد کر رہا ہو، ہم انہیں شک کا موقع دیے بغیر ان کا دفاع شروع کر دیتے ہیں۔ بچپن میں کی گئی برین واشنگ پتھر میں لکیر کی طرح ہوتی ہے، اعتقاد چاہے کتنا ہی بودا کیوں نہ ہو اسے اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کو معاشرے میں ایسے پڑھے لکھے لوگ کثیر تعداد میں ملیں گے، جو خرافات پر یقین رکھتے ہیں؛ جیسے انجینئر، سائنسدان وغیرہ۔ گذشتہ رمضان بیماری کے سبب مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا، ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے روزہ ہے؟ نفی میں جواب دینے پر اس نے پوچھا، کیوں؟ میں نے جواب دیا: کھانے سے روزہ رکھنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر طویل دورانیے تک پانی نہ پینا صحت کے لیے مضر ہوتا ہے اور آپ ڈاکٹر حضرات ہی تو لوگوں کو کثرت سے پانی پینے کی نصیحت کرتے ہیں، ہے ناں؟ ڈاکٹر صاحب نے ذرا منھ خراب کرتے ہوئے جواب دیا: درست! مگر یہ رمضان ہے اور اس کی اپنی برکت ہے۔

میرے ایک دوست نے جو ادبی آثار اور فن پاروں کو جمع کرنے کا دلدادہ ہیں اور خاصے تعلیم یافتہ شخص ہیں، انھوں نے مجھ سے ایک بار کہا کہ فلسطینی-اسرائیلی مسئلے کی پیچیدگی کی وجہ یہ ہے کہ آسمانی کتابیں بشمول قرآن کے، یہ گواہی دیتی ہیں کہ یہودی عربوں سے پہلے وہاں موجود تھے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص عبرانیوں کی خرافات پر مشتمل زبانی تاریخ پر یقین کیوں رکھتا ہے جسے وہ آج تک کسی بھی آرکیالاجیکل کھدائیوں سے ثابت نہیں کر سکے؟ یہودیوں کو کبھی کوئی ثبوت نہیں ملنے والا، چاہے وہ پورا بیت المقدس کھود ڈالیں۔ وجہ بڑی سادہ ہے، میرا دوست کتابی طور پر پڑھا لکھا اور عقلی طور پر جاہل ہے، اسے سکول میں پڑھایا گیا کہ قرآنی قصے تاریخی طور پر درست ہیں، جیسا کہ ثابت شدہ علمی تاریخ ہوتی ہے، حالانکہ مذہبی کتابوں کے قصوں کو کوئی بھی سائنس قبول نہیں کرتی اور ایسا ایک بھی مؤرخ نہیں ہے جو اپنے آپ کا اور اپنے پیشے کا احترام کرتا ہو، ان کو کوئی اہمیت دیتا ہو۔

معلوم ہوا کہ بچپن میں بچوں کو عقل اور شک سے متضاد تعلیم دینا ہی اس مظہر کی ایک اہم وجہ ہے جو ایک دردناک حقیقت ہے۔ ہمیں بچوں کو سکھانا چاہیے کہ وہ کسی بھی طرح کے مفاہیم اور نظریات کو مطلق حقیقت کے طور پر نہ لیں اور ان پر شک اور ان کی جانچ پڑتال کرنا سیکھیں۔ اگر ہم حکومت اور معاشرے پر چھائے اسلام پسندوں کی طرف سے تھوپا ہوا تعلیمی نصاب نہ بدل سکیں تو یہ تعلیم ہمیں انہیں گھر پر دینی چاہیے۔

اوپر کی باتوں کا منفی پہلو یہ ہے کہ ہمیں پیش کردہ کسی بھی چیز کو قبول یا مسترد کرنے کے لیے ہمارے اندر تنقیدی تشکیکی سوچ کی ہمیشہ کمی ہوتی ہے مگر اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے۔ اسلامی ممالک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جنہوں نے بڑے ہو کر بچپن میں سکھائی پڑھائی گئی افکار کو مسترد کر دیا۔ میرے خیال سے ان معاملات کو پیش کرنے اور ان پر گفتگو کرنے سے بہت سارے لوگوں کو سطحی عقائد کی دیوار گرانے میں مدد ملے گی، چاہے وہ بڑے ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں اور چاہے یہ عقائدہ بچپن سے ہی ان کے دماغوں میں کیوں نہ ٹھونسے جاتے رہے ہوں۔

سہل پسندی

دراصل ہم انسان سہل پسند واقع ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا ہو، جو ہماری راہنمائی کرے اور بتائے کہ ہمیں کیا کرنا ہے تاکہ ہمیں خود فیصلے کرنے کی کوفت نہ اٹھانی پڑے۔ ہم "نجات" پانے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ہم جنوں فرشتوں پہ یقین رکھتے ہیں، روحوں کو مانتے ہیں، بھوت پریت، آسیب شیاطین، جادو تعویذ سے ڈرتے ہیں۔ ہم سادھوؤں فقیروں، ملا پنڈت، پیروں پیغمبروں کے پیچھے چلتے ہیں تاکہ ہم سوچنے سمجھنے اور ضمیر کے مطابق زندگی گزارنے کی ذمہ داری سے آزاد ہو جائیں۔

جب ایسے لوگوں کا وجود ہو گا جو پیروکار بننا چاہتے ہیں تو فطری طور پر ایسے لوگ اٹھیں گے جو راہنمائی کا دعویٰ کریں گے۔ جب لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح سوچنا شروع کریں گے تو چرواہے کے بہروپ میں بھیڑیے خود بخود پیدا ہو جائیں گے۔ مذہب ایسے ہی تشکیل پاتے ہیں۔ ایک جعلساز اٹھتا ہے اور گروہ بناتا ہے، جو اس کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتا ہے، جب یہ جعلساز مرتا ہے تو احمقوں کا یہ ٹولہ مذہب کا درجہ اختیار کر لیتا ہے اور اس جعلساز کو پیغمبر، سینٹ یا اوتار وغیرہ کے عہدے پہ فائز کر دیا جاتا ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے جانثار عقیدت منداس سے پُراسرار حکایتیں منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کے لیے معجزے اور خرق عادات گھڑ لیتے ہیں اور اس کو نبوت کے ساتویں آسمان پر بٹھا لیتے ہیں، حتیٰ کہ خدا تک بنا لیتے ہیں۔

اس کا ایک واضح ثبوت مسلمانوں کی احادیث ہیں۔ بے شمار احادیث میں پیغمبر اسلام سے معجزات منسوب کیے گئے ہیں، حالانکہ خود قرآن جو مسلمانوں کے نزدیک اللہ کی کتاب ہے، معجزات کا انکار کرتا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا (سورۃ الاسراء آیت 59)

(اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی نبوت صالح کی کھلی نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں توڈرانے کو۔)
یہ قصے کہانیاں نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں اور یہی ان کے اثبات کی دلیل بن جاتی ہے۔

اسلام ہی کیوں؟

فیس بک پر میری تحریروں کے رد عمل میں جو کمنٹس ملتے ہیں، ان میں سے اکثر بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ یہ کمنٹس کچھ دوست احباب کی طرف سے ہوتے ہیں اور کچھ نامعلوم حضرات کی طرف سے۔ بعض کمنٹس سنجیدہ ہوتے ہیں اور میری تحریروں میں اٹھائی گئی کچھ باتوں کی وضاحت کی طلبگار ہوتے ہیں۔ ایسے کمنٹس کا میں بھی سنجیدگی سے جواب دیتاہوں اور حتی المقدور اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کرتاہوں۔ بعض کمنٹس بڑے ہلکے پھلکے سے ہوتے ہیں جیسے اکثرلوگ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور میری ہدایت کے لیے دعاکریں گے۔ جواب میں، میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے درخواست کرتاہوں کہ وہ اپنی دعامیں فلسطین اور عراق کی یہودیوں اور امریکیوں سے جلد آزادی کی دعا بھی شامل کرلیں۔ اسی طرح کچھ لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ مجھے مسجد جاکر توبہ کرلینی چاہیے۔ کچھ کمنٹس کی فکری بالیدگی پر شدید افسوس ہوتاہے کہ ان کی جہالت بے وقوفی کی حدتک پہنچی ہوئی ہوتی ہے، تاہم بیشتر کمنٹس عتابی ہوتی ہیں اور یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کو چھوڑکر میں صرف اسلامی فکرپر ہی کیوں تنقید کرتاہوں؟ یورپ میں رہنے والے بعض حضرات کا فرمان ہے کہ ایسی تحریروں سے میں یہودیوں اور امریکیوں کو خوش کرنا چاہتاہوں، جبکہ بعض حضرات مجھ پر یہودی مشنری ہونے کا مضحکہ خیز الزام لگاتے ہیں۔ ہاں جان کی دھمکیاں دینے والے اس کے علاوہ ہیں جن سے میرے فیس بک پروفائل کاان باکس روزانہ لبالب رہتاہے۔
سب سے پہلے تو میں یہ واضح کردوں کہ میں ہر اس فکرپر تنقید کرتاہوں جو میرے معاشرے اور قوم پر منفی اثرات مرتب کرے اور ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔ اگرچہ میں نے دوسرے مذاہب پر بھی تنقید کی ہے تاہم اسلامی فکرپر بالخصوص میں تنقید اس لیے کرتاہوں کیونکہ میں سابق مسلمان ہوں اور میرا اس فکرسے براہ راست تعلق ہے جو دوسرے مذاہب سے نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جس کے گلے میں جو ڈھولک پڑا ہوتاہے، وہ اسے ہی بجاتاہے۔ اسلامی فکرریورس آرڈر میں چل رہی ہے جو دوسرے کاانکار کرتی ہے اور عقل اور آزادی فکرکو سنگسار کرتی ہے

اور میرے معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن کر اس پر فکری دہشت گردی مسلط کرتی ہے جو بعض اوقات جسمانی دہشت گردی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی فکر کی طرح عیسائی فکر کو بھی تجدید کی اشد ضرورت ہے، فکر جس نوعیت کی بھی ہو اسے تجدید کی ضرورت رہتی ہے ورنہ وہ پتھرا جاتی ہے، تاہم عیسائی فکر پر تنقید اور اس کی تجدید عیسائیوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، اگرچہ ہمیں یہ اعتراف بھی کرنا ہوگا کہ آج کی عیسائی فکر یورپ کی تجدیدی تحریک کا نتیجہ ہے جس نے اس پر تنقید کے در اس قدر وا کر دیے جو بعض اوقات اس کی مقدس کتاب اور اس کے خدائی مصدر تک پر تشکیک تک پہنچ جاتی ہے مگر نہ تو ناقد پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اور نہ ہی اسے کسی قسم کی جسمانی سزا دی جاتی ہے، جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا۔ عیسائی مذہب، عام طور پر ایک ذاتی مذہب اور عقیدے کی شکل اختیار کر گیا ہے جو نہ ہی حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی روزمرہ زندگی پر، وہ ان کو کوئی خاص عقیدہ رکھنے پر مجبور نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے کھانے پینے اور روزمرہ کے رہن سہن میں اسلامی فکر کی طرح مداخلت کرتا ہے۔ عیسائی مذہبی فکر یہ نہیں کہتی کہ نماز چھوڑنے والا کافر ہے جس کی سزا موت ہے، وہ عیسائیوں کو روزہ رکھنے پر مجبور نہیں کرتا ورنہ وہ ملت سے خارج ہو جائیں گے، وہ انہیں کوئی شرعی لباس پہننے پر مجبور نہیں کرتا اور نہ ہی یہ کہتا ہے کہ عورت ناقص عقل ہے جسے دوسروں کی نظروں سے بچا کر رکھنا چاہیے۔ اگرچہ عیسائیت مسلمان کی عیسائی اور عیسائی کی مسلمان سے شادی کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی، تاہم اگر ایسی کوئی شادی ہو جائے تو وہ اسے باطل بھی قرار نہیں دیتی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک عیسائی کو اپنا مذہب بدلنے یا دہریہ ہونے کی پوری پوری آزادی ہے اور اس جرم کی پاداش میں عیسائیت نہ تو اس کا سر تن سے جدا کرنے کا فتویٰ دیتی ہے، نہ اس کی بیوی کی اس سے طلاق کرواتی ہے اور نہ ہی اسے اس کی جائیداد سے بے دخل کرتی ہے۔

اس کے مقابلے میں اسلامی فکر حرام اور ممنوع کی فکر ہے، یہ مسلمان کی دقیق تر خصوصیات میں دخل اندازی کرتی ہے، یہ فکر ہمارے بیڈروم تک گھس آتی ہے، یہ ہماری عورتوں، بچوں اور بیٹیوں میں مداخلت کرتی ہے، یہ ہمارے کھانے پینے، پہننے، بیٹھنے، چلنے پھرنے؛ حتیٰ کہ بیت الخلا میں جانے اور اس سے نکلنے تک میں مداخلت کرتی ہے، یہ ہماری موت میں بھی مداخلت کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہمیں اپنے مردے کس طرح دفن کرنے چاہئیں، قبر کی شکل کیا ہونی چاہیے، اس کا مقام کیا ہونا چاہیے اور قبر میں مردے کی سمت کس طرف ہونی چاہیے، یہ فکر مرنے کے بعد بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی اور عذابِ قبر و آخرت کی صورت میں آنمودار ہوتی ہے۔ یہ فکر کینسر بن چکی ہے، یہ ایک بشری فکر ہے جس

کا اللہ اور ایمان سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ فکر عقل کی دشمن ہے اور دوسرے کو مٹانے پر یقین رکھتی ہے، اس لیے اس پر تنقید کی جانی چاہیے اور اس کی جگہ ایک آزاد فکر کھڑی کی جانی چاہیے جو دین، عقیدے اور آزادیء فکر کے دروازے کھول دے اور مردوزن کو اس کی قید سے آزاد کرے۔

اگر میری متعدد پوسٹ پر نظر دوڑائی جائے تو بآسانی پتہ چل جاتا ہے کہ اکثر حضرات کو ایسی تنقید ہضم نہیں ہوپاتی اور وہ ہر طرح سے ایسی باتوں کو رد کرنے کے لیے سر گرداں رہتے ہیں کہ کہیں لوگ دقیانوسی روایات سے ہٹ کر سوچنا نہ شروع کر دیں۔ کچھ لوگ تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرتے ہیں اور ذاتیات پر نہیں اترتے، ایسے لوگوں کی عزت کی جانی چاہیے، تاہم کچھ لوگ تہذیب کے وہ تمام ضابطے توڑ کر ذاتیات، گالم گلوچ اور استہزا پر اتر آتے ہیں اور اپنے "مقدس" مذہب کا "غیر مقدس" گھٹیا زبان استعمال کر کے دفاع کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دین کے دفاع کا حق ادا کر دیا اور جنت میں ان کی سیٹ پکی ہوگئی۔ جب ان کی سرزنش کی جاتی ہے تو وہ الٹا مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے اندر برداشت پیدا کرو، گویا اب ہمیں مسلمانوں سے برداشت سیکھنے کے دن آگئے جس کا شہرہ چار دانگ عالم ہے۔

اپنی آنکھ کا شہتیر

مجھے ایسے مذہب پرست ہضم نہیں ہوتے جو کہ غیر جانبداری اور علمیت کا ناٹک کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر تنقید کرتے ہیں، جبکہ خود ان کے اپنے عقائد میں بعینہ وہی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اپنی آنکھ کا شہتیر واقعی کسی کو نظر نہیں آتا۔

عجیب ذہنیت ہے ان مسلمانوں کی، جو عیسائیت کو صرف اس لیے گالیاں دیتے ہیں کیونکہ وہ بت پرست ہیں اور تین خداؤوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور عجیب ذہنیت ہے ان عیسائیوں کی، جو اسلام کو ایک رجعت پذیر بدوؤں اور دہشت گردوں کا دین سمجھتے ہیں اور اسے گالیاں دیتے ہیں۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ تمام مذاہب کی تاریخ ایک ہی جیسی ہے۔ ان سب مذاہب کے ماننے والوں نے خدا کے نام پر وہ وہ بہیمانہ کارنامے انجام دیئے ہیں کہ انسانیت تڑپ اٹھے۔ ساتھ ہی یہ سارے مذاہب محبت امن اور آشتی کی دعوے بھی کرتے ہیں۔

عیسائی ہو، مسلمان ہو، ہندو ہو، زرتشتی ہو، کوئی بھی ہو؛ ان سب میں کوئی فرق نہیں۔ ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے عقائد ہی درست ہیں، صرف اس لیے کیونکہ وہ اس کے عقائد ہیں۔ رہی بات دوسروں کی، تو وہ احمق ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ مذہبی فریم سے باہر سارے مذاہب ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں، جیسے چاند سے دیکھنے پر زمین کی گولائی کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

غور و فکر کی تکرار

مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن غور و فکر کی تلقین کرتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ اگر ایک مسلمان اپنے غور و فکر کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کے ساتھ یہ شرط تو عائد نہیں کی ہے کہ تم غور و فکر تو کرو لیکن نتیجہ وہی نکالو جو میں نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ اور اگر نتیجہ وہی ہے تو پھر غور و فکر نہ بھی کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اور اگر کچھ حرج ہے تو غور و فکر بھی اللہ ہی کرا دے، کیوں کہ اس کا نتیجہ بھی وہی نکال رہا ہے۔

اسلامی ضابطہ حیات کا شگوفہ

اسلام اگر قیامت تک کے لیے انسانی رہنمائی کا منبع ہوتا تو پیغمبر اسلام کے انتقال کے اگلے لمحے سے ہی خلافت پر اختلاف ہو کر امت دو ٹکڑوں میں نہ بٹتی۔ اصول اور قانون کی جگہ شخصیات کو ترجیح دی گئی (نظریات شخصیات کی بنیاد پر نہیں بلکہ اصول و ضوابط اور قوانین کی بنیاد پر قائم رہتے ہیں۔ نظریات کو شخصیات سے منسلک کرنا خود اس بات کی نفی ہے کہ اسلام ہر زمان و مکان کے لیے ہے)۔ ایک گروپ حضرت ابو بکر کا حامی بن گیا اور ایک گروہ حضرت علی کا۔ نہ حضرت ابو بکر نے اپنی خلافت کا کوئی قرآنی اصول بیان کیا، نہ ہی حضرت علی نے۔ دونوں نے اپنے شخصی فضائل کی بنیاد پر خود کو خلافت کا اہل قرار دیا۔ نہ ہی امت کے لیے اس حساس موقع پر رہنمائی کے لیے باہمی مشاورت سے کوئی ایسا قاعدہ و قانون روشناس کرایا کہ جس سے امت ہمیشہ کے لیے ایسی صورت حال میں رہنمائی حاصل کرتی۔ حالانکہ قرآن نے ایسی صورت حال کے لیے امرھم شوریٰ بینھم (اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے) کا اصول مہیا کیا، لیکن دونوں مقدس شخصیات نے خود کو اس اصول سے بالاتر جانا۔ یہ ساری صورت حال ایک قبائلی چپقلش اور ذاتی مخاصمت کی آئینہ دار ہے، نہ کہ کسی ضابطہ حیات اور اصولی موقف کی۔

اسلامی اخلاقیات

دنیا میں اس وقت جتنے بھی مذاہب رائج ہیں، سب کے سب زرعی دور کی پیداوار ہیں۔ آج کے مروجہ مذاہب میں سب سے قدیم ہندومت ہے۔ محققین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے قدیم مذہبی کتاب رگ وید ہے، اس کے بعد یہودیت ہے، جس کا کلینڈر تقریباً ساڑھے پانچ ہزار سال مکمل کر چکا ہے۔ عیسائیت کی عمر دو ہزار سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ پارسی، جینی اور بدھ مت تقریباً ہم عمر ہیں۔

دنیا بلاشبہ ایک گلوبل گاؤں کا روپ دھار چکی ہے اور اس گاؤں کی پنچایت میں جو مقدمہ اس وقت ٹاک آف دی ٹاؤن ہے، وہ بھی بے شک اسلام ہی ہے۔ ایسا اسلام کی تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ اسے پوری بنی نوع انسان کی عوامی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا ہے اور بد قسمتی ملاحظہ کیجیے کہ اس مذہب پر یہ کڑا وقت غیروں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے اپنے نام لیواؤں کی وجہ سے آیا ہے۔ اس مقدمے کا اہم ترین حصہ جو دنیا اس وقت ڈسکس کر رہی ہے، وہ بھی کردار ہی ہے؛ ایک مسلم کا انفرادی اور پھر اجتماعی کردار۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے؛ جو مذہب اپنے پیروکاروں کے اعتبار سے دنیا کے بہترین انسان مہیا نہیں کر سکا، وہ رہنمائی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ آج کی مہذب دنیا کی ترقی اور امن میں اس مذہب یا اس کے پیروکاروں کا حصہ کتنا ہے؟ یہ ایک عالمی سطح کا سوال ہے، جس کا جواب اس مذہب کے علما کی ذمہ داری ہے۔

اسلام کے ٹھیکیدار یعنی علما اس معاملے کو ہمیشہ ایک ہی نقطے پر ختم کرنا چاہتے ہیں کہ خدا صرف اچھائی ہی تخلیق کرتا ہے، یہ ہم ہیں جو برائی کی طرف نکل جاتے ہیں، اس نے ہمیں خیر و شر میں فرق کرنے کی تمیز دی ہے مگر افسوس ہم ضد اور لالچ میں آکر برائی کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی اس نے ہمیں انتخاب کی آزادی دی ہے۔

مجھے اس جسٹی فیکیشن سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ میرے خیال میں اس مذہبی منطق میں ایک بہت بڑی خرابی چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب کہتے ہیں کہ وہی حق اور درست مذاہب ہیں، اگر آپ ایمان لے آئے تو آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کے مکیں ہوں گے اور روزانہ عورتوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ گروپ سیکس کے مزے لوٹیں گے، لیکن اگر آپ ایمان نہ لائے تو آپ کا انجام جہنم ہو گا جہاں آپ کے ساتھ کتوں جیسا سلوک ہو گا اور آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جہنم کی آگ میں جلتے بھنتے رہیں گے۔ مگر ایک منٹ، یہاں انتخاب کی آزادی کہاں ہے؟ دھمکیوں میں انسان انتخاب میں آزاد کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کو کچھ اسلامی دہشت گرد اغوا کر لیں اور کہیں کہ نعت

سناؤ ورنہ ہم تمہیں حسبِ عادت قتل کر دیں گے تو کیا آپ کی نعت خوانی آپ کے آزاد ارادے پر مشتمل ہو گی؟ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ جی سوری، میں نعت نہیں، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سناؤں گا؟

ایک اور مثال: میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ نے سکول کا ہوم ورک کیا تو میں آپ کو ہزار روپے دوں گا۔ آپ کے پاس اختیار ہے کہ آپ سکول کا ہوم ورک مکمل کر کے ہزار روپے حاصل کریں یا اس آفر کو ٹھکرا دیں۔ لیکن اگر میں اس میں اضافہ کرتے ہوئے یہ کہوں کہ اگر آپ نے ہوم ورک نہ کیا تو میں آپ کو گولی مار دوں گا؟ اس صورت میں آپ ہوم ورک کرنے پر مجبور ہیں، نہ کہ ارادے اور انتخاب میں آزاد۔

اس کے باوجود اوپر کے دو منظر نامے اب بھی اس خدا کی دھمکیوں سے کہیں زیادہ "رحم دلانہ" ہیں، جو آپ کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں بھونے گا اور جب بھی آپ کی جلد جل کر خاکستر ہو جائے گی، اسے ایک اور جلد سے بدل دے گا تاکہ آپ کو جلانے کا سلسلہ جاری و ساری رکھا جا سکے۔ اس میں انسان کو انتخاب کا اختیار کہاں ہے؟ اگر اس نے یہ خوفناک دھمکی دینی تھی تو ہمیں انتخاب کی آزادی کیوں دی؟

وہ مومنین جنہیں خدا جنت میں داخل کرے گا، انہوں نے درست راستے کے انتخاب کے لیے اپنی عقل کا استعمال نہیں کیا بلکہ عذاب کے خوف اور جنت کی لالچ میں مذہبی تعلیمات پر دیوانہ وار عمل کیا۔ وہ آزاد سوچ کے مالک انسان نہیں ہیں اور نہ ہی معاملات کو اخلاقی طور پر دیکھتے ہیں۔

ریت کا خدا اپنے عیسائی اور اسلامی ورژن میں جو کچھ کر رہا ہے، اسے عرفِ عام میں دھمکی اور رشوت کہتے ہیں، نہ کہ انتخاب کی آزادی یا آزاد انسان کون ہے؟ آزاد انسان مومن نہیں ہے جو ہر وقت آسمانی بھوتوں، جلادوں اور ٹارچر سیلوں سے تھر تھر کانپتا رہتا ہے۔ وہ انسان آزاد نہیں ہے جسے لالچ اور خوف اپنے فیصلے بدلنے پر مجبور کر دیں۔ آزاد انسان وہ ہے جو خود انتخاب کرتا ہے، جو جانتا ہے کہ بھوت وہم ہیں اور ریت کا خدا محض ایک بچوں کا قصہ۔

اسلام ذمہ دار نہیں

جب بھی کسی سے سنتا ہوں کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے اچھی طرح سے نہیں سمجھا تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ کیا علی بن ابی طالب نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن "حمال اوجہ" یعنی کہ دو چہرہ ہے تو کیا وہ اسلام کو نہیں سمجھتے تھے؟! کیا علی اور ام المومنین عائشہ اسلام قرآن اور سنت سے نابلد تھے، جب انہوں نے آپس میں الجمل کی خونین لڑائی لڑی اور چار ہزار صحابہ اور حفاظ قرآن کو اپنی حماقتوں کی بھینٹ چڑھا دیا؟ کیا

ہم ان لوگوں سے زیادہ بہتر قرآن کو سمجھ سکتے ہیں؟!اور اگر اسلام چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ تک ناقابل فہم رہا ہے تو کیا اب کے بعد ہم اسے سمجھ پائیں گے؟

اکثر ان معصوم مسلمانوں سے میرا واسطہ پڑتا ہے جن کے خیال میں اسلام دودھ کا دھلا ہوا ہے۔ قرآن میں دوسروں پر لعن طعن کرنا، دوسروں کے عقائد کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے،یعنی قرآن اور اسلام ہی اخلاقیات کا منبع ہے۔ یہ وہ حضرات ہوتے ہیں جنھیں صرف قرآن کے دو فقرے یعنی "لا اکراہ فی الدین" اور "لکم دینکم ولی الدین" زبان زد ہیں اور یہ فقرے بھی انھوں نے مولویوں سے سنے ہیں، قرآن میں نہیں پڑھے۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟

قرآن کی چھوڑیے،پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیں کہ ایک مہذب سماج میں اگر کوئی شخص اختلاف رائے ہونے کی صورت میں کسی کو لعنتی، حقیر، سور،بندر، گدھا، ذلیل، حرام زادہ، جھوٹا، گنہگار، مجرم، پست، مردہ، فسادی، ظالم،نافرمان، سرکش، نجس، گندہ، اندھا، بہرہ، گونگا، ناپاک، بیمار جیسی گالیوں سے نوازے، حتیٰ کہ اس کو قتل کرنے کے درپے ہو جائے،تو آپ اسے کیا کہیں گے؟

آپ شریف اور بااخلاق انسان ہوں گے تو فوراًسخت الفاظ میں اس کی مذمت کریں گے۔ لیکن اگر میں آپ سے کہوں کہ یہ متبرک الفاظ اگر اختلاف رائے کے نام پر اپنے مخالفین کے لیے قرآن کے ہیں، تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ ایسے سوال پر میرا مخاطب ہکابکا اس لیے رہ جاتا ہے کہ اس نے کبھی قرآن کو باترجمہ پڑھا ہی نہیں ہوتا، لہٰذا یا تو فرار کی راہ اختیار کرتا ہے یا پھر اگر ہٹ دھرم ہوا تو ان گالیوں کی جواز جوئی شروع کر دیتا ہے۔ خیر، میں کچھ قرآنی گالیوں کی مثالیں ذیل میں رقم کر رہا ہوں، ساتھ ہی وہ سورہ اور آیت نمبر بھی حوالے کے لیے دے رہا ہوں، تاکہ میری نیت پر حرف نہ آئے اور انصاف پسند حضرات خود اس بات کا فیصلہ کر سکیں کہ ہم عام مسلمانوں کی حرکتوں کے تعلق سے تو بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ ان کے فعل سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں لیکن کیا قرآن کے فعل کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں؟

چند مثالیں کہ کس طرح قرآن غیر مسلموں کو ذلیل کرتا ہے:

- جانوروں کی طرح کھاتے ہیں47:12
- بندر ہیں۔7: 166، 5:60، 2:65
- سؤر ہیں۔5:60
- گدھے ہیں۔74:50
- اللہ کی نظر میں جانوروں کی گھٹیا ترین قسم ہیں۔8:55

- نقصان اٹھانے والے۔2:27،2 :121، 3:85
- ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے۔2:10، 5:52،24:50 8
- سخت دل ہیں۔39:22،57:16
- دلوں کے ناپاک ہیں۔5:41
- بہرے ہیں۔2:171،6:25
- اندھے ہیں۔2:171،6:25
- گونگے ہیں۔2:171،6:35،11:29
- نجس ہیں۔8:37
- گندگی ہیں۔13:17
- سرکش ہیں۔5:68،78:22
- نافرمان ہیں۔2:26،9: 8،46:20
- ظالم ہیں۔29:49
- فسادی ہیں۔16:88
- مردوں سے بدتر ہیں۔98: 6
- برم کی حالت میں ہیں۔50: 5
- پست سے پست تر ہیں۔95: 5
- مجرم ہیں۔30:12،77:46
- گنہگار جھوٹے۔45: 7
- اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔2:88،48: 6
- خدا ان کو حقیر جانتا ہے۔17:18
- اللہ انہیں ذلیل کرتا ہے۔22:18.

ان متبرک الفاظ میں ایک اور کا بھی اضافہ فرمالیجیے:"زَنِیم "یعنی حرام زادہ۔ (68:13)

اگر آپ حدیث پر بھی اِیمان رکھتے ہیں، تو: "اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّات"(لات [دیوی] کا ٹنا [clitoris] جا کے چوس!)۔(بخاری، جلد اول، باب الشروط فی الجہاد)۔

افضل قوم ہونے کا زعم

میرے مسلمان بھائی، بہنیں اور احباب اس بات پر تو متفق ہیں کہ مسلمان ساری دنیا میں زوال کا شکار ہیں لیکن جب اس زوال کے اسباب بیان کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی مسلمان ان وجوہات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور من گھڑت یا بے بنیاد و لا منطق دلائل دینے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں، اور جب منطقی بنیاد پر انکی بات کو رد کر دیا جاتا ہے تو پھر مسلمان طیش میں آ کر اسلام دشمنی، بغض علی، کافر، اسلاموفوبک اور بے انتہا دوسرے القابات سے نوازنے میں ذرا دیر نہیں کرتے۔

اصل میں یہ جو مسلمان ہونے کو افضل و غیر معمولی انسان ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے، یہ وہ غلط سوچ ہے، جو بچپن سے ہی ان کے ذہنوں میں ڈال دی جاتی ہے، یعنی ہر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ وہ باقی کی دنیا میں رہنے والے انسانوں سے افضل ہے اور اس بڑے پن کی بنیاد صرف ایک ہے اور وہ ہے مسلمان ہونا۔

آج کا مسلمان اس کشمکش کا شکار ہے کہ وہ کہیں چاکلیٹ میں سور کی جیلیٹن نہ کھالے، البتہ ہمسائے کا حق، بہنوں بھائیوں اور رشتہ داروں کا حق کھانے میں اسے کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی۔ آج کی مسلمان عورت اس کشمکش کا شکار ہے کہ اس کے ہونٹ رنگنے والی لپ اسٹک میں کہیں سور کی چربی نہ ہو، لیکن وہ انسانوں کے خون سے رنگے ہاتھوں والے بھیڑیوں کو مجاہد کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔

ایک بار میں نے کسی کا آرٹیکل پڑھا تھا، اس میں مصنف نے ایک واقعہ کے حوالے سے اس موضوع کو بہتر طور پر سمجھانے کے لیے مغل اعظم کی تمثیل پیش کی تھی۔ ان کے محلے میں ایک مخبوط الحواس شخص کبھی کبھار دکھائی دیتا تھا، جو خود کو مغل شہنشاہ اکبر سمجھتا تھا۔ شاید فلم مغلِ اعظم دیکھنے کے بعد پاگل ہوا تھا یا پھر اس کی یادداشت میں اس فلم کا تاثر اور اس کے مکالمے ہی محفوظ رہ سکے تھے۔

بہر حال وہ جب بھی محلے میں نمودار ہوتا، بچوں کی ایک پلٹن اس کے پیچھے چل پڑتی۔ کبھی وہ خود کو حالت جنگ میں محسوس کر کے اپنی سپاہ کو مختلف احکامات جاری کرتا رہتا، کبھی اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کی بغاوت پر اس کو لعن طعن کیا

کرتا۔ بچے اسے مغل اعظم کہا کرتے،اسے چھیڑتے اور جب وہ ان کے پیچھے دوڑتا تو اس کو پتھر مارا کرتے۔ وہ اکثر زخمی ہو کر نہیں معلوم کہاں چلا جاتا، اور بہت دنوں تک دکھائی نہیں دیتا۔

کافی عرصے بعد جب اس کا گزر محلے سے ہوتا تو پھر وہی تماشہ دہرایا جاتا۔ ایک روز بچوں کی سنگباری کے جواب میں اس نے جب ان کی طرف پتھر اچھالا تو وہ کچھ زیادہ ہی بھاری بھر کم پتھر تھا، جو ایک کم سِن بچے کے سر میں جالگا، اس کا سر پھٹ گیا اور وہ بیہوش ہو گیا۔

اس حادثے کے بعد اس پاگل کی لوگوں نے پہلے تو اچھی طرح پٹائی کی، پھر اسے پولیس کے حوالے کر دیا.... اپنی پٹائی کے دوران بھی وہ اپنی تیموری شان کے قصے سناتا رہا اور اپنی نامعلوم فوج کو یلغار کا حکم دیتا رہا۔ لوگوں کا چونکہ غصہ اور بھڑاس نکل گئی تو وہ اس کی ان باتوں پر ہنسنے لگے۔ پولیس نے اسے پاگل خانے پہنچوا دیا۔

بالفرض ایسی ہی کسی حرکت کے بعد وہ پاگل قومی تشخص یا ملی عقائد کی عظمت کا اعلان کرنے لگتا یا ان کی عظمت کو لاحق کسی خطرے کا اعلان کر دیتا تو شاید اِنھی بہت سے لوگوں میں سے، جنھوں نے اس کی خوب اچھی طرح مرمت کر ڈالی تھی، اس کے ہمراہ اس کے نعروں کا جوش و خروش اور ایمان کی بھرپور توانائیوں کے ساتھ جواب دیتے اور وہ بچہ جو اس پاگل شخص کے پتھر کی ضرب سے زخمی ہو کر بیہوش ہو گیا تھا، لعین قرار دے دیا جاتا۔ پھر وہ کچھ ہوتا جو شاید آپ اور میرے لیے اب نیا نہیں رہا۔

یہ تو انفرادی معاملہ تھا، اگر کوئی قوم اس طرز کے پاگل پن کا شکار ہو جائے تو پھر اس کا جنون بھی اسی "مغل اعظم" کی مانند ہو جائے گا، جو خود کو مغل شہنشاہ اکبر خیال کرتا تھا اور دوسرے لوگوں کو اپنی رعایا۔ پھر ایسی کسی قوم یا ملت کو عقل و شعور کی راہ کون دکھا سکتا ہے؟

"مغل اعظم" کی طرز کے پاگلوں یا نفسیاتی مریضوں کا علاج یہ ہوتا ہے کہ ایسے تمام حقائق جو ان کی یادداشت سے محو ہو گئے ہیں، ان کو بار بار یاد دلایا جائے۔ ان مریضوں کا شعور حقائق پر توجہ مرکوز نہیں کرتا اور محض اپنی عظمت کا اعلان کرتا رہتا ہے۔ انہیں بتایا جائے کہ تم مغل اعظم نہیں بلکہ ایک عام آدمی ہو۔ دنیا بھر کے لوگ تمہارے حکم کے منتظر نہیں ہیں، نہ ہی انہیں تمہاری ان بے سروپا باتوں میں کوئی دلچسپی ہے۔

یہ عمل ایسے مریضوں کے ساتھ بار بار دہرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس طرز کے نفسیاتی مریضوں کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ مغل اعظم یا اکبر اعظم نہیں۔ انہیں رفتہ رفتہ یاد آنے لگتا ہے کہ وہ محمد مستقیم ہیں یا گلو بھائی یا کچھ

اور۔ طویل اور صبر آزما علاج سے صحت یاب ہونے کے بعد بہت سے مریض اپنے شہر، اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جاتے ہیں اور نارمل زندگی گزارنے لگتے ہیں۔

لیکن اگر کسی قوم کی مجموعی نفسیاتی حالت کچھ اسی طرز کی ہو جائے تو پھر اس کا علاج شاید ناممکن ہو جاتا ہے، یعنی پھر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ قوم یا ملت کے ایسے کسی مرض کی نشاندہی کرتے ہیں اور علاج تجویز کرتے ہیں تو پوری قوم ہی ایسے لوگوں کی دشمن بن کر ان کی جان کے درپے ہو جاتی ہے۔

لامحالہ ایسی قوم کی باگ ڈور بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے جن کی نفسیاتی سطح "مغل اعظم" کی ذہنی سطح سے بھی پست ہوتی ہے۔ وہ انہیں جذباتی نعروں اور جھوٹی شان کے قصوں کے سراب کے پیچھے دوڑاتے رہتے ہیں، جبکہ پوری قوم کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ حقیقی یا مفروضہ دشمن کو ہی اپنی تمام کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور اس کے سوا کوئی بھی معقول بات سننے کو تیار نہیں ہوتے۔

اسلاموفوبیا کا شوشہ

اسلاموفوبیا کی اصطلاح اکثر و بیشتر سننے میں آتی رہتی ہے، جو مسلمانوں کی متعارف کردہ ہے، خاص کر ان کی جو لبرل مسلمان ہیں۔ اس اصطلاح کا مطلب مغربی اقوام کا اسلام سے بے جا اور ہیسٹریا کی حد تک پہنچا ہوا خوف ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام سے خوف کی اصل وجہ یہودی انتہا پسندوں کا مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈا ہے، گویا کہ اسے بھی مسلمان "یہودی سازش" ہی قرار دیتے ہیں جو کہ ان کی عادت بن چکی ہے۔

اس تصور کو رد کرنے کے لیے کہ اسلام دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا مذہب ہے، یہ مسلمان اکثر و بیشتر کسی حد تک امن پسند ممالک کی مثالیں دیتے ہیں جن میں خصوصی طور پر ترکی اور ملائیشیا جیسے سیکولر ممالک شامل ہیں، مگر یہ لوگ جان بوجھ کر طالبان کا ذکر نہیں کرتے جس کی ماضی قریب میں افغانستان پر حکومت تھی اور جس نے افغانی قوم کے ساتھ کتوں سے بھی بدتر سلوک کیا۔

اس کے علاوہ یہ دھوکے باز طالبان جیسی دیگر حکومتوں کا ذکر بھی گول کر جاتے ہیں، جو اگرچہ اسلامی شریعت کے اطلاق میں طالبان جیسا کمال نہیں رکھتے، کیونکہ طالبان کا اسلام از حد صاف ستھرا اور خالص اسلام ہے، تاہم یہ بھی کم نہیں جیسے سعودی عرب، سوڈان اور صومال کی اسلامی عدالتیں۔ سعودی عرب کی ہی اگر مثال لی جائے، جہاں آج بھی خواتین کو کار چلانے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ مغربی دنیا میں وہ خلائی جہاز بغیر کسی پرابلم کے چلاتی ہیں۔

در حقیقت اسلاموفوبیا کی اصطلاح بذات خود ایک اسلامی پروپگنڈا ہے، نہ کہ کوئی یہودی سازش؛ جیسا کہ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ اصل میں ترقی یافتہ ممالک میں اسلامی خطرے کے خلاف شعور کی بیداری ہے۔

گیارہ ستمبر سے قبل مغرب اسلام کو دیگر توحیدی مذاہب کی طرح کا کوئی مذہب سمجھتا تھا۔ بعض لوگ اسے تشدد پسند عیسائیت سے مشابہ کوئی چیز سمجھتے تھے، جبکہ کچھ حلقے مسلمانوں کو امن پسند بت پرست سمجھتے تھے، تاہم زیادہ تر اقوام کو اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اور نہ ہی وہ اسے کوئی اہمیت دیتے تھے۔ ہر کوئی اپنی روزمرہ کی زندگی میں مصروف تھا۔ مغرب پوری طرح غفلت میں تھا۔ برطانیہ نے تو انسانیت، جمہوری اقدار اور شخصی آزادی کی بنیاد پر کئی دہشت گردوں کو پناہ تک دے رکھی تھی جیسے ابی حمزۃ المصری اور سعودیہ کا مشہور تکفیری شیخ سعد الفقیہ، جسے سعودی عرب کا حالیہ تکفیری قاتلانہ نظام پسند نہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اسلامی قاتلانہ شریعت پر اس سے بھی زیادہ مضبوطی سے عمل کیا جائے۔

گیارہ ستمبر کے بعد مشرق و مغرب دونوں کو شدید دھچکا لگا۔ وہ ہزاروں بے گناہوں کی لاشوں پر خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ اوپر سے طرہ یہ کہ اس دہشت گردی پر مسلمانوں نے جشن منائے، سڑکوں پر نکل کر رقص کیے اور مٹھائیاں تقسیم کیں۔

اس طرح اسلام کے ساتھ مغرب کے تعلق نے ایک نیا موڑ لیا اور لوگوں نے دھڑا دھڑ قرآن خرید کر اس خطرناک مذہب کی تعلیمات جاننے کی کوشش کی۔ دوسری طرف میڈیا نے اسلام پر رپورٹیں تیار کرنا شروع کیں تاکہ اس مذہب کی تعلیمات کی بابت لوگوں میں شعور بیدار کیا جاسکے؛ جس میں گردن کاٹنا، ہاتھ کاٹنا، کوڑے مارنا، عورتوں پر تشدد کرنا اور دیگر بربریت پر مشتمل تعلیمات شامل تھیں۔

پیغمبر اسلام کے کارٹونوں پر اسلامی دنیا کے شدید ردِ عمل نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس طرح مغرب کو اس شیطانی مذہب کی سنگینی اور اس سے درپیش خطرات کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ جس وقت مغرب کو یہ احساس ہوا کہ آزادی، مساوات اور لبرلزم پر مبنی ان کی اقدار کو اسلامی اژدہا سے شدید خطرات کا سامنا تھا، وہیں اسلام کا دفاع کرنے والوں کو بھی اپنی بقا خطرے میں نظر آنے لگی، کیونکہ شہتوت کا وہ آخری پتہ جس نے ان کی شرمگاہ کو ڈھانپ رکھا تھا، کھسک چکا تھا جس پر وہ مغرب کو اسلام سے بے جا خوف پر ملامت کرنے لگے۔

شاید اگلے سو سال تک انسانیت کو درپیش خطرات میں سے اسلام سرفہرست رہے گا، کیونکہ زیادہ تر مسلمان تعلیمی اور شعوری لحاظ سے جاہل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر اسلامی ممالک میں نظام تعلیم اسلامی شدت پسندوں کے ہاتھ ہے، جسے وہ بچوں کی برین واشنگ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ زہر نئی نسل کو منتقل کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں بقول ان کے، مغرب حائل ہے لیکن ذرا سوچیے کہ سعودی عرب اور دوسرے خلیجی ممالک میں تیل نکالنے اور صاف کرنے کی ریفائنریاں کس کی ایجاد ہیں؟ مغرب کا عالمی سیاست میں بھیانک کردار اپنی جگہ قابل مذمت ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مغرب سے ناراضگی کا ڈھول پیٹنے والے مسلمانوں کو مغربی ممالک میں ہی وہ آزادی میسر ہے، جس کا یہ اپنے وطن میں گماں تک نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ اپنے زوال کا سبب خود ہیں۔ واقعہ کربلا میں کیا یہودی اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی؟ عباسی خلفا کے مابین جنگیں دو مسلمان گروہوں کے درمیان ہی تھیں، یہی مسلمان تخت و تاراج کی خاطر اپنے باپ اور بھائیوں تک کو قتل کرنے سے نہیں کتراتے۔ فارس و عرب کی نفرتیں کس کے خلاف ہیں؟ پاکستانی مسلمانوں کو ہی لے لیجیے، پاکستان میں کون سے یہودی ہیں جو ان کو آپس میں پنجہ آزمائی اور قتل و غارت پر مجبور کر رہے ہیں؟

یہ یہودی سازش والی گردان اپنی کج فہمی اور غلطیوں سے فرار کا راستہ ہے، جو ہمارے ذہنوں میں پانچ سال سے بھی کم عمر میں ایسے فٹ کر دیا جاتا ہے جیسے مچھر مار اسپرے، یعنی جہاں اپنی غلطیوں کی بدبو آنے لگے، فوری یہودی سازش کا لیبل داغ دیا جائے۔

ہیروشیما کا واقعہ، یورپ اور اسلامی دہشت گردی کی جواز جوئی

اسلامی دہشت گردی پر جب بھی بات ہوتی ہے، مسلمان فوراً ہٹلر اور بطور خاص ہیروشیما کی تباہی کا پردہ اس پر ڈال دیتا ہے۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کے پاپ گنوانے سے اس کے گناہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

جرمن اور جاپانیوں کا وہم تھا کہ وہ ناقابل شکست ہیں۔ پوری دنیا جنگ کے نتائج سے آگاہ تھی اور جانتی تھی کہ نازی ہار رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ حملوں سے باز نہیں آ رہے تھے۔ مسلمانوں کی طرح ان کو بھی وہم تھا کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں۔ ان کو اس احمقانہ خواب سے بیدار کرنے اور اس نہ رکنے والی جنگ کا خاتمہ ضروری تھا۔ چنانچہ ایٹم بم استعمال کیا گیا۔ درست ہے کہ ہزاروں بے گناہ لوگ مرے لیکن جنگ تو اختتام پذیر ہوئی، لاکھوں لوگوں کی جانیں بچ

گئیں اور آج جاپانی خود بھی اس واقعے کو بھیانک خواب سمجھ کر بھول گئے ہیں اور امریکہ سے ان کے بہت اچھے مراسم ہیں۔

کچھ لوگ نائن الیون کا موازنہ ہیروشیما اور ناگاساکی سے کرتے ہیں مگر ایسا کرنا غلط ہے۔ ایٹم بم کا استعمال ایک طویل، تکلیف دہ اور لایعنی جنگ کا خاتمہ تھا، جبکہ دوسری طرف نائن الیون تو ایک شیطانی جنگ کا آغاز تھا، جو مسلمانوں نے ڈیڑھ ہزار سال پرانے بدوُوانہ معاشرے کو دنیا پر مسلط کرنے کے لیے شروع کی تھی۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ اچھا ہوا، کم از کم دنیا کی آنکھیں تو کھلیں، ان کو احساس تو ہوا کہ اسلامی عفریت جاگ رہا ہے اور انھیں نگلنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ جاپان پر اتحادیوں کے فیصلہ کن حملے نے چند ہزار کے عوض لاکھوں جانوں کو تو بچا لیا۔ نائن الیون نے کیا کیا؟ پوری دنیا میں دہشت گردی اور بدامنی کی لہر دوڑا دی۔ نائن الیون سے پہلے کے حالات یاد کریں اور آج کے حالات دیکھیں۔ کیا کسی طور نائن الیون کے نتائج کا موازنہ ہیروشیما اور ناگاساکی سے کیا بھی جا سکتا ہے؟ کیا ہماری عقل کی آنکھوں میں اس قدر موتیا اتر آیا ہے؟

جہالت کی بوری، سچ کہا کسی نے کہ من چورتے بہانے ہزار۔ جب کسی نے نہ سدھرنے کی قسم کھا رکھی ہو تو وہ اپنے گریبان میں جھانکنے کی بجائے دوسروں کی غلطیوں کو جواز بنا بنا کر اپنی معصومیت کا ڈھول پیٹتا رہتا ہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں مسلمان ایک شکست خوردہ قوم تھے، جن کی گذشتہ کئی صدیوں کی ہڈ حرامی اور نالائقیوں کی وجہ سے پوری دنیا کے مسلمان ذلیل وخوار تھے۔ خلافت بھیک مانگتی پھرتی تھی، مغل سلطنت بھی صدیوں کی تن آسانی اور عیاشیوں کے باعث انگریزوں کی غلام بن چکی تھی، عرب ابھی تک تیل کے ڈالروں سے ناآشنا بدوؤں کی زندگی گزار رہے تھے اور ایران کو سیاسی مسائل میں الجھا رکھا تھا۔ انڈونیشیا وغیرہ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اپنی کم مائیگی کے باعث مسلمان کسی قابل یا کسی زار وقطار میں ہی نہ تھے، چہ جائیکہ وہ جنگ عظیم لڑتے۔ اگر وہ اس قابل ہوتے تو ضرور اس میں حصہ لیتے۔ بھکاری بادشاہوں کی لڑائیوں میں سپاہیوں کے طور پر لڑ سکتے ہیں، سپہ سالار کے طور پر نہیں۔ کیا ایٹم بم غسل خانوں میں چلانا تھا انہوں نے؟ ایٹم بم بنانے کے لیے سائنس پڑھنی پڑتی ہے، جو کئی سو سال پہلے ہی پڑھنا ترک کر رکھی تھی۔ امریکی ہجرت کے دوران افریقیوں کو یورپینز نے قتل کیا، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن کیا عرب مسلمان ان کو اپنا بھائی سمجھتے رہے ہیں؟ تاریخ گواہ ہے کہ حبشی اور افریقی ہمیشہ عرب، وسطی ایشیا اور ترک سلطنتوں میں غلاموں کے طور پر ہی بکتے اور خریدے جاتے رہے ہیں۔

آسٹریلیا جانے کے لیے یہ شلواروں میں ہوا بھر کر نہیں جایا جاتا، مسلمان اگر وہاں جانے کے قابل ہوتے تو ضرور جاتے اور شائد وہی کچھ کرتے جو یورپینز نے کیا، کیوں کہ کالوں کو غلام بنانا تو اسلامی شعائر کا حصہ ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی، جہاں جہاں ان کا بس چلا خون کی وہ ہولی کھیلی کہ آسمان لرز گیا۔ یہ جو آپ اسلامیات کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ "خلافت راشدہ میں اسلام اتنے ہزار کلومیٹر تک پھیل گیا، تو وہ کیا آئس کریمیں کھلا کھلا کر سلطنتیں فتح کر رہے تھے، ظاہر ہے لاکھوں کا خون بہا ہو گا۔

اگر اب بھی مسلمانوں کی شرافت کا بھوت ذہن سے نہیں نکلا تو رومانیہ کا ہالوکاسٹ پڑھ لیں، جس میں عثمانیہ خلافت نے آرمینیا کے کم و بیش ڈیڑھ میلین لوگوں کو نسلی بنیادوں پر قتل کیا۔ اس کے علاوہ بھی جہاں جہاں موقع ملا، مسلمان غارت گروں نے یہی خونریزی کی۔

تیمور لنگ کا نام نہیں سنا، جس نے ایک دن میں تین تین لاکھ لوگوں کو قتل کر کے کھوپڑیوں کے مینار بنا ڈالے تھے؟

نادر شاہ نے اپنے ہی ہم مذہب کو ہندوستان میں آکر قتل کیا اور لاکھوں لوگوں کے خون سے دلی کی گلیاں لال کر دیں۔ آج جو سکول میں بچوں کو مارنے، عام جگہوں پر مسلمانوں کو مارنے سے نہیں چوکتے، آپ کا کیا خیال ہے اگر ان کے ہاتھ ایٹم بم آچکا ہوتا تو یہ اب تک کہیں مار نہ چکے ہوتے؟

ہندوستان میں گاؤکشی پر مسلمانوں کا استحصال

کیا مسلمانوں کو اس سے کوئی سروکار ہونا چاہیے کہ نریندر مودی ایک انتہا پسند ہندو ہیں اور وہ انڈیا کو ایک ہندو ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟ پاکستان بھی ایک انتہا پسند مسلم ریاست ہیں۔ آپ ذرا لفظ "سیکولر" منہ سے نکال کر دیکھیں، یا یہ کہیں کہ مذہب اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں تو اکثریا تو خائف ہو جائیں گے، یا ان کا ہاتھ قریب پڑے کسی ڈنڈے کی طرف بڑھ جائے گا۔ چنانچہ اگر موجودہ حکمران انڈیا کو سیکولرازم کے راستے سے دور لے جاتے ہوئے ایک ایسی ریاست بنانے جا رہے ہیں، جہاں مذہب اور ہندو بالادستی کا بیانیہ غالب ہو گا تو پریشان ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے، کیونکہ انڈیا نے بھی اسی راہ پر قدم بڑھانا شروع کر دیے ہیں جس پر پاکستان بہت تندہی سے ایک طویل عرصے سے گامزن ہے۔

یہ عوامل جو ہندوستان میں آج نظر آرہے ہیں، مسلمانوں کو اس پر حیران نہیں ہونا چاہیے اور بطور خاص پاکستانی مسلمانوں کو تو بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ آپ تو اس راہ پر پہلے ہی گامزن تھے، جس پر آج ہندوستان چل رہا ہے۔ ایک اہم فرق البتہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔نائن الیون کے بعد مذہبی انتہا پسندی نے ایک خاص روپ دھار لیا، کیونکہ اس سے وابستہ ایسی چیزیں تھیں جیسا کہ تشدد، بم دھماکے اور جہاد۔ دوسری طرف ہمارے لیے تو ہندو انتہا پسندی ایک باعث تشویش عمل ہو سکتا ہے، لیکن باقی دنیا اسے دلچسپ اور انوکھی رسومات کا مرقع سمجھتی ہے۔

القاعدہ نے "جہاد" کو ایک عالمی جہت عطا کر دی تو داعش نے اس میں مزید سفاکیت بھر دی۔ دوسری طرف ہندو انتہا پسندی کا نشانہ نہ تو مغربی دنیا ہے اور نہ ہی مسیحیت، بلکہ اس کی نفرت کا ہدف عمومی طور پر دنیا کے مسلمان بھی نہیں۔ اس کا ہدف صرف اور صرف انڈین یا پاکستانی مسلمان ہیں۔ چنانچہ اگر ہندو انتہا پسند دعویٰ کریں کہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کرنا ضروری ہے تو باقی دنیا کو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

اتر پردیش کے مسلمان تاریخ کے ستم زدہ ہیں۔ یہ خطہ بھارتی مسلمانوں کی تہذیب کا مرکز تھا۔ اس کے ساتھ وابستہ کلچر کی ہر چیز، جیسا کہ شاعری، رقص، گفتگو اور شاندار رہن سہن کا نقطہ عروج دہلی اور لکھنو میں دیکھنے میں آیا۔ مسلمان اشرافیہ اس تہذیب کی مشعل بردار تھی، اور اسی نے سب سے پہلے پاکستان کے نعرے کو اپنایا اور تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بنی۔ تقسیم کے بعد وہ، یا ان میں سے کچھ، پاکستان ہجرت کر کے آگئے، لیکن جن کے پاس مالی وسائل زیادہ نہ تھے، وہ وہیں رہ گئے۔ یوپی کے موجودہ مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر انھی کم خوشحال مسلمانوں کی اولاد ہے اور درست قیادت سے محروم۔ آج انہیں بڑھتی ہوئی ہندو قوم پرستی کی عصبیت کا سامنا ہے اور ہندو قوم پرستوں کی نفرت کا نشانہ مسلمان بنتے ہیں۔

بی جے پی کے اعتماد، یا رعونت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اس نے کسی ایک نشست پر بھی کوئی مسلمان امیدوار کھڑا نہیں کیا، حالانکہ مسلمان اس ریاست کی آبادی کا بیس فیصد حصہ ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے بی جے پی نے اس بات کو یقینی بنالیا کہ ہندو ووٹ اسے ہی ملے، بالکل جس طرح ٹرمپ نے خود کو سفید فام محنت کش، مزدور پیشہ طبقے کے ووٹ کا حق دار بنالیا تھا۔ اُدھر ٹرمپ کے لیے "لبرل" تصورات بے کار تھے، اِدھر مودی کو مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تاریخ کا دھارا انہی خطوط پر بہتا ہے، اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ تو ہو گئی ایک بات لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اس خطرے سے دوچار نہیں ہیں، جیسا کہ پاکستانی مسلمان سمجھتے ہیں۔ اگر ایک طرف ہندو فرقہ پرست طاقتیں ہیں تو دوسری طرف وہ بڑا ہندو لبرل طبقہ ہے جو

مسلمانوں کے حق کی لڑائی لڑتا ہے۔ گجرات کا واقعہ ہو یا گاؤ کشی کا معاملہ، ہندوؤں نے ہی مسلمانوں کے حق میں اور انتہا پسندوں کے خلاف مورچہ کھولا، پارلیامنٹ میں مسلمانوں کے نمائندے بھی ہندو ہی ہیں اور عدالتی لڑائیاں بھی ہندو ہی لڑ رہے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ گاؤ کشی کے الزام میں جب کچھ مسلمانوں کو قتل کیا گیا تو پورے ملک میں ہندوؤں نے "Not In My Name" کے بینر کے نیچے، بطور خاص دہلی کے جنتر منتر میں ایسا احتجاج کیا کہ وزیر اعظم نریندر مودی تک کو ان حادثوں کی مذمت کرنی پڑی، بقول ان کے "رات کو اسمگلنگ اور چوری چکاری کرنے والے دن میں 'گاؤ رکھشک' کا چولا پہن لیتے ہیں۔" ذرا تصور کر کے تو دیکھیے کہ پاکستان کا کوئی وزیر اعظم کیا انتہا پسند مولویوں کے خلاف ایسے سخت الفاظ ادا کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟

اسلام پھیل رہا ہے؟

کون سا اسلام پھیل رہا ہے؟ جب کہ ہر مسلک دوسرے مسلک کے پیروکار کے نزدیک کافر ہے۔ اسلام مسلکی اختلافات کی روایات کافی پرانی ہے۔ عدم برداشت کا رویہ آج کا نہیں بلکہ ہمارے آباواجداد کی دین ہے۔ کچھ مثالیں:

1۔ حضرت جنید بغدادی پر کفر کا فتویٰ لگا۔

2۔ امام ابو حنیفہ کو جاہل، بدعتی، منافق اور کافر قرار دیا گیا، قید کیا گیا۔

3۔ امام شافعی پر کفر کا فتویٰ لگا اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

4۔ امام احمد بن حنبل کو کافر قرار دے کر جیل میں ڈالا گیا۔

5۔ امام مالک پر کفر کا فتویٰ لگا۔

6۔ امام بخاری پر کفر کا فتوی لگا۔

7۔ نسائی پر کفر کا فتویٰ لگا۔

8۔ عبد القادری جیلانی پر کفر کا فتویٰ عائد ہوا۔

9۔ ابن اعرابی پر کفر کا فتویٰ لگا۔

10۔ جلال الدین رومی کو کافر کہا گیا۔

11۔ جامی کو کافر کہا گیا۔

12۔ عطار کو کافر قرار دیا گیا۔

13۔ منصور حلاج کو کافر قرار دے کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔

14۔ امام غزالی پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی کتابیں جلا ڈالی گئیں۔

15۔ امام ابن تیمیہ پر مصر کے دو مفتیوں نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

16۔ شیخ احمد سرہندی پر کفر کا فتویٰ عائد ہوا۔

17۔ ولی اللہ محدث دہلوی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

18۔ سید احمد بریلوی پر کفر کا فتویٰ لگا۔

19۔ سر سید احمد خاں پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

20۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

21۔ علامہ اقبال پر لاہور کے بریلوی عالم نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

22۔ مولانا ابو الکلام آزاد پر ان کی تفسیر القرآن پر مولانا انور کشمیری نے کفر کا فتویٰ لگایا۔

23۔ محمد علی جناح کو کافر اعظم کہا گیا، حتیٰ کہ مولانا مودودی نے جنازے میں شرکت سے انکار کیا۔

24۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کو کافر، زندیق، گستاخ صحابہ کہا گیا اور جماعت اسلامی کو خارج از اسلام قرار دیا۔

25۔ علامہ طاہر القادری پر کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا۔

26۔ حافظ قیم پر کفر کا فتویٰ لگا۔

یہ فہرست کافی طویل ہے، اور اس کی طوالت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ اب تو فیس بکی مفتیوں نے بھی فتوے صادر کرنے شروع کر دیے ہیں۔ درج بالا فہرست پر ایک نظر ڈالتے ہی کوئی بھی شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ جب آئمہ کرام، مجتہدین اور علمائے دین کو لوگوں نے نہیں بخشا تو ہماری اور آپ کی کیا اوقات ہے۔ بلا شبہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔

دو احمقانہ دلائل

(1) اسلام کی عمر 1400 سے زیادہ ہے، اس لیے اتنی طویل مدت تک زندہ رہنے والا مذہب جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

جواب: انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں سال تک کسی ایک نظریے کو تسلیم کرنے کے بعد بالآخر اسے رد کر دیا گیا، مثلاً "ارض مرکزی" (Geocentricity) کا تصور ہی لے لیں۔ گیلیلیو تک اکثریت کا عقیدہ تھا کہ زمین، برہمانڈ

(کائنات) کی مرکز ہے۔ یہ عقیدہ اتنا ہی پرانا تھا جتنا بنی نوع انسان۔ یہ عام عقیدہ تھا کہ سورج، چاند اور تمام اجرام فلکی زمین کے گرد گردش کرتے ہیں۔ صرف کچھ لوگوں نے اس نظریے سے اختلاف کیا۔ نتیجتاً مختلف ادوار کے گذرنے کے بعد اس نظریہ کو پوری طرح غلط ثابت کر دیا گیا اور اب شاید ہی کوئی ان پرانے عقائد پر یقین کرتا ہو، جس کے ماننے والے کبھی اربوں کی تعداد میں ہوا کرتے تھے۔

(2) عددی اعتبار سے اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے، چنانچہ اتنے لوگ جھوٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟

کسی چیز کے "سچ" یا "جھوٹ" ہونے کا یہ ثبوت نہیں کہ اس کے ماننے والے کتنی تعداد میں ہیں۔ اگر سچ اکیلا کھڑا ہے، تب بھی وہ سچ ہی کہلائے گا، اس کے برخلاف اگر جھوٹ ایک جم غفیر کے ساتھ موجود ہے، تب بھی اسے جھوٹ ہی کہا جائے گا۔ سچ کے لیے مردم شماری کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے دم پر جھوٹ کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ ہم الیکشن کرا کے جھوٹ اور سچ کا فیصلہ نہیں کر سکتے، مثلاً کل تک زمین چپٹی تھی اور اس پر اکثریت کا عقیدہ تھا لیکن تب بھی زمین گول ہی تھی۔

چنانچہ یہ دعویٰ منطقی اعتبار سے سرے سے ہی غلط ہے کہ جس عقیدے کو ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہو گی، وہ عقیدہ کھرا اور سچا ہو گا۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہونا فطری ہے کہ اسلام کی "کامیابی" کا راز کیا ہے؟ اس کا سادہ سا جواب ہے کہ چونکہ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس لیے کامیاب ہے۔ ایڈولف ہٹلر نے اپنے "Mein Kampf" (1925) میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "کسی قوم کو وسیع پیمانے پر کسی چھوٹے جھوٹ کے مقابلے میں بڑے جھوٹ کے ذریعہ آسانی سے شکار کیا جا سکتا ہے۔" کیوں کہ چھوٹے جھوٹ کے مقابلے میں بڑا جھوٹ زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے اس قول کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے، جس کے شکار دنیا کے ڈیڑھ ارب لوگ ہیں۔

اچھا مسلمان کیا ہوتا ہے؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ مسلمان کیوں ہیں؟ کیونکہ اتفاق سے آپ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہو گئے کیونکہ آپ کے پاس اپنی پسند کی جگہ پر پیدا ہونے کا کوئی اختیار نہیں تھا، اسی لیے آپ مسلمان ہو گئے کیونکہ آپ کو بچپن سے ہی یہی "سکھایا پڑھایا" گیا تھا کہ یہی حق ہے اور بس۔ جس اتفاق سے آپ ایک مسلمان گھر میں پیدا ہوئے، اسی اتفاق سے اگر آپ کسی ہندو کے گھر پیدا ہوئے ہوتے تو آج آپ ہندو مت کو حق مان رہے ہوتے اور اسلام کے مقابلے میں ہندو

مت کا دفاع کر رہے ہوتے اور بالکل اسی طرح ہندو مت کے خول میں بند ہوتے جس طرح آپ آج مسلمانیت کے خول میں بند ہیں اور آپ کو اس کے باہر کی دنیا دیکھنے کی نہ تو فرصت ہے اور نہ ہی ضرورت، کیونکہ حق سونے کی طشتری پر سجا ہوا آپ کو "اتفاق" سے پڑا ہوا مل گیا۔ بہر حال، ایک اچھا مسلمان وہ ہوتا ہے:

- جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہو۔
- جس کا نام عربی یا فارسی الفاظ پر مشتمل ہو۔
- جو انگریزی اسکول میں پڑھا ہو لیکن مدرسے کی وکالت کرتا ہو۔
- جو اکیسویں صدی میں جیتا ہو لیکن 1400 سو سال پیچھے دیکھتا ہو۔
- جو بات بات میں عقل کی دہائی دیتا ہو لیکن خود استعمال نہ کرتا ہو۔
- جو دوسروں کو اسلام پڑھنے کی بار بار تاکید کرتا ہو لیکن خود نہ پڑھا ہو۔
- جو جمعہ کا خطبہ سن کر عالموں سے مناظرہ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔
- جو اسلام کی تمام غلاظت کو مولویوں کے سر تھوپ کر اسلام بچا لینے کا جذبہ رکھتا ہو۔
- جو ملحدوں کو اخلاقیات کی تعلیم دیتا ہو لیکن اپنی ہر گفتگو کا اختتام "تیری ماں تیری بہن" پر کرتا ہو۔
- جو دنیا میں امن کا طالب ہو لیکن ملحدوں کو قتل کرنے کے لیے ان کا پتہ ڈھونڈتا رہتا ہو۔
- جو فیس بک پر اپنا علم شیئر کرنے کی بجائے ملحدین کی فیک آئی ڈی پر زیادہ تبصرہ کرتا ہو۔
- جس کا پسندیدہ موضوع "ماں بہن کے ساتھ سیکس" ہوتا ہو۔
- جو "کوڑا پھینکنے والی بڑھیا" اور چین جانے والی جیسی ضعیف روایات کو سبحان اللہ کہہ کر شیئر کرتا ہو، لیکن صحیح احادیث پر اپنے ناک بھوؤں سکوڑ لیتا ہو۔
- جو آرم اسٹرانگ، لارا بش وغیرہ جیسے کافروں کے مسلمان ہونے کی جھوٹی خبریں پر خوشی سے اچھلنا شروع کر دیتا ہو، لیکن کسی مسلمان کے کافر ہونے پر اسے جھوٹی خبر سے تعبیر کرتا ہو۔
- جو یہودیوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور بطور خاص قادیانیوں کا سخت دشمن ہو۔
- جو مغربی ممالک کی روٹی توڑتا ہو، اور اسی تھالی کو چھید کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہو۔
- جو امریکہ اور برطانیہ کی خیرات وصولنے کے بعد انھیں گالیاں دینے میں تاخیر نہ کرتا ہو۔

- جو غیر مسلموں کی زبان سے اسلام کی تعریف سن کر پھولا نہ سماتا ہو اور بار بار اس کا تذکرہ کرتا ہو لیکن جو غیر مسلم اسلام پر تنقید کرتے ہوں، انھیں اسلام دشمن سمجھتا ہو۔
- جو راتوں کو جاگ جاگ کر انٹرنیٹ پر پورن دیکھتا ہو اور فیس بک پر حجاب کی زور شور سے تائید کرتا ہو۔
- جو فیس بک پر خود تو رومن میں لکھتا ہو لیکن قرآن کے اردو ترجمے پر شک کا اظہار کرتا ہو۔
- جو قرآن کو پوری دنیا کے لیے مشعل ہدایت سمجھتا ہو لیکن اسے سمجھنے کے لیے عربی کی تعلیم کو مشروط کرتا ہو۔
- جو اپنی بدتمیزیوں، کٹ حجتیوں اور ٹرولنگ کو دلیل و حوالہ سمجھتا ہو۔
- جو دلائل ختم ہونے پر "ہاہاہاہاہا" سے کام چلا لیتا ہو۔

آٹھواں عجوبہ

دنیا کے سات عجوبوں کے بارے میں تو یقیناً سبھی نے سنا ہو گا تاہم ایک عجوبہ ایسا بھی ہے جسے دنیا کے ان سات عجوبوں میں شمار نہیں کیا جاتا، اس عجوبے کا نام "مسلمان قوم" ہے...اس قوم میں وہ عجائبات اور کرشمے ہیں جو دنیا کی کسی بھی دوسری قوم میں نہیں، ذیل میں اس قوم کے کچھ عجائبات کا ذکر خیر ہے:

- وہ واحد قوم ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ تمام اقوام عالم باطل پر ہیں اور وہ حق پر ہیں وہ بھی ہر چیز میں۔
- دنیا کی وہ واحد قوم ہے جو قرآن حفظ کرنے پر مجرم کی سزا میں کمی کر دیتی ہے۔
- دنیا کی واحد قوم ہے جو مقتول کے مرتد ثابت ہونے پر قاتل کو معاف کر دیتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو غیرت کے نام پر اپنی ماں بہن یا بیوی کو قتل کرنے والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جس کی مقدس کتاب میں لفظ "اقرا" آیا ہے اس کے باوجود کرہ ارض کی تمام اقوام سے سب سے کم پڑھتی ہے، یا سرے سے پڑھتی ہی نہیں۔
- وہ واحد قوم ہے جو مخالفین پر کفر کے فتوے لگا کر ان کا خون بہانا جائز سمجھتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو فتوے کو قانون سے بالاتر سمجھتی ہے اور بڑی بے شرمی سے قانون کے احترام کا دعویٰ کرتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو مغرب کو گالیاں دیتی ہے، اس کے باوجود ہر چیز میں ان پر انحصار کرتی ہے۔

- وہ واحد قوم ہے، جو آزادی اظہار رائے پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے مگر ایسا کرنے والوں کو جیلوں میں ڈال دیتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو اپنے طالب علموں کو مذہب پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری دیتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو ابھی تک ہزار سال پرانی مُردوں کی کتابوں کی غلام ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جس کے مذہبی ٹھیکیدار حکمرانوں کی سیاہ کرتوتوں پر خاموشی اختیار کیے رہتے ہیں، چاہے یہ کرتوتیں مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔
- وہ واحد قوم ہے جو انسانی حقوق کے آفاقی منشور کو تسلیم نہیں کرتی۔
- وہ واحد قوم ہے جو فنِ خط کے سوا تمام انسانی فنون کو حرام سمجھتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جس کا ایک مشترک مذہب ہے، اس کے باوجود مذہبی جماعتیں عقیدے اور احکام دین کے ایک منشور پر اتفاق نہیں کر سکتیں۔
- وہ واحد قوم ہے جس میں مولوی اپنی بات "واللہ اعلم" پر ختم کرتے ہیں جیسے لوگوں کو یہ پتہ نہ ہو۔
- وہ واحد قوم ہے جو ابھی تک جن نکالنے پر یقین رکھتی ہے چاہے قتل کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔
- وہ واحد قوم ہے جس کے پاس فوجیں ہونے کے باوجود اس کی زمینیں مقبوضہ ہیں اور لڑائی سے ڈرتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جس پر خالق کا یہ قول صادق آتا ہے "تحسبہم جمیعاً وقلوبہم شتی"۔
- وہ واحد قوم ہے جو ایک ہزار سال سے دینی مسائل پر سوالات کیے جارہی ہے مگر ابھی تک اسے تسلی نہیں ہوئی۔
- وہ واحد قوم ہے جس کے پاس روزوں کا ایک مہینہ ہے، جس میں ہر سال عبادت سے متعلق سوالات سے زیادہ جنس سے متعلق سوالات کی گردان ہوتی ہے۔
- وہ واحد قوم ہے جو مولوی کی ہر بات پر بغیر تحقیق کیے یقین کرلیتی ہے۔

جس قوم میں اتنی انوکھی خوبیاں ہوں، کیا اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار نہیں دیا جانا چاہیے؟

تاریخ کا خوف

آج دنیا کے ترقی یافتہ، باشعور اور ہوش مند معاشروں میں تاریخ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ کی عوام میں مقبولیت ہی نے پیرس کو آرٹ گیلریوں کا شہر بنادیا۔ جرمنی، ہالینڈ، روس، اسپین، یونان، غرض مغربی دنیا کا کون

سا ملک ہے جہاں کی ثقافتی زندگی وہاں کی تاریخ کی جھلکیوں سے معمور نظر نہ آتی ہو۔ ماضی سے رشتہ جوڑنا نہ تو تضیع اوقات ہے اور نہ ہی ماضی کو دہرانے کی خواہش کے مترادف ہے۔ اگر اس رشتے کا مطلب ماضی کو دہرانا ہوتا تو مغربی معاشرے آج اپنے ماضی ہی میں رہ رہے ہوتے اور انھوں نے وہ ترقی کی منزلیں طے نہ کی ہوتیں جن کی چکا چوند نے آج ایک دنیا کی آنکھیں خیرہ کر رکھی ہیں۔ تاریخ کو اس اعتبار سے بھی اختصاص حاصل ہے کہ اب مغربی یونیورسٹیوں میں محسوس کیا جارہا ہے کہ میڈیسن، انجینئرنگ اور بزنس ایڈمنسٹریشن جیسے تکنیکی شعبوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو تاریخ یا کسی اور سماجی علم کا ایک لازمی مضمون کے طور پر انتخاب کرنا چاہیے تاکہ ان کا ذہن افق زیادہ وسیع ہو سکے۔ تاریخ ہم کو انسان کی فطرت اور اس کی افتاد طبع کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ موجود سماجی و اقتصادی دروبست پر روشنی ڈالتی رہی ہے، اسباب اور نتائج اور علت و معلوم کے رشتے کو واضح کرتی ہے اور مختلف معاشروں کے درمیان مکالمے کا وسیلہ بنتی ہے۔ تاریخ ماضی کے تقدس مآب تعصبات کے سحر کو توڑنے میں بھی بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن تاریخ کی کتاب کوئی طب کی کتاب نہیں ہوتی جس میں سب بیماریوں کا علاج تجویز کر دیا گیا ہو۔ بلاشبہ تاریخ نویسوں سے غلطیاں بھی سرزد ہو سکتی ہیں، ان سے بھول چوک بھی ہو سکتی ہے، وہ غلط نتائج بھی اخذ کر سکتے ہیں، ان کی تاریخ نویسی پر موضوعیت کی چھاپ بھی ہو سکتی ہے لیکن ان سب کے باوجود جو چیز تاریخ کو اہم بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ مختلف مورخوں کے ماضی کے تجزیوں کو اگر مربوط کر کے دیکھا جائے اور ان میں موجود مشترک خیالات اور ان کے اختلافات کے زاویوں کا جائزہ لیا جائے تو ماضی کی ایک مجموعی تصویر اپنے روشن خد و خال کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اس طرح ماضی کے ایک بہتر فہم کی روشنی میں ہم اپنے دور کے درپیش مسائل کے حل کے راستے تلاش کر سکتے ہیں۔

مسلم معاشروں میں تاریخ نویسی کی ایک پختہ روایت کم از کم چودھویں صدی کے آخر تک ایک تسلسل کے ساتھ جاری رہی۔ اس عرصے میں مختلف مورخ پیدا ہوئے، جنھوں نے سرزمین عرب اور ایران میں تاریخ نویسی کے مختلف تجربات کیے۔ ان میں بہت سی تاریخیں آج بھی مستند تصور کی جاتی ہیں اور ان کا معیار تحقیق آج بھی جب کہ تحقیق کے وسائل اور ذرائع کافی آگے جا چکے ہیں، لائق تحسین نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک حلقہ کچھ دنوں پہلے تک یہ دعویٰ کرتا رہا ہے کہ تاریخ کو باقاعدہ ایک فن کی شکل میں مسلمانوں نے آکر رائج کیا۔ احادیث نبوی کی حفاظت و روایت میں جس احتیاط سے کام لیا گیا، اس کی نظیر انسانی تاریخ ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتی، اصول حدیث و اسماالرجال وغیرہ جیسے مستقل علوم محض حدیث نبوی کی خدمت و حفاظت کے لیے مسلمانوں نے ایجاد کیے۔ روایات کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے لیے جو محکم اصول مسلمان نے ایجاد کیے، وہ آج بھی اہل علم کی نظروں میں لائق تحسین ہیں۔ ابن اسحاق، ابن ہشام،

ابن الاثیر، طبری، قرطبی، ابن خلدون وغیرہ جیسے مسلمان مورخین کی مساعی جمیلہ اور کارہائے نمایاں ضخیم جلدوں میں آج تک محفوظ ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے ابھی دو صدی پہلے تک مسلمانوں کا سینہ فخر سے پھول جایا کرتا تھا۔ لیکن برا ہو اس انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا جس نے مسلمانوں کو تاریخ ہی سے متنفر کر دیا۔ اب وہ اپنے ہی اس بیش بہا اثاثے سے برأت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ فن تاریخ جس کے اصول سے انھوں نے دنیا کو متعارف کرایا تھا، اپنا پلہ جھاڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کی صرف اور صرف ایک ہی وجہ ہے اور یہ کہ وہ تاریخ کے ارد گرد بھی تقدس کا وہ ہالہ دیکھنا چاہتے ہیں جو مثلاً قرآن کے چاروں طرف ہے۔ چنانچہ مسلمان صرف اپنے مذہبی تصورات اور عقائد کی حفاظت کے لیے اپنے بیش قیمت تاریخی دستاویز سے بھی دستبردار ہونے کے لیے تیار نظر آرہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب دنیا کی دوسری قومیں اپنے مایہ ناز تاریخی سرمایہ کو اکٹھا کرنے میں لگی ہوئی ہیں، مسلمان اپنی مستند تاریخ کو تاریخی کتابوں کی الماریوں سے نکال کر ردی کی ٹوکری میں پھینکتا نظر آرہا ہے۔ لیکن اسے شاید یہ پتہ نہیں کہ ماضی کے بغیر حال اور مستقبل کا کوئی تصور نہیں۔ جس قوم کا کوئی ماضی نہیں، وہ گویا ہوا میں معلق ہے۔ انھی قوموں کو تاریخ سے خوف ہوتا ہے جنھیں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کا ماضی ان کے دعووں سے پردہ اٹھا سکتا ہے؛ مثلاً امریکہ میں تاریخ کو بالکل ہی اہمیت نہیں دی جاتی۔ کئی یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تاریخ کے شعبے ہی ختم کر دیے گئے ہیں۔ امریکہ کے لیے تاریخ سے فرار حاصل کرنا اس لیے بھی ضروری ہے، کیوں کہ اس کی تاریخ تشدد، دہشت گردی اور سامراجی عزائم سے بھرپور ہے۔ ایسا ملک بھلا تاریخ کا سامنا کیسے کر سکتا ہے؟ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کا تاریخ سے خوف کی وجہ یہی تو نہیں کہ ان کی تاریخ تشدد، عدم رواداری، دہشت گردی، لوٹ مار وغیرہ سے بھری پڑی ہے؟

مسلمان بحیثیت اکثریت و اقلیت

مسلم ممالک میں اقلیتوں کا جو حال ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، نائجیریا، سوئیڈن وغیرہ نے دنیا کو جتا دیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اقلیتوں کو کس ذلت وخواری کے ساتھ اپنی زندگی گذارنی پڑتی ہے۔ اس کے برخلاف کفاروں اور مشرکوں کے ممالک میں مسلمان جس طرح پوری رعونت اور پورے استحقاق کے ساتھ پناہ گزین ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہے، نہ صرف یہ کہ وہ انھیں اپنے باپ کا ملک سمجھتے ہیں بلکہ وہیں بیٹھ کر ان کے خلاف سازش بھی رچتے رہتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں اور ملحدوں کو کوستے بھی رہتے ہیں۔ اب وہ وقت آچکا ہے کہ کفار و مشرکین، اپنے کافرانہ نظام کو بدل کر اسلامی نظام کی ہی نقل کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو یہ اپنے ملک میں ان کے ساتھ کرتے ہیں۔

کیا تم سیکولر ہو؟

یہ دنیا سیکولر ہے اور آپ اس دنیا کا ایک حصہ ہیں۔ کاغذ کے وہ نوٹ جو آپ اپنے کھانے پینے اور روز مرہ کی ضروریات کے لیے ادا کرتے ہیں، سیکولرازم کی دریافت ہیں۔ آپ یقیناً ان کاغذ کے نوٹوں کی شکل اچھی طرح جانتے ہیں۔ بینکوں کی عمارتیں بھی آپ نے دیکھی ہوں گی۔ بینکوں کی بینکاری کا نظام، کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ وغیرہ سب سیکولرازم کی دریافتیں ہیں۔ اس نے اپنے نظام کو مذہب سے الگ کر دیا، یہ عالمی اقتصادی نظام کا حصہ ہے۔ آپ میرے اے عزیز دوست ان بینکوں سے معاملات کرتے ہیں، آپ چاہیں یا نہ چاہیں، کیونکہ آپ کمزور ہیں۔ حکومت کو اس سودی نظام کا ذمہ دار مت ٹھہرائیں، کیونکہ حکومت نے یہ عالمی سیکولر نظام لاگو نہیں کیا بلکہ آپ خود اس حکومت کی کمزوری اور پسماندگی کی ایک وجہ ہیں۔ میرے عزیز آپ زبردستی کے سیکولر ہیں، چاہے آپ کو اچھا لگے یا برا مگر پھر بھی آپ سیکولر ہیں۔ کیونکہ یہ ساری دنیا سیکولر ہے اور آپ کمزور ہیں۔

کیا آپ نے تجارت شروع کر دی ہے اور مال جرمنی سے منگوا رہے ہیں؟

جی ہاں، جرمنی ایک ایسا ملک ہے جو ایجاد کرتا اور مصنوعات تیار کرتا ہے، اور جی ہاں آپ درست کہتے ہیں کہ جرمن سیکولر ہیں چنانچہ ان پر لعنت ہے۔

آپ کو آپ کا مال دینے سے پہلے عالمی ادارے آپ کو مجبور کرتے ہیں کہ آپ بینکوں سے معاملات کریں اور یقیناً آپ اس مال پر انشورنس ادا کرنے کے پابند ہیں۔

ہائے انشورنس... یہ سیکولرازم کی ایک اور مصیبت ہے۔ آپ کو بینک کو فائدے دینے ہوں گے تاکہ آپ کا مال آپ تک بخیر وعافیت پہنچ سکے اور آپ کی رقم بخیر وعافیت ان کمپنیوں تک، چنانچہ آپ سیکولر مولوی ہیں۔

آپ ہی نے اسلام کے مفہوم کے بارے میں وہ مشہور بات کی ہے ناں کہ اسلام ہر زمان ومکان کے لیے کارآمد ہے؟ آپ گاڑی چلاتے ہیں؟ اس گاڑی کو چلانے کے لیے ایک نظام وضع کیا گیا ہے۔ چلیے قرآن سے ٹریفک کے قوانین نکال کر دیجیے؟

مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کہنے کی حماقت نہیں کریں گے کہ ٹریفک کے قوانین جنہیں سیکولر ملکوں نے وضع کیا اور جو ان کے سیکولر نظام کا ایک حصہ ہے، قرآن میں موجود ہے۔ یا اس مسئلے کے لیے آپ ائمہ اسلام کے فتاویٰ سے رجوع کریں گے جو اب سے ہزار سال پہلے کہیں کسی خیمے میں رہا کرتے تھے اور اونٹ، گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کیا کرتے تھے؟

یہ نظام جو آپ کی گاڑی کو دسری بہت ساری گاڑیوں کے ساتھ منظم کرتا ہے، سیکولر حسب نسب رکھتا ہے کیونکہ یہ آپ کی دریافت نہیں ہے۔ یہ نظام آپ کو جرمانے ادا کرنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ اب آپ چاہیں یا نہ چاہیں، آپ کو یہ جرمانے ادا کرنے ہوں گے، بالکل جس طرح کسی سیکولر ملک کا کوئی شہری یہ جرمانے ادا کرتا ہے۔ کیونکہ آپ ایک "کنزیومر" ہیں اور اس سیکولر دنیا کو تقویت بخشنے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کا ملک عالمی نظام یا عالمی اقتصادی نظام کے قوانین وضع نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ طاقتور ملک نہیں ہے۔ اگر آپ دنیا پر اپنا "غیر سیکولر" نظام لاگو کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو ایک اہم کام کرنے کی صلاح دوں گا؛ اور وہ ہے سوچنا۔ سوچنے سے مت ڈریں، کیونکہ اگر آپ نے اپنی کھوپڑی کے خول کے اندر موجود غدود کو استعمال کر لیا تو اللہ آپ کو کوئی سزا نہیں دے گا۔ اور سوچنے سے آپ زندیق بھی نہیں ہو جائیں گے۔ کیونکہ اکیلے ایمان ہی کافی نہیں ہے۔

کیا آپ نے غزوۂ خندق کے بارے میں سنا ہے؟

کیا آپ نے نوٹ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب کو اہمیت دی، اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ خندق بھی کھودا گیا، کیونکہ ایمان اور عقیدہ کافی نہیں ہوتا اور صرف عمل ہی عبادت نہیں۔ اگر اس دنیا میں آپ کا وجود محض عبادت کے لیے ہے تو میری آپ کو یہ تجویز ہے کہ تمام ایجادات سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ یہ ساری ایجادات کسی نہ کسی سیکولر ملک سے آئی ہیں اور صحرا میں خیمہ نصب کرلیں اور اپنی باقی ماندہ زندگی وہیں گزاریں۔

یہ آپ ہی کہتے ہیں ناں کہ آپ کا وجود محض اللہ کی عبادت کے لیے ہے؟ چنانچہ صحرا کی زندگی آپ پر زبردستی لاگو کردہ عالمی سیکولر نظام سے آپ کو دور لے جائے گی۔ شہر میں کوکا کولا پینے کے لیے بھی آپ کو کیمیا پر ابنِ تیمیہ کے فتوے کی ضرورت پڑے گی، جو آپ کو نہیں ملے گا، کیونکہ کوکا کولا کا موجد سیکولر کیمیادان تھا۔ اس کوک کو خرید کر آپ بیرونی سیکولر اقتصاد کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اپنے بچے کے لیے پلے سٹیشن خرید کر آپ دیگر سیکولر اقتصادیات کو تقویت بخش رہے ہوتے ہیں۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ ہر روپے کے مقابل سونا ہوتا ہے؟ آپ کے تمام پیسوں کے مقابل سونا ہے جو سوئٹزرلینڈ کے سیکولر بینکوں میں محفوظ ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی سب سے مہنگی پراڈکٹ اسلحہ ہے؟ اس سیکولر کائنات سے نکلنے کے لیے شاید آپ کے پاس صرف جہاد کا راستہ ہی بچا ہو۔ یقیناً آپ کو رقم کی ضرورت پڑے گی اور آپ کو سودی بینکوں سے معاملات کرنے

پڑیں گے، تب کہیں جا کر آپ سیکولر ملکوں کا بنایا ہوا اسلحہ خرید پائیں گے۔ اپنے جہاد میں بھی آپ "کنزیومر" ہیں اور سیکولرازم کی اقتصادیات کو قوت بخشتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی دوسری سب سے مہنگی پراڈکٹ دوا ہے؟ آپ کے جہاد میں کئی لوگ زخمی ہوں گے، اور کئی قتل ہوں گے۔ یہاں آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مسلمان تھے یا نہیں، کیونکہ آپ کا مقصد انتہائی پاک صاف ہے، مگر وہ سیکولر ملکوں کی اقتصادیات کو قوت بخشتا ہے۔

اسلحے کے لیے پیسہ چاہیے اور دوا کے لیے بھی پیسہ چاہیے اور یہ سارے پیسے ان سیکولر ملکوں کو جائیں گے جو آپ کے پیسے سے مزید طاقتور ہوں گے، جس سے وہ مزید تحقیق کریں گے اور مزید نئی نئی ایجادات سامنے لائیں گے۔

میں اپنے آپ کو بے قصور قرار نہیں دے رہا، میں بھی نہ چاہتے ہوئے اس بیرونی سیکولرازم کو طاقت بخش رہا ہوں۔ تو اب آپ کی رائے میں اس طرح کی صورتحال کا کیا حل ہے؟

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے اکابرین اور ان کے اقوال کو فی الحال رہنے دیں۔ آپ انسان ہیں جسے اللہ نے "بہترین صورت" میں بنایا ہے، اپنی عقل اور دل سے سوچیے۔ کیا اللہ نے اس کائنات میں ہر چیز کے لیے "سبب" نہیں بنایا ہے؟ آپ آسمان سے ایسے نہیں ٹپکے تھے، بلکہ ایک مرد و عورت کی شادی ہوئی تھی، پھر وہ ہمبستر ہوئے اور آپ نطفے سے علقہ ہوئے، حتیٰ کہ آپ بہترین صورت میں برآمد ہوئے۔ یہ سارے اسباب تھے تاکہ آپ اس دنیا میں آئیں۔ تو پھر آپ کو عالمی قوتوں کے اسباب نظر کیوں نہیں آتے؟ آپ یہ اسباب اپنا کر ان سے استفادہ حاصل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن افسوس اس کے بجائے آپ نے اپنی اور اپنے چیلوں کی عقل پر تالے لگا دیے ہیں۔ آپ سیکھنا نہیں چاہتے، بلکہ طوطے کی طرح صدیوں پرانا رٹا دہرانا چاہتے ہیں اور دہرائے چلے جا رہے ہیں، یہ جانے بغیر کہ آپ "کنزیومر" بن گئے ہیں۔ اور روزانہ اپنے پیسوں سے اپنی ضروریات خرید کر بیرونی سیکولرازم کو طاقتور بنا رہے ہیں۔

پھر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ "کیا تم سیکولر ہو؟"

مجروح جذبات کی دہائی

مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں:

- یہودیت سے
- عیسائیت سے

- ہندوؤں سے
- قادیانیوں سے
- کافروں سے
- ملحدوں سے
- مشرکوں سے
- فری تھنکرز سے
- اسرائیل سے
- انڈیا سے
- امریکہ سے
- تعلیم سے
- سائنس سے
- حقائق سے
- تاریخ سے
- احادیث سے
- ہم جنسیت سے
- ویلنٹائن ڈے سے
- دیگر تہذیب و تمدن سے
- حقوق انسانی سے
- آزادی سے
- جمہوریت سے
- سیکولرازم سے
- رواداری سے
- تنقید سے

- تبصرے سے
- موسیقی سے
- فنون لطیفہ سے
- رقص سے
- مصوری سے
- حتیٰ کہ میرے "سید" ہونے سے بھی مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہو جاتے ہیں۔

جذبات صرف مسلمانوں کے پاس ہوتے ہیں، چنانچہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے پر عیسائیوں کا مذاق اڑانا، ہندوؤں کی مقدس گائے کو ببانگ دہل کاٹ کر کھانا، قادیانیوں کے قائد کو کھلے عام گالیاں دینا، بامیان کی مورتی توڑنا، دوسرے تمام مذاہب کو جھوٹا یا باطل قرار دینا، قرآن میں بیسویں گالیاں اپنے مخالفین کو دینا، قریش مکہ کے بتوں کو توڑنا وغیرہ سے مقابل فریقین کے جذبات قطعی مجروح نہیں ہوتے، چونکہ اللہ نے اس کی کاپی رائٹ صرف مسلمانوں کے لیے محفوظ کر رکھی ہے۔

مسلم نام؟

ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ مومنین ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا "مسلم نام" بدل دیں، حالاں کہ وہ یہ نہیں بتاتے کہ مسلم نام، ہندو نام، عیسائی نام، یہودی نام وغیرہ کیا ہوتے ہیں؟ کیا قرآن کے ساتھ مسلم نام کی فہرست بھی اللہ نے نازل کی تھی؟ یہ جو اسلام سے پہلے مشرکین اور کفار عرب کے نام ہیں، مثلاً عبد المطلب، ابو طالب، عبد اللہ، آمنہ وغیرہ مسلم نام ہیں؟ کیا وہ کفار مکہ جنھوں نے پیغمبر اسلام کو ایذائیں دیں، ان کے نام مسلم کہلائیں گے؟ ابو بکر، عمر، عثمان ، علی، خدیجہ وغیر ہم کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کیا نام تھے؟ یا انھوں نے اپنے پرانے اور مشرک والدین کے دیے ہوئے ناموں کو برقرار رکھا؟

یہ عقل کے اندھے اتنا بھی نہیں جانتے کہ نام مذہب کی نہیں بلکہ کلچر کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر آپ ایشیا، ایران اور عرب سے باہر نکل کر مسلمانوں کے نام کا تجزیہ کریں تو آپ کو بڑی مایوسی ہو گی کہ ان کے ناموں سے ان کے مذہب کی شناخت نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ ہمارا دیسی بدو نام کا مسلمان ہے، اس لیے افکار کو بنیاد بنانا اس کے لیے حرام ٹھہرا۔

تجدید یا تشکیل؟

یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں ایسے مذاہب ہیں جن کے اپنے طے شدہ مخصوص ارکان ہیں اور جو کوئی ان بنیادی ارکان کی پابندی کرنے سے انکاری ہو جائے، انہیں ان مذاہب سے "فارغ" کر دیا جاتا ہے، چاہے یہ فارغ کیے جانے والے خود کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر ہی کیوں نہ سمجھیں...

عیسائیت کی مثال لیتے ہوئے فرض کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا ماننے اور وحی کے تصور کا انکاری ہو جائے تو بیشتر کی نظر میں وہ بہر حال عیسائی نہیں رہے گا، اور اگر وہ درمیانی صدیوں کا باشندہ ہوتا تو اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا، اس اختلاف کے باوجود بھی اگر وہ شخص خود کو عیسائی سمجھتا رہے تو یہ اس کا حق ہے مگر حقیقت حال یہی ہے کہ اس نے دراصل اصل نام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک نیا مذہب ایجاد کر ڈالا۔

اسی نہج پر چلتے ہوئے اب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں اور فرض کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان محمد کی نبوت کا انکاری ہو جائے اور قرآن کو کسی یہودی حاخام (مولوی) کی تصنیف قرار دے اور حج کے رکن کو بت پرستانہ رسم کہہ ڈالے جس میں لوگ ایک سیاہ پتھر کے گرد چکر لگایا کرتے تھے اور عورتیں تبرک کے طور پر اس سے اپنی شرمگاہیں رگڑا کرتی تھیں تو کیا یہ شخص مسلمان رہے گا؟ یقیناً یہ شخص مسلمان نہیں رہے گا اور اگر وہ سرِ عام اپنے ان نظریات کا اعلان کر دے تو حکومت تو بعد کی بات ہے کوئی بھی "مجاہد" اسے مرتد قرار دیتے ہوئے اسے قتل کر ڈالے گا، لیکن اگر وہ شخص پھر بھی خود کو مسلمان قرار دے تو؟ یقیناً یہ اس کا حق ہے مگر در حقیقت اس نے بھی اصل نام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک نیا دین ایجاد کر لیا۔

کچھ لوگ اس کے لیے "دین میں تجدید" کی اصطلاح استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں جو در حقیقت تقیہ کی ایک شکل ہے، یہ کہنے کی بجائے کہ ہم ایک نیا دین بنا رہے ہیں وہ اسے اس دین میں تجدید قرار دیتے ہیں جو کہ محض ایک تعبیری اختلاف ہے۔

معاملہ کچھ بھی رہا ہو، ہم نئے مذاہب کی دہلیز پر ہیں، جو انھی ناموں کے ساتھ قطعی مختلف مضمون کے ساتھ آن دھمکنے والے ہیں، ان نئے مذاہب میں خصوصی طور پر خرافات کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جائے گی جس میں بنیادی خرافت ہی یہی ہے کہ مقدس کتابیں آسمان سے خدا کی طرف سے انبیا پر وحی کے طور پر "اتاری" گئی ہیں۔

آج کی اسلامی جماعتوں کی بنیاد ہی اسی افسانے پر قائم ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ معاشروں پر اسلامی شریعت "ٹھونسنا" چاہتے ہیں، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاہم اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ ایک

یہودی حاخام کی تصنیف ہے تو یہ ساری اسلامی تحریکیں اس طرح سے ڈھیر ہو جائیں گی جیسے دھوپ میں برف پگھلتی ہے۔ یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ ان مقدس کتابوں کو اتنی آسانی سے نہیں لینا چاہیے، کیونکہ ساری دنیا پر ان کے تشویش ناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

یقیناً کچھ لوگ؛ جن کی تعداد کا تعین کرنا مشکل ہے، ایسی خرافات کو خیر باد کہہ چکے ہیں مگر اپنے عقائد کا اظہار نہیں کرتے، خاص طور سے اسلامی معاشروں میں جہاں ردت کی تلوار ان کے سروں پر ہر وقت لٹکتی رہتی ہے، مگر انٹرنیٹ کے بڑے پیمانے پر پھیلاؤ اور اس پر عرفیتی ناموں (نک نیمز) کے استعمال نے ایسی فرسودہ حکومتوں اور معاشروں کی لاگو کردہ ساری پابندیوں کی بینڈ بجادی ہے جس کے سامنے حکومتی اور مذہبی حلقے بے بس نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جلد ہی دنیا ایسی فکری تبدیلیوں سے دوچار ہونے والی ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں۔ یہ امر سیاستدانوں اور مولویوں کے لیے تشویش کا باعث ہے، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دس سال سے زیادہ عرصہ سے اسلامی ممالک اقوامِ متحدہ میں مذاہب کی توہین کا قانون پاس کرانے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں جس کے حوالے سے آخری کوشش غالباً 2010ء میں پاکستان کی جانب سے کی گئی تھی اور یہ قرارداد غالباً اس سے اگلے سال ویٹو کردی گئی تھی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ توہین کی بات تو کرتے ہیں مگر توہین کو ڈیفائن نہیں کرتے اور مقصد یقیناً یہی ہے کہ عالمی برادری پر تفتیشی عدالتیں تھوپی جائیں تاکہ اسلامی خرافات کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو کچلا جاسکے۔

ماڈریٹ مسلمان کی قلابازیاں

آپ مانیں، نہ مانیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں نے عقلی طور پر کم از کم اتنی ترقی تو کرلی ہے کہ مذہب کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ سکیں۔ اب بیشتر مسلمان جنت کے خوش نما وعدوں اور جہنم کی وعیدوں سے اتنا خوف زدہ نہیں ہوتے جتنا کہ ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہوا کرتے تھے۔ ان میں وہ منطقی شعور پیدا ہو چلا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں ایک قدم چلنے پر چالیس لاکھ ثواب یا ایک وقت کی نماز چھوڑنے پر ستر کروڑ سال تک جہنم میں جلنے جیسی واعظانہ باتوں کو مسکرا کر ٹال دیتے ہیں۔ یہ عقل کی ہی ترقی ہے جس نے مسلمانوں میں معذرت خواہوں (apologists) کی ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈالی اور انھیں سیرت، تاریخ، احادیث، فقہ، منطق تک سے برگشتہ ہی نہیں کیا بلکہ قرآن کی منقولاتی تعبیر کی بجائے تعقلاتی تعبیر پر بھی مجبور کردیا ہے تاکہ وہ اپنے اعتقادات کی جدید علوم انسانی سے مطابقت پیدا کرکے

انھیں اپ ڈیٹ کرتے رہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مسلمان خود کو "لبرل" اور "سیکولر" کہنے کے ساتھ ساتھ "فری تھنکر" بھی کہنے سے نہیں جھجکتا، جو اس کی خود سپردگی کا اشاریہ ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ طویل ترین تجربات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ مسلمان جو خود کو جدت واعتدال پسند مسلمان کہلوانا پسند کرتے ہیں، دراصل گرگٹ کی کوئی قسم ہیں۔ آپ جیسے ہی ان کے ساتھ گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک گول مول خالی مخولی دائرے میں گھوم رہے ہیں جس میں آپ جس قدر چاہے گھوم لیں آپ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔

اگر آپ سلفیت اور وہابیت پر بات کریں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ مسلمان علما کے ان عجیب وغریب فتاویٰ پر بات کرنا چاہیں جو وہ وقتاً فوقتاً چھوڑتے رہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ علما اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ شیعہ اسلام پر بات کریں تو کہتے ہیں کہ یہ روافض اور کافر ہیں اور اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ تصوف پر بات کریں تو جواب آتا ہے کہ یہ مشرک ہیں اور اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ افغانستان، صومال، سوڈان، سعودیہ یا ایران پر بات کرنا چاہیں تو جواب آتا ہے کہ یہ ممالک اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ پاکستان اور عراق میں شیعوں کے قتل پر بات کرنے کی کوشش کریں تو کہا جاتا ہے کہ یہ جہادی اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اگر آپ طالبان اور اس کے جیسے دیگر مسلح اسلامی دہشت گرد گروہوں اور ان کے معصوم لوگوں پر خود کش حملوں کی بات کریں تو جواب پھر یہی آتا ہے کہ ہم سے طالبان کی بات نہ کریں، یہ جہادی اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے، اور اگر آپ کہیں کہ جناب ان کی اسوہ حسنہ تو رسول ہیں جس کی سنت پر وہ عمل کرتے ہیں تو شاید کسی دن ہمیں یہ بھی سننے مل جائے کہ خود رسول اسلام کی نمائندگی نہیں کرتے۔

اس کے بعد اگر آپ کوئی حدیث پیش کریں تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف احادیث سے استدلال جائز نہیں، حالانکہ وہ خود ایسی احادیث سے استدلال پیش کرتے نظر آتے ہیں، لیکن جب آپ کی باری آتی ہے تو یہ احادیث ظالمانہ اور جعلی احادیث بن جاتی ہیں جو اسلام کی نمائندگی نہیں کرتیں۔ اگر آپ صحیح حدیث پیش کریں تو کہتے ہیں کہ آپ کو اس حدیث کو کسی دوسری حدیث کے سیاق میں سمجھنا چاہیے اور اسے قرآن اور اس کے ناسخ ومنسوخ اور طالع اور مطلوع کے گورکھ دھندے کے ساتھ منسلک کرنا چاہیے، لیکن اگر صحیح حدیث کچھ زیادہ ہی خرافات پر مشتمل ہو تو پینترا بدل کر کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے، یا ساری احادیث پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا یا پھر یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔ اگر آپ ترمذی سے کوئی حدیث پیش کریں تو کہتے ہیں بخاری سے پیش کرو اور اگر آپ بخاری سے پیش کریں تو کہتے

ہیں کہ مسلم کے ہاں اس کا ذکر نہیں، حالانکہ ترمذی بھی صحیح حدیث کی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور ان ساری صحاح کتبِ احادیث پر بارہ سو سال سے اس امت اور اس کے علماوفقہاء کا اجماع چلا آرہاہے اور اب بھی تمام فتاویٰ انہیں کتبِ احادیث پر انحصار کرتے ہیں اور ساری خوفناک شریعت انہی زرد کتابوں سے لی جاتی ہے۔

احادیث سے بھاگنے کا راستہ نہ ملے تو کہتے ہیں کہ ہم سے قرآن کو سامنے رکھ کر بات کریں، اگر آپ قرآن کی خرافات سامنے لے آئیں تو کہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی مرضی سے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ پھر جب آپ قدیم مفسرین کی تفاسیر پیش کرتے ہیں، جیسے طبری وغیرہ تو کہتے ہیں کہ نہیں جی یہ تفاسیر درست نہیں بلکہ یہ تو کچھ لوگوں کا اجتہاد ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مفسرین انسان ہیں! اس پر اگر آپ کہیں کہ جناب اگر مفسرین انسان ہیں اور ان کی یہ تفاسیر غلطیوں پر مشتمل ہیں تو انہیں کچرے میں پھینک کر جدید افکار کو کیوں نہیں اپنا لیتے تو کہتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور ما فرطنا فی الکتاب من شیء!!

اگر آپ کہیں کہ جناب پتھر کو چومنا بھی بت پرستی ہی ہے تو اسے مسترد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور یہ مقدس پتھر ہے۔ بھئی بت پرستوں کے پتھر بھی تو مقدس ہی تھے آخر فرق کیا ہے؟

اگر آپ کہیں کہ قرآن میں کوئی سائنسی اعجاز نہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اسلام کو نہیں سمجھتے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمام جدید دریافتیں قرآن میں پہلے سے ہی موجود ہیں، اس پر اگر آپ کہیں تو پھر صدیوں سے اس کتاب کو رٹنے کے باوجود آپ ان سائنسوں کو کیوں دریافت نہ کر سکے تو حد درجہ بودی منطق پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے کفار کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے یہ دریافتیں کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے!! اگر آپ کہیں کہ قرآن میں بلاغت نہیں، تو کہتے ہیں کہ آپ کو عربی نہیں آتی، اس پر اگر آپ کسی عربی دان سے دلیل دیں تو کہتے ہیں یہ مستشرقین سے متاثر ہے!!

یہاں تک پہنچ کر آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ جدت پسند یا ماڈریٹ مسلمان گرگٹ کی ہی کوئی قسم ہے!

اگر آپ ان جدت پسند مسلمانوں سے اسلام میں آزادی اور رواداری کے بارے میں پوچھیں تو فوری جواب آئے گا کہ "لا اکراہ فی الدین" اور یہ کہ "لکم دینکم ولی دین" اور چونکہ اسلام کو ہر حال میں پاک صاف کر کے پیش کرنا ہی ان کا نصب العین ہوتا ہے، لہٰذا وہ آپ کو یہ نہیں بتاتے کہ یہ آیات تلوار کی آیت جسے "آیۃ السیف" کہا جاتا ہے، سے منسوخ ہیں اور پوری سورۃ التوبہ مخالف کو قتل کرنے پر اکساتی ہے؛ اس کے باوجود ان کا اصرار ہوتا ہے کہ اسلام امن، بھائی چارے اور رواداری کا دین ہے!!

پھر اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیے تو کیا آپ کو یہ قبول ہے؟ کیا آپ کو مسلمان عورت کی کسی غیر مسلم کے ساتھ شادی کو قبول کرتے ہیں؟ کیا آپ معاشرے کے تمام غیر مسلم طبقات کو وہی حقوق دینے پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں؟ کیا آپ کو شرم آتی ہے جب خطیبِ مسجد منبر پر بیٹھ کر اور لاؤڈ سپیکر میں گلا پھاڑ کر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو گالیاں دیتا ہے اور انہیں بندر اور خنزیر کی اولاد قرار دیتا ہے؟ اس سب پر آپ کو تیار اور طویل لنگری تاویلیں سننے کو ملیں گی جن کے اختتام پر آپ کو یقین ہو چلے گا کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے، کیونکہ اس کی نظر میں ہر حال میں اور ہمیشہ بس اسلام ہی حق اور درست ہے، باقی ساری دنیا احمق گدھی اور خنزیر کی اولاد ہے، اس کے برعکس اسلام اور مسلمان دودھ کے دھلے ہوئے ہیں اور ہر وقت امن کی فاختائیں اڑاتے رہتے ہیں۔

اگر آپ پوچھیں کہ کیا آپ اجتہاد کی اجازت دیتے ہیں، چاہے مجتہد کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچے کہ نقاب فرض نہیں اور ہم جنس پرستی قوم لوط کا فعل نہیں؛ تو فوری الزام آئے گا کہ آپ کافر ہیں اور فحاشی چاہتے ہیں۔

اگر آپ سوال کریں کہ کیا آپ اپنے مسلمان بھائی اسامہ بن لادن، ایمن الظاہری، ابو مصعب الزرقاوی و دیگر جہادیوں کی متشدد کاروائیوں کی مذمت کرتے ہیں جو انہوں نے جنت میں بہتر حوروں کے حصول کے چکر میں کیے؟ اس پر ان کا فوری جواب یہ آتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھا اور یہ حقیقی اسلام نہیں ہے، مگر وہ ان کے جرائم کی بغیر اگر، مگر، چنانچہ، لیکن وغیرہ کے مذمت نہیں کریں گے۔

اگر کوئی اسلام پر تنقید کرے تو فی الفور ان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں کہ "آپ کو میرے عقیدے کا احترام کرنا چاہیے" یا "آپ کو اسلام پر بات کرنے کا حق نہیں کیونکہ آپ اسے نہیں جانتے" یا "آپ کو اسلام پر تنقید کا حق نہیں" یا پھر "آپ یہودی یا عیسائی ہیں اور اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں" وغیر وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام انسانی فکر کی آخری حد ہے؟ اور کیا اسے تنقید سے استثنا حاصل ہے جبکہ دیگر تمام مذاہب پر ہمیشہ سے تنقید ہوتی آرہی ہے اور اب بھی ہو رہی ہے؟

خود قرآن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو گدھوں سے تشبیہ دینے سے باز نہیں آتا (جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا پھر انہوں نے اس کے حامل ہونے کا حق ادا نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں: سورۃ الجمعۃ آیت 5) یعنی عیسائی گدھے کی طرح ہیں، جن کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہیں مگر انہیں نہیں پتہ کہ یہ کتابیں ہیں یا.........

دہری مشکل یہ ہے کہ اسلام ایک قدیم اور ابتدائی دور کی فکر ہے جو عظیم فلاسفروں کی فکری تصنیف کی سطح کا نہیں ہے مگر مسلمان کی تربیت اسلامی فکر کی عظمت اور قدسیت پر اس قدر شدت سے کی جاتی ہے کہ وہ کسی بامقصد گفتگو کے قابل ہی نہیں رہتا اور قرآن اور اسلام پر تنقید برداشت کرنا تو گویا اس کے لیے تقریباً ناممکن امر ہوتا ہے بلکہ زندگی اور موت کا سوال بن جاتا ہے، گویا کہ اسلام تمام تر انسانی فکر کے ماحاصل سے بلند و برتر ہو۔

اسلام بھی انسان کی دیگر ازمنہ قدیم کی فکری دریافتوں کی طرح ایک دریافت ہے اور انسانی میراث سے کسی طور الگ نہیں، اس پر بھی اسی طرح تنقید ہونی چاہیے جس طرح دیگر فکری تصانیف پر کی جاتی ہے؛ بصورتِ دیگر مسلمانوں کو خود کو انسان کہنا چھوڑ دینا چاہیے۔

ذاتی عمل کا فلسفہ

بعض مسلمان ان مذہبی دہشت گردوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتے بھی نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چند لوگ سارے عالمِ اسلام کی ترجمانی نہیں کرتے۔ لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ان دہشت گردوں نے کون سا عمل اسلام کے خلاف کیا ہے۔ دہشت گرد مسلمان (باعمل مسلمان) اپنے ہر عمل کو قرآن و سنت سے جسٹیفائی کرتے ہیں۔

بعض افراد کافی حد تک روشن خیال ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مذہبی دہشت گردی غلط ہے اور ہمیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق جینا چاہیے اور صرف امن و بھائی چارے والی تعلیمات پر عمل کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن میرا ان سے سوال ہے کہ اگر آپ اسلام کو بطور مذہب قبول کرتے ہیں تو آپ کس طرح کسی کو اس پہ عمل کرنے سے روک سکتے ہیں یا برا جان سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ برائی نہ کریں، اسلام کی شیطانی تعلیمات کو نہ اپنائیں اور صرف وہ باتیں جو اچھی معلوم ہوں ان پر عمل کریں؛ لیکن پھر بھی در حقیقت آپ ان کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں جو اسلام کی شیطانی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں، جو فساد (جہاد) کے لیے اسلحہ اکھٹا کرتے ہیں، جو امن کے نام پر دنیا میں انارکی پھیلا رہے ہیں۔

آپ بھلے کفار کی گردن اتارنے میدان میں نہ اتریں، لیکن جو لوگ آپ کے قرآن کی آیات پڑھ کر ایسا کرتے ہیں کیا آپ ان کو برا کہہ سکتے ہیں؟ کس بنیاد پر؟ آپ چاہیں یا نہ چاہیں، دہشت گردوں کو آپ کی مورل سپورٹ حاصل ہے۔ جس کتاب سے آپ نے اپنا طرزِ حیات منتخب کیا ہے، وہ بھی تو اسی کتاب پہ عمل کر رہے ہیں آپ کس بنیاد پر ان کے عمل کو غلط اور اپنے عمل کو صحیح قرار دے سکتے ہیں؟

اور ویسے بھی اگر عقل کی بنیاد پر آپ قرآن میں سے اچھی اچھی باتیں چن سکتے ہیں اور بری بری باتیں نظر انداز کر سکتے ہیں تو پھر قرآن کی ضرورت ہی کیوں؟ کیا عقل کافی نہیں؟

اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی پیروی کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ نیم مسلم یا نیم غیر مسلم کوئی چیز نہیں۔ یا تو آپ مسلمان ہیں یا نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ہیں تو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اس میں موجود کسی چیز کو برا نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ کی عقل و شعور ایک چیز کو برا بھی جانتی ہے۔ آپ اس پر عمل بھی نہیں کرتے لیکن ساتھ میں اس کی نفی کرنے کو بھی تیار نہیں تو پھر مجھے افسوس سے آپ کو اطلاع دینا پڑے گی کہ آپ منافق ہیں۔ برائی کو برائی جانتے ہوئے بھی پشت پناہی کر کے آپ زیادہ بڑے مجرم بن رہے ہیں۔

عمل نہ کرنے کے باوجود اگر آپ ان شیطانی اعمال کو اپرووکرتے ہیں تو کس بنیاد پر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ اچھے انسان ہیں؟

اس رویہ کو نسبتاً زیادہ بڑے کینوس میں دیکھنے کے لیے ہم تجدد پسندوں بطور خاص جاوید غامدی کے معذرت خواہانہ نظریات کو مرتد اور شاتم رسول کی شرعی سزاؤں کی کسوٹی میں پرکھنے کی کوشش ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔

توہین رسالت

انبیا کہلائے جانے والے ان انسانوں کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ ان کے گرد کھینچا گیا تقدس کا دائرہ ہے۔ جو انہوں نے کہا اور کیا وہ قابل نفاذ واطلاق ہے، یہ مدِ نظر رکھے بغیر کہ وہ غلطیاں بھی کر سکتے ہیں اور کبھی کبھی ان کی غلطیاں خطرناک بھی ہو سکتی ہیں یا بعض اوقات وہ محض اپنی مرضی ہی کر رہے ہوتے ہیں، مگر تقدس کے دائرے نے ان غلطیوں اور مرضیوں کو قوانین کی حیثیت دے دی اور سب پر لازم ہو گیا کہ وہ آنکھیں بند کر کے اندھوں کی طرح ان کا اتباع کریں۔ یہاں ہمیں اپنی مصیبت پر خوب ماتم کرنا چاہیے...

انبیا کا تقدس ایک ایسی "فائر وال" ہے جو ان پر تنقید تک کو ممنوع بنا دیتی ہے، جس سے معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے...

کسی شخص کا نبی کہلانے کا یہ لازمی مطلب ہو گیا ہے کہ اس پر نہ صرف تنقید ممنوع ہے بلکہ اس کے نزدیک جانا بھی حرام ہے ورنہ یہ توہین قرار پائے گی، حالانکہ تنقید اور جانچ پڑتال کے عمل کے فقدان سے اس کی غلطیوں سے پیدا کردہ قوانین پختہ ہوتے چلے جائیں گے...

جو قومیں اپنے عظیم لوگوں کے کارناموں اور ان کی غلطیوں کے درمیان تفریق نہیں کرتیں، وہ ان غلطیوں کو آہستہ آہستہ اپنے اندر سموتی چلی جاتی ہیں، جس کا نتیجہ ان معاشروں کے انتشار کی صورت میں نکلتا ہے اور پھر اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ ان غلطیوں سے جان چھڑانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہو جاتا ہے، ایسی قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے اور وہ ہر میدان میں پیچھے رہ جاتی ہے، کیونکہ یہ ایک سیدھا سا اصول ہے کہ اگر بنیاد ٹیڑھی ہو تو عمارت سیدھی کھڑی نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی "حیلہ" کر بھی لیا جائے تو بھی وہ زیادہ دیر ٹکنے نہیں پاتی اور جلد ہی ڈھیر ہو جاتی ہے۔

انبیا کا تقدس نتیجے کی بجائے بنیاد بن گیا ہے۔

کسی انسان کی سیرت حیات ہی فیصلہ کرتی ہے کہ وہ تقدس اور احترام کا حقدار ہے یا نہیں، لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ تقدس نہ صرف ایک مسلمہ حیثیت اختیار کر چکا ہے بلکہ ایک ایسا نقطہ آغاز اور معیار بن چکا ہے جس کی بنیاد پر ہم کسی انسان کے بارے میں منقول میراث کو قبول یا رد کرتے ہیں، جبکہ یہ میراث ہی وہ معیار ہونا چاہیے تھی جس کی بنیاد پر ہم ایسے لوگوں کو تقدس دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم اس میراث کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ وہ اس تقدس کے عین مطابق ہو جائے جو ہم نے پہلے ہی اسے دے رکھی ہے، جبکہ حق تو یوں تھا کہ ہم اس میراث پر تحقیق کرتے پھر تقدس کا فیصلہ کرتے۔ یاد رہے کہ میراث پر تحقیق اس سے استفادہ حاصل کرنے اور اس کی غلطیوں سے بچنے کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ اس میں تقدس تلاش کرنے کے لیے۔

میراث کو پہلے سے تخلیق کردہ تقدس کے مطابق تبدیل کرنے کا عمل عقل کے فقدان کی جانب پہلا قدم ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گا کم نہیں ہوگا۔

انبیا کا تقدس جسے ہم نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا آج ہم اس کی قیمت اپنی عقل، نسل اور معاشرے میں چکا رہے ہیں اور قریب قریب ہمارے جاگنے کی۔

مرتد کی شرعی سزا

کچھ بھولے بھالے مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام میں مرتد یا شاتم رسول کی سزا کا وجود ہی نہیں ہے۔ غامدی صاحب بھی یہی کہتے ہیں اور اس پر پیہم اصرار کرتے ہیں، اب چونکہ غامدی صاحب کے نحیف وناتواں کندھوں پر اسلام کی حفاظت کا بار گراں بھی ٹکا ہوا ہے، لہٰذا ان کے اس حسن ظن کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس مقدمے کی طوالت کے پیش نظر اس مسئلہ پر تفصیلاً عرض کرنے سے قاصر ہیں لیکن اجمالاً اس پر روشنی ڈالنا ضروری ہے کہ یہ ایشو کافی حساس ہے اور مسلمانوں کی فکری غلط فہمیوں کا سدباب ضروری ہے۔

خیر القرون یعنی اسلام کے صدر اول میں جہاں دوسرے اسلامی قوانین کی بالادستی تھی، وہاں سزائے ارتداد کا قانون بھی نافذ رہا۔ اس کے بعد بھی جب تک دنیا میں اسلامی آئین و دستور کی بالادستی رہی، تمام اسلامی حکومتوں میں یہ قانون نافذ العمل رہا۔ ارتداد کے تعلق سے قرآن و سنت، اجماع امت، قیاس، فقہ و فتویٰ اور عقل و شعور کی روشنی میں اس سلسلہ کی کیا تصریحات ہیں؟ اگرچہ علما اور فقہا نے مرتد کی تعریف اور پھر اس کے اقسام واضح کرنے میں کافی شرح و بسط سے کام لیا ہے، لیکن چونکہ یہ ذیلی عنوان اتنی طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا، لہٰذا ہم صرف ان اہم ماخذ پر خود کو مرکوز رکھیں گے جو اسلام میں ارتداد کو جرم تصور کرتا ہے جس کی سزا موت ہے۔

- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدۃ:۳۳)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سُولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

اس آیت کے ذیل میں تمام مفسرین و محدثین نے عکل و عرینہ کے ان لوگوں کا واقعہ لکھا ہے جو اسلام لائے تھے، مگر مدینہ منورہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی تو ان کی شکایت پر پیغمبر اسلام نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ بھیج دیا، جہاں وہ ان کا دودھ وغیرہ پیتے رہے، جب وہ ٹھیک ہو گئے تو مرتد ہو گئے اور اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر کے صدقہ کے اونٹ بھگا لے گئے، جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور محمد کی خدمت میں لائے گئے تو انھوں نے ان کے سیدھے ہاتھ اور اُلٹے پاؤں کاٹ دیے اور وہ حرہ میں ڈال دیے گئے، پانی مانگتے رہے، مگر ان کو پانی تک نہ دیا، یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

اسی لیے امام بخاری نے اس آیت کے تحت عنوان بھی اسی انداز کا قائم فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ چونکہ مرتد اور محارب تھے، اس لیے ان کو قتل کیا گیا، چنانچہ امام بخاری کے الفاظ ہیں: "باب لم يسبق المرتدون المحاربون حتى ماتوا۔" (ص:۱۰۰۵، ج:۲) اگرچہ امام بخاری کے علاوہ دوسرے ائمہ اس کے قائل ہیں کہ محارب

جیسے کفار ہو سکتے ہیں، ویسے مسلمان بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ اس آیت کی روشنی میں ایسے لوگ جو مرتد ہو جائیں، اوراللہ ورسول سے محاربہ کریں، وہ واجب القتل ہیں۔

سزائے مرتد کے سلسلہ میں صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتب میں پیغمبر اسلام کے متعدد ارشادات اور ان کے صحابہ کا عمل بھی منقول ہے، ذیل میں اس سلسلہ کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

- عن عکرمة قال: اتی علی رضی اللّٰہ عنہ بزنادقة فاحرقہم، فبلغ ذلک ابن عباس، فقال: لو کنت انا لم احرقہم لنہی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تعذبوا بعذاب اللّٰہ، ولقتلتہم لقول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من بدّل دینہ فاقتلوہ۔ (بخاری، ص:۱۰۲۳، ج۲، ص:۴۲۳، ج:۱، ابوداوٗد ص:۲۴۲، ج:۲، نسائی ص:۱۶۹، ج:۲، ترمذی ص:۱۷۶، ج:۱، مسند احمد ص:۲۱۷، ج:۱، ص:۲۸۲، ج:۱، سنن کبریٰ بیہقی ص:۱۹۵، ج:۸، مستدرک حاکم ص:۵۳۸ ج:۳، مشکوٰۃ ص:۳۰۷)

(ترجمہ: حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس چند زندیق لائے گئے تو انھوں نے ان کو آگ میں جلادیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو فرمایا: میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسا عذاب نہ دو جو اللہ تعالیٰ (جہنم میں) دیں گے، میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "جو شخص دین تبدیل کرے، اس کو قتل کردو" کے تحت قتل کردیتا۔)

- عن عکرمة قال قال ابن عباس قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من بدّل دینہ فاقتلوہ۔ (نسائی ص:۱۴۹، ج:۲، سنن ابن ماجہ ص:۱۸۲)

(ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دین تبدیل کرکے مرتد ہو جائے، اس کو قتل کردو۔")

- عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان عبداللّٰہ بن سعد بن ابی سرح یکتب لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فازلہ الشیطن فلحق بالکفار فامر بہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یقتل یوم الفتح، فاستجار لہ عثمان بن عفان فاجارہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (ابوداوٗد ص ۲۵۱، ج:۲، نسائی ۱۶۹، ج:۲)

(ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا، اسے شیطان نے بہکایا تو وہ مرتد ہو کر کفار سے مل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے

قتل کا حکم فرمایا، (جس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے، ناقل) مگر حضرت عثمانؓ نے اس کے لیے پناہ طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی (چنانچہ وہ بعد میں دوبارہ مسلمان ہو گیا")۔

- عن انس ان علیا اتی بناس من الزط یعبدون وثناً فاحرقہم ، فقال ابن عباس انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من بدل دینہ فاقتلوہ (سنن نسائی ص:۱۶۹، ج:۲، مسند احمد ص:۳۲۳، ج:۱)

(ترجمہ:"حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس زط (سوڈان) کے کچھ لوگ لائے گئے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، آپ نے ان کو آگ میں جلا دیا، اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:"جو شخص اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے، اس کو قتل کر دو۔")

- عن ابی موسیٰ قال اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال : ...ولکن اذہب انت یا ابا موسیٰ او یا عبد اللہ بن قیس الی الیمن، ثم اتبعہ معاذ بن جبل، فلما قدم علیہ القی لہ وسادۃ قال: انزل و اذا رجل عندہ موثق قال: ماہذا؟ قال: کان یہودیاً فاسلم ثم تہود، قال: اجلس! قال: لا اجلس حتی یقتل، قضاء اللہ ورسولہ ثلٰث مرات فامر بہ فقتل الخ (بخاری ص:۱۰۲۳، ج:۲، مسلم ص:۱۲۱، ج:۲، ابوداؤد ص:۲۴۲، ج:۲، نسائی ص:۱۶۹، ج:۲، سنن کبریٰ بیہقی ص:۱۹۵۵، ج:۸)

ترجمہ:"حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ابو موسیٰ یا عبد اللہ بن قیس! یمن جاؤ، اس کے بعد آپ نے معاذ بن جبلؓ کو بھی میرے پیچھے یمن بھیج دیا، حضرت معاذؓ یمن پہنچے اور ان کے بیٹھنے کے لیے مسند لگائی گئی تو انھوں نے دیکھا کہ (حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس) ایک آدمی بندھا ہوا ہے، حضرت معاذؓ نے پوچھا: اس کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور اب مرتد ہو گیا ہے، آپؓ نے فرمایا: جب تک اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے مطابق قتل نہیں کر دیا جاتا، میں نہیں بیٹھوں گا، انھوں نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا، جب وہ قتل ہو گیا تو حضرت معاذؓ تشریف فرما ہوئے۔")

- عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم رجل مسلم یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ۔ (ابوداؤد

ص:۲۴۲،ج:۲،نسائی ص:۱۶۵،ج:۲،ابن ماجہ ص:۱۸۲، سنن کبریٰ بیہقی ص:۱۹۴،ج:۸،ترمذی ص:۲۵۹، ج:۱، مسلم ص:۵۹،ج:۲)

(ترجمہ:"حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے، اس کا خون بہانا جائز نہیں، سوائے ان تین آدمیوں کے: ایک وہ جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے، دوسرا وہ جو کسی کو ناحق قتل کردے اور تیسرا وہ جو اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔")

- عن حارثة بن مضرب انه اتی عبداللہ فقال: ما بینی و بین احد من العرب حنة، و انی مررت بمسجد لبنی حنیفة، فاذا ہم یومنون بمسیلمة، فارسل الیہم عبداللہ فجیٔ بہم فاستتابہم، غیر ابن النواحة قال له، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لولا انک رسول لضربت عنقک، فانت الیوم لست برسول، فامر قرظة بن کعب فضرب عنقه فی السوق، ثم قال: من اراد ان ینظر الی ابن النواحة قتیلا بالسوق۔ (ابوداؤد ص:۲۴، ج:۲)

(ترجمہ:"حارثہ بن مضرب سے مروی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، (اور آپؓ نے فرمایا کہ) میرے اور عرب کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہے، پھر فرمایا: میں مسجد بنو حنیفہ کے پاس سے گزرا، وہ لوگ مسیلمہ کذاب کے ماننے والے تھے، حضرت عبداللہؓ نے ان کی طرف قاصد بھیجا، تاکہ ان سے توبہ کا مطالبہ کرے، پس سب سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا، سوائے ابن نواحہ کے، آپؓ نے اس سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کردیتا، (اس لئے کہ وہ مرتد ہونے کے علاوہ مرتد مسیلمہ کا قاصد تھا، ناقل) پس آج تم قاصد نہیں ہو، اس کے بعد آپؓ نے (حاکم کوفہ) قرظہ بن کعب کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردیا جائے، چنانچہ بازار ہی میں اس کو قتل کردیا گیا، اور فرمایا: جو ابن نواحہ کو دیکھنا چاہے، وہ بازار میں قتل شدہ موجود ہے۔")

- عن بہز بن حکیم عن ابیه عن جدہ معاویة بن حیدة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بدل دینه فاقتلوہ، ان اللہ لایقبل توبة عبد کفر بعد اسلامه (مجمع الزوائد، ص:۲۶۱،ج:۶)

(ترجمہ:"حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اس کو قتل کردو، بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کی توبہ قبول نہیں کرتے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔")

- عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ حین بعثہ الی الیمن: ایما رجل ارتد عن الاسلام فادعہ، فان تاب، فاقبل منہ، وان لم یتب، فاضرب عنقہ، وایما امرأۃ ارتدت عن الاسلام فادعہا، فان تابت، فاقبل منہا، وان ابت فاستتبہا۔ (مجمع الزوائد: ۲۶۳، ج:۶)

(ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن بھیجا تو فرمایا: جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے، اسے اسلام کی دعوت دو، اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لو، اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑادو، اور جو نسی عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے، اسے بھی دعوت دو، اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لو، اگر توبہ سے انکار کرے تو برابر توبہ کا مطالبہ کرتے رہو“۔)

- عن جریر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمہ۔ (ابوداؤد، ص: ۲۴۳، ج:۲، مشکوٰۃ، ص:۳۰۷)

(ترجمہ: ”حضرت جریر سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ اسلام سے کفر کی طرف واپس لوٹ جائے، اس کا قتل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔“)

- عن الحسن رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ (نسائی ص:۱۶۹، ج:۲)

(ترجمہ: ”حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے، اس کو قتل کر دو۔“)

- عن زید بن اسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ۔ (موطا امام مالک ص: ۶۴۰، جامع الاصول ص:۴۷۹، ج:۳)

(ترجمہ: ”حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اپنائے، اس کی گردن کاٹ دو“۔)

امام مالک اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”قال مالک و معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما نری واللہ اعلم من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ، وانہ من خرج من الاسلام الی غیرہ، مثل الزنادقۃ واشباہہم، فان اولئک اذا ظہر علیہم قتلوا، ولم یستتابوا، لانہ لایعرف توبتہم، وانہ کانوا یسرون الکفر ویعلنون الاسلام فلا اری یستتاب ہؤلاء ولایقبل منہم قولہم،

واما من خرج من الاسلام الی غیرہ واظہر ذلک فانہ یستتاب، فان تاب، والاقتل، ذلک لو ان قوما کانوا علی ذلک رایت ان یدعوا الی الاسلام ویستتابوا، فان تابوا قبل ذلک منہم، وان لم یتوبوا قتلوا، ولم یعن بذلک فیما نری، واللہ اعلم، من خرج من الیہودیۃ الی النصرانیۃ ولا من النصرانیۃ الی الیہودیۃ، ولا من یغیّر دینہ من اہل الادیان کلہا الا الاسلام فمن خرج من الاسلام الی غیرہ واظہر ذلک فذلک الذی عنی بہ‘‘۔(موطا امام مالک ص:۶۴۰)

یعنی امام مالک سے ارتداد کی تعریف میں منقول ہے کہ کوئی شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے مذہب میں داخل ہو جائے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے، جیسے کوئی زندیق ہو جائے، ایسے لوگوں کے بارہ میں اصول یہ ہے کہ جب زندیق پر غلبہ وتسلط حاصل ہو جائے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، کیونکہ ان لوگوں کی سچی توبہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں، پس میرا (امام مالک)خیال یہ ہے کہ ان کے کفر کی بنا پر ان کو قتل کر دیا جائے، ہاں اگر کوئی اسلام سے نکل کر مرتد ہو جائے تو اس سے توبہ کرائی جائے، توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:”من بدل دینہ فاقتلوہ“کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرلے وہ مرتد ہے، لہٰذا وہ شخص مرتد نہیں کہلائے گا جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر تھا، اوراس نے اپنا وہ مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا دین و مذہب اختیار کر لیا، لہٰذا نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا، مثلاً:اگر کوئی یہودی، نصرانی بن جائے یا کوئی نصرانی، مجوسی بن جائے، خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو، نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا۔

- عن عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری رحمہ اللہ، عن ابیہ انہ قال: قدم علی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رجل من قبل ابی موسی الاشعری، فسالہ عن الناس فاخبرہ؟ ثم قال لہ عمر بن الخطاب: ہل کان فیکم من مُغربۃ خبر؟ فقال نعم، رجل کفر بعد اسلامہ، قال: فما فعلتم بہ؟ قال: قربناہ فضربنا عنقہ، فقال عمر: افلا حبستموہ ثلاثا، واطعمتموہ کل یوم رغیفا، واستتبتموہ لعلہ یتوب ویراجع امر اللہ؟ ثم قال عمر اللہم انی لم احضر، ولم آمر، ولم ارض اذ بلغنی۔(موطا امام مالک ص:۶۴۰، جامع الاصول ص:۴۷۹، ج:۳)

(ترجمہ: ”حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد القاری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں حضرت ابو موسیٰؓ کی جانب سے یمن کا ایک شخص آپؓ کی خدمت میں آیا، آپ نے پہلے تو وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کئے، پھر اس سے پوچھا کہ وہاں کی کوئی نئی یا انوکھی خبر؟ اس نے کہا: جی ہاں! ایک آدمی اسلام لایا تھا، مگر بعد میں وہ مرتد ہو گیا، آپؓ نے فرمایا: پھر تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا: ہم نے اس کو پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی، آپؓ نے فرمایا: تم نے پہلے اسے تین دن تک قید کر کے اس سے توبہ کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟ ممکن ہے وہ توبہ کر لیتا؟ پھر فرمایا: اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا، نہ میں نے اس کے قتل کا حکم دیا اور جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں ان کے اس فعل پر راضی بھی نہیں ہوں۔)

چنانچہ ائمہ اربعہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام لے آئے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ گویا، اسلام سے باہر نکلنے کا بہر حال کوئی دروازہ نہیں ہے، یا تو توبہ کر کے دوبارہ اسی گٹر میں بقیہ زندگی گذار دیں یا اپنی گردن کو اسلامی قتل گاہ کی نذر کر دیں۔

شاتم رسول کی شرعی سزا

مرتد کی سزا کی طرح شاتم رسول کی سزا بھی اسلام میں مسلم ہے لیکن اس مسئلہ پر بھی نئے مجتہد اور تجدد پسند حضرات کا موقف برعکس ہے۔ ان کے مطابق، توہین رسالت کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی مقررہ سزا نہیں بلکہ اسے بھی حد حرابہ کے ضمن میں لایا جائے۔ معذرت خواہان اسلام کی رو سے اس جرم کے ارتکاب پر سزائے موت کو حد قرار دینے کے لئے قرآن یا حدیث میں کوئی قطعی یا صریح دلیل موجود نہیں۔ اس کا ماخذ عام طور پر ایسے واقعات کو بنایا گیا ہے جن میں ایسے افراد کو قتل کیا گیا جنہوں نے صرف سبّ و شتم کا نہیں، بلکہ اس کے علاوہ دیگر سنگین جرائم کا بھی ارتکاب کیا تھا یا سبّ و شتم کو مستقل روش کے طور پر اختیار کیا تھا۔ اس جرم کو سرکشی اور عناد کی انتہائی حد کے ساتھ منتھی کر دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اکیلی توہین رسالت کو مستقل بالذات جرم نہیں سمجھتے۔ یہ ویسا ہی موقف ہے جیسے متجددین کا یہ موقف ہے کہ رجم شادی شدہ زانی کی مستقل بالذات سزا نہیں ہے، تاہم وہ رجم کو زنا کے بدترین اور عادی مجرم کی انتہائی

سزا کے طور پر گوارا کرتے ہیں۔ تجد د پسندوں کی تمام طول طویل تاویلات کو ہم یہاں رقم کرنے سے قاصر ہیں، لہٰذا ہم انھیں چند نکات میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے مطابق:

(1)توہین رسالت کی سزا کتاب وسنت میں مقررہ طور پر کہیں بیان نہیں ہوئی۔(2)صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ تمام اہل علم اسے ایک تعزیری سزا ہی سمجھتے ہیں۔(3)ان کے خیال میں توہین رسالت کی سزا کو امت مسلمہ میں سے کوئی بھی حد تسلیم نہیں کرتا اور سب سے پہلے اسے حد قرار دینے کی غلطی امام ابن تیمیہ سے سرزد ہوئی۔(4)احناف کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ عمومی قانون کے طور پر سزاے موت کے بجائے کم تر سزاؤں کا نفاذ زیادہ قرین قیاس ومصلحت ہے۔فقہاے احناف کے نزدیک پہلے پہل مجرم سے درگزر کرنا اور اس کو ہلکی پھلکی سزا دینے پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔(5)توہین رسالت کی سزا جرم کی شدت کے پیش نظر ہو گی، اور یہ سزا نبی نے معاشرے میں فساد یعنی محاربہ کے نقطہ نظر سے دی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تمام دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ احادیث کے نہ صرف درجنوں واقعات بلکہ صریح احادیث میں اصولی طور پر شتم رسول کی سزا کو قتل ہی قرار دیا گیا ہے ان احادیث کی رو سے شاتمان رسول: کعب بن اشرف، عبد اللہ بن خطل، اس کی لونڈیاں، مقیس بن صبابہ، عبد اللہ بن سرح اورابو رافع یہودی وغیرہ کی طرف پیغمبر اسلام نے خود مہمات روانہ کیں اور اپنی دعاؤں اور نگرانی میں انہیں بھیجا۔ خالد بن ولید، زبیر اور حسان بن ثابت وغیرہ کو محمد نے باقاعدہ یہ کہہ کر شاتمان رسول کو قتل کرنے کی دعوت دی کہ میرے دشمن سے کون مجھے بچائے گا؟ نابینا صحابی، عمیر بن امیہ، عمر فاروق، عمیر بن عدی خطمی اور ابن قانع وغیرہ کے معاملات آپ کے سامنے آئے اور شتم رسول کی بنا پر محمد نے ان واقعات میں مقتولین کے خون کو نہ صرف رائیگاں قرار دیا بلکہ صحابہ کی تعریف بھی کی۔ اب درج بالا شبہات کے تناظر میں مسئلہ شتم رسول کی شرعی حیثیت بالاختصار ملاحظہ فرمائیے:

- ابو بکر کی حدیث اس باب میں بالکل صریح اور اصولی ہے۔ امام نسائی نے اپنی سنن نسائی کی کتاب تحریم الدم کے باب حكم في من سبّ النبي میں ابو برزہ اسلمی سے اس واقعہ کو روایت کیا ہے:

قَالَ غَضِبَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى رَجُلٍ غَضَبًا شَدِيدًا حَتَّى تَغَيَّرَ لَوْنُهُ قُلْتُ: يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللهِ! وَاللهِ لَئِنْ أَمَرْتَنِي لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَهُ فَكَأَنَّمَا صُبَّ عَلَيْهِ مَاءٌ بَارِدٌ فَذَهَبَ غَضَبُهُ عَنِ الرَّجُلِ قَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا بَرْزَةَ وَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ

(ایک بار سیدنا ابو بکر ایک شخص پر انتہائی ناراض ہوئے، حتیٰ کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ میں نے کہا :اے رسول اللہ کے خلیفہ !واللہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن مار دوں۔ [یہ بات سن کر] گویا ان [ابو بکر صدیق] پر ٹھنڈا پانی بہا دیا گیا ہو اور اس شخص سے آپ کا غصہ جاتا رہا اور فرمانے لگے: ابو برزہ! تیری ماں تجھے گم پائے، رسول کے بعد کسی کی گستاخی پر اس کو قتل کرنے کی سزا نہیں۔)

- یوں تو اس موضوع پر بہت سے اصولی فیصلے موجود ہیں، جن میں صحیح بخاری میں کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع یہودی کے واقعات قابل ذکر ہیں، تاہم مذکورہ بالا حدیث میں ایک بار رسول کی گستاخی کرنے والے کے لئے بھی یہ سزا اصولی طور پر بیان ہوئی ہے، اِس لئے ہم نے اس کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی وجہ زبان محمد سے یہ بیان ہوئی ہے: من لكعب بن الأشرف؟ فإنه قد آذى الله ورسوله (کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف و اذیت سے دوچار کیا ہے۔)
- اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اس موضوع پر بڑا مختصر لیکن جامع موقف پیش کیا ہے:

فهٰذا قضاؤه وقضاء خلفائه من بعده ولا مخالف لهم من الصحابة وقد أعاذهم الله من مخالفة هذا الحكم .وفي ذلك بضعة عشر حديثًا ما بين صحاح وحسان ومشاهير وهو إجماع الصحابة. . . والآثار عن الصحابة بذٰلك كثيرة وحكي غير واحد من الأئمة: الإجماع على قتله. قال شيخنا: وهو محمول على إجماع الصدر الأول من الصحابة والتابعين والمقصود: إنما هو ذكر حكم النبي وقضائه فيمن سبه. وأما تركه قتل من قدح فيعدله بقوله: "اعدل فإنك لم تعدل" وفي حكمه بقول: "أن كان ابن عمتك." وفي قصده بقوله: "إن هذه قسمة ما أريد بها وجه الله" أو في حكومته بقوله: "يقولون إنك تنهى عن الغي وتستحلي به فذلك أن الحق له فله أن يستوفيه وله أن يتركه وليس لأمته ترك استيفاء حقه وأيضًا فإن كان هذا في أول الأمر حيث كان مأمورًا بالعفو والصفح وأيضًا فإنه كان يعفو عن حقه لمصلحة التاليف وجمع الكلمة ولئلا ينفِّر الناس عنه ولئلا يتحدثوا أنه يقتل أصحابه وكل هذا يختص بحياته

(نبی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کا یہی فیصلہ ہے جس کا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس حکم کی مخالفت سے بچائے رکھا۔ اس ضمن میں دس سے اوپر احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں صحیح، حسن اور مشہور احادیث شامل ہیں اور اس مسئلہ پر اجماعِ صحابہ کرام ہے۔ اس باب میں صحابہ

کرام سے مروی آثار تو بہت زیادہ ہیں اور ایک سے زائد ائمہ اسلاف سے شاتم کے سزائے قتل پر اجماع کی صراحت بھی منقول ہے۔ ہمارے استاد شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ سب امور صدر اول میں صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارا یہاں آپ کو سبّ و شتم کرنے والے بدبخت کے لئے آپ کا حکم اور فیصلہ کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ جہاں تک آپ کا اس بدبخت کو چھوڑ دینا ہے جس نے آپ کے وصف عدل میں یہ کہہ کر الزام تراشی کی تھی کہ ''آپ انصاف فرمایئے، آپ نے انصاف نہیں کیا۔'' اور جس نے آپ کے فیصلہ میں یہ کہہ کر بداعتمادی ظاہر کی تھی کہ ''یہ اس لئے آپ نے کیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے،[اس لئے آپ کا فیصلہ اس کے حق میں ہے]'' اور جس نے آپ کے ارادہ میں یہ کہہ کر عیب جوئی کی تھی کہ ''آپ نے اس تقسیم کے ذریعے اللہ کی رضا پوری نہیں کی۔'' اور جس نے آپ کی خلوت پر یوں طعنہ طرازی کی تھی کہ ''آپ تو گمراہی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کو گوارا کرتے ہیں۔'' تو ان گستاخیوں کو نظر انداز کرنے کا سبب یہ تھا کہ اپنی توہین کو معاف کر دینا آپ کا ہی حق تھا، آپ چاہتے تو اس کا پورا بدلہ لیتے اور چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے، تاہم آپ کی امت کے لئے آپ کے حق کی تکمیل چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مزید بر آں اس جیسے واقعات اولین دور کے ہیں جب آپ معافی اور درگزر کرنے کا حکم دیے گئے تھے۔ اس وقت آپ تالیف قلب، کلمہ اسلام کو مجتمع رکھنے اور لوگوں کے متنفر ہو جانے کے ڈر سے معافی کا راستہ اختیار کیا کرتے اور اس لئے بھی کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں کہ آپ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الغرض شتم رسول پر تمام قسم کی معافیاں آپ کی حیات طیبہ سے ہی مخصوص ہیں۔)

لہٰذا، اس بنا پر شاتم رسول کے لئے قرآن و حدیث میں سزائے موت ایک مقرر سزا کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ اس مسئلہ پر صحابہ سے لے کر آج تک اجماع امت چلا آتا ہے، اور واضح ہے کہ اجماع کی ان عبارتوں میں کہیں اس سزا کے لئے تکرار وغیرہ کی شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی کوئی ہلکی پھلکی سزائیں پیش کی گئی ہیں۔

کیا اس کو سب سے پہلے امام ابن تیمیہ نے حد قرار دیا؟

تجدد پسندوں کا دعویٰ ہے کہ آٹھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہ نے سب سے پہلے شتم رسول کو حد قرار دے کر تعبیر کی غلطی کو بنیاد فراہم کی۔ مزید بر آں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاتم رسول کی مقررہ سزا نہ ہونے پر امت اسلامیہ میں اتفاق ہے۔ ان کے یہ دونوں دعوے سراسر غلط ہیں۔ کیونکہ:

- خیر القرون میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس جرم کی سزا کے قتل ہونے پر اجماع ہو چکا تھا، جیسا کہ حافظ ابن قیم اور حنفی عالم مولانا یوسف لدھیانوی کے ذریعے اس کی صراحت پیچھے گزر چکی ہے۔ اجماعِ صحابہ کی یہ صراحت امام ابن تیمیہ، قاضی ابن عابدین شامی اور قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ قاضی عیاض (متوفیٰ: 544ھ) لکھتے ہیں:

اعلم – وفقنا الله وإياك أن جميع من سب النبي، أو عابه، أو ألحق به نقصًا في نفسه، أو نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصائله، أو عرض به، أو شبهه بشيء على طريق السب له، أو الإزراء عليه، أو التصغير لشأنه، أو الغض منه، والعيب له، فهو ساب له، والحكم فيه حكم الساب، وكذلك من لعنه، أو دعا عليه، أو تمنى مضرة له، أو نسب إليه ما لا يليق على طريق الذم، أو عبث في جهته العزيزة بسخف من الكلام وهجر، ومنكر من القول وزور، أو عيره بشيء مما جرى من البلاء والمحنة عليه، أو غمصه ببعض العوارض البشرية الجائزة والمعهودة لديه، وهذا كله إجماع من الصحابة وأئمة الفتوى من لدن الصحابة رضوان الله عليهم إلى هلم جرًا.... ولا نعلم خلافاً في استباحة دمه – يعني ساب الرسول–بين علماء الأمصار وسلف الأمة، وقد ذكر غير واحد الإجماع على قتله وتكفيره

(جان لیجئے، اللہ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہر وہ بدبخت جو نبی کریم کو گالی دے، عیب جوئی کرے، آپ کی ذاتِ مبارکہ سے کوئی نقص منسلک کرے، یا آپ کے نسب شریف میں، یا آپ کے دین میں یا آپ کی کسی عادت مبارکہ میں، یا ان چیزوں کو پیش کرے، یا آپ کو ان میں سے کسی سے ازراہِ گستاخی تشبیہ دے یا آپ کی تحقیر کرے، یا آپ کے مقام کو کم کرے یا گرائے، یا ان میں کوئی عیب لگائے تو وہ آپ کا گستاخ ہے۔ اس کی سزا گستاخ کی سزا ہے۔ اس میں وہ بدبخت بھی شامل ہے جو آپ پر لعنت کرے، آپ کو بددعا دے یا آپ کو نقصان پہنچنے کی دعا کرے، یا ازراہ مذمت شان مبارکہ کی طرف غیر مناسب چیز منسوب کرے یا مقام مقدس کی طرف ہلکی بات یا غلط اور جھوٹی بات منسوب کرے۔ یا دعوت دین کے سلسلے میں جو مشقتیں آپ کو برداشت کرنا پڑیں ان سے آپ کی شرمندگی کا سامان پیدا کرے، یا بعض بشری ممکنہ عوارض کی بنا پر آپ شان میں کمی کرے۔ ایسے شاتم کے خون کے مباح ہونے میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ جملہ صحابہ اور فتویٰ کے ائمہ کا اِن کے کفر اور قتل پر آج تک اجماع چلا آرہا ہے۔)

آگے لکھتے ہیں: ''ایسے بدبخت یعنی شاتم رسول کے خون حلال ہونے میں دور حاضر کے علما اور اسلاف امت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اور ایک سے زائد ائمہ نے اس شاتم کے قتل اور کافر ہو جانے پر اجماع کا تذکرہ کیا ہے۔''

- مزید بر آں علامہ ابن المنذر (متوفی 319ھ) نے تیسری صدی ہجری میں اس کے حد ہونے پر امت اسلامیہ کا اجماع نقل کیا ہے:

أجمع العلماء على أن شاتم النبي والمنتقص له كافر والوعيد جاء عليه بعذاب الله له وحكمه عند الأمة القتل ومن شكّ في كفره وعذابه كفر

(اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی کو گالی دیتا ہے، اس کی حد قتل کرنا ہے۔ اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام اسحٰق نے بھی اختیار فرمایا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔)

- بلاد مغرب کے نامور فقیہ محمد بن سحنون مالکی (متوفیٰ: 265ھ) لکھتے ہیں:

أجمع العلماء على أن شاتم النبي والمنتقص له كافر والوعيد جاء عليه بعذاب الله له وحكمه عند الأمة القتل ومن شكّ في كفره وعذابه كفر۔

(علما کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کا شاتم اور نقص گوئی کرنے والا کافر ہے۔ اور اس پر اللہ کے عذاب کی وعید آئی ہے۔ اُمت کے ہاں اس کی سزا قتل ہے۔ جو شخص بھی اس کے کفر وعذاب میں شک کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے۔)

- امام اسحٰق بن راہویہ (متوفی: 238ھ) نے بھی اسی پر اجماع نقل کیا ہے:

أجمع المسلمون على أن من سبّ الله أو سبّ رسوله أو دفع شيئًا مما أنزل الله عزوجل أو قتل نبيا من أنبياء الله عزوجل أنه كافر بذلك۔

(مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا گستاخ، یا اللہ کی نازل کردہ شے کو رد کرنے والا، یا انبیاء اللہ سے کسی نبی کو قتل کا ارتکاب کرنے والا اس فعل پر کافر ہو جاتا ہے۔)

- قاضی حسین شافعی نے امام ابو بکر فارسی سے نقل کیا ہے:

أجمعت الأمة على أن من سب النبي يقتل حدًا۔

(اس پر اجماع امت ہے کہ نبی ﷺ کا شاتم وگستاخ حد کے طور پر قتل کر دیا جائے۔)

اسی بات کو صحیح بخاری کی شرح فتح الباري میں حافظ ابن حجر نے یوں لکھا ہے:

ونقل أبو بكر الفارسي أحد أئمة الشافعية في كتاب الإجماع: أن من سب النبي مما هو قذف صريح كفر باتفاق العلماء، فلو تاب لم يسقط عنه القتل؛ لأن حدَّ قذفه القتل، وحد القذف لا يسقط بالتوبة... فقال الخطابي لا أعلم خلافًا في وجوب قتله إذا كان مسلمًا

(ائمہ شافعیہ میں سے امام ابو بکر نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی کو گالی دی جس سے صریح تہمت ظاہر ہوتی تھی تو ایسا شخص اجماعِ علماء کی رو سے کافر قرار پائے گا۔ اگر توبہ بھی کرلے تو اس سے قتل ساقط نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کی اس تہمت کی حد قتل ہے۔ اور تہمت یعنی قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ خطابیؒ فرماتے ہیں: اگر وہ مسلم ہے تو اس کے واجب القتل ہونے میں مجھے کوئی مخالف نظر نہیں آیا۔)

- امام خطابی (متوفی: 388ھ) کے حوالے سے اجماع کا دعویٰ صاحبِ فتح الباری نے بھی کیا ہے، جب کہ امام خطابی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

ان السب منه الرسول الله ارتداد عن الدين ولا أعلم أحدًا من المسلمين اختلفوا في وجوب قتله۔

(نبی کریم ﷺ کو دشنام طرازی کرنا دین سے ارتداد ہے۔ اور میں مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کے واجب القتل ہونے پر اختلاف کیا ہو۔)

- امام ابن حزم اندلسی (م456ھ) لکھتے ہیں:

ومن أوجب شيئًا من النكال على رسول الله أو وصفه، وقطع عليه بالفسق، أو بجرحه في شهادته فهو كافر مشرك مرتد كاليهود والنصارى حلال الدم والمال، بلا خلاف من أحد من المسلمين۔

(جس بدبخت نے نبی کریم کی رسوائی کا ارتکاب کیا یا آپ کو اس سے منسوب کیا اور آپ پر فسق کا الزام لگایا یا آپ کی شہادت رسالت میں زیادتی کی تو یہود و نصاریٰ کی طرح وہ کافر و مشرک مرتد ہے، اس کا مال وخون حلال ہے۔ اس بارے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔)

- قاضی عیاض (متوفیٰ: 544ھ) بھی اس پر اجماع کا تذکرہ کرتے ہیں:

أجمعت الأمة على قتل منتقصه من المسلمين وسابه۔

(امت کا نبی کریم کی تنقیص کرنے والے اور شاتم کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔)

- امام تقی الدین علی سبکی شافعی (م756ھ) لکھتے ہیں:

وقد ذكرت في كتابي المسمى بالسيف المسلول أن الضابط أن ما قصد به أذى النبي فهو موجب للقتل كعبد الله بن أبي وما لم يقصد به أذى النبي لا يوجب القتل كمسطح وحمنة. أما سب النبي عق كفر والاستهزاء به كفر۔

(میں نے اپنی کتاب 'السیف المسلول' میں یہ اصول پیش کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل سے نبی کریم کو اذیت دینا چاہتا ہو تو ایسا بد بخت واجب القتل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن ابی تھا اور جس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کی سزا قتل نہیں ہوگی جیسا کہ مسطح اور حمنہ کا معاملہ ہے [جنہوں نے سیدہ عائشہ پر افک میں شرکت کی تھی] جہاں تک شتم رسول کی بات ہے تو اس فعل کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور آپ کا تمسخر اڑانا بھی کفر ہی ہے۔)

اس عبارت میں امام موصوف نے بیان اجماع کے ساتھ ساتھ نیت و ارادۂ گستاخی پر ایک اصول بھی پیش کیا ہے جو قابل توجہ ہے۔

- قاضی ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

فعُلم أن المراد من نقل الإجماع على قتله قبل التوبة ثم قال وبمثله قال أبو حنيفة وأصحابه۔

(اگر کسی نے نبی کریم کو گالی دی تو توبہ سے پہلے اس کو قتل کرنے پر اجماع ہے۔ یہی نظریہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔)

ایک اور مقام پر صحابہ کے اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذه نقول معتضدة بدليلها وهو الإجماع، ولا عبرة بما أشار إليه ابن حزم الظاهري من الخلاف في تكفير المستخف به فإنه شيء لا يعرف لأحد من العلماء، ومن استقرأ سير الصحابة تحقق إجماعهم على ذلك، فإنه نقل عنهم في قضايا مختلفة منتشرة يستفيض نقلها ولم ينكره أحد، وما حكي عن بعض الفقهاء من أنه إذا لم يستحل لا يكفر زلة عظيمة، وخطأ عظيم لا يثبت عن أحد من العلماء المعتبرين، ولا يقوم عليه دليل صحيح، فأما الدليل على كفره فالكتاب والسنة والإجماع والقياس

(جو ہم کہہ رہے ہیں، اس کا اعتماد وانحصار اجماع پر ہے۔ اور اس اجماع کو ابن حزم ظاہری کا یہ کہنا متاثر نہیں کرتا جہاں انہوں نے آپ کا استخفاف کرنے والے کی تکفیر پر اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ وہ شے ہے جس کو علما میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ اور جس نے صحابہ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے، اس پر ان کا اجماع واضح ہے۔ یہ چیز ان

کے مختلف فیصلوں میں منقول و مشہور ہے جس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور بعض فقہا سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ یہ کام حلال سمجھ کر نہ کرے تو کافر نہیں ہو گا، یہ بہت بڑی لغزش اور غلطی ہے جو معتبر علما میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔ اور اس پر کوئی صحیح دلیل بھی قائم نہیں ہے۔ ایسے بد بخت کے کفر پر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس واضح دلیل ہیں۔)

- فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسی نے بھی شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو، اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

المختصر، تجدد پسندوں کا علامہ ابن تیمیہ کو اس ضمن میں پہلا شخص قرار دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ اول تو شتم رسول کی سزاے موت ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ ثانیاً، امام ابن تیمیہ (متوفی 728ھ) سے کئی سو برس قبل علامہ ابن المنذر (متوفی 319ھ) توہین رسالت کی مقررہ سزا پر نہ صرف اجماع کا دعویٰ کر چکے ہیں بلکہ اسی موقف کو انہوں نے امام مالک، احمد، لیث، اسحٰق، اور امام شافعی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ اوپر جتنے بھی علما نے اس موضوع پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، وہ سب ہی امام ابن تیمیہ سے پہلے گذر چکے ہیں۔ جبکہ امام ابن تیمیہ کے بعد اس مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرنے والے امام سبکی اور حنفی علماے کرام میں سے قاضی ابن عابدین شامی، امام سرخسی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا عبد المالک کاندھلوی، مولانا یوسف لدھیانوی اور مولانا رفیع عثمانی قابل ذکر ہیں۔

اب جہاں تک تجدد پسندوں کا یہ دعویٰ کہ اسلامی اصول کے مطابق شاتم رسول کی سزا محاربہ (یعنی فساد فی الارض) سے منتھی ہے یعنی اکیلے سب و شتم پر سزا کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اگرچہ اوپر ابو بکر اور عمر کے حوالے سے احادیث ہم نے پیش کر دی ہیں لیکن مزید وضاحت کے لیے نہایت ہی اختصار کے ساتھ ہم مزید کچھ مثالیں پیش کر دیتے ہیں:

- اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ عمر کا ہے جس میں انہوں نے نبی کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے والے منافق کی گستاخی کی سزا، اس کو قتل کر کے دی تھی:

لا تعجلا حتى أخرج إليكما فدخل فاشتمل على السيف وخرج فقتل المنافق ثم قال: هكذا أقضي بين من لم يرض بقضاء رسول الله. فأتى جبريل رسول الله فقال: إن عمر قد قتل الرجل وفرق الله بين الحق والباطل على لسان عمر. فسُمِّي الفاروق

(میرے آنے سے قبل نکل مت جانا۔ پھر حضرت عمر تلوار لے کر اور منافق کو قتل کر دیا، پھر فرمایا: اس کے بارے میرا فیصلہ یہ ہے جو رسول اللہ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا۔ پھر حضرت جبریل نبی کریم کے پاس آئے اور

انہیں بتایا کہ عمر نے اس کو قتل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان سے حق اور باطل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس بنا پر عمر کا نام 'فاروق' رکھ دیا گیا۔)

- حضرت عمر نے فرمایا:

أُتي عمر برجل سبّ النبي فقتله، ثم قال عمر: من سبّ الله أو سبّ أحدًا من الأنبياء فاقتلوه۔

حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شان رسالت ﷺ میں گستاخی کی تھی۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔

- علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: من سبّ نبیا قُتل و من سبّ أصحابه جُلِد "جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے آپ کے صحابہ کو گالی دی تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔"
- سیدنا علی بن ابی طالب کا فرمان ہے: "جس نے رسول اللہ کی توہین کی، اس کی گردن مار دی جائے۔"
- دور عمر کا ایک ایمان افروز واقعہ یوں ہے:

أن غلمانا من أهل البحرين خرجوا يلعبون بالصوالجة، وأسقف البحرين قاعد فوقعت الكرة على صدره فأخذها، فجعلوا يطلبونها منه فأبى، فقال غلامهم: سألتك بحق محمد إلا رددتها علينا، فأبى -لعنه الله- وسب رسول الله، فأقبلوا عليه بصواليجهم، فما زالوا يخبطونه حتى مات، فرفع ذلك إلى عمر بن الخطاب، فوالله ما فرح بفتح ولا غنيمة كفرحه بقتل الغلمان لذلك الأسقف، وقال: الآن عز الإسلام، إن أطفالا صغارًا شُتم نبيهم، فغضبوا اله وانتصروا۔

(اہالیان بحرین کے بچے باہر نکل کر صوالجہ (ہاکی جیسا) کھیل رہے تھے اور بحرین کا بڑا پادری وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک گینداس کے سینے پر جالگا تو اس نے اسے پکڑ لیا، بچے اس سے گیند مانگنے لگے، اس نے دینے سے انکار کر دیا اور نبی کریم کو بھی گالی دی۔ سارے بچے مل کر اپنی کھیل کی لاٹھیوں کے ساتھ اس پر پل پڑے اور اس کو اس وقت زدوکوب کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ قضیہ عمر بن خطاب کی طرف بھیجا گیا تو بخدا آپ فتح یا مال غنیمت سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس بشپ کو قتل کرنے پر مسرور ہوئے۔ اور آپ نے کہا کہ آج اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے کہ بچوں نے اپنے نبی کی گستاخی پر غیض و غضب کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے انتقام لے لیا۔)

ایسے ہی اصولی فرامین سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر اور عمر بن عبد العزیز وغیرہ سے بھی مروی ہیں، جن کا تذکرہ باعث طوالت ہو گا۔

لہٰذا غامدی صاحب اور دیگر تجدد پسندوں کا یہ کہنا کہ توہین رسالت کی سزا کا جو قانون ریاستِ پاکستان میں نافذ ہے، اس کا کوئی ماخذ قرآن وحدیث میں تلاش نہیں کیا جاسکتا، سراسر غلط بیانی ہے۔ ان تجدد پسندوں کا نفسیاتی مسئلہ یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون چونکہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا سبب بن رہا ہے، لہٰذا اسے کالعدم قرار دے دیا جائے یا پھر اس کے ماخذ کی من گھڑت تاویل پیش کر کے مخالفین اسلام کو باور کرایا جائے کہ اسلام امن پسند مذہب ہے جس میں اس طرح کی غیر عقلی اور غیر انسانی سزاؤں کی گنجائش نہیں ہے۔

میں ذاتی طور پر غامدی صاحب اور ان تمام تجدد پسندوں کو خوش آمدید کہتا ہوں جنھیں ارتداد اور توہین کی سزائیں غیر انسانی لگتی ہیں اور اس کی مذمت کرنے میں وہ کوئی موقع نہیں گنواتے، لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایسا محض اسلام کی آبرو بچانے کے لیے کر رہے ہیں، نہ کہ اس میں ان کی نیک نیتی شامل ہے۔ اگر ہوتی تو وہ تاویلات کی بجائے اصلاحات کا سہارا لے کر مسلمانوں میں انقلابی فکر پیدا کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ کام جوکھم کا ہے، کیوں کہ چودہ سو سالوں میں مسلمانوں کے اندر ایک بھی اسلامی اصلاحی تحریک کا نام ونشان نہیں ملتا، جو ملتا ہے، وہ محض تو تعبیری اختلاف کا ملتا ہے۔ غامدی صاحب اور دیگر تجدد پسند بھی یہی کام کر رہے ہیں، وہ تعبیری اختلافات پیش کر رہے ہیں، نہ کہ وہ اسلام میں اصلاحات کرنے کی جسارت کر رہے ہیں، لہٰذا قانون توہین رسالت کی سزا پر ضیا الحق اور مولویوں کو کوسنے کی بجائے صدر اول سے لے کر اب تک اس کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے اور کھل کر اسلام کے اس ظالمانہ اصول کی مذمت کرنا لازمی ہے ورنہ آپ کی پوری زندگی اسی طرح اسلام کے چہرے پر لگی کالک کو صاف کرتے گذر جائے گی لیکن نتیجہ معلوم۔

اختلافِ رائے گناہ عظیم ہے

پہلے قرآن کی درج ذیل آیت ملاحظہ فرمالیں:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ۔ القرآن:4:82

(کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔)

اب اس قرآنی ترغیب پر جن ارباب علم و دانش نے غور و فکر کیا اور نتیجتاً اس میں بہت سارا اختلاف پایا، ان کا کیا حال ہوا، مختصر میں ان کا تعارف اور احوال پیش خدمت ہے:

- علی دشتی:

معروف ایرانی سیاست داں اور مورخ اسلام علی دشتی کو ان کی تصنیف "23 years" پر جیل ہوئی اور سخت ایذا رسانی کے سبب ان کی موت واقع ہو گئی۔

- ہتوشی اگراشی:

اس جاپانی مترجم نے سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کا ترجمہ کرنے کا گناہ کیا تھا، چنانچہ جولائی 1991 میں اسے چھرا گھونپ کر مار دیا گیا۔

- ایتورے کیپریولی:

ایک اطالوی مترجم جس نے سلمان رشدی کی ہی کتاب کا ترجمہ کرنے کی جسارت کی تھی، اسے بھی چھرا گھونپا گیا لیکن بچ گیا۔

- عزیز نیسن:

ایک ترکی پبلشر اور قلم کار جس نے "شیطانی آیات" پر ایک ترکی نیوز پیپر میں تبصرہ لکھا تھا، اس پر 1993 میں ایک مذہبی بھیڑ نے حملہ کیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

- ولیم نائیگارڈ:

"شیطانی آیات" کا ایک نارویجین مترجم اور پبلشر۔ اس کی پشت پر ایک اسلامی انتہا پسند نے 1993 میں چار گولی ماری۔

- نجیب محفوظ:

عالمی شہرت کے حامل اور نوبل انعام یافتہ مصری مصنف۔ ان پر 1994 میں چھرے سے حملہ ہوا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں "توہین اسلام" نام پر برسوں پہلے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس حملے سے محفوظ جسمانی اور ذہنی طور پر اتنے مجروح ہوئے کہ پھر لکھنے کے لائق نہ بچے۔

- تسلیمہ نسرین:

ایک بنگلہ دیشی فزیشین، شاعرہ اور مصنفہ۔ 1993 میں انھیں مرتد قرار دیا گیا اور توہین اسلام کے جرم میں علما نے انھیں واجب القتل اعلان کیا۔ اسی سال تقریباً تین لوگوں نے بنگلہ دیش میں احتجاج کر کے تسلیمہ کو زندہ جلانے کا مطالبہ کیا۔ مصنفہ نے فرار ہو کر مغرب میں پناہ لی اور اب تک ملک بدری کا عذاب جھیل رہی ہیں۔

- فراگ فوڈا:

ایک مصری قلم کار اور حقوق انسانی کا علم بردار۔ فوڈا کو ایک دہشت گرد تنظیم نے الازہر سے مرتد کا فتویٰ جاری ہونے کے بعد گولی مار دی۔

- انور شیخ:

ایک کشمیری نژاد اسکالر۔ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے اسلام کی سامراجی ذہنیت پر ایک کتاب لکھی تھی جس پر ان کے قتل کا فتویٰ صادر ہوا۔ فی الحال وہ ایک مغربی ملک میں زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔

- نصر ابوزید:

ایک مصری قرآنی اسکالر۔ 1995 میں انھیں مرتد قرار دے دیا گیا کیوں کہ انھوں نے قرآن کی متنی تنقید کرنے کی جرآت کی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی بچانے کے لیے مغرب میں پناہ لی لیکن اب تک ان کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔

- رشاد خلیفہ:

ایک اسلامی مجتہد۔ ان کے خلاف سعودی عربیہ کے۔ ان کے خلاف سعودی عربیہ کے 38 اسلامی اسکالر نے فتویٰ صادر کیا۔ خلیفہ کا قتل القاعدہ نے 1990 میں ایریزونا میں کر دیا۔

- معطوب الوناس:

الجزائر کا معروف نغمہ نگار، گلوکار اور سیاست داں۔ اس کا قتل 1998 میں ہوا۔ یہ قتل اب تک معمہ بنا ہوا ہے لیکن بنیاد پرست اسلامی تنظیم GIA پر اس کے قتل کا شک ہے۔ اس تنظیم نے معطوب کو 1994 میں اغوا کیا تھا اور دو ہفتے یر غمال بنا کر رکھا۔

- ڈاکٹر یونس شیخ:

پاکستانی فزیشین اور لیکچرر۔ 2001 میں اس پر توہین اسلام کا مجرمانہ مقدمہ عائد ہوا جب اس نے دعویٰ کیا کہ پیغمبر اسلام کے والدین مسلمان نہیں تھے اور پیغمبر غیر مختون تھے۔ 2001 میں انھیں سزائے موت سنائی گئی لیکن اسی دوران انھوں نے ایک مغربی ملک میں پناہ لے لی۔

- رابرٹ حسین (حسین قنبر علی):

ایک کویتی نژاد تاجر۔ ایک سابق شیعہ مسلم۔ 1996 میں اس پر ارتداد کا الزام لگا کیوں کہ اس نے عیسائی مذہب قبول کرنے کا جرم کیا تھا۔ بعد ازاں اس نے ایک مغربی ملک میں پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔

- نوال السعداوی:

ایک معروف مصری مصنفہ۔ اس پر 2001 میں مرتد ہونے کا الزام لگا کیوں کہ اس نے اپنی ایک کتاب میں حج بیت اللہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ قبل از اسلام کفاروں کی رسم تھی۔ انھیں اپنے شوہر سے طلاق لینا پڑا کیوں کہ اسلامی قانون کے مطابق کسی مسلمان مرد کے نکاح میں کوئی مرتد عورت نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنے وطن سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔

- تہمینہ ملنی:

ایک ایرانی فلم ساز۔ اسے اگست 2001 میں گرفتار کیا گیا، اس پر الزام یہ تھا کہ "خدا کے خلاف جنگ" کرنے کی جسارت کی ہے۔ اس نے اپنی فلم میں اسلامی ریاستوں میں عورتوں کے حالت زار کو موضوع بنایا تھا۔

- محمود محمد طلال:

سوڈان کا اسلامی ریفارمر۔ کافی کتابوں کے اس مصنف نے اسلامی شریعت پر تنقید کرنے کی جسارت کی جس کے بعد اس پر فتنہ پیدا کرنے کا الزام لگا اور اسے مرتد قرار دے دیا گیا۔ بالآخر سوڈان کی ایک اسلامی عدالت نے 1985 میں پھانسی کی سزا سنائی۔

آخری بات

مجھے لگتا ہے کہ پوری تہذیبِ انسانی سوال پر کھڑی ہے۔ میں کون ہوں؟ تم کون ہو؟ ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟ یہ کیوں چلتی ہے پھر کیوں رک جاتی ہے؟ سورج مشرق سے ہی کیوں نکلتا ہے؟ اگر زمین گھوم رہی ہے تو پھر ساکت کیا

ہے ؟ جس طرح خاموشی آوازوں کی مرشد ہے اسی طرح سوال جواب کا باپ ہے۔ سوال کی نوعیت و معیار ہی وہ ڈی این اے ہے جو میرے علمی شجرے کا پتہ دیتا ہے۔ سوال وہ پیمانہ ہے جس سے میری ذہانت، غبابت اور سوچ کی گہرائی یا اتھلا پن فوراً ناپا جاسکتا ہے۔

جواب معمولی ہو سکتا ہے مگر سوال معمولی نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ سوال کتنا معمولی اور بے وقوفانہ ہے کہ سیب نیچے کی طرف ہی کیوں گرتا ہے اوپر کیوں نہیں جاتا؟ مگر اس ایک سوال نے کشش ثقل کا مسئلہ حل کر کے ایک فلکیاتی جہان کھول دیا۔ جب سب انسانوں کے خون کا رنگ ایک سا ہے، دماغ کا حجم یکساں ہے، کرہ ارض بھی سب کا سانجھا ہے، مرنا بھی سب کو ہے تو پھر یہ اونچ نیچ اور طبقاتی تقسیم کی فارسی کیا ہے؟ اس ایک سوال نے کارل مارکس پیدا کر دیا۔ کیا تشدد بڑی طاقت ہے یا عدم تشدد؟ اس سوال کا جواب گاندھی، مارٹن لوتھر کنگ اور نیلسن منڈیلا کی صورت میں موجود ہے۔

جب انسان کو عقل دی گئی ہے تو پھر اسے ایک تصور یا نظریے کی زنجیر میں میں تا قیامت کیسے جکڑا جا سکتا ہے اور اسے مختلف انداز میں سوچنے سے کیسے روکا جاسکتا ہے اور جب روکا جاتا ہے تو اس کے کیا فوائد و نقصانات ہوتے ہیں؟ اس ایک سوال نے روشن خیالی کے تصور و تحریک کو جنم دیا۔

ان سماجوں کو دیکھ لیں جو "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" کے گرد کولھو کے بیل کی طرح گھومنے کو سفر سمجھ رہے ہیں۔ جس دن ہم اپنی لغت سے "بے شک، یقیناً، بجا فرمایا، در ایں چہ شک، سبحان اللہ، ماشااللہ، جزاک اللہ، خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" جیسی لفظیات و ضرب المثال، محاورات و روزمرہ سے چھٹکارا پانے کی سوچیں گے اور دوسرے کا علم کرائے پر لے کر اپنا علم ثابت کرنے کے بجائے سوال کی سیڑھی پر چڑھ کے تشکیک کے میدان میں کودنے کا ارادہ باندھیں گے، اس روز سے ہمارا صدیوں سے رکا ذہنی ارتقائی سفر بحال ہونے لگے گا۔ لیکن اگر آپ نے دوسرے کی بات پوری طرح سنے اور سمجھے بغیر سوال داغ دیا تو ایسا سوال ہٹ دھرمی، کٹ حجتی، مناظرے اور مفت کی کشیدگی کی جانب تو لے جاسکتا ہے علم کے کوچے میں نہیں۔

سوال ایٹم سے زیادہ طاقتور ہے تبھی تو بادشاہ سوال سے ڈرتا ہے، ریاست سوال سے کانپ جاتی ہے۔ سوال تقدس اور دبدبے کو خاک میں ملانے کی صلاحیت رکھتا ہے تبھی تو مدرسے، اسکول، کالج اور جامعہ میں سوال پوچھنے والے طالب علم کو بدتمیز، پراگندہ ذہن، گمراہ اور جانے کیا کیا کہا جاتا ہے، تبھی تو سوال کو توہین کے زمرے میں ڈال کر سوال کنندہ کو گولی مار اس کی لاش کا مثلہ کیا جاتا ہے، تبھی تو مسئلے کا حل خود تلاش کرنے کی عادت ڈالنے کے بجائے بچوں کو

طوطے کی طرح رٹوایا جاتا ہے؛ تا کہ نسل در نسل تابعدار ذہنی غلاموں کی سپلائی میں خلل پیدا نہ ہو اور علم و آگہی کے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے عالموں اور حکمرانوں کا کروفر برقرار رہے۔

گذشتہ زمانوں میں تو حصول علم کے متلاشی کم ذات کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلوا دیا جاتا تھا مگر فی زمانہ یہی کام کانوں میں دہشت انڈیل کے نکالا جارہا ہے۔

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

استفادہ:

جرات تحقیق

ہم سب

لالٹین

نیازمانہ

قرآن

صحاح ستہ

فقہ اسلامی

دیگر کتب اسلامی

ملاحدہ دور حاضر کے نقطۂ نظر سے

نیاز فتح پوری

مذہب کی حقیقت

علم و مذہب کی جنگ کوئی نئی چیز نہیں، کیوں کہ مذہب کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اسے بغیر چون و چرا تسلیم کرلینا چاہیے اور اہل علم کی حجت یہ ہے کہ جب تک کوئی بات سمجھ میں نہ آجائے، اس پر یقین لانا ممکن نہیں۔ اہل مذاہب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عقل انسانی بہت ناقص ہے اور اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی کامل شے کا تصور کرسکے۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ جس چیز کو تم "شے کامل" سے تعبیر کرتے ہو، اسی کا ثبوت تمھارے پاس کیا ہے کہ ہماری عقل ناقص کو اس کے سمجھنے سے باز رکھتے ہو۔ الغرض اہل علم و مذاہب کا یہ نزاع بہت قدیم چیز ہے اور باختلاف نوعیت اب بھی اسی طرح بلکہ زیادہ شدت کے ساتھ نظر آتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے حکومت و مذہب دونوں ایک چیز تھی، اور اس لیے اہل مذاہب بزور شمشیر اپنے مخالفین کو خاموش کرسکتے تھے، اب ایسا نہیں کرسکتے اور معاندین مذہب کی جماعت بڑھتی جارہی ہے۔ یورپ اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ میں جہاں خدائے قادر مطلق کے بجائے Almighty Dollar کی پرستش کی جاتی ہے، الحاد نہایت تیزی سے ترقی کررہا ہے اور اہل کلیسا حیران ہیں کہ "آسمانی بادشاہت" کے وجود کو کیوں کر قائم رکھ سکیں گے۔

ہندوستان میں بھی یہ رو کافی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور یہاں کے حلقہ ہائے مسجد و خانقاہ میں بھی ان کی کفر سامانیوں کو نہایت تشویش کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے لیکن اس وقت تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس طوفان سے بچنے کی صورت کیا ہے؟

اہل مذاہب کی طرف سے جو تدبیر دفاع اختیار کی جاتی ہے، وہ زیادہ تر اس لیے بے اثر رہتی ہے کہ انھیں یہ معلوم نہیں کہ ملاحدہ کہتے کیا ہیں اور وہ کن دلائل کی بنا پر خدا اور مذہب سے انکار کرتے ہیں۔ امریکہ وغیرہ میں تو اہل مذہب ان کے لٹریچر کو شاید کبھی پڑھ لیتے ہوں لیکن ہندوستان میں تو اس کا دیکھنا ہی گناہ سمجھا جاتا ہے اور اس لیے یہاں

کے اہل مذاہب قطعاً ناواقف ہیں کہ اس زمانہ کا الحاد کس قسم کا الحاد ہے اور اس کے مقابلے کے کن نئی تیاریوں کی ضرورت ہے؟

مسلمانوں میں اس وقت صرف دو چار رسائل ایسے ہیں جنھوں نے اپنا مقصود الحاد کی مخالفت اور اسلام کی حمایت قرار دے رکھا ہے لیکن حقیقتاً ان میں کوئی ایک رسالہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس بیسویں صدی کے منکرین خدا کو خاموش کر سکے اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ جو راہ انھوں نے خدمت اسلام کی اختیار کی ہے، وہ نہ صرف یہ کہ بالکل غلط ہے بلکہ اور زیادہ دہریت پھیلانے والی ہے، کیوں کہ اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں اور اپنی ہی کہے جائیں تو ظاہر ہے کہ ہم کو بہرا ہی کہا جائے گا۔ پھر چونکہ پیروان اسلام اپنے مذہب کو سب سے زیادہ مکمل اور عین فطرت کے مطابق کہتے ہیں، اس لیے ان کی طرف سے جب اس نوع کی جاہلانہ کوششیں دیکھتا ہوں تو مجھے سخت حیرت ہوتی ہے۔ علمائے اہل اسلام کی طرف سے ایک عام طریقہ جواب کا یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ مذہب کے خلاف جو اعتراض کیے جا رہے ہیں، وہ نئے نہیں ہیں بلکہ بہت پرانے ہیں اور ان کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اول تو مجھے اس میں کلام ہے کہ ان پرانے اعتراضات کا کبھی رد کیا گیا ہے یا نہیں اور اگر اسے مان بھی لیں تو انھوں نے یہ کیوں کر جان لیا کہ موجودہ ذہنی انقلاب وہی ہے جو اس سے پہلے پایا جاتا تھا اور اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اگر اہل مذاہب واقعی الحاد کا سدباب کرنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض یہ ہے کہ پہلے ملحدین کے بیانات کو نہیں، بغیر کسی جذبہ غیظ وانتقام کے ٹھنڈے دل سے سنیں اور پھر غور کریں کہ ان کے دلائل کا کوئی مسکت جواب ان سے ممکن ہے یا نہیں، صرف گالیاں یا بددعائیں دینے سے کام نہیں چلتا۔ چنانچہ میں ایک لامذہب (ملحد) کے پانچ مقالے سلسلہ وار پیش کر رہا ہوں تاکہ اہل مذہب کو معلوم ہو جائے کہ دنیا میں الحاد پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں اور پھر اگر ممکن ہو تو اس کا علاج سوچا جائے۔

مذہب کیا ہے؟

خدا ہی نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں اور وہی ان کا مدبر ہے، اس لیے مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کی مطیع رہے، یعنی اگر اس کی طرف سے کوئی حکم نافذ کیا جائے تو اس کی تعمیل کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔

یہ ہے اصل مفہوم مذہب کا جو صدیوں سے رائج چلا آتا ہے اور تمام قوموں نے اسی اعتقاد کے تحت یقین کر لیا کہ خدا ہم سے قربانیاں چاہتا ہے۔ چنانچہ اول اول لوگوں نے اپنی اولاد تک بھینٹ چڑھانے سے عذر نہ کیا، اور پھر صرف

بیل، بھیڑ، بکری کے خون سے خدا کو راضی رکھنے کی کوشش کی گئی، کیوں کہ وہ اگر ایسا نہ کرتے تو خدا ان کی فصلیں خراب کر دیتا، پانی برسانا بند کر دیتا، بیماریاں پھیلاتا، زلزلے لاتا اور قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا۔ اس اعتقاد قربانی کی آخری جھلک عیسوی مذہب میں بھی پائی جاتی ہے اور اسلام میں بھی۔ وہاں خدا اپنے بیٹے کی قربانی قبول کر کے ہمیشہ کے لیے چین سے بیٹھ گیا، اور یہاں ابراہیم خلیل اللہ کے تہیہ قربانی سے خوش ہو کر آئندہ کے لیے؛ صرف جانوروں کی قربانی پر راضی ہو گیا۔

اہل مذاہب کا یہ اعتقاد بھی بہت قدیم ہے کہ خدا ہماری التجائیں سنتا اور ان کو پورا کرتا ہے، اس لیے ان اعتقادات کے پیش نظر قدرتاً چند سوال پیدا ہوتے ہیں جو اصل بنیاد ہیں لا مذہبیت کے، اور چونکہ اس وقت تک اہل مذہب کو نئی تشفی بخش جواب نہیں دے سکے ہیں، اس لیے ملحدین خود ہی اس سے ایک نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں اور اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ شبہات ملاحظہ ہوں:

کیا مذہب کی بنیاد کسی حقیقت معلومہ پر قائم ہے؟

کیا واقعی کوئی ایسی ہستی پائی جاتی ہے جسے خدا کہتے ہیں؟

کیا واقعی خدا سب کا خالق ہے؟

کیا واقعی اس نے کبھی ہماری دعاؤں کو سنا ہے؟

کیا واقعی قربانیوں سے خوش ہو کر اس نے کسی قوم کے ساتھ کوئی خاص رعایت روا رکھی ہے؟

(۱) اگر واقعی اسی نے انسان پیدا کیا ہے تو کیوں ایسے افراد اس نے پیدا کیے جو مسخ و قبیح ہیں، مفلوج و محتاج ہیں اور ذہنی حیثیت سے حد درجہ پست؟ مجرموں، دیوانوں اور بے عقل لوگوں کو پیدا کرنے میں اس کی کیا مصلحت تھی، کیا کوئی ایسی قوت کی طرف سے جسے فراست کل اور قوت مطلق کہتے ہیں، ان نقائص تخلیق کی کوئی معقول توجیہہ پیش کی جا سکتی ہے؟

(۲) اگر خدا تمام امور عالم کا مدبر و منظم ہے تو کیا وہ ان بادشاہوں کے افعال کا ذمہ دار نہیں ہے جنھوں نے دنیا میں سوا ظلم کے اور کچھ نہیں کیا؟ کیا وہ ان تمام لڑائیوں کا ذمہ دار نہیں ہے جن میں لاکھوں بے گناہوں کا خون بہایا جاتا ہے؟

(۳) کیا وہ دور غلامی اس کی مرضی کے موافق نہ تھا جب صدیوں تک ہزاروں بے گناہ انسانوں سے ان کے بلکتے ہوئے بچے جدا کر کے قتل و ذبح کرا دیے گئے؟

(۴) کیاوہ ان مذہبی تعذیبات کا ذمہ دار نہیں جو بے گناہ انسان کے ناخنوں میں کیلیں ٹھونک دینے اور شکنجے میں تان تان کر ایک ایک جوڑ علیحدہ کر دینے پر مشتمل تھے؟

(۵) خدانے کیوں ظالموں اور بد کرداروں کو مہلت دی کہ وہ بہادروں اور نیک کرداروں کو پامال کریں؟

(۶) خدانے کیوں کافروں کو اس کا موقع دیا کہ اس کے خاص بندوں کو عذاب میں مبتلا کریں۔ اگر ایک رحم و کرم والا خدا واقعی کائنات کا مدبر ہے تو یہ آئے دن کے طوفانوں، زلزلوں، وباؤں اور خشک سالیوں کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ سل و دق، سرطان و خناق اور اسی طرح کی سیکڑوں بیماریاں پیدا کرنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے جس سے نہ معصوم بچے جانبر ہو سکتے ہیں، نہ زاہد و مرتاض انسان؟

(۷) درندوں کا انسانوں کو پھاڑ کر کھاتے رہنا، زہریلے سانپوں کا لوگوں کو ڈستے رہنا اور خدا کا کچھ نہ کہنا عجیب معمہ ہے۔ کیا اس نے ناخن و چنگال اسی لیے پیدا کیے کہ وہ گوشت کے ریشے جدا کرتے رہیں، کیا اس نے پر و بال اسی لیے بنائے ہیں کہ معذور و بے کس آسانی سے گرفت میں آسکیں، کیا اس نے جراثیم اسی لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ انسانوں کو اندھا، کوڑھی، مسلول و مدقوق بنا کر اپنی بھوک مٹائیں؟

(۸) کیا کائنات کی تنظیم اسی طرح ممکن تھی کہ ایک جاندار کی زندگی دوسرے جاندار کے گوشت و خون پر منحصر ہو اور کیا تدبیر عالم آہ و کراہ کا ہنگامہ پیدا کیے بغیر محال تھی؟ پھر ان واقعات و حالات پر غور کرو اور سمجھو کہ مذہب کیا ہے؟

(۹) دراصل وہ نام ہے صرف ایک بے بنیاد خوف کا، جو خود ہی ایک قربان گاہ بناتا ہے اور خود ہی اس پر قربانیاں چڑھاتا ہے، خود ہی ایک معبد تیار کرتا ہے اور خود ہی وہاں جھک جاتا ہے۔

(۱۰) مذہب ہمیں وہی باتیں سکھاتا ہے جو صرف غلام ہی کے لیے موزوں ہیں، یعنی اطاعت، فرمانبرداری، نفس کشی، صبر و تحمل، عدم مقادمت اور اپنے آپ کو مٹادینا۔

(۱۱) خود مختاری، سرفرازی، خود اعتمادی، جرأت و اقدام کا وہاں کوسوں پتہ نہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ خدا مالک ہے اور انسان اس کا غلام، لیکن مالک چاہے کتنا ہی بڑا ہو، غلام کو خوشگوار نہیں بنا سکتا۔ اگر خدا کا وجود ہے تو ہم کیوں کر جان سکتے ہیں کہ وہ رحم و کرم والا بھی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں غریب و جفاکش، انسان ہل چلا رہے ہیں، کھیتیاں بو رہے ہیں اور ان کی زندگی کا انحصار صرف اسی محنت پر ہے لیکن وہ پانی نہیں برساتا، کھیتیاں مرجھا رہی ہیں لیکن پانی کا ایک قطرہ نہیں گراتا، کروڑوں انسان اپنی مایوس و منتظر آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں لیکن سوا جھلسا

دینے والے آفتاب کے بادل کا ایک ٹکڑا بھی انھیں کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ خدا ان کے دل کے اضطراب کو دیکھتا ہے اور رحم نہیں کھاتا، ان کی اشک آلود آنکھوں کو دیکھتا ہے اور خاموش ہے۔ بچے ماؤں کی خشک چھاتیوں سے لگے ہوئے بلک رہے ہیں اور دودھ نہیں پاتے، مائیں آنچل پھیلا پھیلا کر اپنے بھوکے بچوں کا واسطہ دے دے کر دعائیں مانگ رہی ہیں، لیکن کوئی سننے والا نہیں۔ پھر کیا خدا کا رحم و کرم ثابت کرنے کے لیے بادِ سموم کے ان جھونکوں کو پیش کیا جائے گا، جو بستیوں کی بستیاں تباہ کر جاتے ہیں اور میدانوں کو لاشوں سے بھر دیتے ہیں؟ کیا اس کی شفقت و محبت کی ثبوت میں زلزلوں کو پیش کیا جا سکتا ہے جب زمین ہزاروں انسانوں کو نگل جاتی ہے؟ کیا آتش فشاں پہاڑوں کو پیش کیا جا سکتا ہے جن کے شعلے بچے بوڑھے کی بھی تمیز نہیں کرتے؟

کیا اگر یہ تباہ کاریاں نہ پائی جائیں تو ہم کو یہ شک کرنے کا موقع ملے گا کہ خدا اپنے بندوں کی طرف سے غافل ہے ؟ کیا اگر زلزلہ و طوفان، قحط و وبا کی مصیبتیں نازل نہ ہوں تو ہم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ خدا مہربان نہیں ہے؟

الٰہیات والے کہتے ہیں کہ خدا نے تمام انسانوں کو یکساں پیدا نہیں کیا۔ اس نے قد و قامت، رنگ و صورت، ذہن و فراست کے لحاظ سے قوموں کو ایک دوسرے سے متمایز کر دیا ہے، تو کیا بلند قوموں کو خدا کا شکر نہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے انھیں پست نہیں بنایا۔ یقیناً شکر کی بات ہے لیکن اس صورت میں کیا پست قومیں اس بات کا شکریہ ادا کریں گی کہ خدا نے انھیں جانور نہیں بنایا؟

جب خدا نے بلند و پست قوموں کو بنایا تھا تو کیا یہ بات اس کے علم میں نہ تھی کہ بلند قومیں پست قوموں کو اپنا غلام بنائیں گی، ان کو ایذا پہنچائیں گی اور تباہ و برباد کر دیں گی؟ کیا وہ نہ جانتا تھا کہ یہ بلند و پست کا امتیاز دنیا میں کتنا خون بہائے گا؟ نوعِ انسانی کو کن کن مصائب میں مبتلا کرے گا، کتنے میدان لاشوں سے پاٹ دے گا، کتنے غلاموں کے جسم کا گوشت کوڑوں کی ضرب سے پارہ پارہ کرے گا، کتنی ماؤں کے دل ان کے بچوں کو جدا کر کر کے تڑپائے گا؟ پھر اگر یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا تو کیا اس کا رحم و کرم اس سے زیادہ دلدوز مناظر کا منتظر تھا؟

وہ قید خانے، جن کی سنگین دیواروں سے سر ٹکرا کر دنیا کے بہت سے بلند اخلاق والے انسانوں نے اپنی جانیں دے دیں، وہ سولیاں جو مقدس انسانوں کے خون سے رنگین بنائے جانے کے لیے نصب کی گئیں، وہ غلاموں کی جماعتیں جن کی پیٹھ کے زخموں کو خشک ہونے کا کبھی موقع نہیں دیا گیا، وہ مقدس ہستیاں جن کا ایک ایک جوڑ شکنجہ تان تان کر علیحدہ کیا گیا، جن کی کھالیں کھنچوا کھنچوا کر بھس بھروایا گیا، وہ بے شمار انسان جو قحط و وبا کا شکار ہوئے، جن کو زمین نے نگل کر ڈکار تک نہ لی، جن کو سانپوں نے ڈسا، آتش فشاں پہاڑوں نے جھلسایا اور لاتعداد بدکار ظالم انسان جنھوں نے دنیا میں

مظالم توڑے اور کامیاب زندگیاں بسر کیں، کیا یہ اور اسی طرح کے تمام سمجھ میں نہ آنے واقعات، رحم و کرم والے خدا کے علم سے باہر تھے؟ اور یہ سب کچھ بغیر اس کی مرضی کے ہوا؟

انسان نے ہمیشہ کسی نہ کسی مافوق الفطرت ہستی کا دامن پکڑنا پسند کیا۔ اگر اس نے پتھر کو پوجنا چھوڑا تو ایک اور غیر معلوم قوت کے سامنے جھک گیا جس کو وہ صحیح راہ دکھانے والا باور کرتا ہے لیکن حقیقت کیا ہے؟

انسان فطرتاً اقدام پسند واقع ہوا ہے، وہ ہمیشہ آگے قدم بڑھاتا ہے اور تجربات اس کو بتاتے ہیں کہ اس نے جو قدم اٹھایا تھا وہ صحیح تھا یا غلط۔

ایک آدمی کسی جگہ کا ارادہ کرکے چل پڑتا ہے۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں دو راستے پھٹتے ہیں، وہ بایاں راستہ اختیار کرلیتا ہے لیکن اسے کچھ دور چل کر معلوم ہوتا ہے یہ راستہ غلط تھا، وہ واپس آتا ہے اور داہنے ہاتھ کا راستہ اختیار کر کے منزل تک پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد وہ اس جگہ پہنچنے میں غلطی نہیں کرتا اور ہمیشہ سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے۔ تو کیا یہ رہنمائی خود اس کی جستجو کا نتیجہ نہ تھی؟

ایک بچہ شعلہ کی چمک دیکھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور جل جاتا ہے، اس کے بعد پھر یہ جرأت وہ کبھی نہیں کرتا۔ تو کیا یہ سبق اس کو اس قوت نے دیا یا خود اس کے تجربہ نے؟

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تجربات میں خود وہ قوت پنہاں ہے جو صحیح راستہ بتانے والی ہے، یہ قوت وادراک وارادہ سے بالکل معرا ہے اور اس کا نام ہے تجربہ۔

بہت سے لوگ ضمیر اور احساس اخلاق کے وجود کو وجود خدا کی دلیل بتاتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان فطرتاً تمدن پسند واقع ہوا ہے اور خانوادوں، قوموں اور قبیلوں کی صورت میں ہمیشہ زندگی بسر کرتا چلا آیا ہے، پھر قبیلہ کے جن افراد نے خاندانی و عائلی مسرتوں میں اضافہ کیا، وہ اس کے اچھے اعضا شمار کیے گئے اور جنھوں نے تکلیفیں پہنچائیں، انھیں برا سمجھا گیا اور یہیں سے اخلاق کے اچھے برے ہونے کا معیار قائم ہوا۔

وحشی قوموں میں ہمیشہ فوری نتائج پر غور کیا جاتا ہے لیکن ترقی یافتہ قوموں نے میں نتائج بعیدہ کو سامنے رکھا جاتا ہے اور اس طرح اخلاق کا معیار بلند تر اور فرض شناسی کا احساس قوی تر ہوتا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کسی مافوق الفطرت قوت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

مذہب کیا ہے؟ انگرسول عیسوی مذہب کو سامنے رکھ کر پوچھتا ہے کہ عیسویت نے دنیا کو کیا فائدہ پہنچایا؟ جب اس کا اقتدار قائم کیا تھا تو کیا اس نے انسان کو زیادہ بہتر انسان بنا دیا؟ اس کا اثر اطالیہ، اسپین، پرتگال اور آئرلینڈ پر کیا ہوا؟ ہنگری اور آسٹریا کو کیا فائدہ اس سے حاصل ہوا؟ انگلستان، امریکہ، ہالینڈ اور اسکاٹ لینڈ نے کیا تمتع اس سے حاصل کیا؟ اگر عیسویت کے سوا وہ کسی اور مذہب کے پیرو ہوتے تو کیا وہ اس سے زیادہ خراب ہو جاتے؟

کیا ٹور کسٹمد، زرتشتی مذہب کا پابند ہوتا تو کیا اور زیادہ خراب انسان ہو جاتا؟ کیا کالون اور زیادہ خونخوار بن جاتا، اگر وہ یہودی ہوتا؟ کیا ڈچ اور زیادہ احمق ثابت ہوتے اگر وہ تثلیث مسیحیت کے قائل نہ ہوتے؟ کیا جان ناکس اور زیادہ برے اخلاق کا ہو جاتا، اگر بجائے مسیح کے وہ کنفوشش کا ماننے والا ہوتا؟

مذہب کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں بہت کافی تجربہ ہو چکا ہے اور اب اس ناکامی پر مزید حجت پیش کرنے کے لیے کسی اور جدید تجربہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مذہب کبھی انسان کے دل میں جذبۂ رافت والفت پیدا نہیں کر سکا اور اس کے ثبوت میں مذہبی تاریخ کے دو اوراق پیش کیے جاسکتے ہیں جن کا ایک ایک حرف خون سے رنگین ہے۔

مذہب علم و تحقیق کا ہمیشہ دشمن رہا ہے اور اس نے کبھی ذہنی آزادی کا ساتھ نہیں دیا۔

مذہب کبھی انسان کو محنتی، جفاکش اور ایمان دار بنانے میں کامیاب نہیں ہوا، چنانچہ وحشی اقوام کی برائیوں کا سبب صرف ان کی مذہبی واہمہ پرستی ہے۔

وہ لوگ جو فطرت کی یکسانیت کے قائل ہیں، ان کے لیے مذہب کا خیال کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

کیا انسان؛ فطرت اور صفات مادہ کو اپنی دعاؤں سے متاثر کر سکتا ہے، کیا ہم طوفان کو پوجا پاٹ کے ذریعہ سے کم و بیش کر سکتے ہیں، کیا ہم قربانیاں پیش کر کے ہواؤں کا رخ بدل سکتے ہیں، کیا ہم آہ وزاری سے بیماری کا علاج کر سکتے ہیں، کیا عزت و سربلندی ہمیں بھیک مانگنے سے مل سکتی ہے؟

وہ چیز جسے نفس کہتے ہیں، کیا وہ قانون قدرت کا اسی طرح پابند نہیں جس طرح ہمارا جسم؟

مذہب کی بنیاد اس خیال پر قائم ہے کہ عالم فطرت کا کوئی ایک مالک ہے، خود دعاؤں کو سنتا ہے، اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے اور جزا و سزا دیتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ واقعات کی دنیا میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی جس سے ہمیں ان اعتقادات کی تصدیق ہو سکے۔

جب ہم کوئی نظریہ قائم کرتے ہیں تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی بنیادی حقیقت ضرور ہوا کرتی ہے، محض وہم و قیاس پر کوئی اصول مرتب نہیں ہو سکتا، اس لیے اگر ہم لا مذہبیت کا نظریہ پیش کرتے ہیں تو اس کے لیے چند بنیادی حقائق بھی اپنے پاس رکھتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ مادہ و قوت فنا نہیں ہو سکتے، دوسرے یہ کہ مادہ و قوت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے، تیسرے یہ کہ جو چیز غیر فانی ہے وہ غیر مخلوق ہے، قدیم ہے۔

دنیا میں ذہانت و ذکاوت کا وجود صرف قوت کی وجہ سے ہے اور قوت بغیر مادہ کے ممکن نہیں، اس لیے معلوم ہوا کہ ذکاوت صرف قوت و مادہ کی ممنون ہے اور اس باب میں کسی ایسی مافوق الفطرت ہستی کے تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے جسے مدبر کائنات کہا جائے۔

اگر مادہ و قوت ازلی و ابدی ہیں تو جو کچھ ممکنات میں تھا، وہ واقع ہوا۔ جو ممکنات میں ہے، وہ ظاہر ہو رہا ہے اور آئندہ بھی رونما ہوتا رہے گا۔ کائنات میں اتفاق کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہوتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور پایا جاتا ہے۔ جس چیز کو ہم حال کہتے ہیں، وہ ماضی کی پیداوار ہے اور جس کا نام مستقبل ہے وہ نتیجہ ہو گا حال کا۔ انسان سے لے کر رینگنے والے کیڑے کی حرکت تک سب اسی قانون کے جکڑے ہوئے ہیں اور اس کے خلاف کسی بات کا ظاہر ہونا ناممکن ہے۔

ہزاروں سال سے دنیا کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی ہے اور اسی غرض کے لیے دیوتا، دیویاں، بہشت، دوزخ، الہامات و معجزات، کلیسا و خانقاہ، قید خانے اور شکنجے، سیکڑوں چیزیں پیدا کی گئیں۔ ایک بادشاہ کو تخت سے اتار کر دوسرے کو بٹھایا، ایک ملکہ کی گردن مار کر دوسری کو تخت نشین کیا، آدمیوں کو زندہ جلایا۔ فوج کشیاں کی گئیں، دعائیں مانگی گئیں، ڈرایا گیا، لالچ دی گئی۔ الغرض مذہب نے سبھی کچھ کیا لیکن مقصد آج تک پورا نہ ہوا۔ کیوں کہ مذہب غلامی ہے ذہن و دماغ کی، اور جب تک انسان کا ذہن آزاد و بیدار نہ ہو، نوع انسان کی فلاح مجموعی حیثیت سے ناممکن ہے۔

یہ ہیں وہ خیالات اس زمانے کے ملحد و لا مذہب کے جو اخباروں، رسالوں اور لکچروں کے ذریعہ سے تمام دنیا میں اشاعت پا رہے ہیں اور ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی مقبول ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم دہریت و الحاد کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا چاہتے ہیں تو ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم دنیا کی اس ذہنی تشویش و تذبذب کو دور کریں۔ پھر اس کی تدبیر یہ نہیں ہے کہ ہم منطق و فلسفہ کی پیچیدہ باتوں میں الجھا کر فریق مخالف کو خاموش کرنے کی کوشش کریں، کیوں کہ اس طرح اس کی زبان تو بند ہو سکتی ہے لیکن دل مطمئن نہیں ہو سکتا؛ بلکہ ضرورت ہے اس مذہبی

روح کی تلقین کی جو ظاہری شعائر و مراسم سے بے نیاز ہے اور جس میں سوا بلند تعلیم اخلاق کے کوئی اور چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو ہمیں الہام و معجزات، بہشت و دوزخ، حشر و نشر، قیامت و آخرت کے تسلیم کرنے پر بھی مجبور کرتی ہے۔ یہی وہ تنگ نظری تھی جس نے اہل مذاہب کو ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار رکھا اور یہی وہ چیز ہے جو مذہب کے اقتدار کو مٹا کر رہے گی۔ دنیا میں اب کوئی ایسا مذہب نہیں چل سکتا جو تمدنی ضروریات، بین الاقوامی تعلقات، اقتصادی مشکلات، اخلاقی اصول عامہ کو پس پشت ڈال کر صرف "امید فردا" پر اپنی کار گاہ تبلیغ قائم کرے۔ وہ وقت گذر گیا جب مذہب کسی ایک قوم کے لیے مخصوص ہوا کرتا تھا، اب کہ کرۂ زمین کی ۴۲ ہزار میل کی وسعت کو انسان چند دن میں طے کرلیتا ہے، تخصیص نسل و جغرافیہ کا سوال بالکل لایعنی چیز ہے، اور مذہب کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ کوئی ایسا لائحہ عمل پیش کرے جو تمام آبادی کو کسی ایک مشترک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتا ہو اور یہ ممکن نہیں جب تک مذہب کے اعتقادی حصہ کو علیحدہ کر کے اسے ہیئت اجتماعی کے اصول پر صرف "سوشل آرگنائزیشن" کی حیثیت نہ دی جائے۔

صراط مستقیم

ہمارے سامنے دو راستے ہیں، ایک وہ جو فطرت اور عالم اسباب کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے، اور دوسرا وہ جو مافوق الفطرت باتوں کی جانب مائل کرتا ہے۔ یعنی ایک وہ ہے جو ہمیں تحقیق و جستجو، اکتشافات و اختراع، سعی و کاوش اور رشتہ علت و معلول کی طرف متوجہ کر کے راحت و آسائش، امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے اور دوسرا وہ جو ہمیں بتاتا ہے کہ اصل دنیا یہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے اور اسی غیر معلوم دنیا کے لیے بلا حیلہ و حجت ہم کو قربانیاں، دعائیں اور عبادتیں کرتے رہنا چاہیے۔

ان دونوں راستوں میں اور کیا فرق ہے؟

ایک بتاتا ہے کہ زندگی نام ہے اپنے اور دیگر ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی رکھے اور ان کے لیے اسباب راحت و سکون فراہم کرنے کا، دوسرا کہتا ہے کہ حیات انسانی کا مقصد خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش ہے جو دوسری دنیا میں ہمارے اس تمام عجز و انکسار کا ابدی معاوضہ دیں گے۔ ایک عقل و حقائق پر اعتماد کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور دوسرا صرف عقائد پر بھروسہ کرنے کی۔ ایک کہتا ہے کہ اپنے حواس و ادراک کی اس روشنی سے کام لو جو خود تمھارے اندر پائی جاتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ اس مقدس روشنی کو گل کر دو۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے اسلاف نے جو کچھ کیا، وہ اس سے زاید کچھ نہ کر سکتے تھے۔ وہ ایک مافوق الفطرت قوت پر یقین رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر وہ طاعت وعبادت، دعاو قربانی نہ کریں گے تو نہ بارش وقت پر ہوگی اور نہ ان کی کھیتیاں بار آور ہوں گی۔ وہ یقین کرتے تھے کہ خدا ایک مستبد بادشاہ ہے جس کو ذرا ذرا سی بات ناگوار ہو جاتی ہے اور جو برہم ہو کر سزا دینے پر اتر آتا ہے۔ وہ خدائے خیر کے ساتھ خدائے شر کے بھی قائل تھے اور انھی دو خداؤں کے درمیان بیم ورجا کی "رعشہ براندام" زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان کی حیات کا کوئی لمحہ خوف سے خالی نہ گذرتا تھا اور ہر وقت وہ اسی ڈر سے کانپتے رہتے تھے کہ مبادا کوئی ان سے خفیف سی گستاخی سرزد ہو جائے اور خدا ناراض ہو کر انھیں بڑی سے بڑی سزا کا مستوجب قرار دے۔

طوفان آتا تھا تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ نتیجہ ہے انھیں کی بد اعمالیوں کا، زلزلہ آتا تھا تو وہ یقین کرتے تھے کہ خدا ان پر برہم ہو رہا ہے۔ وبائی بیماریاں پھیلتی تھیں تو وہ اسے بھی اپنی گناہوں کا پاداش سمجھتے تھے، اور جب چاند سوچ کر گرہن لگتا تھا تو اسے بھی اپنی خطاؤں کا نتیجہ باور کرتے تھے، تمام فضا انھی فرشتوں اور روحوں سے معمور نظر آتی تھی، اور شب و روز صرف لیے آہ وزاری کیا کرتے تھے کہ خدا ان سے خفا ہو کر تباہ و برباد نہ کر دے، قدرت ان کے نزدیک گویا ایک سوتیلی ماں تھی جو پیشانی پر شکنیں ڈالے ہوئے ہر وقت انھیں خونچکاں آنکھوں سے دیکھتی رہتی تھی۔

آخر کار ایک زمانہ آیا جب بعض افراد سوچنے والا دماغ لے کر پیدا ہوئے اور انھوں نے تمام حوادث وواقعات پر غور کرنا شروع کیا۔ انھوں نے سمجھا کہ طوفانوں اور زلزلوں کے اسباب طبعی کچھ اور ہیں۔ سورج گرہن کے لیے ایک زمانہ معین ہے اور پہلے سے اس کے وقوع کی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے، اسی طرح رفتہ رفتہ سیاروں کی گردش، کرۂ زمین کے جغرافی حالات، آب و آتش کے خواص، مظاہر فطرت کے اسباب، حیات انسانی کی خصوصیات، اعضائے جسم کے وظائف معلوم کیے گئے اور واہمہ پرستی کی زنجیر کی کچھ کڑیاں ٹوٹیں۔ اس کے بعد کچھ زمانہ اور گذرا، یہاں تک کہ مدارس کی بنیادیں پڑیں۔ کتابیں تصنیف کی گئیں، مفکرین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ علمی اکتشافات نے انسان کے دماغ کو منور کرنا شروع کیا، فکر و خیال کی آزادی بڑھی اور مافوق الفطرت کی جگہ فطرت اور اصول فطرت نے لے لی۔ پھر روح کے اس احساس آزادی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہو کر رہا، یعنی اختراع و ایجاد کے دروازے کھل گئے اور ارباب مذہب اپنی اور اپنے اعتقادات کی کمزوریوں کو بری طرح محسوس کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ مفکرین کے مقابلہ میں "معتقدین" کوئی علمی و عقلی دلیل تو پیش کر نہ سکتے تھے، کیوں کہ یہی ایک چیز ان کے دسترس سے دور تھی۔ اس لیے وہ اہل علم کے خلاف ملک میں نہایت مکروہ پروپیگنڈا کی اشاعت پر اتر آئے اور

واہمہ پرستی کے پاس جہل و تعصب کے جتنے گندے حربے موجود ہیں، ان سب کا استعمال بیک وقت شروع کر دیا گیا، ان کو ذریات شیطان بتایا گیا، خدا کا دشمن ظاہر کیا گیا۔ ان کو مٹا دینے کا نام مذہبی جہاد قرار پایا، اور استعمال آتش و زنجیر اور تعذیب و تذلیل کی جتنی مہیب صورتیں ہیں وہ سب بروئے کار لائی گئیں۔

پھر یہ سب کچھ چند دن کا ہنگامہ نہ تھا، بلکہ یہ خون آشامیاں صدیوں تک جاری رہیں اور اس سلسلہ میں کوئی جرم ایسا نہ تھا جس کا ارتکاب مذہب کے نام پر جائز و مستحسن نہ قرار دیا گیا ہو۔ ایک فریق کہتا تھا کہ جذبات انسانی کو فنا کر دو اور ضروریات زندگی کو کم، اپنے آپ کو معذور سمجھو اور آسمانی قوت پر اعتماد کامل رکھ کر تمام کام اسی پر چھوڑ دو، دوسری جماعت کہتی تھی کہ جذبات انسانی اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ مناسب حدود میں ان کو تسکین پہنچائی جائے اور ضروریات زندگی کو بڑھانا بھی لازم ہے، کیوں کہ بغیر ان کے انسانوں کو اپنی قوتوں کا علم نہیں ہو سکتا اور دنیا میں کوئی ایجاد واختراع معرض ظہور میں نہیں آسکتی۔

ایک فریق کا فلسفہ حیات یہ تھا کہ مال و دولت کو ٹھکرا دیا جائے اور اسباب راحت سے نفرت کی جائے، یہ لوگ فنون لطیفہ کے دشمن تھے؛ اچھی غذا، اچھے لباس، اچھے مکانوں سے متنفر تھے، گویا یوں سمجھیے کہ یہ حکما تھے؛ غربت و افلاس کے، تشنگی و گرسنگی کے، جھونپڑوں کے، چیتھڑوں کے، برہنہ پائی کے اور ایک ایسے آہستہ رد عمل خودکشی کے جو دفعتاً نہیں بلکہ تدریجاً قوم کی قوم ہلاک کر دینے والا ہے۔ ان کو اس دنیا میں سوا عذاب و مصیبت کے کچھ نظر نہ آتا تھا اور دوسری دنیا ہر قسم کے اسباب نشاط وراحت سے معمور نظر آتی تھی، وہ امرا اصحاب ثروت سے اور تمام ان لوگوں سے جو اپنی قوت بازو کی مدد سے راحت و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں، نفرت کرتے تھے اور جنت میں سوا گداگروں اور بھکاریوں کے کسی اور کا درخور محال سمجھتے تھے۔ الغرض یہ تھے وہ لوگ جنھوں نے دنیا کو ویران و غیر دلچسپ رکھنے کے سیکڑوں سال تک جہاد کیا اور کچھ زمانہ تک انھیں کامیابی بھی حاصل رہی، لیکن ذہنی و عقلی آزادی بجائے خود ایسی زبردست لذت ہے کہ ایک بار چکھ لینے کے بعد اسے چھوڑنا محال ہے، اس لیے اس کا ذوق رفتہ رفتہ عام ہوتا گیا اور ذہن و خیال کی دنیا ہی بالکل بدل گئی۔

چنانچہ اب انسان اس جسم متحرک کا نام نہیں ہے جو ایک وقت معین تک حرکت کرتے رہنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے بلکہ انسان نام ہے قوائے عقل و دماغ کی ترقی کا، حرکت و عمل کا، تحقیق و جستجو کا، اعتماد ذاتی کا اور آسمان سے لے کر زمین تک تمام مناظر قدرت پر چھا جانے کا۔ اب وہ اس کا قائل نہیں کہ طاعت و عبادت بجائے خود کوئی تقدس و پاکیزگی ہے اور انعام خداوندی کی مستحق، اب وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ جزا و سزا مافوق الفطرت سے متعلق ہے بلکہ وہ تقدس کا

مفہوم صرف حرکت و عمل کو قرار دیتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ انسان کی دوزخ و جنت خود اسی کے اندر اور اسی دنیا میں موجود ہے اور اسے اختیار حاصل ہے، خواہ وہ مجہول و بے کار زندگی بسر کر کے جہنم میں چلا جائے، خواہ سعی و محنت سے کام لے کر فردوس حاصل کرے۔

یہ اعتقاد کہ بادشاہ کو خدا، بادشاہ بنا کر بھیجتا ہے اور رعایا کا کام صرف اس کی اطاعت ہے، اب ختم ہو گیا۔ یہ عقیدہ کے مذہب خدا کی بنائی ہوئی چیز ہے اور اس کے بتائے ہوئے اصول و عقائد کو بغیر چون و چرا تسلیم کرنا ہمارا فرض ہے، بہت کچھ مٹ گیا ہے۔ خدا کے بھیجے ہوئے بادشاہ بھی رفتہ رفتہ فنا ہو رہے ہیں اور مذہبی حکومتیں بھی محو ہوتی جا رہی ہیں۔ انگلستان میں بجائے خدا کے اب پارلیمنٹ کی حکومت ہے اور امریکہ میں مذہبی اقتدار کی جگہ رائے عامہ نے لے لی ہے۔ فرانس اپنی آبادی کے سوا کسی اور مافوق الفطرت قوت کو حکومت میں دخل دینے کا مستحق قرار نہیں دیتا اور روس میں سب سے بڑا جرم خدا اور مذہب کا نام لینا ہے۔ یورپ میں صرف ایک قیصر ولیم (شاہ جرمنی) ایسا بادشاہ تھا جو اپنے آپ کو فرستادۂ خدا سمجھتا تھا، سو گزشتہ جنگ میں وہ بھی ختم ہو گیا۔

انسان آزادیٔ کامل کی اس منزل تک سخت صعوبتیں اٹھانے کے بعد پہنچا ہے اور استعمال عقل کے استحقاق کو اب اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ جس وقت تک وہ اپنی فہم و فراست کو مشعل راہ بنانے سے باز رکھا گیا، بے شک وہ کہہ سکتا تھا کہ اصل نیکی صرف خوف جہنم سے کانپتے رہنا ہے اور حصول نجات کے لیے یہی کافی ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ تنہا یہ عقیدہ نہ اس کے لیے روزی فراہم کر سکتا ہے، نہ تن پوشی کے لیے لباس تو اس کی نگاہیں آسمان کی طرف سے زمین کی جانب مائل ہوئیں اور وہ یہ دیکھ کر متعجب ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو مذہب کا پابند کہتے ہیں، وہ بھی اسی کی طرح جرم و معصیت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ سقراط کو جس نے زہر کا پیالہ دیا، وہ بھی مذہبی انسان تھا اور عیسیٰ کو جنھوں نے سولی پر چڑھایا، وہ بھی خدا ہی کے ماننے والے تھے؛ اس لیے اس کی روح میں بغاوت پیدا ہوئی اور اس طرح سب سے پہلا جذبۂ انتقاد جو مذہب کے خلاف رونما ہوا، وہ خود اہل مذہب ہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔

آپ کسی مذہب والے سے دریافت کیجیے، وہ اپنے سوا تمام دنیا کو گمراہ بتائے گا اور اسی خدا کو قابل پرستش قرار دے گا جو اس نے وضع کیا ہے، دوسرے مذاہب و اقوام کے خداؤں کو وہ جھوٹا بتائے گا۔ وہ سوا اپنے معبد کے کسی اور کی عبادت گاہ کی عزت نہ کرے گا۔ سوا اپنے طریق عبادت کے وہ کسی اصول بندگی کا احترام نہ کرے گا، وہ اپنی قربانیوں کے مقابلے میں دوسرے مذہب کی قربانیوں کو لغو و بیکار بتائے گا۔ گویا اسی کا خدا، خدا ہے اور اسی کا پیغمبر، پیغمبر، اسی کی کتاب الہامی صحیفہ ہے اور اسی کی دعائیں مقبول۔

اب خدا کے اس تصور کو دیکھیے جو الہامی مذاہب نے پیش کیا ہے، خدا کو قادر مطلق، بے نیاز اور کسی چیز سے متاثر نہ ہو سکنے والا بتایا جاتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کتب مقدسہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو غصہ بھی آتا ہے، وہ انتقام بھی لیتا ہے اور اپنے بندوں میں سے ایک کے ساتھ رعایت اور دوسرے کے ساتھ ظلم بھی کر سکتا ہے۔

عدن میں آدم و حوا کو خود ہی پیدا کرتا ہے اور نافرمانی و سرکشی نہیں بلکہ معمولی سی غلطی پر خود ہی اس قدر برہم ہو جاتا ہے کہ عدن سے انھیں اٹھا کر زمین پر پھینک دیتا ہے اور نہ صرف ان کے لیے بلکہ ان کی اولاد کے لیے بھی تمام عمر غم و غصہ میں مبتلا رہنا مقسوم کر دیتا ہے۔ خدا اور اتنا غصہ، خالق اور اپنی مخلوق پر اتنی برہمی! اگر وہ جانتا تھا کہ ان سے یہ غلطی سرزد ہو گی تو پیدا کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر پیدا کیا تھا تو کیا اس کے اختیار میں نہ تھا کہ وہ غلطی نہ کر سکنے والی مخلوق پیدا کرتا، خود ہی ان کو پیدا کیا، خود ہی برہم ہو کر انھیں مبتلائے آلام کر دیا، عجیب تماشہ ہے۔

الہامی صحائف خدا کے غصے اور جنگ و قتال کے احکام سے بھرے پڑے ہیں، قوموں کو اس نے برباد کیا، بستیوں کو اس نے ویران کیا، وبائیں اس نے مسلط کیں، آسمانی عذاب اس نے نازل کیے۔ حالاں کہ انسان کی سرکشی یا نافرمانی بھی اسی کی پیدا کی ہوئی چیز تھی اور خود اس کی مرضی تھی کہ وہ ایسا کرے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جب انسان کو (جن میں عورتیں اور معصوم بچے بھی شامل تھے) تباہ کرنا ہی مقصود تھا تو ان کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی اور پیدا کیا تھا تو کیا اس کے اختیار میں نہ تھا کہ انھیں معصوم پیدا کرتا۔

ایک بار ساری دنیا کو سوائے آٹھ آدمیوں کے طوفان میں غرق کر دیتا ہے اور تمام زمین کو لاشوں سے پاٹ دیتا ہے، اس کے بعد وہ صرف یہودیوں کو لطف و کرم کا مستحق سمجھتا ہے اور باقی تمام مخلوق کو بغیر کسی سبب کے مردود قرار دیتا ہے، نہ وہ اہل مصر کی طرف متوجہ ہوتا ہے، نہ اہل ایران کی طرف، نہ اسیریوں کو قابل اعتنا خیال کرتا ہے، نہ یونانیوں کو (حالاں کہ ان سب کا خالق بھی وہی تھا) اور صدیوں تک صرف ایک فرقہ کا خدا بنا رہتا ہے؛ کیوں؟

خدا ایک قوم کو حکم دیتا ہے کہ وہ دوسری قوم سے جنگ کر کے ان کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کرے اور جو زندہ ہاتھ آ جائیں، انھیں لونڈی غلام بنائے۔ اس کے علاوہ وہ ادارۂ غلامی قائم رکھنے کے لیے ان کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دیتا ہے۔ بادشاہوں کے جرائم کے عوض میں رعایا کو ہلاک کرنا مناسب سمجھتا ہے اور وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے بندوں میں سے کسی ایک جماعت سے خوش ہو جاتا ہے اور دوسرے سے برہم؛ اس کا سبب؟

حقائق عالم کے لحاظ سے صحف مقدسہ نے جو معلومات انسان کے سامنے پیش کی ہیں، ان کا ذکر ہی فضول ہے۔ زمین کا چپٹا و مسطح بتانا، طبقات الارض کا انتہائی درس ہے اور تاروں کو آسمان میں جڑا ہوا ظاہر کرنا فلکیات کا بلند ترین نظریہ۔

صحت و امراض کے متعلق دو نظریے دنیا میں رائج ہیں؛ ایک مذہبی، دوسرا علمی۔ مذہبی نظریہ یہ ہے کہ بیماریاں ارواح خبیثہ سے پیدا ہوتی ہیں جو جسم انسانی میں حلول کر جاتی ہیں اور ان ارواح خبیثہ کو مذہب کے نفوس مقدسہ ہی دور کر سکتے ہیں۔

جب تک مسیح زندہ رہے، ان کی عمر شیاطین اور ارواح خبیثہ کے دور کرنے میں بسر ہوئی اور بعد کو ان کے مقدس راہبوں نے صدیوں تک یہ خدمت انجام دی، چنانچہ از منہ وسطیٰ میں لاکھوں کروڑوں شیاطین اسی طرح بھگائے جاتے رہے اور امراض کا علاج جھاڑ پھونک، دعا تعویذ اور گنڈوں سے سے ہوتا رہا۔ امراض کے طبعی اسباب کا کوئی علم نہ تھا۔ مقدس اہل مذاہب دعاؤں کے بہانے سے ہزاروں روپے کماتے تھے (فقیروں کی روزی کا مدار اسی پر ہے)۔

آخر کار جب علم بڑھا تو آہستہ آہستہ امراض کے طبیعی اسباب کا بھی علم ہوا اور ان کے دور کرنے کی طبیعی تدابیر بھی رائج ہوئیں، چنانچہ اس وقت سوائے جاہل ممالک کے جن میں ہندوستان کا مرتبہ سب سے بلند ہے، جنات یا شیاطین یا ارواح خبیثہ کا عقیدہ بالکل اٹھ گیا ہے اور جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو بجائے دعا تعویذ کے علاج کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

مذاہب عالم اور کتب مقدسہ کے متعلق بھی دو خیال ہیں۔ ایک جماعت (اہل مذہب) کہتی ہے کہ وہ بالکل الہامی ہیں اور انسانی فکر کو ان میں دخل نہیں اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ صحف مقدسہ سب انسانوں کے دماغ کا نتیجہ ہیں اور مذہب رونما ہوا ہے صرف اس جذبۂ خوف سے جو حوادث طبیعی و مظاہر قدرت کو دیکھ دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتا تھا، چنانچہ دنیا میں کوئی قدیم قوم ایسی نہ تھی جس کا کوئی مذہب نہ رہا ہو اور طاعت و عبادت کو اس نے اپنی حفاظت و نجات کا ذریعہ خیال نہ کیا ہو لیکن رفتہ رفتہ یہ واہمہ پرستی کم ہوتی گئی، یہاں تک کہ اب ہر ذی فہم انسان جانتا ہے کہ دنیا میں ہر واقعہ کا ایک فطری سبب ہوا کرتا ہے اور قدرت بغیر اس خیال کے کہ انسان کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں، اپنے کام میں مصروف ہے۔

اب مفکرین اچھی طرح واقف ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب خود انسانوں نے وضع کیے تھے اور خدا و الہام خداوندی سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا۔ جن کتابوں کو وہ الہامی کہتے ہیں، وہ بھی انسان ہی کے دماغ کا نتیجہ تھیں اور اسی لیے ہر قوم و زمانہ کے لحاظ سے ان میں مختلف خیالات و تعلیمات پائی جاتی ہیں، نہ خدا کو طاعت و عبادت کی ضرورت ہے اور نہ وہ کسی کی دعا سنتا ہے۔ اہل دنیا پر ہزاروں مرتبہ قحط و وبا، طوفان و سیلاب کی مصیبتیں نازل ہوئیں اور کوئی دعا انھیں دور نہ کر سکی، زلزلے آتے رہے، جوالا مکھی آگ برساتے رہے، ہزاروں معصوم نفوس فنا ہوتے رہے اور انسان کی کسی گریہ وزاری نے خدا کو اس ہلاکت باری سے باز نہ رکھا، کھیتیاں سوکھتی رہیں اور انسان کی دعائیں ایک قطرہ پانی کا نہ حاصل کر سکیں، وبائیں پھیلتی رہیں اور خدا کے نام پر لکھے ہوئے تعویذ کسی ایک متنفس کو بھی ہلاکت سے نہ بچا سکے، غلاموں کی پیٹھ کوڑوں سے لہولہان ہوتی رہی، عورتوں کی عصمت دری کو علی الاعلان جائز رکھا گیا، شیر خوار بچے ماؤں کی آغوش سے چھین چھین کر بازاروں میں فروخت کیے گئے اور ان کی فریاد، آہ وزاری ایک لمحہ کے لیے خدا کو متوجہ نہ کر سکی کہ وہ ظالم بادشاہوں کی حکومت کی بجائے آسمانی بادشاہت قائم کرتا۔

اخلاقیات کے باب میں اہل مذہب کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے جس فعل سے باز رکھا ہے، وہی برا ہے اور جس کے کرنے کا حکم دیا ہے، وہ اچھا ہے۔ خود بندہ کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ خود کسی فعل کے مستحسن یا قبیح ہونے پر رائے زنی کرے، گویا مذہبی انسان کسی اچھے کام کو خود اچھا سمجھ کر انجام نہیں دیتا بلکہ فرمان خداوندی کی تعمیل سمجھ کر اس کو اختیار کرتا اور صرف اس خوف سے کہ مبادا خدا برہم ہو جائے اور اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

تقریباً تمام اہل مذہب کا عقیدہ ہے کہ ایک انسان اچھے اخلاق کا ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ وجود خدا کا قائل نہ ہو اور اگر کسی میں یہ صفت پائی بھی جائے تو بغیر خدا کو مانے ہوئے وہ بالکل بے کار ہے۔

علمائے اخلاقیات کا نظریہ یہ ہے کہ نیکی و بدی اشیا کی فطرت میں موجود ہے، بعض افعال ایسے ہیں جو انسانی مسرت کا باعث ہوتے ہیں اور بعض آزار و مصائب کا سبب بن جاتے ہیں، چنانچہ اول الذکر افعال کو ہم اخلاق حسنہ کہتے ہیں اور موخر الذکر کو افعال قبیحہ یا معصیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اخلاق انسانی کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور یہیں ان کے نتائج دیکھ کر ان کے برے یا اچھے ہونے کا اصول قائم کیا گیا ہے۔ نہ خدا ان سے متاثر ہوتا ہے اور نہ دوسری دنیا میں ان کا محاسبہ کر کے جزا و سزا دینے کی ضرورت۔ چوری کو برا سمجھنے کے لیے کسی الہام کی ضرورت نہ تھی۔ انسان کے تجربہ نے اس کے نقصانات دیکھ کر خود اسے برا قرار دیا، تمام وہ

جرائم جو انسان کو جسمانی، اقتصادی و عمرانی نقصان پہنچاتے ہیں، ان سے اپنے آپ کو محفوظ رہنے کا احساس ہر شخص میں فطری طور پر پایا جاتا ہے اور یہی وہ احساس تھا جس نے اسے بتایا کہ نیکی کسے کہتے ہیں اور بدی کس کو۔

پھر جو چیز اس لحاظ سے بری ہے، وہ یقیناً بری سمجھی جائے گی، خواہ مذہب کے نزدیک اچھی ہو، واقعات و تاثرات کو کوئی قوت بدل نہیں سکتی جس طرح قدرت ایک مربع کو دائرہ ثابت کرنے سے عاجز ہے، اسی طرح وہ کسی بری بات کو اچھی اور اچھی کو بری نہیں بنا سکتی۔

الغرض اہل مذہب نے جو نظریہ اخلاق قائم کیا ہے، اس پر ایک انسان کبھی فخر نہیں کر سکتا۔ ایک شخص نیک کام کرتا ہے، صرف اس ڈر سے کہ خدا کا حکم ہے اور اس طمع سے کہ اس کا انعام دوسری دنیا میں ملے گا۔ دوسرا اچھے اخلاق اختیار کرتا ہے صرف اس بنا پر کہ یہ اس کا انسانی فرض ہے اور نیکی آپ اپنی جزا ہے؛ دونوں کے فرق کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

الغرض اس وقت دو راستے ہمارے سامنے ہیں۔ ایک وہ جو مذہب کی طرف ہم کو لے جاتا ہے اور دوسرا وہ جو عقل کی طرف رہبری کرتا ہے۔ سو اول الذکر کا تجربہ بہت کافی ہو چکا ہے اور ہمیشہ اس کا نتیجہ ایک ہی نکلا ہے۔

فلسطین میں اس کا تجربہ کیا گیا لیکن اہل فلسطین کی مذہبیت ان کو تباہ و برباد ہونے سے نہ بچا سکی، وہ مفتوح و مغلوب ہو کر خارج البلد کی گئی، صدیوں تک امداد خداوندی کا انتظار کرتے رہے اور اس توقع پر زندہ رہے کہ خدا انھیں پھر مجتمع کرے گا۔ ان کی بستیوں، ان کے معبدوں اور قربان گاہوں کو از سر نو تعمیر کرے گا۔ لیکن صدیاں پر صدیاں گذرتی گئیں اور ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔

اس کا تجربہ سوئزلینڈ میں کیا گیا لیکن وہاں بھی سوا غلامی کے اور کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ ترقی کی تمام راہیں مسدود کر دی گئیں اور صرف انھیں لوگوں کو آزادی کے ساتھ بولنے کا حق رہا جو صاحب جاہ و ثروت تھے، عوام سے ان کی معصوم مسرتیں چھین لی گئیں، ان کے لیے ہنسنا ممنوع قرار پایا اور سوائے رنج غلامی کے کچھ نہ ملا۔ ان لوگوں نے اور وظائف، روزہ صلوۃ، وعظ و پند کو بھی آزما کر دیکھ لیا، لیکن کوئی چیز انھیں مسرت و راحت سے آشنا نہ کر سکی۔

اسکاٹ لینڈ میں بھی مذہب کا تجربہ ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی ماننے والی تمام آبادی کو خوش قسمت لیکن ظالم کرکوں کا غلام بن کر رہنا پڑا۔ پادری ہر خاندان میں گھس جاتے تھے، اور خوف و واہمہ پرستی پھیلا پھیلا کر لوگوں کی عقلیں سلب کر رہے تھے، وہ اپنی ہدایات کو الہام ربانی کہتے تھے اور ان سے انحراف کرنے والے عذاب خداوندی کا مستوجب

قرار دیتے تھے، پھر اس مذہبی حکومت میں بھی وہی ہوا جو ہونا چاہیے۔ انسان غلام تھا اور غلامی کے ناقابل برداشت بار سے اس کی پیٹھ جھکی جارہی تھی۔

انگلستان میں مذہبی حکومت نے جو گل کھلائے، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اس زمانہ کے قانون، اس کے زمانہ کے اوہام و تعصبات اس قدر سخت تھے کہ خدا کی پناہ، پادری خدا کے بیٹے بنے ہوئے آسمان و زمین کی ملکیت کا دعویٰ کر رہے تھے۔ بہشت و دوزخ کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں تھیں اور جس کو جہاں جی چاہتا تھا دھکیل دیتے تھے؛ نہ ان کے دلوں میں رحم تھا، نہ آنکھوں میں مروت۔ ادنیٰ ادنیٰ سی غلطیوں پر خارج البلد کر دینا، کوڑے لگوانا اور قید و بند میں ڈال دینا معمولی بات تھی۔

از منۂ مظلمہ میں مذہبی زندگی کا جو نتیجہ ہوا، وہ اور زیادہ ہادم انسانیت تھا۔ ہزاروں سولیاں ہر وقت خون سے تر رہتی تھیں اور بے شمار تلواریں انسانی سینے میں پیوست۔ قید خانے کھچا کھچ بھرے رہتے تھے اور سیکڑوں انسان دہکتی ہوئی آگ کے اندر پڑے ہوئے تڑپا کرتے تھے۔ کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو خدا کے نام پر روانہ رکھا گیا ہو اور کوئی معصیت ایسی نہ تھی جس کا ارتکاب مذہب کے پردہ میں نہ ہوتا ہو۔ الغرض یہ تھا مذہبی حکومتوں کا رنگ جو اہل مذہب نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اب اس کے مقابلے میں اس راستہ کو دیکھو جس کی رہنمائی عقل نے کی ہے، کیسا صاف و ہموار راستہ ہے۔ کیسی کھلی ہوئی فضا ہے، کیسی پر بہار زمین ہے۔ ہر شخص دوسرے کا بوجھ ہلکا کرنے کی فکر میں ہے اور ہر دماغ اس فکر میں کہ بنی نوع انسان کی راحت و مسرت کا سامان بہم پہنچائے۔ نہ وہاں سولیاں ہیں، نہ قید خانے، نہ جہنم کے اژدہے ہیں نہ فرشتوں کے کوڑے۔ قدرت کی وسیع فضا ہے جس سے ہر شخص یکساں فائدہ اٹھا رہا ہے۔ عقل و فراست کا ایک آفتاب ہے جو سب کے برابر مستفیض کرنا چاہتا ہے۔ انسانیت کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، غلامی کا داغ اشرف المخلوقات کی پیشانی سے ہٹ چکا ہے، ذہنی آزادی نے مختلف قسم کے چمن کھلا رکھے ہیں اور ہر فرد دوسرے سے ہم آغوش و بغلگیر نظر آتا ہے۔

جس وقت میں تاریک ماضی کی طرف دیکھتا ہوں تو میرا ریشہ ریشہ کانپ اٹھتا ہے۔ سب سے پہلے مجھے وہ تنگ و تاریک غار نظر آتے ہیں جہاں مقدس اژدہے کنڈلیاں مارے ہوئے قربانیوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے جبڑے کھلے ہوئے ہیں۔ ان کی زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ آنکھیں چمک رہی ہیں اور زہریلے دانت خون آلود ہیں۔ جاہل ماں باپ اپنے معصوم بچوں کو اس افعی دیوتا کے حضور میں پیش کرتے ہیں، وہ اس چیختے تڑپتے ہوئے بچہ کو اپنے بل میں لپیٹ کر

بیس ڈالتا ہے اور بے رحم والدین اس ہدیہ کے قبول ہونے پر خوش خوش واپس جاتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے وہ عبادت گاہیں نظر آتی ہیں جن کو بڑے بڑے پتھروں سے تیار کیا گیا ہے لیکن یہاں ان کی قربان گاہیں بھی خون سے رنگین ہیں اور مقدس پجاریوں کے خنجر معصوم لڑکیوں کے سینوں میں یہاں بھی پیوست نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور معبد سامنے آتے ہیں جہاں مقدس آگ کی روشنی کو انسانی گوشت و خون سے قائم رکھا جاتا ہے، پھر چند عبادت گاہیں اور دکھائی دیتی ہیں جن کی قربان گاہیں بیلوں اور بھیڑوں کے خون سے تر ہیں، اس کے بعد مجھے کچھ اور معبد، کچھ اور پجاری، کچھ اور قربان گاہیں نظر آتی ہیں جہاں انسانی آزادی کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ خدا کے معبد تو نہایت عظیم الشان ہیں لیکن کسانوں کے پاس جھونپڑا تک نہیں۔ پجاریوں اور بادشاہوں کے جسم زرکار عباؤں سے آراستہ ہیں لیکن رعایا کے پاس جسم ڈھانکنے کو بوسیدہ سا چیتھڑا بھی نہیں۔ اور کیا دیکھتا ہوں، یہ کہ قید خانے انسانوں سے بھرے ہوئے ہیں، خارج البلد خانماں برباد بوڑھے، بچے، عورتیں پہاڑوں اور صحراؤں میں سر ٹکرا رہی ہیں۔ آفات تعذیب حرکت میں آرہے ہیں اور لاکھوں انسانوں کی چیخ سے خانقاہیں گونج رہی ہیں۔ اف، وہ تاریک قید خانے، وہ زنجیر کی جھنکار، وہ آگ کے بلند شعلے، وہ جھلسے ہوئے سیاہ چہرے، وہ اینٹھتے ہوئے اعضا، وہ شکنجوں میں کسے ہوئے ہزاروں معصوم انسان اور وہ ان رگوں کے ٹوٹنے کی آوازیں۔ اس کے بعد جو میری گناہ اٹھتی ہے تو افق میں مجھے ایک نئی روشنی نظر آتی ہے۔ انسانی جسموں کے راکھ کے ڈھیر سے ایک نیا آفتاب طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یعنی عقل و مذہب آزادی، اب غلامی کی زنجیریں آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی ہیں۔ قربان گاہیں فنا ہوتی جاتی ہیں، عبادت گاہیں مسمار ہو رہی ہیں۔ زبان کی بندشیں اٹھتی جاتی ہیں اور ذہن و عقل کے قفل ٹوٹتے جارہے ہیں۔ اب میں پھر دیکھتا ہوں لیکن ماضی کی طرف نہیں بلکہ مستقبل کی طرف اور فرط مسرت سے اچھل پڑتا ہوں۔ اس وقت مجھے کیا کیا نظر آتا ہے، یہ کہ پجاری اور بادشاہ ختم ہو چکے ہیں۔ قربان گاہیں اور تخت و تاج خاک میں مل چکے ہیں۔ امارتیں نیست و نابود ہو چکی ہیں اور تمام دیوتا مفقود۔ ان کی جگہ ایک نیا مذہب رونما ہوا ہے، جس کا نام آزادئ ضمیر ہے اور ایک نئی سلطنت قائم ہوئی ہے جس کی ملکہ حریت فکر و رائے اور جس کی رعایا اخوت عامہ ہے۔ ہر جگہ امن و سکون ہے، اور ہر شخص مطمئن، نہ کوئی قید خانہ ہے نہ بیمارستان، نہ عدالت گاہیں ہیں نہ جرم و معاصی کی داستان۔ ایک ایسی دنیا ہے جہاں سوا صداقت کے کسی چیز کا گذر نہیں۔ سوا حسن و جمال کے کوئی شے پیش نظر نہیں۔ جدھر دیکھو نور کی بارش ہے اور انسانی دماغ کی کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ عقبیٰ کا خوف دنیا کی مسرتوں میں تبدیل ہو چکا ہے اور خدا کا ڈر انسانیت کے محبت میں۔

مذہب کا مستقبل

اس وقت دنیا مذہب کی طرف سے کافی بدگمان ہو چکی ہے اور اس کا مستقبل بہت تاریک نظر آتا ہے لیکن یہ خیال کرنا کہ یہ مغرب کے اسی عہد کی برکت ہے، درست نہیں۔ مذہب کی طرف سے انحراف کب اور کیوں کر شروع ہوا، اس کا سراغ لگانے کے لیے ہم کو یورپ کی ذہنی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس دور میں جس کو ہم دور نشاۃ ثانیہ یا یورپ میں تہذیب و تمدن کی دوبارہ پیدائش کے نام سے یاد کرتے ہیں، زندگی کے مختلف مسائل پر بحث کرنا ایک عام تفریح ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں، علمی تحقیق و تجسس کا وہ جوش وولولہ پایا جاتا تھا جو یورپ میں روم کی قیصریت کے فنا ہونے کے بعد پھر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ لوگوں کو اس وقت یہ پتہ چلا کہ دنیا میں ایسے بھی مسائل پائے جاتے ہیں جن کا نہ انجیل میں تذکرہ ہے اور نہ جن کے متعلق پادریوں کی زبانیں کھلتی ہیں، چنانچہ ایسے ہی مسائل زندگی پر لوگ اکثر آپس میں بحث کیا کرتے تھے۔ اس چیز کی ابتدا سب سے پہلے اٹلی میں ہوئی اور پھر یہ مباحث انگلستان اور فرانس تک پھیل گئے۔

اٹلی کا ایک مشہور اور سابق پادری گیارڈ نو برونو (Giordano Bruno) جب تک قتل ہونے سے محفوظ رہا، برابر پادریوں اور ان کی مہمل تعلیمات پر اعتراض کرتا رہا اور پھر اس نے لندن کو اپنا مستقل قیام گاہ بنالیا۔ یہاں اس نے اور سر فلپ سڈنی نے (جسے انگلستان میں ایک "بے داغ ہستی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) مفکرین کا ایک ایسا حلقہ بنالیا جو انسان اور کائنات پر بحث کیا کرتا تھا۔

چونکہ اس دور کے اکثر افراد ملحدانہ خیالات کے بھی حامل تھے، اس لیے وہ مذہب کے مستقبل پر بھی بحث کیا کرتے تھے، ان میں سے مشہور ڈرامانویس کرسٹو فر مارلو اور ملکہ الزبتھ کا مشہور درباری سر والٹر ریلے ایک قسم کا کلب بنائے ہوئے تھے جہاں مذہب کے مستقبل پر انتقاد و تبصرہ ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے اکثر لوگوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مذہب عیسوی باطل ہے، کیوں کہ علمی و تاریخی تحقیقات عیسویت کے افسانوں کو جھٹلا رہی تھیں، جہاز راں ایسے ممالک دریافت کر رہے تھے جو کبھی عیسیٰ کے خوب میں بھی نہ آئے تھے۔ منجم کائنات کے بارے میں ایسے انکشافات کر رہے تھے جو عقل انسانی کی محدود چہار دیواری کی بنیادوں کو متزلزل کیے دے رہے تھے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ تحقیق و جستجو صرف ان لوگوں تک محدود تھی جن کے پاس فرصت تھی، دولت تھی اور جو تمام دنیاوی علائق سے بے نیاز ہو کر اپنا سارا وقت اسی قسم کی تحقیق و تجسس میں صرف کرتے، ورنہ قوم کے زیادہ افراد جاہل تھے، وہ مطلق نہیں جانتے تھے کہ تحقیق جدید کیا ہے اور جب کسی بے دین یا ملحد کو زندہ جلتے

ہوئے دیکھتے تھے، تو خوش ہوتے تھے، بالفرض تعلیم یافتہ لوگ تو مذہب کو ناپسند کرتے تھے اور اس کے اصول سے انھیں اختلاف تھا لیکن قومی مصالح کی خاطر انھیں اپنے مذہب پر قائم رہنا پڑتا تھا۔

مگر ان تمام مباحث کے دوران ایک چیز کا فقدان تھا اور وہ ارتقا کا خیال تھا۔ کسی کو یہ تصور بھی نہیں تھا نظام معاشرت کسی وقت بدل جائے گا، حتیٰ کہ جب سر ٹامس مور نے اپنی مشہور کتاب "یوٹوپیا" لکھی تو بھی اسے "باغی" نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ اس کتاب کے تجویز کردہ نظام معاشرت کے قوانین بالکل بعید از قیاس سمجھے گئے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے انگریزی میں وہی چیز لکھی تھی جو اٹھارہ صدی قبل یونانی زبان میں افلاطون لکھ گیا تھا۔ تہذیب جدید کے نئے قوانین لوح آسمان پر لکھے جا چکے تھے مگر انسان کی آنکھیں اتنی ضعیف تھیں کہ وہ انھیں نہیں دیکھ پاتی تھیں اور اوہام پرستی کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

لیکن اب ہماری نگاہوں میں زیادہ بصیرت پیدا ہو گئی ہے اور ہم ان مسائل کو ایسی صداقت کے معیار پر پرکھتے ہیں جس سے پہلے لاعلم تھے، اب "قانون وقت" یا "حقیقت" لفظ "ترقی" (Progress) میں مضمر ہے۔

اگر واقعی نظام اشیا کا کوئی قانون ابدی ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ ایک نظام کو دوسرے نظام میں تبدیل ہونا پڑے گا جیسے رات دن میں تبدیل ہوتی ہے۔ بہار خزاں سے بدلتی ہے اور بچپن جوانی سے بدل جاتا ہے۔ ابھی تک ہم اپنے "بزرگوں کی عقل" کی مثالیں پیش کیا کرتے تھے مگر موجودہ زمانہ میں اس فقرہ کو جو استعمال کرے، اسے بالکل احمق سمجھنا چاہیے۔ ہمارے آبا و اجداد نہ ہوائی جہاز بنا سکتے تھے، نہ ریل چلا سکتے اور نہ موٹر؛ تو پھر ہم انھیں اپنے سے زیادہ عقل مند کیوں تسلیم کریں؟

بہر حال مذہب کو بھی بدلنا ہے اور نصف سے زیادہ دنیا اس کو تسلیم کر چکی ہے، وہ لوگ جن میں غور کرنے کی استعداد و صلاحیت موجود ہے اور ہمارے زمانے کے وہ تعلیم یافتہ مرد و خواتین جن کو پڑھنے اور تصویر کے دونوں رخ دیکھنے کا موقع ملتا ہے، ان میں سے اکثریت کو اس امر کا یقین ہو چکا ہے کہ مذہب مٹ جائے گا۔ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ انسانی آرا کی دوسری منزل کیا ہو گی؟

وہ پیشین گوئیاں جو ادبیات کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، قابل تسلیم نہیں۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں بالمیز (Balmes) نے کہا تھا کہ پروٹسٹنٹ تہذیب (جرمنی، ہالینڈ وغیرہ) ختم ہو رہی ہے، دنیا کے لیے پروٹسٹنٹ مصلحین کا پیغام بے اثر ثابت ہوا ہے اور کیتھولک سلطنتیں مثلاً فرانس، اسپین، پرتگال، آسٹریا وغیرہ دراصل دنیا کی حکمراں بن رہی ہیں مگر اس پیشین گوئی کے نصف صدی بعد یہ دیکھا گیا کہ کیتھولک ممالک تنزل پذیر ہیں، یا یہ کہ وہ اپنے سابقہ مذہب کو

ترک کر چکے ہیں۔ عوام نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ پیس ثانی (Pius II) آخری پاپائے رومہ ہے، اس کے نصف صدی بعد لارڈ میکالے نے لکھا کہ پاپائے روم کا جھنڈا اڑتا ہی رہے گا۔ آج سے بیس برس قبل ایک پیشین گوئی یہ کی گئی کہ کیتھولک مذہب سب سے پہلے نیست و نابود ہو گا۔ اس کے بعد ایچ۔جی۔ ولس نے یہ کہا کہ آج سے ایک ہزار برس کے بعد جدید شہروں میں بھی پیادہ پا راہب چلتے ہوئے دکھائی پڑیں گے۔

لہٰذا اس قسم کی پیشین گوئیوں کو سچا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ گذشتہ عہد کی پیشین گوئیاں سیاسی یا فوجی نقل و حرکات اور تحریکات کی وجہ سے غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے اب جو پیشین گوئی کی جائے، وہ بھی غلط ثابت نہ ہو۔ مذہب کے بارے میں آج یہی نظریہ ٹوکیو میں بھی پایا جاتا ہے اور پیکنگ میں بھی، بمبئی میں بھی اور قاہرہ میں بھی، قسطنطنیہ میں بھی اور میکسیکو میں بھی۔

غرضیکہ مقامی حالات کچھ ہوں، اقوام عالم ان مسائل پر اس وقت تک رائے زنی کرتی رہیں گی جب تک ان کا منطقی حل نہ معلوم ہو جائے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ اس منطقی حل کو معلوم کرنے کے شرائط ہر دس برس کے بعد بدل جاتے ہیں اور ان میں سب سے بڑی شرط "علم" ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر عہد میں ایک الحاد پسند قلیل اقلیت یونان، روم، قرطبہ، فلورنس اور تقریباً ہر مقام پر پائی گئی اور آخر میں اقلیت کا خاتمہ ہو گیا لیکن یہ نتیجہ تھا اس امر کا کہ "کلچر" صرف اعلیٰ طبقوں تک محدود تھا اور اب یہ "کلچر" جمہوری ہے۔ آج ۵۰ کروڑ انسان پڑھ سکتے ہیں اور ۵۰ برس کے بعد ان کی تعداد دوچند ہو جائے گی۔

پھر یہ تو درست ہے کہ دنیا ہمیشہ مذہب کے بارے میں بحث کرتی رہے گی لیکن یہی کیوں فرض کر لیا جائے کہ ان مباحث کا منطقی نتیجہ الحاد و بے دینی کی صورت میں ظاہر ہو گا اور یہ کہ کیا یہ چیز ان پیشین گوئی کرنے والوں کا رسمی "فریب" (Fallacy) نہیں ہے۔

ہر پیشین گوئی کی سب سے بڑی کمزوری پیشین گوئی کی خود سری ہے، وہ اپنے آپ کو اتنا عقل مند تصور کر لیتا ہے کہ جو کچھ اس کے خیالات ہیں، آنے والی نسل ان کو بے چون و چرا قبول کر لے گی، خصوصاً سیاسی و اقتصادی نظریات کی دنیا میں کہ کتابوں اور واعظوں کے لکچروں کو جب کوئی شخص دیکھتا اور سنتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ کیتھولک کو یہ یقین رہتا ہے کہ ساری دنیا اسی کی ہم خیال بن جائے گی، موحد کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب وحدانیت تمام عالم کا ایمان بن جائے گا لیکن جب جارج برنارڈ شا آتا ہے تو وہ ان سب خیالات کو ٹھکرا کر ایک نئی بات کہتا ہے کہ مستقبل کا مذہب کیا ہو گا؟

الغرض ان معاملات میں صورت حال یکساں ہوتی ہے، پیشین گو کے دلائل بہت سادہ ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقت و صداقت سے میں ہی آشنا ہوں اور چونکہ تمام دنیا میری ہی طرح صداقت پرست ہونے والی ہے، لہٰذا میری بتائی ہوئی صداقت کو ضرور تسلیم کیا جائے گا۔

مگر اپنے نظریہ کو اس طرح نہیں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ مذہب اپنی ہر شکل میں ایک دھوکا ہے، ایک وہم ہے اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ انسانی زندگی اور انسانی فطرت کے پاس وہ ذرائع و اختیارات موجود ہیں جن کو مذاہب عالم نے ہم میں بڑھنے سے روکا ہے اور جب یہ تمام مظالم اور تمام دھوکے ختم ہو جائیں گے اور جب انسان کو اپنی صحیح طاقت کا اندازہ ہو جائے گا تو ایک ایسا نظام تیار ہو گا جو موجودہ نظام سے کہیں زیادہ خوشگوار اور دلکش ہو گا۔

میں یہ اس وجہ سے نہیں کہتا کہ میرا یہ عقیدہ مجھے اصل "صداقت" یا حقیقت معلوم ہوتا ہے بلکہ میں یہ اس واسطے کہتا ہوں کہ دنیا اسی سمت جا رہی ہے، آگے چل کر میں "مذہب" کی داستان مختصر الفاظ میں بیان کروں گا۔

تجربۂ سابق

مذہب کی داستان کئی ہزار برس کی پرانی داستان ہے اور مذہب کی ابتدا تلاش کرنے کے لیے ہم کو "عہد حجری" سے بھی قدیم تر زمانہ کی طرف نظر دوڑانی پڑتی ہے لیکن یہاں کسی مدت پر بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ مدعا صرف یہ کہنا ہے کہ اپنے ابتدائی دور ہی سے مذہبی خیالات میں تدریجی ارتقا ہوتا رہا ہے۔ اس ارتقا میں کوئی تحریک جذبات نہ شامل تھی بلکہ تفکر و واقعات کا ایک منطقی تسلسل تھا یا جیسا کہ اعتدال پسند مذہبی لوگ کہتے ہیں، یہ ارتقا کسی بیرونی قوت کی طرف سے کوئی "الہام" نہیں ہے اور اقوام عالم کی معیار عقل کے مطابق خدا نے اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں ظاہر کیا ہے لیکن واقعات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہب پہلے ایک مضرت رساں خیال تھا اور رفتہ رفتہ وہ بدتر ہوتا گیا۔

اگر تمام نسل انسانی برابر رفتار سے چلتی تو آج ہم مذہب کی ابتدا اور اس کے ارتقا کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوتے مگر انسان نے اپنے تجربات صرف پانچ چھ ہزار برس پیشتر سے محفوظ رکھنا شروع کیے، یہاں تک کہ فرضی داستانیں (Legends) بھی بہت پرانی نہیں ہیں لیکن انسانوں کی یہ داستان ہر واقعہ سے اتنا متاثر ہوئی ہے کہ نسل انسانی کے مختلف حصوں نے عام ارتقا میں ہر منزل پر ترقی نہیں کی۔ بہر حال آج ہم دو انسانی سلسلے (Series) شمار کرا سکتے ہیں۔ ایک تو ان قبل تاریخ (Pre-Historic) قوموں کا سلسلہ جو لاکھوں برس پہلے گذر رہی ہیں۔ دوسرے وحشیوں کا زمانہ، یہ دونوں مدتیں تقریباً یکساں ہیں، کیوں کہ دونوں زمانہ قبل تاریخ میں گذری ہیں، اور ان قوموں کے خیالات سے تفکر

انسانی کے ارتقا کے گذشتہ منازل ہم کو معلوم ہو سکتے ہیں، اس کے بعد تہذیب قدیم کے مذہب کا پرانی عمارتوں سے پتہ چلتا ہے اور پھر ادبیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے بارے میں لوگوں کے کیا خیالات تھے۔ ادب سے گذشتہ تین ہزار برس قبل کے مذہبی ارتقا کا حال معلوم ہوتا ہے جو مختلف مذہبی مرکزوں مثلاً چین، ہندوستان، ایران، یونان، روم اور مصر وغیرہ میں عیسائیت کے قبل پایا جاتا تھا اور جو سبق اس سے ہم کو ملتا ہے، وہ اس کے بالکل مطابق ہے جو اس وقت سے اس وقت تک ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہر قسم کی آب و ہوا اور ہر قسم کی اقتصادی حالت میں مذہب کا ارتقا اتنا یک رنگ و یکساں رہا ہے کہ خود ایک مذہبی آدمی اس کا مستقبل دیکھ سکتا ہے۔ جن واقعات نے انسانی ترقی کو (ایسے ممالک میں جہاں ترقی کے وسائل تھے) روک دیا، وہ لڑائیاں یا ایسی غلطیاں تھیں جو ہمیشہ تہذیب کو مٹاتی رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ الحاد اسی زمانہ میں پھیلا جب تہذیب اپنے انتہائی عروج پر ہوئی اور جب تخریبی قوتوں نے علم کو مٹا دیا اور جہالت کا دور دورہ ہوا تو الحاد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب علم کی ترقی ہوتی ہے تو مذہب کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں اور جو تہذیب مٹنے لگتی ہے تو اس میں پھر قوت آجاتی ہے۔

مذہب اور فطرت انسانی

میری رائے میں مذہب کی ابتدا کا حال بالکل ایسا ہے جیسے پرانے زمانے کے حبشی کا تصور اپنے سایہ کے بارے میں، میں نے دیکھا ہے کہ اگر کسی کتے کی عمر میں پہلی بار ژالہ باری سے سابقہ پڑے تو وہ بے انتہا حیرت زدہ ہو جاتا ہے یا گر کوئی بلی پہلی مرتبہ کسی کچھوے کو رینگتے ہوئے دیکھتی ہے تو وہ بہت متعجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زمانۂ قدیم کے انسان میں ممکن ہے ایسے رد عمل ہوتے ہوں مگر ان کا مذہب سے اس وقت تک کوئی تعلق نہیں ہوا جب تک وہ یہ خیال کرنے لگا کہ جو چیز ان کا باعث ہے، وہ ایک غیبی طاقت ہے۔

اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ انسان نے پہلے ایک مبہم طاقت کا تصور کیا اور پھر یہی چیز شخصی روحوں (Souls) میں تبدیل ہو گئی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ روح کا سب سے پرانا نام "سایہ" (Shadow) ہے اور جب ہم اپنے آپ کو ایک قدیم وحشی کی جگہ دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ غالباً سایہ کا حیرت انگیز وجود پر غور و فکر پہلی چیز تھی جس نے قدیم انسان کے دماغ میں تصور کی جھلک پیدا کی۔ اب سے سو برس قبل جب مشنریوں اور سیاحوں نے وحشیوں کے خیالات کا ریکارڈ رکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی کے خیالات اخلاق پر مبنی نہیں ہیں اور بعض کے تو

مذہبی خیالات بھی نہیں، بعض "ہمزاد" یا "سایہ" پر یقین کرتے ہیں اور بعض انسان کے "دوسرے حصے" پر جو موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، کامل اعتقاد رکھتا ہے۔

دوسری منزل یا حیات بعد الموت کا خیال بھی تمام دنیا میں متوازی نظر آتا ہے، یعنی کہ مردوں کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور ان کی سرگرمیاں زیادہ بڑھ جاتی ہیں، نیز یہ کہ ارواح بہت رنجیدہ اور خشک مزاج ہوتی ہیں، گویا زندگی ترک کرنے سے ان کو تکلیف پہنچی ہے، اس کا اظہار وہ خشونت سے کرتی ہیں یا یہ کہ چونکہ اب وہ کسی کو نظر نہیں آتیں، اس لیے وہ ایسے کام کرنے لگتی ہیں جو پہلے گوشت پوست کی زندگی میں راز کھل جانے کے ڈر سے نہ کر سکتی تھیں۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب نے ایک وحشی کی زندگی کو کچھ عرصہ بعد تکلیف دہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان ارواح کو تمام بیماریوں اور مصیبتوں کا ذمہ دار سمجھا جانے لگا اور چونکہ ہر آدمی کے مرنے کے بعد ایک خبیث روح بڑھتی ہے، لہٰذا انسانی آبادیاں انھیں ارواح سے معمور نظر آنے لگیں۔ بعد کو وہ زمانہ آیا جب ان ارواح کے لیے خاص جگہیں (مثلاً آسمان یا زمین) میں مقرر کر دی گئیں، ان میں سے بعض ایسی بھی سمجھی جانے لگیں جو آدمیوں کی مدد کرتی ہیں لیکن عام نظریہ یہی تھا کہ وہ عموماً شر ہوتی ہیں۔

مذہبی "مقدسین" کا ظہور

مذہب کے اس ابتدائی دور میں زیادہ اظہار خیال کی حالت میں گریز کرے گا، جب کہ وہ عیسائی مذہب کو نہیں پسند کرتا۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور دوسرا کہہ سکتا ہے کہ اس کا خدا پر کوئی اعتقاد نہیں مگر پھر بھی ایک عالمگیر قوت کا دونوں کو احساس ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی مختلف علوم کا ماہر ہو سکتا ہے مگر اس کا بھی امکان ہے کہ اس نے مذہب پر کبھی غور نہ کیا ہو۔

بہر حال یہ طے شدہ امر ہے کہ مذہب بحیثیت ایک مجموعۂ عقائد کے تعلیم یافتہ طبقہ سے اپنا اثر زائل کرتا جا رہا ہے اور چونکہ آج تعلیم عام ہو چلی ہے، اس لیے یہ بھی صحیح ہے کہ گویا عوام پر سے اس کا اثر زائل ہو رہا ہے، یہ مسئلہ مذہب میں اصلاح کرنے کا نہیں ہے، کیوں کہ اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو پیغمبروں پر حرف آتا ہے، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصول مذہب سے انکار کر کے صرف اخلاقیات کو مانا جائے، کیوں کہ اس نظریہ کو ایک قلیل اقلیت کے علاوہ اور کوئی نہ تسلیم کرے گا۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب کا زوال یقینی ہے۔

اسی کے ساتھ واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا پرستی کا زوال بھی لازمی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ گذشتہ پچاس برس سے وحدانیت کس طرح اپنی جگہ پر قائم ہے اور الحاد کتنا پھیل رہا ہے، لہٰذا اب جب کہ علم عام ہو رہا ہے، مستقبل کا حال ظاہر ہے۔ خدا کے خیال کو، خواہ کتنا ہی پاکیزہ کیوں نہ بنایا جائے، مگر اب وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

گذشتہ نصف صدی میں کئی مذاہب پیدا ہوئے اور ان کے معتقدین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی گئی مگر پھر بھی ان کے پیروؤں کی تعداد میں بیس لاکھ سے زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔ حالاں کہ ۲۰ کروڑ آدمی ایسے ہو گئے ہیں جو مذہب سے بالکل بے پرواہیں، در آنحالیکہ ہمارے نصاب تعلیم میں مذہب پر خاص زور دیا جاتا ہے، بہر حال مذہب کا خاتمہ اب کچھ مدت کی بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی ذرا صورت حال پر نظر ڈالیے کہ (صرف عیسائی) ممالک میں مبلغین مذہب کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے اور ان کے مقابلے میں بے دینی پھیلانے والے ۵۰۰ کے تناسب سے زیادہ نہیں، اس پر طرہ یہ کہ مذہب کی طرف سے کروڑوں روپیہ بھی ہر سال خرچ ہوتا ہے، کیا اس حالت پر غور کرنے کے بعد بھی مذہب کے مستقبل کے متعلق کوئی شک باقی رہ جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ ممالک میں تو مذہب تقریباً ختم ہو گیا ہے، البتہ جاہل ملکوں میں اکثریت مذہب کی پابند ہے مگر وہ بھی اس وقت تک اسے مانتی رہے گی جب تک وہاں تعلیم عام نہیں ہوتی، بہر حال کچھ بھی ہو اس صدی کے آخر میں اگر کہیں مذہب قائم بھی رہا تو وہ انتہائی نفرت خیز چیز ہو گی۔

یاد رکھیے کہ مذہب کا خاتمہ وہ مبارک گھڑی ہو گی جب ہم مردہ انسانوں سے مدد مانگنے کے بجائے اپنی عقل سے امداد کے طالب ہوں گے اور ہم میں ایک ایسی زندگی پیدا ہو جائے گی جو تمام زندگیوں سے لطیف تر، خوش گوار تر اور مرغوب تر ہو گی۔

روایت و معجزہ کی حقیقت

زندگی کا صحیح مقصد حصول مسرت ہے اور ذہن انسانی مجبور ہے کہ وہ مسرت کے واقعی اسباب و شرائط معلوم کرے۔ واضح رہے کہ مسرت سے مراد میری صرف کھانا پینا نہیں، محض جسمانی راحت و آسائش نہیں بلکہ بلند قسم کی وہ مسرت ہے جو ادائے فرائض کے بعد حاصل ہوتی ہے، جو لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بعد محسوس ہوتی ہے جو فطرت کے مطالعہ اور حسن مجرد کے احساس سے پیدا ہوتی ہے اور جو آزادیٔ ذہن و ضمیر کی پیداوار ہے۔

لیکن آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو مسرت کی خواہش کو ٹھکراتا ہے جو حریت فکر و رائے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جس نے عقل انسانی کو شل کر دینا ہی اپنی مقصود زندگی قرار دے رکھا ہے، یہ گروہ

اپنے آپ کو اہل مذہب اور روحانیت پرست کہتا ہے۔ یہ گروہ وہ ہے جو احساسات مسرت کو وسوسۂ شیطانی کہتا ہے، یہ اس دنیا کی زندگی سے نفرت کرتا ہے اور اس کی تمام خواہشات کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہے، جس کا اصطلاحی نام اس نے "حیات بعد الموت" رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے اس کو اپنی "تسبیح و تہلیل" کے لیے منتخب کر لیا ہے، پیام ربانی کے لیے اس کی زبان مخصوص ہے اور صداقت و حقیقت کا نام ہے صرف اس چیز کا جو اس کے دل و دماغ سے پیدا ہو۔

اس جماعت نے ہمیشہ عقل و علم سے دشمنی کی، "ذہن انسانی" کو اس نے ہمیشہ کند رکھنا چاہا اور اس نے علم و یقین کا ماخذ ہمیشہ غیر فطری کرامات و معجزات کو قرار دیا ہے، اس لیے دنیا میں صرف نفرت، تعصب اور خوف کی اشاعت کی۔ اس نے مفکرین کو ہمیشہ اپنا دشمن سمجھا، اس نے محنت و عمل سے ہمیشہ جی چرایا اور اسی کو برگزیدہ قوم سمجھا جس کے لیے غیب سے من و سلویٰ نازل ہو سکتا ہے۔

یہ جماعت اپنا ایک لٹریچر بھی رکھتی ہے جسے مختلف ناموں سے مختلف قوموں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اس لٹریچر میں وہ سب کچھ ہے جسے عقل انسانی کبھی تسلیم نہیں کر سکتی۔ اس میں تخلیق کائنات کا بھی ذکر ہے اور آفرینش انسان کا بھی۔ اس میں تاریخ قدیم کے ٹکڑے بھی نظر آتے ہیں اور اخلاق کے درس بھی لیکن بایں ہمہ یہ محض روایت و داستان ہے جس کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں یا پھر ان ہدایات کا مجموعہ ہے جو محض تعصب و تنگ نظری کی پیداوار ہیں۔

انھوں نے ہمیشہ خدا کا ڈر دکھا کر اپنا اثر قائم کیا۔ انھوں نے ہمیشہ دنیا کو یہی یقین دلایا کہ اگر ان کی دعائیں شامل حال نہ ہوں تو بارش بند ہو جائے۔ کھیتیاں برباد ہو جائیں، دنیا قحط و وبا سے فنا ہو جائے اور جب کبھی کوئی مصیبت نوع انسانی پر نازل تو انھوں نے اس کو اپنی ہی بد دعاؤں کا نتیجہ بتایا۔ پھر انھوں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ جب کبھی انھیں اقتدار حاصل ہوا؛ علم کو روندا گیا۔ عقل پامال کی گئی، آزادی کو مٹایا گیا۔ مفکرین عالم کو قید میں ڈالا گیا۔ ارباب فضل و کمال کو ذبح کیا گیا اور خدا کے نام پر وہ سب کچھ کیا گیا جسے شیطان بھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔

لیکن مذاہب کا ظہور، مذہبی کتابوں کی پیداوار، خانقاہوں کی تعمیر اور اہل خانقاہ کا وجود، کوئی غیر فطری بات نہ تھی، بلکہ عہد وحشت کے غاروں سے لے کر موجودہ دور تہذیب تک انسان نے جو تدریجی ترقی کی ہے، اسی کے یہ لازمی مظاہر تھے۔ دنیا کی تاریخ میں اتفاق کوئی چیز نہیں ہے، نہ اس میں معجزہ و خرق عادات کو کوئی دخل ہے اور نہ غیبی مداخلت کو ہر شے اور ہر حالت واقعات سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے اگر ہمارے اسلاف کے دلوں میں مذہب و روحانیت کا خیال

پیدا ہوا تو وہ بالکل فطری خیال تھا، کیوں کہ ان کی عقل زیادہ سے زیادہ یہیں تک پہنچ سکتی تھی اور وہ اس کو سچ سمجھ کر پیش کرتے تھے۔

تمام زمانوں میں انسان نے اپنے اور اپنے ماحول کے سمجھنے کی کوشش کی ہے، وہ دیکھتا تھا اور تعجب کرتا تھا کہ پانی کیوں برستا ہے، درختوں کا نشو و نما کیوں ہوتا ہے، بادل کیوں کر معلق فضا میں اڑتے ہیں، ستاروں کی چمک کہاں سے آتی ہے، چاند سورج کو کون اِدھر سے اُدھر لے جاتا ہے۔ وہ سوچتا تھا کہ زندگی کے بعد موت کا سکون کیا۔ بیداری کے بعد نیند کیسی، روشنی کے ساتھ تاریکی کیا معنی۔ بجلی اور کڑک کو دیکھ کر وہ سہم جاتا تھا۔ زلزلوں اور پہاڑوں کی آتش فشانیاں دیکھ کر وہ لرزہ براندام ہو جاتا تھا اور چونکہ وہ ان کے طبعی حدوث کے اسباب سے ناواقف تھا، اس لیے وہ سمجھتا تھا کہ ان تمام حوادث کے پیچھے کوئی عظیم الشان، ذی حیات ہستی ضرور ایسی موجود ہے جو ان تمام مناظر و مظاہر کی پیدا کرنے والی ہے اور انھیں کو وہ دیوتا یا دیوی سمجھ کر ان سے ڈرنے لگا اور ان کی پوجا کرنے لگا۔

طلوع صباح کو وہ سمجھنے لگا کہ یہ کوئی نہایت ہی حسین و جمیل دیوی ہے، آفتاب کو اس نے ایک جنگجو عاشق مزاج دیوتا فرض کر لیا۔ رات کو اس نے سانپ یا ناگ سمجھ لیا اور ہوا کو مغنی، جاڑے کو اس نے ایک ایذا رساں درندے سے تعبیر کیا اور خزاں کو ایسی دیوی سے جو دنیا کے سب پھول چن کر لے جاتی ہے، الغرض اس طرح کی سیکڑوں تعبیریں، ہزاروں تفسیریں، اس نے مناظر فطرت اور حوادث طبعی کی اپنی ذہانت سے پیدا کیں اور ان کو حقیقت جان کر پھیلانا شروع کیا۔ اقوام عالم کی روایات مذہبی یا "اساطیر الاولین" پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی بنیاد یکسر انھیں شاعرانہ تعبیروں اور اسی قسم کی قیاسات ضعیفہ پر قائم ہے، چنانچہ باغ عدن کی روایت کو دیکھیے کہ وہ دنیا کی ہر قوم میں پائی جاتی ہے، کیوں کہ جب وہ مصائب سے گھبرا اٹھی تو اپنی تسکین کے لیے اس نے ایک ایسی دنیا کا تخیل پیدا کیا جہاں راحت ہی راحت ہے۔

اسی طرح طوفانوں کی روایت، ایشیا و یورپ کے تمام قدیم قوموں میں پائی جاتی ہے، انھوں نے گھونگھے، سیپیاں اور لہروں کے نشانات، پہاڑوں، وادیوں اور میدانوں میں دیکھ کر خیال کیا کہ کسی وقت ضرور ساری دنیا پر طوفان آیا تھا جس سے سوا چند مقبول بندوں کے کوئی جانبر نہ ہو سکا۔ توریت، انجیل اور کلام مجید کے علاوہ ہندوں میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ منو نے ایک بار گنگا میں کوئی ظرف ڈبو کر پانی لیا، اس میں ایک مچھلی بھی آگئی۔ مچھلی نے التجا کی کہ مجھے پھر پانی میں چھوڑ دیجیے۔ منو نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا لیکن مچھلی نے اس احسان کے عوض میں ان کو بتایا کہ ایک بڑا زبردست طوفان آنے والا ہے۔ آپ ایک کشتی بنا کر اس میں اپنے ساتھیوں کو معہ مویشیوں کے بٹھا لیجیے۔ میں بروقت

پہنچ کر آپ کی مدد کروں گی، چنانچہ منو نے اس کی تعمیل کی اور جب طوفان آیا تو مچھلی حاضر ہوئی لیکن اب وہ بڑی مچھلی ہو گئی تھی جس کے سر پر ایک سینگ بھی نکلا ہوا تھا۔ منو نے ایک رسی اس کے سینگ سے باندھ کر کشتی میں اٹکا دی اور وہ طوفان سے کشتی کو بچا کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر لے گئی اور طوفان کے ختم ہونے تک منو جی یہیں ٹھہرے رہے۔ ان تمام روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے زندگی اور موت کے اسرار کو کس کس طرح سمجھنے کی کوشش کی اور ان کوششوں میں اس کے کتنے اندیشے، کتنی امیدیں، کتنی مسکراہٹیں اور کتنے آنسو شامل تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا اولین مذہب "آفتاب پرستی" تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی، کیوں کہ روشنی ہی زندگی ہے اور اسی سے زندگی میں حرارت قائم رہتی ہے۔ اپالو بھی سورج تھا جو رات کے ناگ کو شکست دے کر بھگا دیتا تھا۔ اگنی بھی سورج تھا جو انسان کے ہر ہر جھونپڑے کی حفاظت کرتا تھا۔ کرشن بھی سورج ہی تھے کہ ان کی ولادت کے وقت تمام درخت ہرے بھرے ہو گئے، ہرقلس بھی سورج دیوتا تھا، جونا (یونس) بھی وہی تھا اور یہ سب کے سب ۲۵ دسمبر ہی کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ سب نے چالیس دن کا روزہ رکھا۔ سب غیر طبعی موت سے مرے اور پھر زندہ ہوئے۔ اب مسیح کے حالات کا ان روایات سے موازنہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ وہاں بھی سب کچھ یہی ہے، ۲۵ دسمبر کو ایک غار میں پیدا ہوئے، ہیروڈ نے بہت سے بچوں کو ان کے دھوکے میں ہلاک کیا۔ چالیس دن (چالیس کا عدد مذاہب عالم کی تاریخ میں بہت نظر آتا ہے۔ طوفان سے پہلے چالیس دن بارش ہوتی رہی، موسیٰ چالیس دن کوہ سینا پر رہے۔ چالیس سال تک بنی اسرائیل صحراؤں میں پھرتے رہے) کا روزہ رکھا۔ غیر طبعی موت سے مرے اور پھر زندہ ہوئے۔ عیسیٰ بھی سورج دیوتا تھے، اور یقینا تمام مذاہب کی ابتدا آفتاب پرستی ہی سے ہوئی، چنانچہ اس وقت بھی عبادت کے وقت لوگوں کا آنکھیں بند کر لینا اسی زمانہ کی یادگار ہے، کیوں کہ وہ سورج کو نہ دیکھ سکتے تھے اور آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔

اس کے علاوہ جب ہم امم سابقہ کی دیگر مذہبی روایات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مذاہب میں کوئی نئی بات نہیں پائی جاتی۔ ان کے تمام مراسم و عبادات کا رشتہ عہد قدیم کے مذاہب ہی سے جا کر مل جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ عیسائیوں میں بپتسمہ یا اصطباغ کی رسم پائی جاتی ہے، لیکن یہ عیسویت سے بہت پہلے کی چیز ہے۔ ہندوؤں، مصریوں، یونانیوں اور رومیوں میں بھی مقدس پانی کا وجود پایا جاتا تھا۔ صلیب کا خیال بھی نہایت قدیم خیال ہے۔ یہ علامت تھی غیر فانی ہونے کی؛ زندگی کی، اگنی کی۔ قبر انسانی کی، اٹلی کی قدیم آبادی (رومیوں سے بہت پہلے کی) قبروں پر صلیب ہی کا نشان قائم کرتی تھی۔ وسطی امریکہ کے قدیم معبدوں میں صلیبی نشان کثرت سے دریافت

ہوئے ہیں۔ بابل کی سرزمین سے جو اسطوانے یا نلکے دریافت ہوئے ہیں، ان پر بھی صلیب کا نشان موجود ہے۔ اسی طرح تثلیث کا خیال بھی بہت پرانا ہے اور قدیم مصر میں پایا جاتا تھا۔

ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اساطیر و معجزات میں بہت فرق ہے۔ اساطیر نام ہے کسی بات کی خیالی تصویر پیش کرنے کا اور معجزہ کہتے ہیں کوئی بات گھڑ کر بیان کرنے کو۔ اگر تم کسی سے کہو کہ دو ہزار سال قبل مردے زندہ ہو گئے تھے، وہ غالباً کہے گا؛ ہاں ہوا ہو گا۔ اگر تم اس سے کہو کہ ایک لاکھ سال بعد تمام مردے زندہ ہو جائیں گے تو وہ کہے گا، دیکھو کیا ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو گے کہ کیا تم نے خود قبر کے اندر سے کسی مردے کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا؛ تو وہ تمھیں دیوانہ سمجھ کر کوئی جواب نہ دے گا۔

مذہبی کتابیں اسی قسم کے بیانات سے معمور ہیں۔ خدا نے یہودیوں کے لیے جتنے معجزات سے کام لیا، وہ سب کو معلوم ہیں۔ ان کو غلامی سے آزاد کرانا بھی معجزوں ہی کے ذریعے سے ہوا۔ جب وہ مصر سے باہر نکلے ہیں تو دن کو بادل اور رات کو روشنی کا ایک ستون آگے آگے رہنمائی کے لیے ہوتا تھا۔ دریائے نیل ان کے لیے شق کیا گیا، من و سلویٰ ان کے لیے آسمان سے نازل کیا گیا لیکن یہودیوں نے ان میں سے کسی معجزہ کی پروا نہیں کی اور جب تک بچھڑا بنا کر پوج نہیں لیا، انھیں چین نہ آیا۔

اسی طرح مسیح نے بہت سے معجزے پیش کیے لیکن بالکل بے نتیجہ۔ وہی مردے جن کو انھوں نے زندہ کیا، وہی اندھے جن کو انکھیارا بنایا اور وہی کوڑھی جنھیں اچھا کیا، ان پر ایمان نہ لائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا سبب تھا۔ صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔

پانی کو شراب بنا دینا، سیکڑوں آدمیوں کو صرف ایک روٹی سے سیر کر دینا، اندھے کو مٹی لگا کر بینا بنا دینا، طوفان کو خاموش کر دینا، پانی پر چلنا؛ یہ سب باتیں ہیں جنھیں انسان سوچتا تھا، جن کے پورا ہونے کی تمنائیں رکھتا تھا اور انھیں کی تکمیل کو سب سے بڑی نعمت سمجھ کر اظہار عظمت و تقدس کے لیے اس نے پیغمبروں سے منسوب کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا جہل و خوف سے معمور تھی اور اپنی ہر مشکل میں مافوق الفطرت ہستی سے امداد کی توقع رکھتی تھی، چنانچہ انھوں نے ان مفروضہ غیر انسانی ہستیوں کو خوش کرنے کے لیے مندر بنائے، قربان گاہیں تیار کیں۔ ان کے سامنے رگڑی قربانیاں چڑھائیں اور وہ سب کچھ کیا جس سے وہ خود خوش ہو سکتے تھے لیکن ان آسمانی قوتوں نے ایک نہ سنی۔ ان میں سے کوئی انسان کی فریاد کو نہ پہنچا۔ طوفان بھی آئے، کھیتیاں بھی برباد ہوئیں، وبائیں بھی پھیلیں، جن کو برے حال جینا تھا، وہ برے حال ہی جیے اور جنھیں مرنا تھا وہ مر ہی گئے۔

انسان یہ سمجھتا تھا اور اب بھی مذہبی انسان یہی سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ پیدا ہوا ہے وہ اسی کے لیے ہے۔ اسی کی ضروریات پورا کرنے کے لیے کائنات وجود میں آئی، چنانچہ وہ ہر چیز پر قابض ہونا چاہتا تھا اور جب ناکام رہتا تھا تو سمجھتا تھا کہ خدا ضرور اس کی مدد کرے گا، حالاں کہ اگر دنیا میں ایک انسان نہ ہوتا تو بھی سورج کا یہی طلوع و غروب ہوتا۔ یہی بہار و خزاں ہوتی، گلاب اسی طرح کھلتا۔ انگور کی بیلیں اسی طرح پھل لاتیں۔ وہی سمندر کا مدو جزر ہوتا اور وہی رات دن، وہی طوفانی ہوائیں ہوتیں اور وہی رعد و برق۔ جب ایک زمانہ، ایک غیر محدود زمانہ انسان پر اسی جہل و بے بصری کی حالت میں گذر گیا تو کچھ لوگ سوچنے والے پیدا ہوئے اور انھوں نے ان روایات و معجزات کو شک کی نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ انھوں نے غور کیا کہ کسوف و خسوف کیوں مقررہ وقفہ کے بعد ہوتا ہے اور آخر کار انھوں نے اس کی وجہ معلوم کر کے سمجھ لیا کہ اجرام فلکی کی گردش اولاد آدم سے بالکل بے نیاز ہے اور انسان خود بھی مظاہر طبیعی کا ایک معمولی مظہر ہے۔

گلیلیو، کوپرنکس اور کیپلر نے مذہب کی بتائی ہوئی ہیئت کو درہم برہم کر دیا، زمیں چپٹی ہونے کے بجائے گول اور ساکن ہونے کے بجائے متحرک ہوگئی۔ آسمان بجائے ٹھوس ہونے کے خلا محض بن گیا اور سارا بنا بنایا کھیل مذہب والوں کا بگڑ گیا۔

ظاہر ہے کہ مذہب اپنی روایات کی اس تکذیب و توہین کی برداشت نہ کر سکتا تھا، وہ تاریکی جو زمانۂ معلوم سے دماغوں پر مسلط تھی، یوں آسانی سے دور نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کار جہل نے علم کے خلاف ایک محاذ جنگ قائم کیا، اور مذہب کے درندہ نے جس کے پنجے ہمیشہ خون سے رنگیں رہے ہیں، برونو کے خلاف اپنا چنگل بڑھایا اور محض اس خطا پر کہ وہ اس کرہ کے علاوہ اور کروں کا بھی قائل تھا۔ اسے کافر و ملحد قرار دے کر سات سال کے لیے قید کر لیا گیا کہ اگر وہ اپنے الحاد سے باز آجائے تو رہا کیا جا سکتا ہے لیکن اس نے کہا کہ ایک حق بات سے انکار کیوں کر ممکن ہے اور آخر کار پابہ زنجیر اسے قصاص گاہ میں لے گئے اور بہت سی لکڑیاں جمع کر کے چتا میں آگ لگا دی گئی اور وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ الغرض مذہب نے عقل و علم کو شکست دینے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن جہل کے پاؤں جب ایک بار اکھڑ جاتے ہیں تو پھر مشکل سے جمتے ہیں۔ عقل کی روشنی پھیلتی رہی اور مذہب کی تاریکی سمٹتی رہی۔

جانباز ان علم اٹھے اور انھوں نے سمندروں، پہاڑوں اور وادیوں میں جانیں دے دے کر وہ باتیں دریافت کیں جو مذہب کی دسترس سے باہر تھیں۔ انھوں نے بخار و برق کی قوت سے دریافت کر کے انسان کو دیوتا بنا دیا، لیکن

اہل مذہب بدستور دیوتاؤں کے غلام ہی بنے رہے۔ مذہب والے مفروضۂ معجزہ ہی بیان کرتے رہے اور انھوں نے انھیں پورا کرکے دکھادیا، یعنی انسان کی جن تمناؤں کو دیوتا پورا نہ کرسکے تھے، اسے علم وعقل نے پورا کردیا۔

سائنس بتاتی ہے کہ نہ تخلیق کوئی چیز ہے، نہ فنا کوئی چیز، ایک لا محدود ہستی کا وجود، ایک لا محدود استحالۂ عقلی ہے، کائنات کے تمام مظاہر و مآثر اسباب و نتیجہ سے وابستہ ہیں اور اشیا کے اسی فطری رابطہ کو ایک نے نہ سمجھا اور مذہب بن گیا، دوسرے سے سمجھ لیا اور علم کہلایا۔

مذہب کا تجربہ انسان نے ہزاروں سال کیا لیکن کوئی آسمانی مدد اسے نہ پہنچی، خدا کا رحم حاصل کرنے کے لیے ماؤں نے اپنے بچوں کی قربانیاں پیش کیں لیکن اسے ان پر رحم نہ آیا۔ برہنہ وحشی انسان کو لاکھوں کی تعداد میں درندوں نے کھایا، سانپوں نے ڈسا، طوفانوں نے ڈبویا، زلزلوں نے تباہ کیا لیکن خدا نے اپنا اصول کار نہ بدلا۔ انسان نے لاکھوں مندر بنائے، رات دن اس کی پوجا کی لیکن ظالموں کا ظلم بدستور قائم رہا اور غلاموں کی پیٹھ پر جو کوڑے پڑا کرتے تھے، بدستور پڑتے رہے؛ یہاں تک کہ انسان نے لاکھوں سال کے تلخ تجربات کے بعد سمجھا کہ خدا انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا اور اس کے نزدیک گھاس کی پتی اور انسان سب برابر ہیں، اس لیے اس کی ترقی کا انحصار صرف اس کی محنت و کاوش اور رہبرئ عقل پر ہے۔ آخر کار رفتہ رفتہ معجزات کا زمانہ گذر گیا، روایات مذہبی کا دور ختم ہو گیا؛ اور اب انسان اس کے لیے تیار نہیں کہ وہ مذہب کے بتائے ہوئے اصول نجات پر یقین رکھ کر اپنی دنیا کو تباہ کردے اور بے وقوف کہلائے۔

مذاہب عالم کی تاریکیاں

ترقی کرنا انسان کا فطری حق ہے لیکن ترقی کا حقیقی مفہوم کیا ہے، اس کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس باب میں دو متضاد رائیں پائی جاتی ہیں، کیوں کہ وہی ایک حالت ہے، جسے ایک جماعت ترقی تہذیب سے تعبیر کرتی ہے اور دوسری وحشت و جہل سے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر وہ چیز جو قدیم ہے، پرانی ہے، قابل احترام ہے گویا جب تک کسی چیز کے جھاڑنے سے صدیوں کی جمی ہوئی خاک نہ اڑے قابل اعتنا نہیں۔ ان کے نزدیک حکومتیں وہی تھیں جو ختم ہو گئیں، فرماں روا وہی تھے جو گذر گئے۔ سچے مصلح وہی تھے جو مر گئے۔ نہ ویسے شاعر اب پیدا ہوتے ہیں، نہ ویسے ادیب، نہ ویسے سیاست داں اب نظر آتے ہیں، نہ ویسے حکما و فلاسفہ۔

دوسرا گروہ قدیم و قدامت کا دشمن ہے اور موجودہ زمانہ کا مداح۔ ان کے نزدیک زمانۂ قدیم میں کوئی بات معقول تھی ہی نہیں اور قدرت نے اپنے تمام برکات زمانۂ حال ہی کے لیے وقف کر دیے ہیں۔ میری رائے میں دونوں غلطی پر ہیں؛ نہ قدیم زمانہ کی ہر چیز بری تھی، نہ زمانۂ حال کی ہر بات اچھی، صداقت ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور اسے ہم قدیم وجدید نہیں کہہ سکتے۔ وہ ہر زمانہ میں یکساں رہی اور ہمیشہ اس کی جستجو کرنا چاہیے۔

اگر ہم اصولاً اس بات کو تسلیم کرلیں کہ "فکر و عمل" ہی ملک کی ترقی و مسرت کی بنیاد ہے اور یہ عمومی مسرت ہی فی الحقیقت فطری صداقت ہے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کے "فکر و عمل" کو بالکل آزاد ہونا چاہیے۔ آپ اس عہد قدیم کو نہ دیکھیے جب ایشیا ترتیب تاریک سے پہلے بھی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا ہوا تھا بلکہ عہد وسطیٰ کو لیجیے اور غور کیجیے کہ اس وقت یورپ کی (جو اس وقت سب سے بڑا مدعی تہذیب و آزادی ہے) کیا حالت تھی، طبقہ عمال کو جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ جہل کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی اور فکر انسانی نام تھا صرف اوہام پرستی کا۔ فضا میں ہر طرف ملائکہ و عفاریت چھائے ہوئے تھے اور ہر سمجھ میں نہ آنے والی بات معجزۂ خداوندی قرار دی جاتی تھی۔ اعتقادات نے عقل انسانی کو بے کار کر رکھا تھا اور مذاہب نے غور و فکر کو انسان کے لیے وجہ امتیاز صرف اس لیے قرار دیا تھا کہ یا تو وہ سپاہی ہو یا پادری، یعنی سوائے لڑنے اور جھوٹ بولنے کے لیے اور کوئی صورت انسانیت کی موجود نہ تھی۔ صنعت و حرفت کو ذلیل سمجھا جاتا تھا اور اس ذریعہ سے ایک شخص بھی اپنا پیٹ آسانی سے نہ بھر سکتا تھا۔ قومیں خرید و فروخت کے ذریعہ سے ضروریات زندگی حاصل نہ کرتی تھیں بلکہ لوٹ مار سے اور ہر مسیحی ملک غیر مسیحی قوم کے مال کو لوٹ لینا ثواب جانتا تھا۔ لکھنا پڑھنا نہایت خطرناک بات سمجھی جاتی تھی اور اگر کوئی شخص بد قسمتی سے سیکھ لیتا تھا تو اسے ساحر یا کافر سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت تقریباً بالکل ناممکن ہے کہ ہم اس زمانہ کی جہالت، واہمہ پرستی اور کور دماغی کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ اس وقت انسان کے جسم و دماغ دونوں مقید تھے، ایک کے لیے لوہے کی زنجیریں تھیں اور دوسرے کے لیے وہم پرستی کی اور اس غلامی سے آزاد ہونے کی صورت سوا موت کے اور کوئی نہ تھی۔

پندرھویں صدی میں انگلستان کا قانون یہ تھا کہ اگر کوئی شخص انجیل مقدس کا مطالعہ اپنی مادری زبان میں کرے گا تو اس کی جائداد اور اس کے مویشی ہمیشہ کے لیے ضبط ہو جائیں گے اور وہ حکومت کا باغی قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ اس قانون کے نفاذ کے بعد ایک دن ۳۹ آدمی پھانسی پر لٹکائے گئے اور ان کی لاشیں سر بازار جلائی گئیں، پھر یہ جہل صرف انگلستان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ یورپ کے ہر حصہ میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ سولھویں صدی میں فرانس کی حکومت نے ایک

شخص کو اس خطا پر آگ میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کر ڈالا کہ وہ راہبوں کے ایک جلوس کے سامنے دو زانو نہ ہوا تھا۔ اب آیئے اس اجمال کی ذرا تفصیل سن لیجیے:

عہد وسطیٰ کے تمام انسان جاہل و عالم، آقا و غلام، پادری و غیر پادری سب کے سب جادو ٹونا اور ٹوٹکے کے قائل تھے، انھیں یقین تھا کہ شیطان نہ صرف انسان بلکہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے اندر بھی حلول کر جاتا ہے اور چونکہ شیطان کا مقابلہ ایک مقدس فریضہ تھا۔ اس لیے کسی ایسے شخص کو جس کے متعلق خیال ہوتا تھا کہ وہ شیطان کا ہمراز و ندیم ہے، مار ڈالنا یا زندہ جلا دینا بہت معمولی بات تھی۔ جس حد تک حقیقت یا واقعیت کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ مہمل عقیدہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ کسی انسان کے اندر شیطان حلول کر جائے اور وہ اسے نجس و ناپاک افعال پر مجبور کرے لیکن اس عقیدہ کی مذہبی گرفت اتنی سخت تھی کہ وہ لوگ جو اس جرم میں گرفتار کیے جاتے تھے جن کے خلاف عدالت گاہوں میں مقدمے چلائے جاتے تھے اور جن سے دنیا نفرت کرتی تھی، خود بھی یقین رکھتے تھے کہ واقعی ان پر شیطان سوار ہے اور وہ اس کا اعتراف کر لیتے تھے۔

جیمس اول کے زمانہ میں ایک شخص اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا اس جرم میں جلایا گیا کہ وہ شاہی خاندان کو ڈبو دینے کے لیے سمندر میں طوفان پیدا کر رہا تھا۔

ایک بار سر میتھو ہیل کے سامنے جو انگلستان کا مشہور قانون داں جج تھا، ایک عورت پیش کی گئی کہ یہ بچوں سے سوئیوں کی قے کراتی ہے اور شیطان سے ساز باز رکھتی ہے۔ چنانچہ جج صاحب نے اس کو مجرم قرار دے کر زندہ جلوا دیا اور فیصلہ میں لکھا کہ یہ جادوگرنی ہے اور جادو کا از روئے مذہب حق ہونا ثابت ہے۔ عام عقیدہ ایک یہ بھی تھا کہ بعض آسیب زدہ انسان بھیڑیے کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص پر بھیڑیے نے حملہ کر دیا، اس نے مقابلہ کر کے اس کا ایک پنجہ کاٹ لیا اور جیب میں رکھ کر گھر پہنچا، دیکھا کہ اس کی بیوی کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے اور اس کے خون نکل رہا ہے۔ اس سے یہ یقین کیا گیا کہ اس کی بیوی بھیڑیا بن کر گئی تھی، چنانچہ اس نے اقرار کیا اور جلا دی گئی۔

اس طرح لوگوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا تھا کہ وہ گرمیوں میں پالا گراتے ہیں، اولے برسا کر فصلیں تباہ کرتے ہیں، شرابیں ترش کر دیتے ہیں اور گایوں کو بانجھ کر دیتے ہیں، اس زمانہ میں کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ کسی کا اپنے دشمن کے متعلق یہ کہہ دینا کہ ساحر ہے کافی تھا اور اس الزام کی تحقیق کوئی نہ کرتا تھا۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ الزام صرف انسانوں ہی پر عائد نہ کیا جاتا تھا بلکہ جانور بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔ ۱۴۷۴ء میں ایک مرغ پر یہ الزام قائم کیا گیا کہ اس نے انڈا دیا ہے اور چونکہ مرغ عام طور پر انڈا نہیں دیتا، اس لیے یقیناً اس میں شیطان حلول کر گیا ہے۔ چنانچہ یہ مرغ مع

انڈے کے عدالت گاہ میں پیش کیا گیا اور اس کو سر راہ جلا دیے جانے کا حکم صادر ہوا۔ اسی طرح ایک سور پر یہ الزام قائم کیا گیا کہ اس نے آدمی کو مار کر کھالیا ہے اور اسے بھی جلا دیا گیا۔ ایک گائے پر بھی آسیب زدہ ہونے کا الزام قائم کر کے اسے سزا دی گئی۔ جانوروں کو بطور شاہد کے طلب کرنا بھی اس وقت کا دستور تھا۔

ایک وقت میں یورپ کا قانون تھا کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی شخص رات کو داخل ہوا اور وہ اسے قزاق سمجھ کر مار ڈالے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ممکن ہے کوئی شخص کسی بہانہ سے کسی کو بلا کر مار ڈالے اور اس طرح سزا سے بچ جائے۔ اس بنا پر قانون میں ترمیم کی گئی کہ مالک مکان اس وقت تک بے گناہ نہیں سمجھا جائے گا جب تک وہ گھر کے کتے، بلی یا دوسرے جانور کو پیش نہ کرے جس کے سامنے اس نے مارا ہے۔ پھر یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا تھا تو گھر والے کو کوئی پلا ہوا جانور پیش کر کے اس کے سامنے اپنی بے گناہی کی قسم کھانا پڑتی تھی، عقیدہ تھا کہ اگر وہ جھوٹ بولے گا تو ضرور کسی نہ کسی طرح جانور اس کا اظہار کر دے گا۔

یہ بھی انگلستان کا قانون تھا کہ اگر کوئی شخص جرم کرے تو وہ اس متبرک پارۂ نان و پنیر سے اپیل کرے جو اس مقصد کے لیے الگ کر دیا جاتا تھا یعنی مجرم اس روٹی کے ٹکڑے کو لے کر کہتا تھا کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے میرے حلق میں پھنس جائے۔

پانی اور آگ کے ذریعہ سے بھی گناہ و بے گناہی کی جانچ ہوتی تھی یعنی مجرم آگ میں تپایا ہوا سرخ لوہا ہاتھ میں لیتا تھا اور عقیدہ یہ تھا کہ اگر وہ گناہگار نہیں ہے تو اس کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا (ہندوستان کے بھی بعض سید خاندان مدعی ہیں کہ آگ ان پر اثر نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ معصوم ہیں، یہ جاہلانہ عقیدہ بھی اسی نوع کی مذہبی تاریکی کا نتیجہ ہے)۔ اسی طرح مجرم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں ڈال دیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو ڈوبے گا نہیں۔

ان مثالوں کے دینے سے مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان قوموں میں جو مذہب کی جاہلانہ گرفت میں مبتلا تھیں یا ہیں، کیا کیا بدتمیزیاں پائی جاتی ہیں اور عقل انسانی کا خون کرنے میں معتقدات مذہبی نے کتنا حصہ لیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب کی اس لعنت میں صرف جاہل انسان ہی مبتلا نہ تھا بلکہ پڑھے لکھے، ذی فہم و ذی ہوش افراد بھی مبتلا نظر آتے تھے۔

کپلر دنیا کے مشہور بڑے آدمیوں میں سے تھا اور ہیئت دانی میں تو اس کا نظیر نہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس احمقانہ عقیدہ میں بھی مبتلا تھا کہ ستاروں کو دیکھ کر ایک شخص کے مستقبل کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ اس کے دل

میں مذہبی بنیاد رکھتا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ایسے ہی ماحول میں اس کی تربیت ہوئی تھی۔ تیخو براہی بڑا زبردست ہیئت داں تھا، یہ بہت سے مہمل الفاظ ایک جگہ لکھ کر پیشین گوئیاں کیا کرتا تھا اور ان کے پورا ہونے کا منتظر رہتا تھا۔

لوتھر کو یقین تھا کہ اس کی ملاقات شیطان سے ہوئی تھی اور بعض مذہبی مسائل پر اس سے مباحثہ بھی ہوا تھا۔ چارلس پنجم شہنشاہ جرمنی کے زمانہ میں اسٹوفلر بڑا مشہور ہیئت داں گذرا ہے، اس نے ایک بار ستاروں کو دیکھ کر حکم لگایا کہ ایک بہت بڑا طوفان آنے والا ہے اور اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ ہزاروں آدمیوں نے جو نشیبی علاقہ زمین میں رہتے تھے، ترک وطن کر دیا اور خانماں برباد ہو گئے۔ فرانس میں تو لوگوں نے دوسری کشتی نوح تیار کر لی اور ذخائر سے اسے بھر دیا تاکہ طوفان میں کام آسکے لیکن طوفان نہ آنا تھا، نہ آیا۔

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذہن انسانی کس درجہ غلامی میں مبتلا تھا اور مذہب کا مفہوم سوائے شیطان کی پرستش کے اور کچھ نہ تھا۔

الغرض ان کی مذہبی روایات اسی طرح کی لغو باتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انسانی معلومات کا ذریعہ صرف مذہبی ادارے تھے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ ادارے تھے وہ قصداً جھوٹ بولتے تھے اور اراداتاً خلاف عقل باتیں گھڑ لیتے تھے تاکہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں اور وہ اس کے جواب میں معجزات و کرامات وغیرہ بیان کر کے عوام کو مرعوب کر لیں اور اپنا اقتدار جمائیں۔

پھر جہل و ظلمت کا یہ اثر کسی ایک شعبہ تک محدود نہ تھا بلکہ تمام انسانی معلومات پر چھایا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ زبان ہی کے مسئلہ کو لیجیے تو عجیب و غریب حقائق کا انکشاف ہو گا۔ اول اول عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ عبرانی ہی اصل زبان ہے اور تمام زبانیں اسی سے نکلی ہیں (عربی کو بھی ام السنہ اسی لیے کہتے ہیں) بعد کو یہی دعویٰ اور زبانوں نے بھی کیا، اینڈرے کمپ نے ۱۵۶۱ء میں ایک کتاب شائع کی جس کا مقصود یہ بتانا تھا کہ بہشت کی زبان کیا ہے، چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ خدا نے آدم سے سویڈن کی زبان میں باتیں کیں۔ آدم نے ڈنمارک کی زبان میں جواب دیا اور سانپ نے حوا سے فرانسیسی میں باتیں کیں۔

ایرو نے اپنی کتاب میں جو میڈرڈ میں شائع ہوئی تھی، ظاہر کیا ہے کہ جنت عدن میں بکائی زبان (شمالی ہسپانیہ کی) بولی جاتی ہے۔ ۱۵۸۰ء میں گردپیس نے ایک کتاب لکھی کہ یہ سب غلط ہے، بہشت میں تو ڈچ زبان بولی جاتی ہے۔

اب جغرافیہ کو لیجیے کہ اس میں کیا کیا گل کھلائے گئے، چھٹی صدی میں ایک راہب نے جس کا نام کاسماس تھا، ایک کتاب ہیئت و جغرافیہ کی ملی جلی لکھی اور ظاہر کیا کہ بائبل میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہی بالکل صحیح ہے یعنی دنیا مشتمل تھی ایک

مسطح قطعۂ زمین اور اس کے بعد دائرہ دار ٹکڑوں پر، یہ قطعۂ زمین چاروں طرف پانی سے بھرا ہوا تھا جسے سمندر کہتے ہیں اور پانی کے اس حصہ سے آگے ایک اور حلقہ خشکی کا تھا اور طوفان سے قبل یہیں انسانی آبادی پائی جاتی تھی۔ یہیں ایک بلند پہاڑ تھا جس کے گرد سورج چاند طواف کرتے تھے اور جب سورج اس پہاڑ کے پیچھے چلا جاتا تھا تو رات ہو جاتی تھی اور سامنے آجاتا تو دن ہو جاتا تھا۔ اس راہب نے یہ بھی بتلایا کہ بیرونی دائرہ خشکی کے کنارہ سے آسمان بندھا ہوا تھا اور وہ کسی ٹھوس چیز کا بنا ہوا تھا، اور زمین کو ایک کڑھائی کی طرح ڈھکے ہوئے تھا۔

ان بیانات کے ساتھ ہی اس کا بھی اہتمام تھا کہ بائبل میں کائنات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس کے خلاف کوئی شخص کچھ نہ کہے نہ سمجھے ورنہ وہ کافر و بے دین قرار دیا جائے گا۔

علم کے خلاف مذہب کی اس جنگ کا یہ حال تھا کہ لکھنا پڑھنا ممنوع تھا اور جو کوئی ایسا کرتا تھا، اسے طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ اگر کسی کے منھ سے نکل گیا کہ زمین ایک کرہ ہے تو اسے پکڑ کر جلا دیا گیا۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ آفتاب نظام شمسی کا مرکز ہے تو اسے جلا وطن کر دیا گیا۔ ایک عورت کو صرف اس لیے سولی پر چڑھا دیا کہ وہ بخار کی تکلیف کو گا گا کر کم کر رہی تھی۔

مگر چونکہ یہ عقیدہ عام تھا کہ انسان اپنی روح کا مالک نہیں ہے، اس لیے ساتھ ہی ساتھ یہ خیال بھی مرتسم ہو گیا کہ وہ اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہے اور اس طرح غلامی کی بنیاد قائم ہوئی۔ پھر جنھوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، ان سے مخفی نہیں کہ یونان و روما، فرانس و جرمنی وغیرہ میں غلامی کے کتنے وسیع و مہیب ادارے قائم تھے اور انسانوں کو جانور بنانے میں انھوں نے کتنا بڑا حصہ لیا۔

الغرض مذہب کے تاریک دور میں انسان کو جسم و ذہن دونوں انتہائی ذلیل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور انسانیت کا مستقبل سخت تاریکی میں مبتلا تھا، لیکن چونکہ حقیقت و صداقت کو عرصہ تک دبایا نہیں جا سکتا اور فراست انسانی وہ چنگاری نہیں جو کسی نہ کسی وقت بھڑک نہ اٹھے؛ اس لیے رفتہ رفتہ ایک زمانہ آیا کہ علم کی روشنی پھیلی۔ مذہب نے اس کے لیے جگہ چھوڑی اور اس طرح انسانیت جو ہزاروں سال سے وحشت و درندگی کے بوجھ کے نیچے پڑی کراہ رہی تھی، آزاد ہوئی۔ پرانے جغرافیے بدلے، تاریخ بدلی، معتقدات بدلے اور آخر کار انسان مذہب کی گرفت سے چھوٹ کر آزاد ہو گیا۔ علم و فن کسی کی ملکیت نہ رہا۔ سوچنے سمجھنے کا ہر شخص کو مجاز ہو گیا۔ غور و تدبر ہر شخص کا فطری حق قرار پایا۔ اختراعات و ایجادات کا دروازہ کھل گیا۔ آزادی فکر و رائے کے لیے کوئی مانع حائل نہ رہا اور انسان کو اس طرح سب سے پہلے ترک مذہب ہی کے بعد معلوم ہوا کہ وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔

ترقی کا مفہوم کیا ہے، اس سوال کا مطالعہ آپ مذہبی نقطۂ نظر سے بھی کیجیے اور مذہب سے علیحدہ ہو کر بھی؛ آپ کو بالکل دو مختلف جواب ملیں گے۔ مذہب کے نزدیک ترقی کا مفہوم اس دنیا سے تعلق رکھتا ہے جہاں دنیاوی افعال و اعمال کے نتائج سے واسطہ پڑے گا اور عمل کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ پھر کیا یہ امر حیرت ناک نہیں کہ جس عالم کے کردار سے مذہب نے جزا و سزا کو متعلق بتایا ہے، اسی کو اندھوں کی طرح بسر کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔

اب ذرا مذہب کی پابندیوں سے ہٹ کر انسانیت کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں کتنی وسعت ہے، جدوجہد کا کتنا پھیلاؤ ہے اور اس کے مقاصد کتنے بلند ہیں، سب سے بڑی چیز جس پر انسان فخر کر سکتا ہے، وسعت نظر ہے اور اس کا پتہ عالم اخلاق میں چل سکتا ہے۔ پھر دیکھیے کہ اخلاقی حیثیت کس کی زیادہ بلند ہے۔ ایک مذہب کا پابند، خواہ وہ کتنا ہی بلند نظریہ اخلاق کا رکھتا ہو، دوسرے مذاہب والے کو تحقیر و استحقاق کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہے۔ یہ خیال کہ صرف میں راہ راست پر ہوں اور دوسرا گمراہ ہے، قدرتاً ایک شخص کے جذبۂ تفوق کو پیدا کر کے دوسرے کو حقیر و ذلیل ٹھہرائے گا اور یہی وہ ایک جذبہ تھا جو ہمیشہ دنیا میں فساد و خوں ریزی کا باعث ہوا۔

یوں تو مذہب نے ہمیشہ یہی دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا میں امن و سکون پھیلانے آیا ہے لیکن عمل سے وہ اس دعویٰ کو کبھی صحیح ثابت نہ کر سکا اور اس لیے اگر واقعی ترقی کی راہوں پر غور کرنا ہے تو مذہب سے علیحدہ ہو کر غور کرنا چاہیے اور انسانیت کے کلی مفہوم کو سامنے رکھ کر شاہراہ عمل متعین کرنا چاہیے۔

[''من و یزداں''، حلقہ نیاز و نگار، کراچی، طبع دوم، ۱۹۹۴]

الحاد کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟

احمد خان

تلخیص، ترمیم واضافہ: **سید امجد حسین**

فیس بک یا دیگر سوشل میڈیا میں ملحدوں سے اکثر یہ سوال پوچھے جاتے ہیں کہ الحاد کیا ہے، اس کا ضابطۂ حیات کیا ہے، اس کا قانون طرز معاشرت کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جہاں تک ملحدوں کے قانون طرز معاشرت کا سوال ہے تو اس پر کافی پہلے غلام رسول صاحب اپنا ایک عالمانہ مضمون ہم سے شیئر کر چکے ہیں جو آج بھی ان کی ٹائم لائن پر موجود ہے۔

لیکن الحاد کے تعلق سے کئی بنیادی غلط فہمیوں اور اعتراضات کا مکمل اور تشفی بخش جواب بہت پہلے احمد خان صاحب نے دینے کی کوشش کی تھی جو آج بھی اس لیے اہم ہے کیوں کہ جو لوگ الحاد کے معنی تک نہیں جانتے، وہ بھی اس پر اپنا زور خطابت آزمانے سے نہیں چوکتے۔ کئی ایسے بچکانہ اور بے معنی سوالات جن کا الحاد سے کوئی واسطہ ہی نہیں، اس پر ہمارے فاضل و قابل مومنین اکثر و بیشتر دریائے ذخار لٹانے کی فیاضی دکھاتے رہتے ہیں۔ احمد خان صاحب کا یہ مضمون سوال و جواب کے طرز پر ہے جسے میں نے تبدیل کر دیا ہے اور صرف انھی نکات کو میں نے اس تلخیص میں شامل کیا ہے جن سے ملحدوں کا شب و روز سامنا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے نکات جن کا احمد خان صاحب نے ذکر نہیں کیا تھا، انھیں بھی میں نے بطور اضافہ اس میں شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ مومنین کے ساتھ ساتھ ملحدین کے لیے بھی یہ تلخیص چراغ راہ ثابت ہو گی اور آئندہ ہونے والے مکالموں میں الحاد کے تعلق سے کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

(1) سب اہم سوال ہم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ الحاد کیا ہے؟ حتیٰ کہ کئی لوگ اسے ایک مذہب بھی قرار دے دیتے ہیں۔ جب کہ دہریت یا الحاد مذہب نہیں بلکہ مذاہب کا رد ہے۔ جس طرح خلا کوئی شے نہیں بلکہ کسی بھی شے کی عدم موجودگی کو خلا کہا جاتا ہے۔ یا جس طرح خاموشی بذات خود کوئی زبان نہیں بلکہ جب انسان کسی بھی زبان کا استعمال

چھوڑ دے تو اس کیفیت کو خاموشی کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح دہریت کوئی مذہب نہیں بلکہ مذاہب کی عدم موجودگی کی کیفیت کا نام ہے۔

(2) ہمارے مومنین ملحدوں سے اکثر سوال کرتے ہیں کہ کیا دہریت کی کوئی مرکزی کتاب یا کوئی دستاویز یا کوئی منشور یا کوئی مقدس ہستی ہے جس سے دہریے عقیدت رکھتے ہوں؟ یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ کیا خاموشی کی کوئی گرائمر یا رسم الخط ہے؟ جی نہیں، گرائمر اور رسم الخط زبانوں کے ہوا کرتے ہیں، خاموشی کے نہیں۔ اسی طرح صحائف یا ضابطۂ حیات مذاہب کے ہوتے ہیں، دہریت کے نہیں۔

(3) مومنین کا اگلا وار یہ ہوتا ہے کہ جب دہریت کا کوئی اصول یا کوئی قاعدہ یا کوئی قانون ہی نہیں تو دہریے اپنی زندگی کیسے گذارتے ہیں، ان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جواب بہت آسان ہے کہ دہریے اپنے معاملات زندگی سماجی اصولوں، مروجہ قوانین اور عقل و خرد کی روشنی میں گذارتے ہیں۔ دہریے اپنی زندگی کا مقصد خود طے کرتے ہیں، نہ کہ کسی قدیم اور بوسیدہ صحیفے میں زندگی کا مقصد تلاش کرتے ہیں۔ مختلف دہریوں کی زندگی کا مقصد بھی مختلف ہو سکتا ہے، مثلاً اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا، کوئی فلاحی ادارہ قائم کرنا، صحافی بن کر معاشرتی ناانصافی پر آواز اٹھانا وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھیں کہ سماجی اور معاشرتی قوانین اور انسانی حقوق کا عالمی منشور انسان کی ہزاروں سال کے ارتقائی مراحل طے کر کے موجودہ حالت تک پہنچے ہیں جو ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہیں۔

(4) مومنین اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سائنس یا کوئی دہریہ آج تک یہ ثابت نہیں کر پایا کہ خدا نہیں ہے تو پھر وہ کن بنیادوں پر خدا کے انکاری ہیں؟ یہ کافی گھساپٹا سوال ہے لیکن سب سے زیادہ دہرایا جانے والا یہی سوال ہے جسے ہر وہ مسلمان ایک بار ملحدوں سے ضرور پوچھنا چاہتا ہے جس کا الحاد سے اول اول سامنا ہوا ہو۔ جواب وہی ہے کہ عدم کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ دعویٰ ثابت کرنا مدعی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ میں ایک مکا مار کر دیوار چین گرا سکتا ہوں تو اپنے اس دعوے کو ثابت کرنا میری ذمہ داری ہوگی، لیکن اگر میں دوسروں سے یہ توقع کروں کہ وہ یا تو میرے اس دعوے کو رد کرے یا پھر میری بات پر ایمان لے آئے تو یہ غیر منطقی بات ہوگی۔ مختصر یہ کہ وہ دعوے جو بغیر ثبوتوں کے کیے جائیں، ان کو رد کرنے کے لیے بھی کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(5) اوپر کے سوال سے ہی جڑا ایک سوال اور بھی ہے جو مسلمان ہم سے پوچھتے رہتے ہیں کہ جب موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے تو انسان نیکی کیوں کرے اور برائی سے دور کیوں رہے؟ اس سوال کا جواب بھی کئی بار دیا جا چکا ہے۔ اچھائی اور برائی کا پیمانہ ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہے۔ ہماری اخلاقیات ہمارے ماحول، ہماری نفسیات، والدین

کی تربیت اور معاشرے سے جڑی ہوتی ہیں جس میں مذہب کا کوئی اتنا بڑا کردار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان جہاں لوگوں کی اکثریت اسلام پسند ہے، جھوٹ بولنا کوئی بری بات نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ اسلام میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ جب کہ اسکینڈے نیویا، نیوزی لینڈ جیسے لادینی معاشروں میں روزمرہ کی زندگی میں کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور اسے انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مذہب کا کارنامہ (اگر اسے واقعی کارنامہ کہا جاسکتا ہے تو) صرف اتنا ہے کہ ہزاروں سال پہلے سے آرہے سماجی تنازعات کا حل ڈھونڈنے کے لیے انسانوں نے جو قوانین اپنے ماحول اور معاشرے کے مطابق بنائے، مذہب نے ان میں معمولی ترمیم و اضافے کے ساتھ انھیں مقدس شکل دے دی۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ مذہب نے انھیں دائمی اور ہر دور کے لیے جامد بھی قرار دے دیا۔ جب کہ جیسے جیسے انسان سماجی ترقی کے مراحل طے کرتا گیا، بہتر سے بہتر قوانین وجود میں آتے رہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً مذہب نے غلامی کو معیوب نہیں سمجھا اور نہ اس کے نزدیک یہ کوئی غیر اخلاقی فعل تھا لیکن موجودہ عالمی قوانین نے اسے انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا اور اس پر قدغن لگادیا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں ہر شخص اختلاف رائے پر بندوق تان لے، تمام اخلاقی حدود کو نظر انداز کر کے اپنے مخالف کو ماں بہن کی گالیوں سے نوازنا شروع کردے، جہاں عدم برداشت کی وافر مقدار پائی جاتی ہو، اس معاشرے میں سانس لینے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں مذہب ناکام رہا ہے۔ ایک باشعور شخص صرف جنت و دوزخ کے سبب اچھائی اور برائی کا فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ اسے معاشرے کے اجتماعی مفاد اور آفاقی و مثبت قدروں کی روشنی میں طے کرتا ہے۔

(6) مسلمان خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے ہم سے ایک بچکانہ سوال کرتے ہیں کہ کیا تم نے ہوا کو دیکھا ہے؟ عقل کو دیکھا ہے؟ اپنے اجداد کو دیکھا ہے؟ چنانچہ تمھارے پاس ان چیزوں کی موجودگی کے کیا ثبوت ہیں؟ ایسے سوالات وہی لوگ کرتے ہیں جنھیں یہ تک پتہ نہیں ہوتا کہ انسانی معلومات کے دو اہم ذرائع ہیں، پہلا مشاہدہ اور دوسرا تجربہ (حواس خمسہ)۔ اگر کہیں دھواں اٹھتا ہے تو ہم دور سے ہی یہ اندازہ قائم کرسکتے ہیں کہ ضرور اس جگہ آگ لگی ہوگی۔ اسی طرح ہوا جب چلتی ہے تو اس کے نتیجے میں جو کچھ بھی ہم مشاہدہ کرتے ہیں یا جن محسوسات کا تجربہ ہوتا ہے، وہ ہمارے حواس خمسہ بتادیتے ہیں کہ ہوا چل رہی ہے۔ ہمارے اجداد کی موجودگی کا ثبوت خود ہمارا وجود ہے۔ ان چیزوں کی موجودگی کو قبول ہم اپنے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں کرتے ہیں، نہ کہ یہ ہمارے اندھے ایمان کا حصہ ہیں۔

(7) کچھ مومنین جو خود کو عام مسلمانوں سے زیادہ پڑھا لکھا اور عقل و دانش سے بہرہ مند سمجھتے ہیں، وہ ہم سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر انسان بندر سے بنا ہے تو آج تک بندر کیوں موجود ہیں؟ ایسے سوال کرنے والے مسلمانوں کو

میرا مشورہ ہو گا کہ وہ الحاد کی جان چھوڑ کر بایولوجی پڑھ لیں تو افاقہ ہو گا۔ ارتقا بایالوجی کا ایک نظریہ ہے، جس کا الحاد اور دہریت سے کوئی تعلق نہیں۔ اکثر فیس بکی مومنین کے ذہن میں پہلے ہی سے یہ مفروضہ قائم ہوتا ہے کہ نظریہٗ ارتقا اور بگ بینگ، الحاد کے ارکان ہیں، چنانچہ جب وہ اپنے مذہب اور عقائد کو درست ثابت نہیں کرپاتے تو وہ ملحدوں سے ارتقا اور بگ بینگ کے متعلق سوالات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ شاید ان کی خوش گمانی یہ ہوتی ہے کہ اگر انھوں نے ارتقا اور بگ بینگ کو غلط ثابت کر دیا تو الحاد اور دہریت بھی غلط ثابت ہو جائے گی۔ جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ فزکس اور بایولوجی کے نظریات کو کوئی غلط بھی ثابت کر دے تو اس سے دہریت اور الحاد کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سائنس ایک علاحدہ علم ہے اور یہ تصور غلط ہے کہ سائنس کی کہی ہوئی ہر بات دہریوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ مثلاً میں Panspermia کے نظریے کو نہیں مانتا، کیوں کہ اس کے ناکافی شواہد ہیں اور یہ محض ایک مفروضہ ہے، لیکن اس سے میری دہریت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مختصر یہ کہ دہریت کو رد کرنے کے لیے آپ کو سائنس کو غلط ثابت کرنے کی بجائے خدا کے وجود کا کوئی ثبوت فراہم کرنا ہو گا۔

(8) مومنین کا اگلا سوال یہ ہوتا ہے کہ سائنس آج تک ایک مچھر نہ بنا سکی، کائنات یا انسان کیا خاک بنائے گی؟ اور وہ مزید یہ کہتے ہیں کہ سائنس کے پاس ہر سوال کا جواب نہیں ہے جب کہ مذہب کے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ چلیے، اس مقام پر میں اعتراف کرلیتا ہوں کہ واقعی سائنس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود نہیں ہے لیکن سائنس نے کبھی اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ انسان کے پاس اس کائنات کی اصل معلومات نہیں تھی اور انسانی دماغ متجسس ہے، سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ مذہب نے اس کی اس کمزور نبض پر ہاتھ رکھا اور اسے کچھ معلومات دے دیں لیکن افسوس کہ ان میں بیشتر غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ سائنس وہ بچہ ہے جو کائنات کی اصل معلومات خود حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ ایک طویل عمل ہے۔ سائنس کا مقصد انسانی بھلائی ہے۔ انسان ہوا میں اڑنے سے قاصر تھا تو سائنس نے جہاز ایجاد کر کے اسے ہوا میں اڑنے کی سہولت فراہم کر دی وغیرہ وغیرہ۔ سائنس دان اپنا وقت اور وسائل لوگوں کی جذباتی خواہشات پوری کرنے میں ضائع نہیں کرتے بلکہ انسانی فلاح کے لیے کام کرتے ہیں۔ رہی بات مچھر اور مکھی کی تو سائنس نے کلوننگ کے ذریعے مچھر مکھی سے کہیں زیادہ بڑے جاندار بھیڑ وغیرہ بنا کر دکھا دیے۔ جب مکھی اور مچھر کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ بھی بنا لیے جائیں گے۔

(9) اب اس جواب کے بعد ہمارے اگناسٹک قسم کے حضرات رزم گاہ میں کود پڑتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب سائنس کے پاس ہر چیز کا علم نہیں ہے تو خدا کی موجودگی کا امکان بھی حتمی طور پر رد نہیں کیا جاسکتا۔ کیا پتہ

مستقبل میں سائنس بھی خدا کی موجودگی ثابت کر دے؟ اس دلیل کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ کیوں کہ سائنس کے پاس ہر چیز کا علم نہیں، تو ممکن ہے کہ مستقبل میں سینٹا کلاز، سپر مین، اسپائیڈر مین اور دیگر فرضی کرداروں کا وجود بھی ثابت ہو جائے۔ کل رات میں نے دیکھا کہ آسمان سے بریانی کی برسات ہو رہی تھی اور اس تصور کو صرف اس لیے رد نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ کیا پتہ مستقبل میں سائنس میرے اس تصور کو درست تسلیم کر لے۔

(10) آخر میں مسلمانوں کے پاس ایک ہی سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر خدا نہیں ہے تو انسانوں کی اکثریت خدا پر یقین کیوں رکھتی ہے؟ اس سلسلے میں میرا ماننا یہ ہے کہ سچائی کو ثابت کرنے کے لیے اکثریت کی نہیں بلکہ ثبوتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف پانچ سو سال پہلے ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے جب ایک شخص نکولس کوپر نکس نے ایک کتاب لکھی اور دنیا کو ایک حقیقت بتائی کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین اور دیگر سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اس شخص کے بعد ہی برونو اور گیلیلیو آئے تھے اور یہ لوگ بالکل تنہا تھے۔ پوری دنیا ایک طرف اور اپنے زمانے میں یہ لوگ تنہا ایک طرف ہوتے تھے۔ ان کے خلاف چرچ اور دیگر مذاہب کے علاوہ پوری دنیا کے عوام و خواص شامل تھے۔ مگر یہ اکثریت مل کر بھی سورج کو زمین کے گرد گھمانے سے قاصر رہی۔ چنانچہ اسی طرح دنیا کی اکثریت بھی خدا کو ماننے کے باوجود آج تک خدا کو ثابت نہیں کر پائی۔ اور اس رزم گاہ میں ملحدین بالکل نکولس کوپر نکس، برونو اور گیلیلیو کی طرح اکیلے ایک طرف کھڑے ہیں اور دوسری طرف پوری دنیا کے مذاہب اور عوام و خواص شامل ہیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک جھوٹ کو سو لوگ بولیں تو سچ نہیں ہو جاتا، نہ ہی سچ بولنے والے کسی اکیلے شخص کو جھوٹا قرار دیا جا سکتا ہے۔

(11) ان تمام سوالوں کا جواب حاصل کرنے کے بعد مسلمان اب معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور ملحدوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ان کی مقدس شخصیات کی توہین کرتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ "توہین" مومنین کا وہ ڈھال ہے جس سے وہ مذہب کے دفاع کی آخری کوشش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے پیغمبر اور دیگر مقدس ہستیاں تنقید سے ماورا ہیں، اس لیے جو لوگ ان کے افکار و اعمال پر تنقید کرتے ہیں، وہ توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا مسلمان لفظ "توہین" کو بطور ایک "فیتہ" استعمال میں لا کر معترضین اور ناقدین کے منہ پر چپکا کر ان کی زبان بندی کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مومنین کی مقدس ہستیاں ان کے لیے مقدس ہیں نہ کہ دوسروں کے لیے۔ کئی اور مذاہب کی مقدس ہستیاں بھی ہیں لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ دوسرے مذاہب اور عقائد رکھنے والے ان کی کس قدر توہین کیا کرتے ہیں، مثلاً پاکستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نہایت ہی گندی زبان سے نوازا جاتا ہے، ان کے مضحکہ خیز کارٹون

فیس بک میں بکھرے پڑے ہیں جنھیں ہزاروں لوگ شیئر کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے لیے گائے ایک مقدس جانور ہے جسے وہ ماں کا درجہ دیتے ہیں لیکن مسلمان بصد شوق اس کا گوشت کھا کر ان کے جذبات کی توہین کرتے ہیں کیوں کہ وہ ان کے لیے مقدس نہیں ہے بلکہ خورد و نوش کی ایک شے ہے۔ اسی طرح ملحدین کے لیے بھی پیغمبر اسلام یا کوئی دوسری مقدس ہستیاں بھی اس طرح لائق تعظیم ہرگز نہیں ہیں جس طرح مسلمانوں کے نزدیک ہیں۔ ہمارے لیے کوئی بھی مذہب، کوئی بھی نظریہ، کوئی بھی مفروضہ، کوئی بھی تصور تنقید سے ماورا نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک بقول ایک مفکر، دنیا میں کوئی بھی شے ایسی نہیں جو مکمل ہو اور سائنس بھی لیتی ہو۔ البتہ عام مومنین اور ملحدوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مومنین کے اعتراضات اور تنقید اکثر بے دلیل و حوالہ ہوتی ہیں جب کہ ملحدین ہر بات اپنے علم، منطق، دلیل، شواہد، تجربے، حوالے کی روشنی میں کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی مسلمہ مقدس ہستیوں کے تقدس کا پردہ ان ہی کی مستند اور معتبر کتابوں کے حوالوں سے چاک کرتا ہے۔ چنانچہ جب ایک مسلمان اپنے ہی خنجر تلے اپنی گردن دیکھتا ہے تو وہ ''توہین'' کا شور مچانے لگتا ہے جو اس کی لاجوابی اور شکست خوردگی کی واضح دلیل کے سوا کچھ نہیں۔

(12) چار و ناچار شکست خوردہ اور بے بس مسلمان دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں کہ ملحدین کا ٹارگیٹ صرف اسلام ہی کیوں ہے، دوسرے مذاہب کیوں نہیں؟ یہ سوال ہی لاعلمی کی واضح دلیل ہے۔ ایک دہریے یا ملحد کا ماضی میں جو مذہبی بیک گراؤنڈ ہوتا ہے، اور جس مخصوص مذہبی حصار سے وہ باہر آتا ہے، ظاہر ہے وہ اسی کو اپنے احتجاج کا نشانہ بنائے گا، کیوں کہ وہ اسی مخصوص مذہب و عقائد سے برگشتہ اور بیزار ہو کر باہر نکلا ہے۔ بہت پرانا مقولہ ہے کہ جس کے گلے میں جو ڈھول پڑا ہو، وہ اسے ہی بجائے گا۔ ایک ہندو ملحد، ہندوازم کو ہی ٹارگیٹ کرے گا، کیوں کہ وہ اپنے صحائف اور عقائد ہی سے برگشتہ ہو کر ملحد بنا ہے۔ ایک عیسائی یا یہودی ملحد بھی اپنے اپنے مذاہب کے Loopholes کو ہی آشکار کرے گا اور انھیں ہی زیر بحث لائے گا۔ فیس بک میں تقریباً تمام مذاہب کے ملحدین کے گروپس موجود ہیں جہاں انھی مذاہب پر تنقید کی جاتی ہیں، جن کی رسی تڑا کر وہ آزاد ہوئے ہیں۔

لہٰذا، مسلمانوں کو چاہئیں کہ وہ پہلے الحاد کی بنیادی ہیئت ترکیبی کو سمجھیں، پھر وہ چاہیں تو اس پر بے شک سوال کریں یا اسے تنقید کا نشانہ بنائیں۔ ہم ہر مثبت تنقید کا احترام کرتے ہیں کیوں کہ ہمارا وجود ہی اس پر قائم ہے۔ لیکن تنقید اور تنقیص کے فرق کو بھی سمجھنا ضروری ہے، بغیر حوالے، شواہد اور منطقی دلائل کے تنقید کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

دہریت اور سماجی رویے

غلام رسول

پچھلے چند دنوں سے کچھ عجیب سی پوسٹس پڑھنے کو مل رہی ہیں، جن کے پیچھے تجسس کی بجائے تضحیک کا مادہ کار فرما ہے۔ لیکن اہل ایمان کے علاوہ کچھ اپنے دوست بھی اس مسئلے پر کسی حد تک کنفیوژن کا شکار ہیں۔ چند اہم سوال جو اٹھائے گئے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

1- دہریئے خدا یا مذہب سے انکار کرتے ہیں لہذا کیا وہ محرمات مثلاً ماں، بہن یا بیٹی سے مباشرت کرتے ہیں؟

2- کیا دہریئے اپنی بہنوں، بیٹیوں کو شادی سے پہلے جنسی تعلقات رکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟

3- کیا دہریئے اپنی بیوی کو دوسرے کے ساتھ بانٹنا پسند کریں گے، کیا بیوی کو دوسرے مردوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی اجازت دیں گے؟

4- دہریئے شادی کیسے کرتے ہیں؟

5- دہریئے مرنے کے بعد کونسی رسومات ادا کرتے ہیں؟

6- کیا دہریئے اپنے ماں باپ کا ادب کرتے ہیں؟

ان سوالوں کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ دہریت مذہب نہیں ہے، یہ ایک ضابطہ حیات ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اور نا ہی یہ کسی قسم کا کوئی نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس کا کسی بھی نوعیت کا کوئی معاشی پروگرام نہیں ہے، اور نا ہی یہ معاشی تفاوت اور دیگر معاشرتی مسائل کے حل کی راہیں سجھاتا ہے۔ دہریے سرمایہ داری کے حمایتی بھی ہوسکتے ہیں اور اشتراکی نظام کے بھی۔ دہریے عام انسانوں کی طرح معاشرے کی ایسے ہی رکن ہوتے ہیں جیسا کہ مذہب کے ماننے والے۔ یہ بھی معاشرتی تقاضوں کو اسی طرح نبھاتے ہیں جن پر اس معاشرے میں رہنے والے دیگر افراد عمل پیرا ہوتے ہیں۔ دہریے صرف خدا یا کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود کا انکار کرنے کے علاوہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جس کا تقاضا ان سے معاشرہ کرتا ہے۔ (میں خود کئی ایک نزدیکی لوگوں کی نماز جنازہ میں گیا ہوں، جس سے مقصد ان کی مغفرت کی دعا کرنا ہرگز مقصود نہ تھی، بلکہ یہ اس چیز کا اظہار تھا کہ میں مرنے والے کے بچھڑ جانے کو

محسوس کرتا تھا اور اسی کا اظہار کرنے اور جانے والے کو عزت دینے کے لیے مسجد تک جا پہنچا، البتہ میں دل ہی دل میں کچھ بڑبرانے کی بجائے پیٹ پر ہاتھ باندھے، سر جھکائے خاموشی سے کھڑا رہتا رہا ہوں۔) دہریے کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی چیز کو قبول یا رد کرنے کیلئے عقلی دلیل اور استدلال کا سہارا لیں نہ کہ صدیوں پرانی کتابوں سے اخلاقی اور معاشرتی رویے کشید کریں۔

بس پر چڑھتے ہوئے کون سی دعا پڑھنی ہے، کون سا پاؤں پہلے پائیدان کے اوپر رکھنا ہے، اترتے وقت کون سی دعا پڑھنی ہے، گھر کے اندر اور باہر جانے کی دعائیں کون سی ہیں، جنسی عمل سے پہلے، بعد اور دوران کون سی آیت یا دُعا پڑھنی ہے، لیٹرین میں جانے کی دعا اور نکلنے کی دعا کیا ہے، پیشاب کرتے ہوئے عضو تناسل کو کس ہاتھ سے تھامنا چاہیے، پاخانے کے بعد کون سے ہاتھ سے کتنی دیر تک صفائی کرنی ہے؟ دہریے اس قسم کی خرافات کو رد کرتے ہیں۔ وہ حیات بعد الموت کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک اس زندگی کے بعد انسان بھی دیگر حشرات الارض کی طرح ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا فرد کی دنیاوی خوشی ہی سب سے زیادہ اہم ہے، بشرطیکہ وہ خوشی کسی دوسرے کے دکھوں کی بنیاد بنا کر حاصل نہ کی جائے۔

چونکہ دہریے بھی اہل ایمان کی طرح ہی معاشرے کے رکن ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی سوچ اور رویے بھی اسی ثقافت اور معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں جس کا وہ حصہ ہوتے ہیں۔ پاکستان کے اندر اور مغربی ممالک کے اندر موجود ناستکوں کے رویے اپنے اپنے معاشرتی اور ثقافتی اظہار کے مطابق ہوں گے، جو اکثر حالات میں ایک دوسرے سے متصادم بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن مغربی ممالک کے ناستکوں اور خدا کے وجود کو ماننے والوں کے ثقافتی رویوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا، ان کا شادی سے پہلے جنسی تعلقات پر ایک جیسا ردعمل ہی ہوتا ہے، کیونکہ ان معاشروں میں جنس کو اتنا گھٹیا مقام نہیں دیا جاتا، جبکہ ہمارے ہاں جنس کو گالی اور تشدد کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں یہ تصور تک سرے سے ناپید ہے۔

پاکستانی اہل ایمان کے ماں، بہن یا بیٹی سے مباشرت کے سوال کا اصل مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ ملحدین کو بالواسطہ طور پر گالی دی جائے۔ اس قسم کی خرافات کو مغربی معاشرے کے لوگ سوائے ہنسنے کے کوئی اور جواب نہیں دیتے، کیونکہ تمام دیگر جاندار چیزوں کی طرح انسان کی بھی دو ہی بنیادی ضروریات ہیں اور وہ خوراک اور جنس ہیں۔ خوراک سے کسی بھی ذی روح کی انفرادی بقا کا سوال جڑا ہوا ہے۔ انسان کو اگر دیگر حشرات الارض کی طرح ایک خاص مدت تک خوراک نہ ملے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے، جبکہ جنس سے اس ذی روح کی نسل کی بقا کا تسلسل وابستہ ہے۔ اگر جنس کا وجود ختم کر دیا جائے تو 80-90 سال تک اس کرۂ ارض پر شاید ایک بھی انسان باقی نہ رہے۔

میں بچپن میں ایک کھیت میں کھڑا تھا، ایک راہگیر کو بڑے ادب سے ماموں کہہ کر مدد مانگی، اس نے پاس آ کر بڑے پیار سے سمجھایا: بیٹا، میں تمہاری مدد تو کر دیتا ہوں لیکن آئندہ کسی کو ماموں نہیں کہنا بلکہ چچا کہنا، کیونکہ ماموں ایک گالی ہوتی ہے مجھے اس وقت اس بات کی سمجھ نہیں آئی لیکن اب کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں سیکس کے ساتھ گناہ کا تصور وابستہ ہو، جس معاشرے میں ماموں یا سالا کے الفاظ ایک گالی کی حثیت رکھتے ہوں، جہاں جنس جو ایک انتہائی فطری جذبہ ہے اور جس سے نسل انسانی کی تخلیق اور تسلسل وابستہ ہے، جنس کو گالی سمجھنے کی سوچ اور رویے ایک ایسے معاشرے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو انتہائی بیمار اور گل سڑ چکا ہے۔

میں یہاں پر اپنا ایک آنکھوں دیکھا واقعہ سنانا چاہوں گا۔ ستر کی دہائی میں یورپ کے ایک چائنیز کیفے ٹیریا پاک ٹی ہاؤس کی شکل اختیار کر گیا تھا، دوست لوگ وہاں اتوار کے روز اکٹھے ہو کر بحث و مباحثہ کرتے، گپ بازی، میل ملاپ کی ایک بہت ہی مقبول جگہ تھی۔ اتفاق سے ایک دن اپنے ایک دیسی اور مقامی میں جھگڑا ہو گیا، جو گالیوں تک جا پہنچا، مقامی زبان کی گالیاں بہت ہی ''معصوم'' قسم کی تھیں، جبکہ اپنے دیسی نے پنجابی گالیوں کا مقامی زبان میں ترجمہ شروع کر دیا، لیکن جب اس نے پہلی گالی کچھ یوں دی: ''میں تیری ماں کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''، تو چند لمحوں کیلئے اس یوروپین کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا، لیکن پھر اس نے جواب دیا: ''میری ماں کا کسی کے ساتھ مباشرت اس کا ذاتی مسئلہ ہے، اگر وہ تمہارے ساتھ یہ کچھ کرنا چاہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔'' یہ لمحہ بہت ہی عجیب تھا اور اس پاکستانی کی حالت دیکھنے کی لائق تھی جس کا اتنا بڑا حملہ اس بری طرح پسپا کر دیا گیا تھا۔

چونکہ الحاد کوئی نظریہ نہیں ہے اور اس کے کوئی باقاعدہ اصول وضع نہیں کیے گئے لہذا ہر ملحد اپنے افعال یا افکار کا خود ذمہ دار ہے۔ میرے افکار صرف میرے ہیں جو میری زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہیں، میں کسی دوسرے ملحد کی نمائندگی نہیں کرتا۔ میری زندگی کا بیشتر حصہ مغربی ملک میں گذرا ہے، لہذا میری یا پاکستان اور دیگر ممالک میں موجود ملحدین کے افکار میں فرق ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میرے افکار، میر اثقافتی اظہار پاکستان میں موجود کسی ناستک سے مختلف ہو سکتی ہیں۔ میرے ہر لفظ یا کسی بھی حصے سے دوسروں کا متفق ہونا قطعی ضروری نہیں ہے، میری افکار سے کسی کا اختلاف اس کے مجھ سے کم یا زیادہ ناستک ہونے کا اظہار نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے گرد و نواح اور زندگی کے تجربات کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہے۔

جو ناستک پاکستان میں رہتے ہیں، وہ یقیناً اسی ملک کی ثقافت اور رسوم کی پابندی کرتے ہیں، البتہ جن دہریوں کو نزدیکی رشتہ داروں سے شادی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا پتہ ہوتا ہے، ماں بہن سے مباشرت تو در کنار وہ حتٰی الوسع اپنے

کزن کے ساتھ شادی سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ اتنے نزدیکی رشتوں کے ساتھ مباشرت کی کہانیاں البتہ مذہب میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ آدم اور حوا بھی اصل میں باپ بیٹی کے درمیان ازدواجی تعلقات کی ہی کہانی ہے، حوا کے بیٹے بیٹیوں کا ایک دوسرے سے شادی کرنا، حضرت لوط کی بیٹیوں کا اپنے باپ کو شراب سے مدہوش کر کے اس سے مباشرت کرنا، حضرت ابراہیم کا اپنی سوتیلی بہن سارہ سے شادی کرنا اور اس سے حضرت اسحاق کا پیدا ہونا، اپنی نوکرانی ہاجرہ سے مجامعت کے نتیجے میں حضرت اسماعیل جیسے "ناجائز" بچے کا پیدا ہونا اسی مذہبی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مومنین جب ناستکوں پر ماں، بہن، بیٹی سے مجامعت کا الزام لگاتے ہیں تو یوں گمان گزرتا ہے کہ انہیں ماں بہن سے مباشرت کرنے سے صرف مذہب نے روکا ہوا ہے وگرنہ وہ اپنی یہ حسرت ضرور پوری کرتے۔

ناستکوں سے متعلق سوالوں کا جواب دینے کے لیے میں اپنے حوالے سے بات کروں گا۔ میں ایک پاکستانی، پنجابی، دیہاتی، سنی مسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ یورپ میں مقیم ہوں۔ میں نے یورپ میں شادی نہیں کی اور اس کی وجہ مذہبی تفاوت نہیں تھی کہ میں مسلمان ہوتے ایک یورپی عیسائی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ اس کی وجہ صرف ثقافتی فرق تھا۔ میں پاکستان میں پلا بڑھا اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں پایا کہ میں یورپ کی ایک لڑکی کے ساتھ ثقافتی فرق کی وجہ سے چل پاتا۔ ہاں مجھے پاکستان میں پلی بڑھی عیسائی، ہندو، سکھ یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والی ایسی لڑکی ملتی جو مجھ سے شادی کرنا چاہتی تو مجھے اس سے شادی منظور تھی۔ لیکن پاکستان جیسے معاشرے میں یہ ممکن نہیں تھا، کوئی بھی غیر مسلم مذہبی فرق کی وجہ سے اپنی بیٹی سے میری شادی کرنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا۔ مجھے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنی پڑی۔ چونکہ کوئی بھی پاکستانی مسلمان والدین بغیر نکاح کے اپنی بیٹی میرے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے، لہٰذا میں نے باقاعدہ نکاح کیا، لیکن اگر مجھے بغیر نکاح کے لڑکی ملتی تو مجھے اس جھنجھٹ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میرے نزدیک نکاح یا عدالتی کاروائی ایک معاشرتی تکلف سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر دو بالغ انسان ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے اکٹھا رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا پورا حق ہے۔ مجھے اگر یورپ میں میرے ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھنے والی ایسی لڑکی ملتی جو مذہب سے میری طرح دور ہوتی تو مجھے اس کے ساتھ دفتر جا کر اپنے آپ کو میاں بیوی کی طرح رجسٹر کروانے یا بغیر شادی کیے اکٹھے رہنے میں کوئی برائی نظر نہ آتی۔ میں اگر کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں اور اس کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتا ہوں تو اس خواہش یا جذبے کی تصدیق کے لیے مجھے کسی عجیب وغریب حلیے والے مرد یا کسی سرکاری محکمے کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔

پاکستان یا دیگر ممالک میں موجود ناستک اپنے ارد گرد کے معاشرے کے غلام ہیں، وہ اگر چاہیں بھی تو اپنی سوچ پر اس طرح عمل نہیں کر سکتے جنہیں وہ صحیح سمجھتے ہیں، وہ کسی دوسری خاتون کے ساتھ بغیر شادی کیے نہیں رہ سکتے، وہ اپنی بہنوں بیٹیوں کے شادی کے بغیر جنسی تعلقات رکھنے کے معاشرتی نتائج کا سامنا نہیں کر پائیں گے، لیکن مغربی ممالک میں اب پاکستانی نژاد اہل ایمان لڑکیاں بھی شادی سے پہلے جنسی تعلقات میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتیں۔ عرب سنی خواتین مسیار اور شیعہ خواتین متعہ کا سہارا لے رہی ہیں۔ ترکی میں میرا ایک دوست جو ناستک نہیں ہے وہ کئی ماہ ایک ترک خاتون کے ساتھ رہ کر اب شادی کے بندھن میں بندھا ہے۔ وہ یہ کچھ پاکستان میں نہ کر پاتا۔

کیا کوئی ملحد اپنی بیوی کو دوسرے کے ساتھ بانٹنا چاہے گا، اس کا تعلق بھی ہر فرد کی ذاتی سوچ کے ساتھ ہے۔ گروپ سیکس نام کی چیز مغربی ملکوں میں موجود ہے، کچھ عرصہ پہلے ایک مقامی اخبار میں پڑھا تھا کہ کچھ مقامی لوگ ایک ہوٹل میں کمرہ بک کر لیتے ہیں، اور "فراغت" کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، میں چونکہ پاکستان میں ایک گاؤں میں ہی پلا بڑھا، لہٰذا پاکستان کی شہری زندگی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن سنا ہے کہ اسلام آباد وغیرہ جیسے شہروں میں کچھ لوگ بیویوں کو کچھ لمحوں کے لیے تبدیل کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے۔ ویسے میں اپنے اختیار کردہ ملک میں ذاتی طور پر ایک غیر پاکستانی دوست فیملی کو جانتا ہوں جو اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ ناستک بھی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی ایک تحفہ ہے اور اس سے جس قدر خوشی کشید کی جاسکتی ہے، ضرور کرنی چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کچھ عرصہ اکٹھا رہنے کے بعد محبت کی چنگاری مدھم ہونے لگتی ہے، اور انہیں اپنے ساتھی کے علاوہ دیگر افراد میں بھی کشش محسوس ہوتی ہے، لہٰذا ہر چند مہینوں اور سالوں بعد نیا جیون ساتھی ڈھونڈنے کی بجائے یہ بہتر طریقہ ہے کیونکہ اس سے ان کی معاشی زندگی اور بچے کسی قسم کے مسائل کا شکار نہیں ہوتے۔ وہ اکٹھے رہ کر اگر زندگی کا مزہ لے سکتے ہیں تو اس میں کیا برائی ہے۔

وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

لیکن اکثریت اس سے مختلف خیال رکھتی ہے، ان کے نزدیک جب ایک دوسرے کے ساتھ مزید رہنے کو جی نہ چاہے تو علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ بہت زیادہ خواتین دوست ایسی بھی ہیں، جنہوں نے عمر بھر شادی نہیں کی کیونکہ وہ اپنی آزادی نہیں کھونا چاہتیں۔ ان میں زیادہ تر کے بچے بھی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اس دنیا میں کافی انسان موجود ہیں، ان کے بچے نہ پیدا کرنے سے نسل انسانی کی بقا کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

جنسی رویوں یا سوچوں کا بنیادی تعلق ثقافت اور رسوم و رواج سے ہے لیکن مومنین کے نزدیک وہ اخلاقیات کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں سب سے اہم مغالطہ جس کا مومنین شکار ہیں وہ یہ ہے کہ اخلاقیات مذہب کی پیداوار ہے۔ لیکن میں ناستک ہوتے ہوئے جھوٹ اس لیے نہیں بولتا کہ مجھے کسی آسمانی باپ کی سزا کا خوف ہے، میں اس لیے سچ بولتا ہوں کہ جو میری بات سن رہا ہے وہ مجھے اس قابل سمجھتا ہے کہ میری بات سنے، میں اس عزت افزائی کے بدلے اسے جھوٹ بول کر گمراہ نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے جھوٹ بول کر گمراہ کرے، میں اس لیے کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ کوئی مجھے دھوکا دے۔ میں کسی کو بھی اس لیے قتل نہیں کرنا چاہتا کہ میرے نزدیک ایک انسان کی سب سے قیمتی متاع اس کی زندگی ہے، اور اسے اگر فطرت سے یہ تحفہ ملا ہے تو مجھے اس سے چھیننے کا بالکل اسی طرح حق نہیں ہے جیسے میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھ سے میری سب سے قیمتی متاع جو میری زندگی ہے، مجھ سے چھینے۔

کیا میں اپنے ماں باپ کا ادب کرتا ہوں۔ ادب کیا چیز ہے، میں اسے تین حصوں میں تقسیم کروں گا۔ کیا میں اپنے ماں باپ سے عزت و احترام سے بات کرتا ہوں۔ کیا میں ان کی ہر بات مانتا ہوں۔ کیا میں بڑھاپے میں ان کا سہارا بنوں گا؟

ایک ناستک ہونے کے ناطے میں کسی بھی آسمانی ہدایت کے بغیر ہر کسی کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک معاشرے آداب کا درجہ رکھتے ہیں۔ میں اس لیے بھی دوسروں کو احترام دیتا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی احترام دیا جائے، جبکہ میرے والدین تو میرے جنم داتا ہیں۔

کیا میں اپنے والدین کی ہر بات مانتا ہوں، اس کا جواب نفی میں ہے۔ میرے والدین پچھلی صدی کے لوگ ہیں، ان کی سوچ اور خیالات اپنے وقتوں کے مطابق شاید صحیح ہوں لیکن اب پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے، ان کے اکثر مشورے میرے کام کے نہیں ہیں۔ میرے والد میری شادی اپنے بڑے بھائی کی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے، میں نے انکار کر دیا، پٹائی بھی ہوئی لیکن میں ڈٹا رہا، مجھے آج بھی اپنے اس فیصلے پر ندامت نہیں ہے۔ میں نے اپنے بچوں کو بھی یہی درس دیا ہے کہ میری بات یا مشورے کو اس بنا پر ہرگز نہ ماننا کہ میں تمہارا باپ ہوں اور میرے ہر الٹے سیدھے فیصلے کو مان لینے سے میری عزت افزائی ہو گی۔ اگر تمہیں میری صلاح یا مشورہ صحیح نہ لگے تو بنا لحاظ کیے انکار کر دینا۔ اور مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب میرے بچے اکثر اوقات مجھے غلط ثابت کر کے میرا منہ بند کر دیتے ہیں، ان لمحوں میں مجھے لگتا ہے کہ میں نے ان کی پرورش کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

کیا میں اپنے والدین کے بڑھاپے کا سہارا بنوں گا؟ انسانی بچہ پیدا ہوتے وقت جس قدر بے آسرا ہوتا ہے شاید کسی دوسری ذی روح کے بچے کو ایسی بے بسی کا سامنا نہ ہو۔ میں پیدائش کے وقت سب انسانی بچوں کی طرح گوشت کے ایک

لو تھڑے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ میری ہر قدم ہر حفاظت کی گئی، آج اگر میں ہوں تو اپنے والدین کی وجہ سے ہوں، میرے والدین وہ لوگ ہیں جنھوں نے میری زندگی کا میرا پہلا قدم اٹھانے میں میری مدد کی، اب وہ اپنی زندگی کے آخری قدم اٹھارہے ہیں۔ ان کے آخری قدم اٹھانے کے وقتوں میں اگر میں ان کا ساتھ نہ دوں تو لعنت ہے مجھ جیسے احسان فراموش پر۔ میں یہاں پر والدین کی محبت کا ذکر نہیں کر رہا، اگر میں والدین کا ایسے کٹھن وقتوں میں سہارا نہ بن پایا تو شاید زندگی بھر آئینے میں اپنا منہ دیکھنے کی ہمت نہ کر پاؤں۔ لیکن میں یورپ میں رہتا ہوں، میں نے زندگی بھر ریاست کو ٹیکس ادا کیا ہے، ریاست میرے بڑھاپے اور علاج معالجے کی ذمہ دار ہے، چونکہ یہاں پر اولڈز ہوم بہت ہی معیاری ہیں، لہٰذا میں ذاتی طور پر اپنے بڑھاپے کے وقتوں میں اپنے بچوں پر بوجھ بننے کی بجائے اولڈز ہوم میں جانا پسند کروں گا۔

یہی حال مرنے کے بعد کی رسومات کا ہے، اگر میں پاکستان میں ہوتا تو مرنے کے بعد میں کوئی الٹی سیدھی وصیت کر کے اپنے لواحقین کی زندگی میں کانٹے بونا پسند نہ کرنا چاہتا، وہ اپنے حالات کی مناسبت سے اگر مجھے دفن کرتے، جنازہ و فاتحہ خوانی کرواتے، مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، میرے مرنے کی وجہ سے میرے لواحقین کی زندگیاں متاثر نہیں ہونی چاہئیں۔ انہوں نے اسی معاشرے کا حصہ بن کر زندہ رہنا ہے۔

لیکن میں یورپ میں مقیم ہوں، میرے بچے میری لاش کے مالک ہوں گے، انہیں جو بھی مناسب لگے گا وہ کریں گے۔ مجھے دفن کر دیں، جلا دیں، سمندر میں پھینک دیں، کسی لیبارٹری کے حوالے کر دیں، یہ ان کا مسئلہ ہے، مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ ویسے بھی مرنے کے بعد میرے لیے میرا جسم بے کار ہو جائے گا، میرا جسم مجھے کسی بھی حالت میں دوبارہ زندہ نہیں کر پائے گا، میں گرچہ اس وقت موجود نہیں ہوں گا، لیکن مجھے ان کے کیے گئے کسی بھی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

الحاد اور ضابطۂ حیات

ایاز نظامی

الحاد–پھر اس کے بعد کیا؟

یہ سوال عموماً سامنے آتا ہے، لیکن کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ سوال کبھی ایسے شخص کی جانب سے سامنے نہیں آتا جو الحاد کے مراحل طے کر چکا ہوتا ہے، بلکہ یہ سوال عموما ان لوگوں کی طرف سے سامنے آتا ہے جو یا تو حالت ایمان میں ہوتے ہیں یا ایمان اور الحاد کی دہلیز پر حالت تذبذب میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے ؟

ملحد، الحاد کا مرحلہ بہت غور و فکر کے بعد طے کرتا ہے، اس لئے الحاد کے بعد اسے اپنے ذاتی نظریات کے حوالے سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی، ہمارے معاشرے کے تناظر میں اسے صرف یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ اب اسے اس کے نظریات کے ساتھ اس کا خاندان، عزیز و اقارب اور معاشرہ قبول نہیں کرے گا، اور اس کی جان کے درپے ہو جائے گا، اس لیے اسے صرف یہ مشکل درپیش آتی ہے کہ اپنے نظریات کو کس طرح دوسروں سے چھپا کر رکھے۔ وہ اپنے نظریہ کی سچائی کے بارے میں بہت واضح اور بااعتماد ہوتا ہے۔ جن معاشروں میں آزادئ اظہار رائے کا احترام کیا جاتا ہے ملحد کو اپنے الحاد کی وجہ سے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ واضح رہے کہ الحاد بذات خود کوئی ضابطہ حیات نہیں ہے، بلکہ دلیل کو عقل کے معیار پر قبول کرنے کا نام ہے، اس لیے جو بھی قوانین حیات عقل اور شعور کی رہنمائی میں مرتب کیے جائیں گے، ایک ملحد کے لیے قابل قبول ہوں گے۔

جو لوگ "ایمان مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر" کی کیفیت میں ہوتے ہیں ان کے ذہن میں ممکنہ طور پر یہ مغالطہ جاں گزین ہوتا ہو گا کہ اخلاقیات کا منبع مذہب ہے اور مذہب سے باہر کی دنیا کا اخلاقیات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سوچ بہت حیران کن ہے، یہ صرف دنیا کے موجودہ حالات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ ایسے افراد کو اندازہ ہی نہیں آج کی دنیا فلسفہ اخلاقیات کی ترقی کے کس مقام پر کھڑی ہے کہ جہاں صدیوں سے رائج مذہبی اخلاقیات بھی معذرت خواہانہ کیفیت میں منہ چھپاتی نظر آتی ہے، یا بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتی نظر آتی ہے کہ یہ جدید اخلاقیات دراصل مذہبی اخلاقیات سے ہی کشید کردہ ہے، حالانکہ مذہبی اخلاقیات اور جدید اخلاقیات میں تضاد اظہر من الشمس ہے۔ ان

لوگوں کو کبھی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں اخلاقیات کی تاریخ ہی اٹھا کر دیکھ لیتے۔ میں یہاں الحاد کے وقت اپنی کیفیت کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ میں جب ایمان و الحاد کی دہلیز پار کر کے الحاد کی روشن دنیا میں داخل ہوا تو یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے آپ نے کسی مشکل ترین معمے (Puzzle) کی اہم ترین گتھی سلجھالی ہو اور اس کے بعد کی تمام تر گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جائیں اور سوالوں کی کڑی خود بخود اپنے منطقی جوابات کی کڑی سے جا کر جڑتی چلی جائے۔ ایک مذہبی ہمیشہ اپنے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلاء رہتا ہے لیکن ایک ملحد اپنی سوچ اور فیصلے کی سچائی کے بارے میں شواہد کی بنیاد پُر اعتماد ہوتا ہے، اور فکری و نظریاتی طور پر ایک مذہبی کی نسبت بہت اطمینان اور پر سکون زندگی گذار رہا ہوتا ہے۔

اگر الحاد کے سامنے یہ سوال کھڑا ہوتا کہ الحاد پھر اس کے بعد کیا؟ تو اس سوال کا سب سے زیادہ سامنا مغربی ممالک میں ملحد ہونے والے افراد کو کرنا پڑتا، اور وہاں یہ سوال ایک بہت بڑا معاشرتی مسئلہ بن کر ابھرتا۔ یہ سوال ہمارے معاشرے کے کم علم، باہر کی دنیا سے ناواقف انسان کے محدود ذہن کی پیداوار ہے۔

کیا آپ نے کبھی مغربی ممالک میں جہاں ہر طرح کے موضوعات پر کھل کر بحث و مباحثہ ہوتا ہے کبھی اس موضوع پر بحث کے بارے میں سنا ہے؟ وجہ اس کی بالکل واضح ہے کہ وہاں ایک عرصے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے اخلاقیات مذہب سے نہیں بلکہ اجتماعی انسانی عقل و شعور سے کشید کی جا رہی ہے۔ مغرب میں انفرادی زندگی میں تو مذہب کار فرما ہو سکتا ہے اور وہ بھی آزادیٔ اظہار رائے کے سنہری اصول کی دین ہے، لیکن اجتماعی زندگی کے قوانین مرتب کرتے ہوئے مذہب کے بجائے اجتماعی انسانی عقل و شعور سے استفادہ کیا جاتا ہے، جنہیں سیکولر قوانین کہا جاتا ہے۔ دوسرا اہم ترین ادارہ جمہوریت ہے، جو معلوم تاریخ میں اب تک کا سب سے بہترین طرز حکومت ہے۔ سیکولرازم اور جمہوریت دونوں کسی مذہبی صحیفے نے متعارف نہیں کرائے، بلکہ انسان نے اپنی اجتماعی عقل و شعور کی بدولت دریافت کیے، جن کی برکات سے مذہبی اور لامذہبی دونوں بھرپور استفادہ کر رہے ہیں، اور ابھی تک کوئی اور نظام ان کو چیلنج نہیں کر سکا ہے۔

انفرادی زندگی کے حوالے سے انسان نے صدیوں کے مشاہدے اور تجربے کی بدولت اجتماعی انسانی عقل و شعور کی روشنی میں بلا امتیاز دنیا بھر کے انسانوں کے لیے بنیادی حقوق متعین کر لیے ہیں، جنہیں مسلمان ممالک سمیت تمام اقوام نے منظور کیا، یہ بنیادی انسانی حقوق اقوام متحدہ کے شائع کردہ "انسانی حقوق کا عالمی منشور" میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں، جو کل 30 دفعات پر مشتمل ہے۔ یہ مختصر سا کتابچہ دور جدید کا عظیم "معاہدۂ عمرانی" ہے، اس منشور پر اتفاق رائے

دنیا بھر کے تمام مذہبی و لامذہبی انسانوں کے حقوق کے تعین اور تحفظ (بشرطیکہ ان کی اپنی حکومتیں اس پر عمل درآمد کرائیں) کا ضامن ہے۔ اس منشور کی موجودگی انسانیت کو کسی بھی مذہبی صحیفے سے بے نیاز کر دینے کے لیے کافی ہے۔ جو ممالک اس منشور پر عمل پیرا ہیں ان ممالک کے شہریوں کی زندگی کا معیار ان ممالک سے بہت بہتر ہے جو آج کے اس جدید دور میں بھی اخلاقی قوانین کے لیے آسمانی صحیفوں سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم الحادی زندگی کی توضیح کے اعتبار سے بہت آسان دور میں جی رہے ہیں جہاں ہمیں الحاد کے بعد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی خلا نظر نہیں آتا، ہمارے پاس انفرادی و اجتماعی زندگی کے حوالے سے بہترین عملی مثالیں موجود ہیں۔ ہمیں سیاسی اسلام کی طرح تصوراتی دنیا کے جھوٹے خواب دکھانے کی ضرورت نہیں کہ پہلے اقتدار ہمارے حوالے کر دو، پھر ہم آپ کو یہ دنیا جنت بنا کر دکھائیں گے۔ ہم برملا کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے احکامات سے رہنمائی حاصل کرنے والے معاشروں کی نسبت، وہ معاشرے جو زندگی کے رہنما اصول عقل و شعور کی روشنی میں مرتب کرتے ہیں، بہت مثالی معاشرے ہیں، اور خدا پرست ان معاشروں کی طرف ہجرت کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جب ہم مذاہب پر عمل پیرا لوگوں کی خرابیاں بیان کرتے ہیں تو ہمیں کہا جاتا ہے کہ پیروکاروں کی خرابیوں کو مذہب کی خرابی قرار نہیں دیا جا سکتا، گویا یہ بالفاظ دیگر مذہبی تعلیمات کی ناکامی کا اعتراف ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں انتہائی سخت سزاؤں کی وعید کے باوجود لوگ مذہبی قوانین و ہدایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ مذہب معاشرے میں موجود خرابیوں کو زمینی حقائق کے بجائے بے جا خوف پیدا کر کے کنٹرول کرنا چاہتا ہے، خوف ایک وقتی سدباب تو ہو سکتا ہے، مستقل علاج نہیں۔ جبکہ انسانی عقل و شعور زمینی حقائق کو سامنے رکھ کر معاشرتی سائنس سے استفادہ کرتے ہوئے معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کیا اسلام قبول کرنے کے بعد زندگی کے مسائل ختم ہو جاتے ہیں؟ یا انسان مسائل کے ایک بھنور میں پھنس جاتا ہے؟ کبھی مسلمانوں نے بھی اس پہلو پر غور کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ـــ پھر اس کے بعد کیا؟؟؟

ایک مسلمان ہونے والا فرد کون سا فرقہ اختیار کرے؟

کس فرقے کو کافر کہے گا تو اس کا اپنا اسلام معتبر مانا جائے گا؟

عورت پردہ کرے یا نا کرے، اگر پردہ کرے تو عین اسلام نقاب ہے یا حجاب؟

صیام اور عیدین کے لیے کس کی رویت ہلال کو معتبر سمجھے اور کسے غیر معتبر؟

تین طلاقیں تین معتبر ہوں گی یا ایک؟

حضرت محمد کو بشر مانے یا نور؟

نماز رفع یدین کے ساتھ ادا کرے یا بغیر رفع یدین؟

متعہ کو حلال جانے یا حرام؟

قرآن کے کس ترجمے کو درست مانے اور کسے غلط؟

تراویح بیس پڑھنی ہیں یا آٹھ، یا سرے سے پڑھنی ہی نہیں ہیں؟

غرض ایک لمبی چوڑی فہرست ہے۔

کیا الحاد جرم ہے؟

اینڈرسن شا

کیا الحاد معاشرے کے افراد کو نقصان پہنچاتا ہے؟ کیا یہ چوری کرنے جیسا ہے؟ یا کسی بے قصور انسان کو قتل کرنے جیسا ہے؟ الحاد کے محض تصور کو ہی لوگ جرم کیوں سمجھتے ہیں

الحاد کو جرم قرار دینے میں ایک خبیث تضمین ہے جس کا مقصد الحاد کو ایک غیر اخلاقی عمل قرار دینا ہے تاکہ اسے جرم بنایا جاسکے، بعض لوگوں کو تو یہ یقین ہوتا ہے کہ چونکہ آپ ملحد ہیں لہذا آپ یقیناً مجرم ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں ملحد ہونے کا مطلب ہے کہ آپ چور، ڈاکو یا قاتل ہیں جیسے دنیا کے سارے جرائم ملحد ہی کرتے ہوں؟ اس دعوے کی سب سے خطرناک بات یہ مفروضہ ہے کہ اصل خدا پر ایمان ہے چاہے وہ بے دلیل و بے اثبات ہی کیوں نہ ہو۔

جرم کے واقع ہونے کے لیے کسی مخصوص سلوک کا وقوع پذیر ہونا لازم اور شرط ہے، جیسے ٹریفک کا سگنل توڑنا، یا کسی کی مرضی یا علم کے بغیر اس کی چیزوں پر قبضہ جمانا وغیرہ لیکن الحاد سے ایسا کون سا سلوک واقع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ جرم ٹھہرتا ہے؟ الحاد اپنے آپ میں کوئی سلوک نہیں بلکہ ایک فکر ہے، وہ ممالک جہاں بھگوان گنیش کی بجائے ریت کا خدا زیادہ پاپولر ہے الحاد کو جرم سمجھا جاتا ہے جو انتہائی درجے کی مبالغہ آرائی ہے ورنہ کسی کو تصور میں گالی دینا بھی قابلِ دست اندازی پولیس جرم ہونا چاہیے؟ جرم اور الحاد میں تعلق پیدا کرنا مومنین کی ایک ناکام کوشش ہے تاکہ لوگوں کو مذہب کی بوگس فکر سے زیادہ طاقتور اور معقول فکر سے دور رکھا جاسکے۔

سوال کو دوسری طرح سے پیش کرتے ہیں؛ کیا مذہب کے بارے میں حقائق بیان کرنا جرم ہے؟ ملحد تو بس ان حقائق کا ذکر کرتا ہے جن سے وہ اکثریت غافل ہے جنہیں بچپن میں مذہب فیڈر میں اور جوانی میں لاؤڈ سپیکروں سے فیڈ کیا جاتا ہے۔ الحاد کو جرم قرار دینا ناانصافی ہے کیونکہ اس طرح ریاست اپنے مومن اور غیر مومن شہریوں میں تفریق کرتی ہے۔ آخر سب برابر کیوں نہیں؟

مومنین سمجھتے ہیں کہ ان کے عقائد کے لیے؛ اپنی تمام تر خرافات سمیت، قوانین وضع ہونے چاہئیں تاکہ کوئی ان کا مذاق نہ اڑا سکے حالانکہ یہ امر بذاتِ خود ایک جرم ہے، اس سے معاشرے کے افراد کے درمیان مساوات ختم

ہو جاتی ہے اور روشن تنقیدی فکر کا گلا گھٹ جاتا ہے.. جب الحادی تنقید کے آگے ان کی خرافات ٹک نہیں پاتیں تو سب سے آسان کام انہیں یہی لگتا ہے کہ اسے جرم قرار دے دیا جائے جو ایک طرح سے شکست تسلیم کرنا ہے۔

اگر آپ کسی مومن سے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں پوچھیں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ یہ شرک ہے۔ یہی وہ گناہ ہے جس کی بخشش نہیں، قتل اور آبروریزی نہیں۔ آپ قتل کر کے اور آبروریزی کر کے خدا کے حضور "توبتہ النصوح" کر سکتے ہیں کہ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں۔ سب سے بڑا جرم ریت کے خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا ہے، ملحد سے نفرت کی اصل یہی ہے۔ یہ اس قدر اہم نہیں ہے کہ آپ قتل نہیں کرتے، ڈاکے نہیں ڈالتے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ آپ کا یہ کہنا اہم ہے کہ ریت کا خدا وجود نہیں رکھتا۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ اسلام کی اخلاقی اقدار میں بہت بڑی خرابی ہے، ان کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ انسانیت سے بڑھ کر ہے، یہ اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، مومنین ڈرپوک لوگ ہوتے ہیں، وہ مجہول سے اور جہنم میں جانے سے ڈرتے ہیں، یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے مذاہب اپنے مرید جمع کرنے میں کامیاب ہوئے، یعنی عقل سے نہیں بلکہ مجہول سے خوفزدہ کر کے، مگر یہ سب ڈرامہ بازی ملحد کے ساتھ کام نہیں کرتی۔ وہ کسی بھوت سے نہیں ڈرتا اسی لیے الحاد کو جرم قرار دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ملحد کی فکر کو جرم قرار دے کر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انہیں خوفزدہ کر کے ان سے ان کی عقل چھین لیں گے۔ جہاں جرم ہوتا ہے وہاں اس جرم کا ایک عدد شکار بھی ہوتا ہے، الحاد کے جرم میں شکار کون ہے؟ کیا بغیر شکار کے جرم ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں، تو پھر یہاں شکایت گذار کون ہے؟ مومنین یہ نہیں سمجھ پا رہے کہ ہم 710ء میں نہیں ہیں، اس زمانے میں ان کی واپسی کی تمام مضحکہ خیز کوششیں عبث ہیں، تیزی سے ترقی کرتی اور ہر لحظہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی دنیا میں انہوں نے خود کو مسخرہ بنا لیا ہے۔ آج کی پیچیدہ دنیا انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہی ہے، وہ ان کا انتظار کرنے کے لیے کبھی نہیں رکے گی۔ یہ سارے ہتھکنڈے ان کے کچھ کام نہیں آنے والے، ملحد ان کے دشمن نہیں بلکہ وہ خود اپنے دشمن آپ ہیں، خلفائے راشدین کا متنازعہ سنہری زمانہ گزر گیا اور کبھی عود کر نہیں آئے گا، عباسی، اموی اور عثمانی سلطنتوں پر کب کی تاریخ کی گرد جم چکی ہے، ہم ایک بالکل ہی الگ اور جدید دنیا میں رہتے ہیں جس میں عقل کو مجرم نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

فروغ الحاد: گل سے کوئی کہے کہ شگفتن سے باز آ

سید ثاقب اکبر

ایک خفیہ سروے کے مطابق پاکستان میں مذہب چھوڑنے اور ملحد بننے کا رجحان بڑھ رہا ہے اور اس میں شیعہ، سنی اور دوسرے تمام مسالک کے لوگ شامل ہیں، الحاد کے تیزی سے پھیلنے کا سبب سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر بیٹھے سابقہ مسلمان ہیں جن کے بقول مذہبی تعلیمات جھوٹ پر مبنی ہیں اس کے علاوہ وہ مذہبی عقائد کے خلاف سائنسی ثبوت بھی پیش کرتے ہیں، سوشل میڈیا پر سابقہ پاکستانی مسلمان ملحدین کی اکثریت پڑھی لکھی ہے اور ان میں مدارس سے فارغ التحصیل لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر ملحد بن گئے، فیس بک اور ٹویٹر پر کئی ایسے گروپس اور آئی ڈیز ہیں جو لوگوں کو مذہب سے نکالنے کے لیے دن رات کام کررہے ہیں، پاکستان کے علاوہ الحاد مغربی ممالک اور عرب ممالک میں بھی تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگ کسی بھی مذہب کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو اگنوسٹک کہتے ہیں یعنی کہ وہ خدا کے تصور کو تو کسی حد تک مانتے ہیں مگر کسی مذہب کو نہیں مانتے، ایتیھسٹ ہوں یا اگنوسٹک، اسلام کے نزدیک یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، اگر الحاد بڑھنے کا رجحان اسی طرح رہا تو پاکستان سمیت ساری دنیامیں مذہب کے نہ ماننے والے ملحدین کی اکثریت ہو گی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رپورٹ ایک پہلو سے تو درست ہے کہ الحاد کے فروغ کے لیے پاکستان میں بعض لوگ شعوری کوششیں کررہے ہیں لیکن ایسی تمام کوششوں کو کسی سازش کا حصہ کہنے سے پہلے اس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ الحاد کے فروغ کے لیے خود ''مسلمان'' ''خلوص نیت'' سے کتنا حصہ ڈال رہے ہیں اور یہ بات جاننے کے لیے کسی خفیہ سروے کی ضرورت نہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم پاکستان اور مسلمان ممالک میں الحادی فکر کے پھیلنے کی وجوہات کا جائزہ لیں ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ مغرب میں کلیسا کی بساط کا لپٹ جانا اور پورے مغربی سیاسی نظام پر سیکولر فکر کا غلبہ ہو جانا کوئی دور کی بات نہیں۔ مسلمان دانشوروں نے اس مسئلے کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی بنیادی وجہ خود کلیسا کے کارپردازوں کا طرز عمل اور ان کے تصور مذہب کو قرار دیا ہے۔ مذہبی استبداد کی جو روش کلیسا نے اختیار کی تھی اور جس طرح سے وہ

عقل و فکر کو بروئے کار لانے سے روکتے تھے اور جیسے وہ مشاہداتی حقائق کا انکار کرتے تھے اس سب کا نتیجہ مذہب سے فرار کے سوا کچھ نہیں نکلنا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔ کلیسا سے بغاوت بالآخر مذہب سے بغاوت پر منتج ہوئی۔ یہ خلاصہ ہے مسلمان دانشوروں کے اس نقطہ نظر کا جو انھوں نے زوال کلیسا کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔

ہم سوال کرتے ہیں کہ جو کچھ کلیسا کے اہل حل و عقد اور مذہبی رہنماؤں نے کیا، کیا مسلمان مذہبی راہنما وہی کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اگر ہماری بات کا جواب مثبت ہے تو پھر نتیجہ وہی نکلے گا جو مغرب میں نکل چکا ہے۔ اہل مغرب خدا کے بیٹے اور رشتے دار ہیں اور نہ اہل مشرق۔ وہ لم یلد ولم یولد۔۔۔ کا مصداق ہے۔ اس کے قوانین اٹل ہیں۔ اس کی سنتیں نہیں بدلتیں۔ جن اعمال کے نتیجے میں مغرب والوں نے الحاد کا راستہ اختیار کیا انہی اعمال کے نتیجے میں مشرق والے بھی الحاد ہی کا راستہ اختیار کریں گے۔ یہ قدرت کے فیصلے ہیں اور جب قوموں کی اجل آجاتی ہے تو نہ ان کا وقت پیچھے کو جاتا ہے اور نہ آگے کو۔

ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مسلمان گروہ در گروہ تقسیم ہو چکے ہیں۔ دین کی آفاقی تعلیمات پس پشت ڈال دی گئی ہیں، انسان بہت سے اہل مذہب کی نظروں میں بے قیمت ہو گیا ہے، فروع کا غلغلہ ہے اور اصول پامال ہو رہے ہیں۔ دین کے بعض ظواہر مختلف گروہوں نے اختیار کر لیے ہیں اور حقیقت دین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ مذہب کے نام پر مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کا بے دردی سے خون بہایا جا رہا ہے، اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لیے مذہب کے استعمال کا معاملہ سنگین سے سنگین تر ہوتا چلا جا رہا ہے، فرقہ واریت کا دیو ہے کہ بوتل میں واپس جانے کا نام نہیں لیتا بلکہ اس کا آسیب وحشت ناک حد تک پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان ملکوں پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں بحرین میں کیا ہو رہا ہے، سعودی عرب اپنے ملک کے اندر اور باہر مذہب کے نام پر کیا کردار ادا کر رہا ہے، شام پر کیا گزر رہی ہے، عراق کس طرح سے خون میں نہا رہا ہے، افغانستان پر کیا بیت رہی ہے، ایران کس طرح سے عالمی جکڑ بندیوں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، پاکستان میں مذہبی تقریبات پر کیسے وحشت و دہشت کے سائے پڑے ہوئے ہیں۔ اس ساری صورت حال میں اگر کوئی یہ کہنا شروع کر دے کہ مذہب نے انسان کی زندگی کو خوف و وحشت میں مبتلا کر دیا ہے، نوع انسانی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور مختلف گروہوں کو ایک دوسرے کا ازلی دشمن بنا دیا ہے تو ایسے میں مذہب ہی کو کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔ سچ کہیے کہ اس فکر کے پیدا ہونے کا باعث کون ہے؟

جب بھی کوئی اس صورت حال کی بنیاد پر ہمارے دین پر اعتراض کرتا ہے تو ہم قرآن کریم کی آیتیں پڑھ پڑھ کر اسے بتاتے ہیں کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ کسی ایک بے گناہ انسان کا خون ساری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ ہم احادیث کا حوالہ دے کر اپنے نبی کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان اور انسان محفوظ اور سلامت رہیں تو جواب میں ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ ایک طرف کتابوں میں لکھی ہوئی عبارتیں ہیں اور دوسری طرف وحشت ناک طریقے سے ناچتی ہوئی حقیقتیں ہیں۔ خارجی صداقتیں اور وحشت انگیز زمینی حقیقتیں چھوڑ کر اور انھیں نظر انداز کر کے ہم کتابوں کی طرف کیسے چلے جائیں؟ کیا ایک دوسرے کو قتل کرنے والے مسلمان نہیں؟

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جیسے اہل کلیسا بعض ایسے عقائد پر اصرار کرتے تھے جو خارجی حقائق پر منطبق نہیں ہوتے تھے، مسلمانوں کے ہاں بھی مذہبی مسند پر براجمان مفتیوں کے بہت سے فتاویٰ خارجی حقائق کا منہ چڑا رہے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے مذہبی اداروں کے فارغ التحصیل عام طور پر دنیا میں ہونے والی سائنسی اور انسانی علوم کی پیش رفت سے غافل ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا پر حکم فرما ان حقائق سے بھی نابلد ہوتے ہیں جو اپنی قوت سے اپنی طے شدہ سمت کی طرف انسانی کاروان کو لے جا رہے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کتنے ہی مذہبی علما ایسے ہیں جنھیں یہ تک نہیں پتہ کے کسی ریاست کے لیے آئین کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں۔ عصری علوم اور مذہبی علوم کا بُعد بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ بُعد بھی الحاد کے فروغ میں حصہ دار ہے۔

جو لوگ علی وجہ البصیرت خدا پر ایمان رکھتے ہیں، انبیا کی ضرورت کا ادراک رکھتے ہیں نیز حیات بعد از ممات پر عقیدے کو حقیقت پر مبنی اور ناگزیر جانتے ہیں انھیں اگر الحاد کی بڑھتی ہوئی روش ناگوار گزرے تو وہ پھر اہل مذہب کی ناگوار اور تکلیف دہ فکر اور حرکت کی اصلاح کے لیے سنجیدہ فکر کریں۔

[”ہم سب“، ۵ مئی ۲۰۱۶]

(نوٹ: اس تحریر کا جواب جمشید اقبال نے دیا تھا، جو آئندہ صفحات میں شریک اشاعت ہے۔)

فروغ الحاد کا چیلنج

جمشید اقبال

تاریخ فلسفہ کے طالب علم جانتے ہیں کہ یقین کے موسموں کا اختتام ہمیشہ تشکک اور بے یقینی پر ہوا ہے۔ یقین کے دور کے جوابات کا مقدر سوال بن جانا ہے۔ مثال کے طور پر یونان میں ارسطاطالیسی عقل پرستی کا زور رواقیت اور کلبیت پر ٹوٹا۔ اس کے بعد قرونِ وسطیٰ کا دور تیقن نشاۃ ثانیہ اور خرد افروزی کے پر ختم ہوا، دور جدید کا آغاز ہوا اور آج دور جدید کے اوہام کے خلاف بعد از جدید فکر بر سرپیکار ہے اور ان قضیات کے بخیے ادھیڑ دیے گئے ہیں جن پر فلسفہ جدید کی عمارت قائم تھی۔

بعض لوگ دور بعد از جدید کو اظہار تلطف میں بعد از الحاد کا دور کہتے ہیں لیکن یہ تاثر غلط ہے۔ معاصر تنقید نے روایتی سوچ کی بنیادوں پر ایسا وار کیا ہے، جیسا کوپر نیکس (1473-1543) نے روایتی ہیئت کے مرکزی تصورات پر کیا تھا۔ دورِ جدید میں روایتی فکر پر ہونے والی حالیہ تنقید کہیں زیادہ کاری ہے۔ جس طرح کوپر نیکس کے بعد ہم کائنات کو روایتی انداز میں نہیں دیکھ سکتے؛ ویسے ہی بعد از جدید فکر میں اٹھائے گئے سوالات کے بعد تاریخ اور مذہبی زبان کے مسئلے کو روایتی نظر سے دیکھنا ناممکن ہو گیا ہے۔

روایتی فکر پر بعد از جدیدیت تنقید اس مضمون کا موضوع نہیں۔ زیر نظر تحریر کا مقصد ثاقب اکبر کے مضمون "فروغ الحاد" پر تاریخ فلسفہ و مذہب سے اخذ ہونے والے درج بالا اصول کی روشنی میں بات کرنا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ بے لچک تیقن کا اختتام ہمیشہ تشکیک اور انکار پر ہوا ہے۔ تاریخ فلسفہ سے کشید کردہ اس اصول سے روشنی میں دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے الحاد کی سب سے بڑی وجہ قطعیت اور کٹر پن ہے جس پر مصنف ایک مذہبی عالم ہونے کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کر پائے۔

مصنف نے مغرب میں مسیحیت کا حوالہ تو دیا لیکن حالیہ عمرانی تاریخ کا یہ نتیجہ بیان نہ کر پائے کہ مغرب میں الحاد اُس وقت پھیلا جب گھر گھر مذہب پھیلانے کی کوششیں تیز تر کر دی گئیں۔ فکری تحاریک کی تاریخ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جب آپ ایک طرز کے نظریات پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے مخالف نظریات بھی اتنی تیزی سے

پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں کروڑوں لوگ گھر بار تیاگے بوریا بستر اٹھائے بے حیائی کے خلاف نکلے ہوئے ہیں لیکن یہ وہ ملک ہے جہاں عریاں فلمیں دیکھنے والوں کی تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ جنھیں یہ واضح بات سمجھ نہ آئے انہیں عصری عمرانیات اور سماجی نفسیات کا مطالعہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

معاصر ماہر سماجی نفسیات و عمرانیات مائیکس ویبر (1864-1920) اپنی زندگی بھر کی تحقیق کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ مغرب میں جان کیلون (1509-1564) کے دور میں کلیسا کی جگہ بازار نے لے لی۔ اس کی وجہ جان کیلون کی مذہبی تعلیمات کا بے لچک ہونا اور ہر ایک کو راسخ مسیحی بنانے کا تبلیغی جنون تھا۔ مذہبی تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ جان کیلون نے سولہویں صدی میں اپنی بے لچک تبلیغی تعلیمات مغرب کے طول و عرض تک پہنچائیں اور علمِ معاشیات کا جنم بھی اسی دور میں ہوا۔ کیلون کے دور میں علم معاشیات کا جنم کچھ عجیب سا لگتا ہے (کیونکہ میسحیت کے ہاں بازار کلیسا کی ضد ہے) لیکن اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب آپ کسی ایک شے کو مصنوعی انداز میں تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کی ضد کو اس سے زیادہ تقویت دے رہے ہوتے ہیں۔ جب کیلون کے خدائی فوجدار لوگوں کو ہانک ہانک کر کلیسا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مائیکس ویبر لکھتا ہے: ''مسیحی زاہدوں نے جان کیلون کی تعلیمات کی 'روشنی' میں عبادت گاہوں کو خدا حافظ کہا اور وہ بازار میں آ گئے۔''

مائیکس ویبر کے علاوہ فوکویاما اس سلسلے میں لاطینی امریکہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں جہاں مذہبی جبریت اسی نوعیت کی تبدیلی کا باعث بنی اور معاشیاتی شماریات کے ماہر بریڈ فورڈ ڈی لانگ 1870 کی دہائی میں کلیسا سے لوگوں کی بے رغبتی کی وجہ مذہبی جبر کے نتیجے میں لوگوں میں ذاتی تحریک (self-motivation) میں کمی بتاتے ہیں۔

لہٰذا الحاد میں اضافے پر غور کرنے کے لئے جن علمائے کرام کو ثاقب اکبر دعوت فکر دے رہے ہیں، وہ اس بات پر غور کریں کہ جبر میں کمی اور ذاتی تحریک میں اضافہ کیسے ممکن ہے۔

اس سلسلے میں وہ یہ تازہ مثال ذہن میں رکھیں کہ جب مائیکروسافٹ جیسا دیو قامت ادارہ انکارٹا نامی انسائیکلوپیڈیا تیار کر رہا تھا تو بل گیٹز کے وہم وہ گمان میں نہیں تھا کہ وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا اس کے کروڑوں ڈالرز محض اس بنا پر ڈبو دے گا کہ ثانی الذکر مخزن کے لیے لکھنے والے جزا کے شوق اور سزا کے خوف سے نہیں بلکہ ذاتی تحریک کی طاقت سے لکھیں گے۔ اس مثال سے ایک بار پھر یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز سکڑتی ہے جس میں ذاتی تحریک کی جگہ جبر لے لیتا ہے۔

قد آور فلسفی، مثال کے طور پر رسل، کہا کرتے تھے کہ دنیا کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ناسمجھوں اور انتہا پسندوں کا ضرورت سے زیادہ پُر اعتماد اور دانش مندوں کا شکوک میں مبتلا ہونا ہے۔ سنجیدہ مذہبی رہنماؤں کو اگر مذہب کی بقا کی فکر ہے تو انہیں یہ انتظام کرنا ہو گا کہ جنونی مذہب کے جتنے گن گائیں، وہ شکوک میں مبتلا دانش مندوں سے قیادت نہ ہتھیا پائیں۔ متشکک ہی سہی، اگر ایک مذہب میں دانش مند لوگوں کی تعداد معقول اور قیادت ان کے ہاتھ میں رہے تو کٹر پن پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تشکک ہمیشہ بتاتا رہتا ہے کہ ایک کے علاوہ متبادل زاویے اور جوابات موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفکرین لاکھ اختلافات کے باوجود ایک دُوسرے کو قتل نہیں کرتے کیونکہ ہر مفکر، جزوی طور پر ہی سہی، کہیں نہ کہیں شکوک کا شکار ضرور ہوتا ہے اور یہی شک اُسے تحقیق و تفکر پر اکساتا ہے۔

اس کے برعکس اگر مذہب بے لچک انتہا پسندوں کی جاگیر بن جائے تو اس کے زوال کا سفر شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ لوگ اس سے دُور ہوتے چلے جاتے ہیں جن کی توانائیاں بازوؤں اور ٹانگوں کی بجائے دماغ کا رخ کرتی ہیں۔ پھر ان نظریات کا تحفظ کرنے والے وہی لوگ بچتے ہیں جو ہاتھاپائی، دشنام گوئی اور جدال و قتال میں تو مشاق ہوتے ہیں لیکن علمی و فکری میدانوں میں اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔ احساس شکست انہیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ نظریات کا دفاع اگر کیا بھی جا سکتا ہے تو ہتھیاروں سے ہرگز نہیں۔ اگر افکار کا خاتمہ ممکن بھی ہے تو ہتھیاروں کی مدد سے نہیں۔

انتہا پسند مذہب کے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھاتا ہے، قتل کرتا ہے لیکن اس میں یہ بنیادی بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ صرف نظریے کے شائبے میں انسانوں کا اور انسانوں کا قتل کر کے اپنے مذہب کو اخلاقی ارتفاع سے محروم کر رہا ہے۔ اسے تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ اخلاقی ارتفاع ہی مذہب کی شہ رگ ہے۔ انتہا پسند مذہب کا وہ نادان دوست ہے جو اس کی شہ رگ خود کاٹ دیتا ہے۔

ایسے میں مذہب کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ وہ تشکک کے شکار دانش مندوں کی آوازوں پر بھی سنجیدگی سے کان دھرے، ان آوازوں کو "دائرے" سے خارج نہ کرے اور اس آواز کی روشنی میں مذہب کے دامن میں وسعت لائے۔ فلسفہ و فکر کے طالب علم اس سے واقف ہوں گے کہ اگر سائنسی اور خالص فکری نظریات کی بات کی جائے تو ان میں جان بوجھ کر شک کی گنجائش رکھی جاتی ہے۔ اختلاف رحمت سمجھا جاتا ہے اور شک کا اظہار کرنے کا موقع بھی دیا جاتا ہے تاکہ جمود و تعفن کی عبرت ناک موت سے بچا جا سکے۔

بعض مذہبی حضرات اپنے مذہب کے حق میں سائنسی دلائل یہ سوچ کر پیش کرتے ہیں سائنس حتمی علم ہے۔ لیکن سائنس بھی مسلسل آگے بڑھنے کے لیے تشکک کی گنجائش رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر نظری طبیعات میں لہر اور ذرے کی دُوئی(wave-particle dualism) پر آج بھی بات ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ سائنسی نظریات پر عظیم سائنسی فلسفی کارل پوپر (1902-94) کے اصول تفریق (demarcationonprinciple) کا اطلاق ہوتا ہے۔ یعنی گہری سے گہری چھان پھٹک کے باوجود صرف وہ نظریہ سائنسی کہلائے گا جسے غلط ثابت کرنے کا امکان موجود ہو۔ سائنس کو جب کہنہ نظریے سے بہتر نظریہ مل جاتا ہے تو سائنس دان پرانے نظریے کی موت پر ماتم نہیں کرتے بلکہ جشن مناتے ہیں کہ سائنس ایک قدم آگے نکل گئی ہے۔ مذہب میں جس کی بات پسند نہ آئے، اسے فوراً دائرے سے باہر نکال دیا جاتا ہے لیکن سائنس میں اسے بھی سائنس دان مانا جاتا ہے جس کے نظریے کا ابطلال ہو جائے۔

اس کے برعکس مذہب کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ یہاں (یقین اور بے یقینی کے درمیان) تشکک کے گرے ایریا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جو کوئی فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر شک کے ''نو گو ایریا'' میں جاتا ہے، اسے اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ بڑھتے ہوئے الحاد پر ماتم کی بجائے اس سوال کا جواب تلاش کرنا بے حد ضروری ہے۔

اہل مذہب کے لیے دوسرا بڑا چیلنج یہ ہے کہ آج کا انسان زمین پر بیٹھ کر نہیں بلکہ کائنات کے آخری سرے پر بیٹھ کر زمین کو دیکھ رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی کہکشاں میں اتنے نظام ہائے شمسی ہیں جتنے زمین پر ریت کے ذرات۔ پھر کائنات میں اتنی ہی کہکشائیں جتنے ہماری کہکشاں میں نظام ہائے شمسی۔ ایسے میں آپ اسے ایسے نظام کا تصور کیسے دے سکتے ہیں جو اپنی پوری توجہ انسان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر جما کر بیٹھا ہے؟

کیرن آرم اسٹرانگ خدا کے بارے میں بدلتے انسانی تصورات کا احاطہ کرنے والی مشہور کتاب ''خدا کی تاریخ'' میں لکھتی ہیں کہ لوگ خدا کے حوالے سے عملیت پسند (pragmatic) واقع ہوئے ہیں۔ یعنی ہر دور میں انہیں خدا کے کسی ورکنگ ماڈل کی ضرورت رہی ہے۔ ایسا ماڈل جو روح عصر سے متصادم نہیں بلکہ ہم آہنگ ہو۔

موجودہ دور میں بڑھتے ہوئے الحاد کی بڑی وجہ یہ بھی ہے جس کی طرف کیرن اشارہ کر رہی ہیں۔ درج بالا اسباق کے علاوہ فکری تاریخ سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ جو نظریہ یا تصور روح عصر سے ہم آہنگ نہ ہو، اجتماعی شعور اس کا وہی حشر کرتا ہے جو سمندر مردہ مچھلی کا کرتا ہے۔

[''ہم سب''، ۹ مئی ۲۰۱۶]

پاکستان: گستاخی اور جبر

اسد فاطمی

توہین مذہب قوانین کے ذریعے جانوں کے ضیاع کے حوالے سے ۲۰ مئی کو علی سیٹھی کا مضمون Tyranny of blasphemyنیویارک ٹائمز کے بین الاقوامی ایڈیشن میں شائع ہوا تھا، لیکن ایکسپریس ٹریبیون کے زیر اہتمام پاکستان میں تقسیم کیے گئے پرچوں سے یہ مضمون حذف کر کے اس جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔

****

لاہور، پاکستان۔ "مجھے لگتا تھا کہ میری زندگی بالکل سادہ اور یک رخی ہے۔"

یہ الفاظ جنوبی پاکستان کے نوجوان شاعر اور فل برائٹ اسکالر جنید حفیظ نے 2011 میں ایک ریڈیو شو کے میزبان سے کہے تھے جب وہ میڈیسن کی تعلیم تیاگ کر ادب کو اپنی زندگی کا شغل بنانے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ آج، وہ گستاخی کے الزام میں جیل میں ہے، اسے سزائے موت سنائی جا چکی ہے اور وہ اس وکیل کا سوگ منا رہا ہے جسے ایک ماہ پہلے اس کی وکالت کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا۔

گرفتاری سے پہلے حفیظ پاکستان کے شہر ملتان کی بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی میں پڑھا رہا تھا، یہ وہ ضلع ہے جہاں وہ پلا بڑھا تھا۔ اس کی کرشماتی شخصیت اور آزادانہ فکر کی وجہ سے جہاں اس کے طالب علموں میں اس کے پرستاروں کا ایک بڑا حلقہ تھا، وہیں فیکلٹی ممبران میں اس کے حاسدوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔

سن 2013 میں ایک دن اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ ایک طالب علم نے اس پر فیس بک پہ حضرت محمد (ص) کی توہین کا الزام عائد کیا۔ اس طالب علم کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا، لیکن ثبوت تو کوئی مانگتا بھی نہیں۔

جلد ہی شدت پسند طلبہ نے ایک مظاہرہ کیا اور حفیظ کو پھانسی دینے کا مطالبہ کیا۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی اور پولیس نے حفیظ کے خلاف توہین کا مقدمہ درج کر لیا۔ الزام کی توثیق کے لیے کسی سائبر تفتیش کار کو بلانے کی بجائے ایک مفتی کے فتوے پر انحصار کیا گیا۔

حفیظ کا باپ مہینوں تک وکیل ڈھونڈتا رہا۔ بالآخر اس نے 53 سالہ راشد رحمان سے استدعا کی، جو ملتان میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کو آرڈی نیٹر تھے۔ 20 سال سے سرگرم سماجی کارکن اور ایک ماہر قانون رحمان ناامیدی کا رزق بن چکے مقدمات پر لڑ مرنے کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ تمام خطرات کے باوجود وہ حفیظ کا مقدمہ لینے پر راضی ہو گئے۔ اپریل میں رحمان نے ایک رپورٹر سے کہا تھا کہ توہین کے ملزم کی وکالت کرنا، "موت کے جبڑوں میں سر دینا" ہے۔

یہ جبڑے 1980 کی دہائی سے کھلے ہوئے ہیں جب فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے ان نو آبادیاتی قوانین پر نظر ثانی فرمائی تھی جن میں "افراد کے کسی بھی طبقے کے مذہب کی توہین" کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ ابتدائی قانون انیسویں صدی میں ابوی طرز کی انگریز حکومت نے وضع کیا تھا، جس کا مقصد مختلف العقائد رعایا کو آپس میں لڑنے سے روکنا تھا۔ ان قوانین میں عمومی لفاظی تھی، اور اس میں جرمانے عائد کیے گئے تھے اور زیادہ سے زیادہ دو سال کی سزا مقرر تھی۔

جنرل ضیا کی ترامیم نے توہین مذہب کے تصور کی تخصیص کر دی اور قوانین کی وضع کو اسلام کے سخت گیر سنی مسلک کی پسند کے مطابق ڈھال دیا۔ انہوں نے قرآن کی بے تحریمی، حضرت محمد (ص) کی بے ادبی اور ان کے اصحاب کے بارے میں غیر شائستہ بات کرنے کو جرم قرار دیا۔ پاکستان کی شیعہ اقلیت کے ہاں پیغمبر (ص) کی وفات کے بعد جانشینی کی کشمکش کے حوالے سے بعض صحابہ کی شخصیت متنازعہ ہے۔ مزید براں، ممنوعہ احمدی فرقے کے افراد کے لیے خود کو مسلمان کہنا جرم قرار دے دیا گیا۔ سزاؤں میں اضافہ کر دیا گیا: توہین کے مرتکب ہونے والے کو پھانسی یا عمر قید کی سزا دی جا سکتی تھی۔

جنرل ضیا 1988 میں طیارے کے حادثے میں مارے گئے، لیکن ان کا بہت سا ترکہ باقی ہے۔ جیسا کہ ملاّ عناصر کو زندگی کے ہر شعبے میں طاقت سے نوازا جانا۔ مذہبی پیشواؤں اور ٹیلی مبلغین سے لے کر کٹڑ عالموں اور شریعہ ججوں تک؛ سبھی نے مقنّنہ کو لاتبدیل طور پر ضیا پرستانہ بنائے رکھنے کی نیکی میں اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔

توہین کے قوانین بھی اسی پیکج کا حصہ ہیں۔ 1980 کی دہائی سے پہلے یہ قوانین کئی عشروں تک شاذ و نادر ہی استعمال میں آتے رہے تھے۔ لیکن جنرل ضیا کی ترامیم نے سیلابی بند کا پاٹ کھول دیا: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مطابق تب سے لے کر اب تک ایک ہزار سے زیادہ مقدمات اطلاع میں آ چکے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے ایک سنی شدت پسند کے ایما پر 68 وکیلوں کے خلاف توہین کا مقدمہ سامنے آیا ہے۔

یوں تو توہین کے قوانین کسی بھی خوفناک ارادے کے حامل، کسی ناراض رشتہ دار، کسی حاسد کولیگ یا آپ کی جائیداد پر آنکھ رکھنے والے کسی پڑوسی کے کام آسکتے ہیں۔ لیکن ان سے وہ پیشہ ور مذہبی شدت پسند سب سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں، جن کو معاشرے اور ریاست دونوں میں اپنا رسوخ بنانے کے تمام گُر ٹھیک سے آتے ہیں۔

مجھے اس سب کچھ کا احساس اگست 2009 میں ہوا تھا جب میں پاکستان کے قلب میں واقع ایک چھوٹے سے شہر گوجرہ کی ایک مسیحی آبادی میں گیا تھا۔ ایک مسلمان کسان نے ایک افوا پھیلائی تھی کہ پڑوس کے مسیحیوں نے قرآن کی بے حرمتی کی ہے، جونہی مولویوں نے مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں پر جنونی تقریریں کر کے معاملے کو شہ دی، وہاں فساد برپا ہو گیا۔ جب پولیس نے مولویوں کو روکنے کی کوشش کی، انہوں نے توہین کے قوانین کا حوالہ دیا اور "گستاخوں کو پناہ دینے" کی صوت میں مشتعل ہجوم کا رخ پولیس کی طرف موڑ دینے کی دھمکی دی۔ مسیحیوں کے 60 کے قریب گھر جلا دیے گئے اور آٹھ مسیحی مارے گئے۔

اسلام پسند ہمیں یہ بات تو باور کرانا چاہیں گے کہ کسی بھی عقیدے کا آدمی اس وقت تشدد پر اتر سکتا ہے جب اس کے مذہب پر زد پڑ رہی ہو۔ لیکن گوجرہ سانحے پر سرکاری رپورٹ میں درج کی گئی حقیقت کہیں زیادہ قابل تشویش اور المناک ہے۔ توہین کا ایک الزام، جو ایک بار کسی مذہبی کارکن کی طرف سے عاید کر دیا گیا ہو، معمولی ذاتی مفادات سے لے کر بڑے سیاسی منصوبوں تک، ہر طرح کی مفاد یابی کو جائز بنا دیتا ہے اور سب کے لیے بے لگامی کی فضا پیدا کر سکتا ہے۔ گوجرہ کے بلوائیوں میں مقامی اپوزیشن سیاستدان کے حلقے کے افراد، اور قریبی علاقوں کے کسان اور دیہاڑی دار مزدور بھی تھے جو کالعدم لشکر جھنگوی کے مسلح ارکان کی لوٹ مار میں شامل ہو گئے تھے۔

پاکستان کے اسلام پسند گروہوں کو قوانین میں اصلاح کے لیے کچھ نئے راستے نظر آئے ہیں۔ انہوں نے گستاخی کی تفہیم کا دائرہ کچھ اور وسیع کر لیا ہے اور اب توہین کی دائرے میں بذات خود ان قوانین پر تنقید کرنا بھی شامل ہے۔ یہ سب کچھ اختلاف رائے رکھنے والی اعلی سطح کی شخصیات کو نشانہ بنا کر ممکن بنایا گیا ہے، جیسا کہ صوبہ پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر اور اقلیتی امور کے وفاقی وزیر شہباز بھٹی، ان دونوں کو 2011 میں قتل کیا گیا تھا۔

اور پھر، صرف دو ہفتے قبل، راشد رحمان کو قتل کر دیا گیا۔

مافیا نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق اس کے گرد ہر طرف سے گھیرا تنگ کیا۔ سب سے پہلے اردو اخباروں میں اس کے خلاف دھمکیاں شائع کی گئیں، جس میں اسے "خود کو نقصان پہنچانے کے درپے" ایک وکیل کہا گیا تھا۔ اس کے بعد ملتان میں ایک پریس کانفرنس ہوئی جس میں غضبناک چہروں والے کچھ مولویوں نے رحمان پر الزام عاید کیا کہ وہ حفیظ

کے مقدمے کو ایک بین الاقوامی ایشو بنا رہے ہیں۔ اپریل میں، جب حفیظ کا مقدمہ جاری تھا، تین وکلائے استغاثہ نے جج کی موجودگی میں اسے کہا کہ وہ اگلی سماعت تک "سلامت نہیں رہے گا۔"

انسانی حقوق کمیشن میں رحمان کے ساتھیوں نے حکومت سے اس کے لیے سیکیورٹی فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہیں کوئی مدد نہیں ملی۔ حکمران جماعت پاکستان مسلم لیگ نواز، سیاسی سفر کو آگے بڑھانے کے لیے پاکستانی طالبان جیسے شدت پسند گروہوں کو امن پر آمادہ کرنے کی پوری تاریخ رکھتی ہے۔

7 مئی کی رات ڈسٹرکٹ کورٹ ملتان کے قریب واقع رحمان کے دفتر میں دو نوجوان گھس آئے، اسے اس کے رفقائے کار کے سامنے قتل کیا، اور رات کی تاریکی میں فرار ہوگئے۔ دوسری صبح پاکستان کے ہر اخبار نے انہیں "نامعلوم افراد" قرار دیا۔ لیکن رحمان کے قاتلوں کو پہچاننا مشکل نہیں: تشدد پسندانہ مذہبیت اس کی قاتل ہے، جسے حکومت کی مدد اور پشت پناہی حاصل ہے۔

[''لالٹین''، ۳جون ۲۰۱۴]

توہین رسالت کیوں ہوتی ہے؟

ڈاکٹر عرفان شہزاد

انسانی رویے، مختلف سماجی، نفسیاتی، جینیاتی اور عقلی عوامل کا نتیجہ اور رد عمل ہوتے ہیں۔ انسانی رویوں کے باقاعدہ مطالعے کی روایت ہمارے ہاں بوجوہ پنپ نہیں سکی، حالانکہ اس کے بغیر کسی بھی انسانی رویے کی درست تشخیص ہو سکتی ہے اور نہ اس کا علاج ممکن ہے۔ ہمارے ہاں محض علامات دیکھ کر فیصلہ صادر کرنے کا چلن ہے۔ کسی رویے کے پیچھے کیا محرکات ہیں یہ جاننے کی زحمت کم ہی کی جاتی ہے۔

توہین مذہب یا توہین رسالت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ توہین رسالت کے ہزاروں مقدمات پاکستانی عدالتوں میں قائم ہیں، اگر یہ سارے مقدمات درست ہیں (جو کہ در حقیقت نہیں ہیں) تو کیا یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ آخر ایسا ہو کیوں رہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سے آخر ایسی کیا پرخاش ہو گئی ہے لوگوں کو کہ اپنی جان پر کھیل کر بھی آپ جیسی کریم ہستی کی توہین کا ارتکاب کر رہے ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف سزائے موت اور دوسری طرف عوام کے غیظ و غضب کے نتیجے میں ہونے والی دردناک اموات کے باوجود نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کے خلاف توہین کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا؟ اور یہ سب ایک اسلامی ملک میں ہو رہا ہے جہاں عوام، ادارے، تھانے اور عدالتیں سب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ آج ہم ان سوالوں کے جوابات تلاش کریں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں توہین رسالت کے درج کیے جانے والے مقدمات میں ایک محتاط اندزے کے مطابق 80 سے 90 فیصد مقدمات جعلی ہوتے ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق توہین رسالت کی دفعہ 295-C کے تحت 1986 سے لے کے 2004 تک پاکستان میں رجسٹرڈ کیسوں کی تعداد 5000 سے زائد ہے۔ 5000 افراد جن کے خلاف توہین رسالت کے کیسز رجسٹر ہوئے، ان میں سے صرف 964 افراد کے کیس عدالتوں میں پہنچے، 4036 کیسز ابتدائی اسٹیج پر ہی جعلی ثابت ہونے پر خارج کر دیئے گئے، سب سے زیادہ حیران کن امر یہ ہے، کہ 86٪ فیصد کیسز صرف پنجاب میں رجسٹر ہوئے، یعنی 5000 میں سے 4300 کیسز! مزید یہ کہ جن 964 افراد کے کیس عدالتوں میں گئے، ان میں سے بھی 92٪ فیصد کیسز کا تعلق پنجاب سے تھا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ توہین رسالت کے جھوٹے مقدمات کے پیچھے بعض ایسی سماجی عوامل اور سماجی رویے کار فرما ہیں جو شاید پنجاب سے مخصوص ہیں۔ پنجاب میں ان واقعات کی کثرت کی وجہ زمین پر قبضے، ذاتی دشمنی اور رنجشیں ہیں۔ مسلمان افراد دوسرے مسلمان اور غیر مسلم افراد کے خلاف توہین رسالت کے جھوٹے مقدمات قائم کرکے اپنے ذاتی مذموم مقاصد پورے کرتے ہیں۔ اپنے مخالف پر توہینِ رسالت کا الزام سب سے آسان اور تیر بہدف ثابت ہوتا ہے۔ عوامی حمایت ایک لحظہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک بار الزام لگ جائے تو پھر ملزم لاکھ یقین دلاتا رہے کہ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا مگر عوام کا غیظ وغضب اس کا تیاپانچہ کرنے پر تل جاتا ہے، پولیس اور عدالت پر ہر طرح سے دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ کہ سزا پھانسی سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی معافی کی گنجائش ہی نہیں قانون میں۔ مزید یہ کہ ملزم اگر عدالت سے بری ہو بھی جائے، تب بھی عوام اسے یا تو مار ڈالتی ہے اور اگر مارا نہ بھی جائے تو معاشرے میں اس کی سماجی حیثیت کی بحالی ممکن نہیں رہتی، حالانکہ بری کرنے والی عدالت بھی مسلمان جج کی ہوتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ توہین رسالت کا اصل جرم توہین کے جھوٹے مقدمات بنانے والوں پر ثابت ہوتا ہے، جو توہین کے الفاظ خود اپنی طرف سے بناتے ہیں۔ یقیناً یہ بڑی قبیح جسارت ہے۔ مگر ہمارا قانون جھوٹا مقدمہ کرنے والے کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں کرتا۔ اگر قانون یہ بنا دیا جائے کہ توہین رسالت کا جھوٹا مقدمہ کرنے والے کو توہین رسالت کے قانون میں دھر لیا جائے گا تو جھوٹے مقدمات میں خاطر خواہ کمی آسکتی ہے۔

توہین رسالت کا صدور کسی صحیح الدماغ آدمی سے ممکن نہیں۔ پاکستان میں توہین رسالت کے موجودہ سخت قانون، جس میں توبہ کی گنجائش بھی نہیں اور اس سے بڑھ کر اس معاملے میں عوام کی دیوانگی کی حدوں کو چھوتی ہوئی جذباتیت، جو محض الزام پر ہی نہایت خوفناک نتائج پیدا کر دیتی ہے، ان سب کی موجودگی میں کوئی شخص بالفرض توہین مذہب یا توہین رسالت کرنے کا ارادہ رکھتا بھی ہو تو باہوش و حواس تو ایسا کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ دین یا رسول اللہ ﷺ پر سنجیدہ علمی تنقید چاہے، ہماری طبع پر کتنی ہی گراں گذرے، گستاخی کے زمرے میں نہیں آتی۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ کاموں پر سب سے پہلی تنقید کرنے والے خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کی تنقیدی آراء کو گستاخی تو کجا ان کی تائید میں وحی نازل ہوتی رہی۔ سر ولیم میور نے اپنی کتاب 'لائف آف محمد' میں رسول اللہ ﷺ پر تنقید کی لیکن کسی نے ولیم میور کو گستاخ رسول قرار نہیں دیا۔ سر سید نے اس کا جواب 'خطبات احمدیہ' کی صورت میں لکھا، لیکن کوئی فتویٰ ولیم میور پر نہیں لگایا۔ افسوس کا مقام ہے کہ علمی حلقوں میں بھی اب وہ وسعت نظری نہیں رہی کہ تنقید اور گستاخی کا فرق سمجھ

سکیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ماضی قریب تک یہ علمی بلوغت نظر آتی ہے، جہاں تنقید کے جواب میں تنقید لکھی جاتی تھی، ڈنڈے جوتے اٹھا کر سڑک پر آکر گلے نہیں پھاڑے جاتے تھے۔

بہر حال، معاشرے اور قانون کی طرف سے اگر اتنے خوفناک نتائج کے باوجود کوئی توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے، جیسا کہ چند مقدمات میں ایسا ثابت ہوتا ہے، تو سزا کے نفاذ کے علاوہ اس رویے کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ایسا آخر ہوا کیوں؟ رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات کو ہدف گستاخی بنانے کی وجہ اور ضرورت کیوں پیش آگئی اور وہ بھی اپنی جان پر کھیل کر؟

ہم سمجھتے ہیں کہ توہین رسالت جہاں در حقیقت ہوتی بھی ہے تو اس کی وجہ وہ رد عمل، جبر، امتیازی سلوک اور نفرت ہے جو اس معاشرے کی مسلم اکثریت اپنے جاہلانہ رویوں کی بنا پر غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اسلام کے نام پر روا رکھے ہوئے ہے۔ انہیں اچھوت اور ناپاک سمجھا جاتا ہے، عوام کے ایک طبقے میں ان کے ساتھ ہاتھ ملانا بھی مکروہ سمجھا جاتا ہے، ان کے ساتھ کھانا پینا تو دور کی بات ان کے کھانے پینے کے برتن الگ رکھے جاتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں معاشرتی دباؤ ڈال کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اور انکار پر حقارت آمیز طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ جو زیادتیاں غیر مسلموں کے غریب ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوتی ہیں، جو ہمارے معاشرے کا عمومی رویہ ہے، وہ بھی مذہبی زیادتی کے زمرے میں شمار ہو جاتی ہیں۔ میں نے بطور استاد جس تعلیمی ادارے میں بھی پڑھایا وہاں مجھ سے میرے طلبہ نے یہ سوال پوچھا گیا کہ کیا غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے، ان کے ساتھ کھانا کھایا جا سکتا ہے۔ یہ شہری تعلیمی اداروں کا حال ہے۔ اندازہ کیجیے کہ دیہی علاقوں کا کیا حال ہو گا، جو وقتاً فوقتاً مختلف واقعات کی صورت میں ہمارے سامنے آتا رہتا ہے۔ تعلیم ملازمت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات میں غیر مسلموں سے امتیازی سلوک عام ہے۔ ان کی بستیاں اور قبرستان تک الگ بسائے جاتے ہیں۔ خاکروب اور نچلی سطح کے کام ان کے ساتھ مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ ان کے مخصوص نام رکھ کر حقارت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

یہ تمام جہالت اسلام کے نام پر کی جاتی ہے۔ اور پھر اس کو نبی کریم ﷺ کے عشق کا تقاضا بھی سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ اب ذرا سوچیے کہ رسول اللہ ﷺ کے نام پر اس نفرت اور حقارت آمیز رویے کے بعد ایک غیر مسلم کے ذہن میں اسلام اور نبی کریم ﷺ کا کیا تاثر بنتا ہے؟ ایک مثال لیجیے۔ ایک مغرور بد تمیز آدمی اپنے غرور اور بد تمیزی کو بڑے فخر سے اپنے والد اور خاندانی روایات کی طرف منسوب کرے تو اس کے خاندان اور والد کے بارے میں ہمارا کیا تاثر بنے گا؟ چاہے اس کا والد نیک نفس شخص ہی کیوں نہ ہو، لیکن ہمارے سامنے جو تاثر آئے گا ہم تو اس کے مطابق ہی سوچیں

گے کہ یہ تمیز سکھائی ہے اس کو اس کے والد نے! اسی طرح جب ایک غیر مسلم، اسلام اور رسول اللہ ﷺ نام پر مسلمانوں کی طرف سے مسلسل امتیازی سلوک، حقارت آمیز رویے اور ظلم و ستم سے تنگ آکر دین کے اس منفی مظہر پر کوئی رد عمل ظاہر کر دیتا ہے تو توہین رسالت کا مرتکب قرار پاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہماری ان حرکتوں اور رویوں کے بعد غیر مسلم کے ذہن میں نبی پاک ﷺ کا جو منفی تاثر پیدا ہوتا ہے اس تاثر کے پیدا کرنے والے مسلمان کیا توہین رسالت کے مرتکب قرار نہیں پاتے؟ ان کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ اس کے بعد پھر ذرا سوچیے، بھلا ایسا کون سا غیر مسلم ہو گا جس کو نبی کریم ﷺ کے نام لیواؤں سے وہ عزت واحترام اور حقوق مل رہے ہوں جو نبی کریم ﷺ خود غیر مسلموں کو دیا کرتے تھے اور وہ پھر بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے؟ اگر اس کے باوجود کرے تو یقیناً سزا کا مستحق بنتا ہے۔

ہمارے مولویوں نے جتنی محنت نبی کریم کی محبت کی دیوانگی لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے میں لگائی ہے، اتنی ہی محنت اگر وہ لوگوں میں اخلاقِ نبوی کی تربیت اور ترویج کے لیے بھی کرتے تو ایسی صورت حال پیدا ہی نہ ہوتی، جس سے آج پاکستانی معاشرہ دوچار ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نام لیوا سود کا ایک روپیہ چھوڑنے کو تیار نہیں، لیکن ان کے نام پر کسی کو بھی قتل کرنے کو تیار ہیں۔ دودھ اور دوائیوں میں ملاوٹ کرنے والے میلاد کی محفلیں سجانے میں پیش پیش ہوتے ہیں، بھائی بہنوں کی جائیداد دبا لینے والے نعت شریف کی محفلیں لگاتے ہیں، نعتیں سن کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور آبدیدہ ہونے کے بعد بھی زمین کا قبضہ نہیں چھوڑتے۔ نعرہ رسالت کے آگے پیچھے (نعوذ باللہ) بلا تکلف گالیاں نکالتے ہیں۔ سوچیے کہ ایک غیر مسلم ان مظاہر کے بعد اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا کیا تاثر لے گا۔ کس کے پاس اتنا وقت اور سمجھ ہے کہ خود قرآن یا سیرت رسول پڑھ کر پڑھ کر معلوم کرے کہ ان غافل مسلمانوں کے نبی ﷺ کتنے عظیم تھے۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے: "خبر دار! جس نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کمی کی یا اسے کوئی ایسا کام دیا جو اس کی طاقت سے باہر ہو یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔" (ابو داؤد)

اب جو لوگ غیر مسلموں پر رسولِ پاک ﷺ کے نام اور ان کی شفاعت کے بھروسے پر بلاجواز زیادتیاں کر رہے ہیں، بلا تحقیق قتل کر رہے، قیامت کے دن دیکھیں گے کہ خود رسول اللہ ﷺ خدا کی عدالت میں ان ظالم

مسلمان کے خلاف ان مظلوم غیر مسلموں کا مقدمہ لڑیں گے۔ اور جس کے خلاف خود اللہ کا رسول کھڑا ہو جائے اس بدبخت کی تباہی میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

عالمی سطح پر توہین رسالت کی وجہ اسلام کا وہ سیاسی تصور ہے جو پوری دنیا پر طاقت کے بل بوتے پر مسلم حکمرانی کو ہر مسلمان کا مقصد اور اسلام کو بنیادی پیغام گردانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب عالمی سطح پر آزادی کو بنیادی انسانی حق تسلیم کر لیا گیا ہے تو پھر کسی قوم کا یہ مقصدِ حیات کہ اس نے پوری دنیا کو محکوم بنانا ہے دوسروں کے لیے کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہ نظریہ اگر مولانا مودودی کے نام سے پھیلایا جائے تو لوگ ان کو برا بھلا کہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے نام سے فروغ دیں تو لوگ انجانے میں ان کی توہین کریں گے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس نظریہ کے حاملین کے عملی مظاہر اگر داعش کی صورت میں سامنے آئیں تو تحقیق کرنے سے پہلے ہی عوام سخت رد عمل میں آکر اس دین اور اس کے لانے والے کو برا کہنے لگتے ہیں، جو ایسی تعلیمات یا ایسی تربیت کرتا ہے۔

اسلام کے بارے میں غیروں اور اپنوں کا منفی پراپیگنڈا بھی اس کا سبب ہے۔ مثلاً، اسلام کے عورتوں کے بارے میں احکامات کو عجیب رنگ میں پیش کیا جاتا ہے جو بادی النظر میں بہت دقیانوسی لگتا ہے، اس دقیانوسیت پر مہر تصدیق اس وقت ثبت ہو جاتی ہے جب کچھ مسلم ممالک میں اس پر پوری دقیانوسیت کے ساتھ عمل بھی نظر آتا ہے، جہاں عورت کو کسی جانور سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی۔ اس سب کا رد عمل اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نکلتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ رد عمل نبی کریم کی حقیقی ذات کے خلاف نہیں بلکہ اس تصور کے خلاف ہے جو ان کے سامنے اسلام کی غلط ترجمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسروں کو الزام دینے اور اس الزام پر ان کو سزا دینے سے پہلے ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک لینا چاہیے کہ کہیں ہم ہی اپنے عظیم نبی ﷺ کی توہین کے ذمہ دار ہم خود تو نہیں؟

امتی باعث رسوائی پیمبر ہیں۔

("لالٹین"، 15 مئی 2016)

پاکستان میں الحاد کے فروغ کی وجوہ

علی رضا

ہمیں اب اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہئے کہ ہمارے معاشرے میں الحاد (Atheism) اور اس سے منسلک رویے یعنی تشکیک(skepticism) یالاادریت(Agnosticism) بڑھ رہے ہیں۔ میری جب بھی مختلف شعبہ حیات کے پڑھے لکھے نوجوانوں سے بات چیت ہوتی ہے، تو یہ احساس بہت پختہ ہو جاتا ہے، کہ وہ رائج مذہبی و سماجی فکر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشرے سے مایوس ہیں۔ اور مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ یہ فکر فرد کو انفرادی آزادی و خوشی دینے میں ناکام ہورہی ہے۔ اجتماعی سطح پر بھی کوئی مادی و اخلاقی مقام ہمیں حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی مستقبل میں اس کا امکان نظر آتا ہے۔یہی مایوسی انہیں متبادل نظام فکر کی طرف مائل کررہی ہے۔ ایسی فکر جو شخصی و معاشرتی آزادی دے اور جو دنیامیں نتائج پیدا کرے صرف خواب نہ دکھائے۔ الحاد کے علمی و فکری پہلوؤں پر اہل علم بات کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ بقول ایک فلسفی جس دن یہ ثابت ہو گیا کہ خدا نہیں ہے تو یہ بہت بڑی دریافت ہو گی۔ اور اگر یہ ثابت ہو گیا کہ خدا ہے تو یہ اس سے بھی بڑی دریافت ہو گی۔ میرا موضوع الحاد کی مخالفت یا اس کے حق میں دلیلیں دینا نہیں ہے۔ اور نہ ہی معاشرے پر اس کے اچھے برے اثرات ک بارے میں لکھنا ہے۔ میری دلچسپی اس امر میں ہے کہ کس طرح کے لوگ اس طرف مائل ہورہے ہیں اور کس فکری اور سماجی سفر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے۔

تو اسی تلاش میں کئی کتابیں، فیس بک پیجز، گروپس، ویب سائٹس، بلاگز اور یوٹیوب چینلز، اور ڈاکومینٹریز دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ یہ لوگ شاید کسی فلسفیانہ پس منظر سے تعلق رکھتے ہوں گے یا ایلیٹ کلاس سے جن کا مذہب سے تعلق بہت ہی ثانوی سا ہوتا ہے۔ لیکن میری توقعات کے برعکس اکثر ملحدین بہت ہی مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا مذہبی علم ایک عام مسلمان سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی باتیں پڑھ اور سن کر مجھے دیوبند کے مشہور عالم عبدالماجد دریا آبادی یاد آ گئے جنہوں نے جوانی میں گیارہ سال ایک ملحد کے طور پر گذارے۔ اسی طرح مشہور عالم دین جاوید غامدی صاحب نے ایک گفتگو میں ذکر کیا کہ پورے دین کو پڑھنے کے بعد جوانی میں وہ ایک مدت تک فکری ارتداد کا شکار رہے تھے۔ خیر موجودہ ملحدین کا پس منظر مڈل کلاس، روایتی دینی تعلیم، درس نظامی، اور مطالعہ پاکستان

سے اٹھا ہے۔ یہ کسی بھی طرح سے ایک عام پاکستانی سے مختلف نہیں تھے۔ اور انہوں نے عمر کا ایک طویل حصہ انھی باتوں کو سچ مانتے اور ان پر عمل کرتے گذارا جن پر سب لوگ عمل کر رہے ہیں۔ لیکن ان سب لوگوں میں ایک بات مشترک ہے، یہ تھوڑے تجسس پسند واقع ہوئے ہیں۔ اور یہی تجسس انھیں نئی نئی معلومات کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور انٹرنیٹ نے کتابوں، فلموں، بلاگز، اور فیس بک گروپس کی شکل کی یہ چیز بہت آسان کر دی ہے۔ اب اس نئے علم نے ان کے ساتھ کیا کیا، اس کی کہانی یہ ہے۔

زندگی بہت سکون سے گذر رہی تھی، کسی قسم کی فکری الجھن نہیں تھی، مذہب کے بارے میں وہی باتیں سچ تھیں جو اپنی مذہبی علماء نے بتائی تھیں، اور انھی باتوں کی روشنی میں مذہبی کتابوں کو بھی پڑھتے تھے۔ ہر شعبہ زندگی کو مذہب کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت تھی۔ مغربی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کے باوجود مغربی سائنس و فلسفہ کو برا بھلا کہنا ایک مشغلہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے سائنس، فلسفہ، تاریخ، مذہب، اور ادب کا مطالعہ آزادانہ طور کر کرنا شروع کیا تو کچھ عجیب سے انکشافات ہونا شروع ہوئے۔ نئی نئی باتیں اور پرانی چیزوں کے نئے زاویے سامنے آنے لگے۔ ادب کے مطالعہ سے زندگی کی بے مقصدیت اور جذبات و احساسات کا تنوع سامنے آنے لگا۔ اور معلوم ہوا کہ مذہب کے مقابلے میں ادب بھی زندگی کے بارے میں کچھ مضبوط مقدمات پیش کرتا ہے۔ سائنس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ سچ کو جاننے اور پرکھنے کے طریقے کیا ہیں۔ اب کائنات کی پیدائش، اور دنیا میں زندگی کے آغاز پر ایسی باتیں پتہ چلیں جو ہلا دینے والی تھیں۔ ڈارون جس کا مذاق اڑاتے تھے، پتا چلا وہ تو صحیح کہہ رہا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ ہمیں تو آج تک حکمرانوں نے صرف کہانیاں سنا کر بیوقوف بنایا ہے۔ سب سے کاری ضرب فلسفہ نے لگائی اور یہ سکھایا کہ بات پرکھنا کیسے ہے۔ کیسے پتہ چلے گا کہ کیا سچ اور کیا جھوٹ ہے۔

تشکیک کی اس منزل پر یہ نہ تو اپنا مذہب چھوڑ سکتے تھے اور نہ ہی اسے پہلے جیسی عقیدت سے اپنا سکتے تھے۔ یہ اپنی الجھنیں لے کر روایتی استادوں، علماء، صوفیوں وغیرہ کے پاس گئے۔ ان کا رویہ کچھ زیادہ ہمدردانہ نہیں تھا۔ اول تو ان کے اوپر ملحد کا الزام لگا کر بھگا دیا جاتا، یا کہا جاتا کہ ایسے سوالوں پر غور نہ کرنا ہی بہتر ہے، یا انہیں پڑھنے کے لیے پرانے علماء کی کتابیں پکڑا دی جاتیں۔ ان پرانے علماء کی کتابیں اگر عقیدت سے پڑھی جائیں تو ہی فائدہ دیتی ہیں اور اگر تشکیک کے ساتھ پڑھی جائیں تو مایوسی ہوتی ہے۔ ایک طرف تو ان کے سوالوں ک جوابات نہیں مل رہے تھے تو دوسری طرف مخالفین کے مذہبی فکر، اسلاف مذہب، اور مذہبی معاشرت پر اعتراضات کا ایک دفتر جمع ہو گیا تھا۔ نقلی کے بجائے عقلی دلائل کی ضرورت تھی، جو ناپید تھے۔ اول تو عقلی بات کرنے والے مذہبی لوگ بہت کم تھے اور اگر تھے بھی تو انھیں

اکثر عوام تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اور عقلی بات اگر کی بھی جاتی تھی تو صرف نقلی بات کو ثابت کرنے کے لیے۔ اور جذباتیت کا ایک سیلاب ہے جو آیا ہوا ہے، ہر شخص مذہب ہی بات کرتے ایسا جذباتی ہو جاتا ہے کہ بس قتل کرے گا یا قتل ہو گا۔

جو لوگ مغرب میں چلے گئے انھوں نے تو علی الاعلان دہریت اپنالی۔ جو یہاں رہ گئے وہ سماجی طور پر تنہا محسوس کرتے ہیں۔ اپنے شکوک کا اظہار بھی کسی کے سامنے نہیں کر پاتے کہ سماجی نتائج بہت سخت ہیں۔ کچھ ملحدین کو بہت شدید غصہ ہے کہ روائتی مذہبی اور سماجی اداروں نے انھیں ہمیشہ دھوکہ دیا ہے اور ان کی آزادی اور خوشی کو دبا کر رکھا یا گیا ہے۔ ایسے لوگ اپنی اصل شناخت چھپا کر انٹرنیٹ پر مذہبی افکار و اسلاف کو تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں اور عموما ان کے اعتراضات وہی ہوتے ہیں جو مغربی ملحدین، مستشرقین یا عیسائی مبلغین لگاتے ہیں۔ اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ چند لوگوں کے سوا زیادہ تر ملحدین اپنا مؤقف ثابت کرنے لے لیے بالکل مولویوں جیسا رویہ اپناتے ہیں۔ فضول کا بحث مباحثہ، جذباتی باتیں، مخالفین کی تذلیل، مغرب کی اچھائیاں۔ ایسا لگتا ہے کہ الحاد بھی ان کی قومی فطرت نہیں بدل سکا۔

الحاد کے پھیلاؤ میں ٹیکنالوجی کا رول بہت اہم ہے۔ ٹیکنالوجی اور ذہن کا اشتراک ایک منفرد ذہن اور شخصیت پیدا کر رہا ہے۔ اول تو یہ تاثر عام ہو گیا ہے کہ سارا علم انٹرنیٹ پر موجود ہے اور علم کی اس بہتات اور تیزی نے تجزیے اور گہری فکر کے مواقع محدود کر دیے ہیں۔ اب کسی بات کے سچ یا جھوٹ جاننے کے لیے وقت بہت محدود ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو معلومات زیادہ میسر اور مقبول ہے، وہی ٹھیک ہے۔ یہ صورت حال مذہبی و الحادی فکر دونوں کے پھیلاؤ میں کارا ٓمد ہو رہی ہے۔ اسی طرح سوشل میڈیا نے اجتماعی رائے سازی کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ ابھی تک تو الحاد نے کچھ جگہ بنائی ہے لیکن یہ کتنا پھیلے گا، اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔

(''لالٹین''، 16 اکتوبر 2016)

ناروے اور سابقہ مسلمان

خالد تھتھال

ایک اندازے کے مطابق دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب ہے، یعنی اس کرہ ارض پر ہر چوتھا انسان مسلمان ہے اور یوں اس وقت اسلام دنیا کو دوسرا بڑا مذہب ہے، اور جس رفتار سے مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے، وہ دن دور نہیں کہ اسلام اس دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔

اسلام کے اس پھیلاؤ سے انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمانوں کی زندگی پر کس قدر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اس کی تفصیل کبھی پتہ نہیں چل سکی لیکن پھر بھی یہ خوش کن دعویٰ ہماری مذہبی نرگسیت کی آبیاری میں بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے، اور اسی لئے جب ہم اسلام کے پھیلاؤ کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اسلام کے ہر اس فرقہ کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں، جو ریاست یا کسی دوسرے فرقے کے نزدیک کافر ہیں۔

اسلام کے مخالفین اور سابقہ مسلمانوں کے نزدیک اس "پھیلاؤ" کا راز مسلمان خواتین کی زرخیزی میں پنہاں ہے۔ ہر مسلمان ملک میں بے ہنگم انداز سے آبادی بڑھ رہی ہے، جس کی بنیاد میں یہ عقیدہ کام کر رہا ہے کہ اللہ رازق ہے جو پتھر میں کیڑے کو بھی رزق عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کے رزق کا وعدہ کیا ہوا ہے وغیرہ۔

مسلمانوں کی بڑھتی آبادی کے دفاع میں اس قسم کے فقرات بھی سننے کو ملتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ایک منہ اور دو ہاتھ دیئے ہیں۔ اور یوں اسلام ہر مسلمان ملک میں دھڑا دھڑ پھیلتا جا رہا ہے۔ اسلام کے اس بے ہنگم انداز میں پھیلنے کی مثال پاکستان کو ہی لے لیں، 1971 میں موجودہ پاکستان کی آبادی ساڑھے پانچ کروڑ تھی جو اس وقت بیس کروڑ ہو چکی ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ پچھلے چوالیس سال میں اسلام پاکستان کے اندر چوگنا پھیل چکا ہے، اور یہی حال دوسرے مسلمان ممالک کا ہے۔

اسلام کے مغربی ممالک میں بھی پھیلنے کے دعوے بھی اکثر سنے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات اس موضوع پر بھی کچھ نہ کچھ پڑھنے کو مل جاتا ہے، جن میں کسی غیر مسلمان کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہوتا ہے۔ یہاں بھی ملحدین وہی دلیل استعمال کرتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہے، مغرب میں بھی اسلام پھیلنے کی وجہ مسلمان خواتین کا بہت زیادہ بچے جننا ہے۔

کیونکہ مغربی ممالک میں موجود راہنماؤں کے نزدیک عبد الرحمٰن غافقی کی فرانس میں شکست کے بعد یورپ میں اسلام کا پھیلاؤ جو رک گیا تھا، اس کا ازالہ کرنے کا موقع مسلمانوں کو دوبارہ ملا ہے۔ لیکن اس بار جنگ تلوار سے نہیں بلکہ کثرت سے ہو گی۔

اس عظیم مقصد کے حصول کی خاطر مسلمان خواتین مغربی ممالک میں اتنے بچے جنیں کہ مقامی آبادی اقلیت میں تبدیل ہو جائے اور یوں بغیر کسی خون خرابے کے مغربی ممالک مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔ معمر قذافی اور اخوان المسلمین اسی قسم کے جذبات کا اظہار کر چکی ہے۔ برسلز میں پچھلے کئی سالوں سے نو مولود بچوں کا رکھا جانے والا سب سے مقبول نام محمد ہے، برطانیہ کے کچھ علاقوں سے بھی ایسی ہی خبریں ہیں۔

بلجیم میں مراکش سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہاں شریعت برائے بلجیم نامی تنظیم کے بقول یورپ میں شریعت کے تحت آنے والا سب سے پہلا ملک بلجیم ہو گا۔ اور یہ عظیم مقصد 2040 تک حاصل کر لیا جائے گا اور مقامی باشندے خواہ جتنی بھی کوشش کر لیں وہ اسے ہونی کو روک نہیں سکتے۔

اخوان المسلمین کے نزدیک جمہوریت ایک شیطانی ایجاد ہے اور اسی شیطانی ایجاد سے مغرب میں اسلام کا بول بالا ہو گا۔ مسلمان خواتین کی زرخیزی تو سمجھ آتی ہے لیکن جہاں تک اسلام قبول کرنے والے مغربی باشندوں کا تعلق ہے، ملحدین کے نزدیک ان میں ننانوے فیصد ایسی خواتین ہوتی ہیں جو کسی مسلمان مرد سے شادی کی خاطر اپنا مذہب تبدیل کرتی ہیں۔ اگر کسی من پسند فرد سے شادی میں مذہب کی دیوار حائل ہے تو اسے توہٹانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

میرے ایک آدھ جاننے والے ایسا کر چکے ہیں، کسی مولوی کے پیچھے ایسے الفاظ دوہرانے جن کا مطلب مغربی باشندوں کو پتہ نہیں ہوتا، اس سے نکاح ہو جاتا ہے اور اسی وقت کوئی "اسلامی" نام بھی طے کر دیا جاتا ہے جو صرف گھر کے اندر ہی استعمال ہوتا ہے، سرکاری دفتر میں اس کا اندراج نہیں ہوتا۔ لیکن شوہر انہیں پھر بھی عائشہ و فاطمہ پکارنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک کے نامور وکیل اور پیپلز پارٹی کے سیاستدان اعتزاز احسن کی صاحبزادی نے ایک نارویجن مرد کو اسلام قبول کروانے کے بعد اس سے شادی کی۔ لیکن اسلام کے اس انداز کے پھیلاؤ سے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ چونکہ اس کی بنیاد شادی ہوتی ہے لہٰذا شادی ختم ہونے کے ساتھ ہی اسلام میں ایک رکن کی کمی ہو جاتی ہے۔ جمائما خان اس سلسلہ میں نمایاں مثال ہے۔

اسلام کے اس پھیلاؤ سے قطع نظر ایک اور چیز جسے بہت شدت سے نظر انداز کیا جا رہا ہے، وہ فتنہ ارتداد ہے، مسلمان ممالک اور مغربی ممالک میں مسلمان اپنے دین سے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ یوسف القرضاوی نے ایک مصری اخبار کو انٹرویو میں ارتداد کی سزا موت کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا" اگر ارتداد کی سزا ختم کر دی جاتی تو اسلام کا آج وجود نہ ہوتا بلکہ پیغمبر صلیٰ اللہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی اسلام کا خاتمہ ہو جاتا۔ ارتداد کے روکنے کی وجہ سے ہی آج اسلام موجود ہے"۔

یوسف القرضاوی ایک چیز کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں کہ پرانے وقتوں میں جو مذہبی علم صرف مذہبی علما تک ہی محدود تھا آج انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے توسط وہ ہر کس و ناکس کی پہنچ میں آ گیا ہے۔ ایک فقرہ لکھ کر کلک کریں اور آپ کے سامنے اس موضوع پر معلومات کا ایک جہاں کھل جائے گا۔ انٹرنیٹ کی وجہ سے ہی آج ملحدین دعویٰ کر رہے ہیں کہ اگر اسلام سیکھنا ہے تو ہم سے سیکھو کیونکہ ہم نے قران ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے، تفسیر، حدیث اور سیرت کی کتابیں پڑھی ہیں اور اسی وجہ سے ہم نے اسلام کو چھوڑا ہے۔

پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک میں تو موت کی سزا اور معاشری مقاطعہ کے ڈر سے ارتداد کی تحریک زیر زمین چل رہی ہے، لیکن مغربی ممالک جہاں خوف کی فضا مقابلتاً کم ہے۔ وہاں سابقہ مسلمان سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں، اور یہ صرف آغاز ہے۔ اس سلسلہ میں ناروے کے معتبر ترین اخبار آفتن پوستن میں آج ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

انیتا فرزانہ

انیتا فرزانہ کا تعلق ایران سے ہے، انقلاب ایران کے وقت ان کی عمر سات سال تھی، انہوں نے پرائمری سکول سے عربی سیکھنے کے علاوہ قرآن کی تعلیم شروع کی جو یونیورسٹی تک جاری رہی۔ انیتا کی ایک سہیلی اسلامی ایران کے طے کر لباس نہ پہننے کی وجہ سے زنا بالجبر کی شکار ہوئی، حاملہ ہو جانے کی وجہ سے اس نے خودکشی کر لی، انیتا نے اس زیادتی کے خلاف آواز اٹھانے کیلئے اسلام کو ہی ہتھیار بنایا اور مہم شروع کی کہ اسلام جو حقوق خواتین کو دیتا ہے، ایران میں خواتین کو وہ اسلامی حقوق حاصل نہیں۔

اس مہم کے نتیجہ میں انیتا کو گرفتار کر لیا گیا۔ انیتا بیس سال کی عمر میں ایک پناہ گزین کے طور پر ناروے آئیں۔
انیتا کے نزدیک مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ انیتا ٹرام میں بیٹھی ہوتی ہیں، پیچھے سے ایک باریش صاحب کی اسلام علیکم کی آواز سنائی دیتی ہے۔ انیتا جواب میں ہیلو کہتی ہے، باریش صاحب تھوڑی دیر بعد پوچھتے ہیں " کیا تم مسلمان نہیں ہو"

جواب نفی میں ملنے کے باوجود موصوف پوچھتے ہیں، "تم نے اتنا چھوٹا سکرٹ کیوں پہنا ہوا ہے"، جواب میں انیتا کہتی ہے "میری مرضی"۔ باریش صاحب غصے سے آگ بگولہ کہتے ہیں" تم ایک کافر اور کنجری ہو، تم اس ملک میں شراب اور فری سیکس کے لئے آئی ہو"۔

جمال کنودسین یوجلیم

جمال اپنے تعلیم کے زمانے میں اسلام پسند تنظیم رفاہ کے رکن تھے، ان کے اسلام چھوڑنے کی سب سے بڑی وجہ ان کی ماں کے حالات زندگی ہیں جس کے لئے جمال غلامی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جمال کی ماں اسکول نہیں جاسکی، اس کی شادی بھی اس کی مرضی سے نہیں ہوئی، اس نے زندگی اپنے گھر کے مرد حضرات کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے بات نہیں کی، وہ اپنے اوپر ہونے والی ہر زیادتی کو یہ سمجھ کر برداشت کرتی رہی کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک امتحان ہے۔ جمال کی ماں نے کبھی ٹی وی نہیں دیکھا، کیونکہ اسے کم عمری میں امام نے بتایا تھا کہ ٹی وی ایک شیطانی مشین ہے جس سے غیر مردوں کی ننگی تصویر نظر آتی ہیں اور پھر رحمت کے فرشتے ایسے گھر کا رخ نہیں کرتے۔ جمال کے نزدیک خواتین کے استحصال کو روایات اور ثقافت کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ استحصال ہر مسلمان ملک میں پایا جاتا ہے۔

جمال کی ماں کی شدید خواہش ہے کہ وہ حج پر پر جائے لیکن جمال باوجود پیسے ہونے کے حج کے لئے ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس کے بقول اگر اس کی ماں ہوائی یا کسی اور ملک میں سیر سپاٹے کے لئے جانا چاہے تو وہ ضرور اس کے تمام اخراجات دے گا لیکن حج پر پیسے ضائع کرنے کو بالکل تیار نہیں۔ جمال کے بقول اس نے ایک بار امام مسجد سے اسلام میں مردوں اور عورتوں کے متعلق برابری نہ ہونے کا پوچھا تھا لیکن امام صاحب نے اسے یہ کہہ کر چپ کروادیا کہ اسے ایسے سوال نہیں پوچھنے چاہئیں، کیونکہ اس سے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

جمال کو رسول کریم کی حضرت عائشہ سے چھ سال کی عمر میں شادی سے بھی مسئلہ ہے، ان کے نزدیک یہ مسلمانوں کا دوہرا معیار ہے کہ وہ سعودی عرب کے کٹر وہابی اسلام اور داعش کے ظلم و ستم کی تو مذمت کرتے ہیں لیکن اس قتل و غارت کے سوتے جہاں سے پھوٹتے ہیں وہاں وہ خاموش رہتے ہیں۔ جمال کو زیادہ حیرانی مغربی ممالک میں اسلام کی اس شکل سے ہے جو انہوں نے ترکی جیسے اسلامی ملک میں بھی نہیں دیکھی۔ ان کے بقول انہوں نے ناروے آنے سے پہلے کبھی کسی مسلمان کمسن بچی کو حجاب پہنے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی نو دس سالہ بچیوں کی لڑکوں سے کھیلنے کی ممانعت سنی تھی۔

شکیل رحمٰن

شکیل رحمٰن شکیل رحمٰن ایک پاکستانی نژاد نارویجن ہیں۔ ان کا تعلق کراچی سے ہے بچپن میں ناروے آئے اور تمام مسلمانوں کی طرح قرآن کی تعلیم بچپن میں ہی حاصل کی۔ شکیل رحمٰن نے نسل پرستی کے خلاف جدوجہد کے دوران محسوس کیا کہ ہم انسانی برابری اور یکساں حقوق کی جدوجہد کر رہے ہیں، لیکن ہمارے اپنے مذہب میں برابری کا تصور مفقود ہے۔ انہیں دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں مسلمانوں کے خیالات، ہم جنس پرستوں اور خواتین کے حقوق کے معاملہ پر اپنے عقیدے کا دفاع بہت مشکل لگا۔

شکیل کو سمجھ نہیں آسکی کہ شادی سے پہلے دو بالغ انسان اپنی مرضی سے جنسی عمل کیوں نہیں کر سکتے۔ اس کی سزا کوڑے اور سنگساری ہے، جب کہ کسی کی بہن یا بیٹی جو جنگ کے نتیجے میں ہاتھ لگ جائے اس سے مسلمانوں کو زنا بالجبر کی بھی اجازت ہے، یہ ایسے سوال تھے جن کے نتیجے میں شکیل اگناسٹک ہو گئے، وہ مذہبی کتابوں میں موجود خدا کو نہیں مانتے اور اس کی بجائے انتظار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جب سائنس اس مسئلہ پر کوئی فیصلہ صادر کر سکے۔

شکیل کو اپنے خیالات کی وجہ سے قتل کی دھمکی نہیں ملی لیکن وہ کچھ ایسے حضرات کو ضرور جانتے ہیں جو اس نوعیت کی دھمکیوں کا سامنا کر چکے ہیں۔ شکیل کو قتل کی بجائے، غدار، کافر اور ناریل ہونے کا طعنہ مل چکا ہے۔ یورپ میں ناریل سے مراد ایک ایسا آدمی ہوتا جو مقامی باشندہ نہ ہونے کے باوجود مقامی باشندوں جیسے خیالات رکھتا ہو، یعنی باہر سے کالا اور اندر سے سفید رنگت کا حامل ہو۔ ہمارے ہاں اس لفظ کا متبادل کالا صاحب ہے۔ اس کے باوجود شکیل پُر امید ہیں کہ اب وقت آن پہنچا ہے کہ اسلامی پس منظر سے تعلق رکھنے والے بھی کھل کر مذہب پر اپنی تنقیدی سوچوں کا اظہار کر سکیں۔

محمد راہ

محمد راہ سولہ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ ناروے آئے، ان وقتوں میں وہ جہاں تک ممکن ہوا مسجد جاتے تھے۔ انہوں نے اس عمر میں بھی نوٹ کیا کہ مسجد میں جب بھی دوسرے مذاہب پر گفتگو ہوتی، انہیں یہی سننے کو ملتا کہ اسلام کیسے دوسرے مذاہب سے افضل ہے۔

”تب مجھے مذہب پر سختی سے کاربند نہ ہونے والوں پر ترس آنے کے علاوہ ان سے نفرت بھی ہوتی تھی۔ انہی دنوں میرے سسرالی رشتہ داروں کے ایک کرد فلسفی دوست ہمارے گھر آئے جو مذہبی عالم بھی تھے انہوں نے امام بننے

کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان سے ملاقات نے میری زندگی بدل دی۔ وہ بہت لبرل اور مذہب پر تنقیدی سوچوں کے حامل تھے، انہوں نے مجھے دوسروں کی باتوں کو من و عن قبول کرنے کی بجائے خود علم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کے گھر میں حدیث کی مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم مجھے دیکھنے کو ملیں، لیکن الماری میں سب سے اوپر قرآن کی بجائے آفتن پوستن کے ایک صحافی کے رسول اللہ پر لکھی سوانح عمری نظر آئی۔ گو وہ کرد فلسفی قران کو عربی، کردی اور نارویجن زبان میں پڑھ چکے تھے"۔

محمد راہ نے پہلی بار ایک نارویجن سے یہ سنا کہ رسول کریم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب شادی کی تھی تو وہ ایک کمسن نامی ایک بچی تھیں، تو ان کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔

"میرے لئے اپنی مثالی شخصیت پر تنقید سننا بہت مشکل تھا۔ میں نے اپنے سُسر سے پوچھا جو مذہبی عالم ہونے کے علاوہ ایک انتہائی باشعور آدمی تھے۔ ان کے بقول عائشہ کی عمر کے متعلق مختلف آرا ہیں، کچھ کے نزدیک شادی کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چودہ سال تھی، لیکن صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہ کی شادی کے وقت کی عمر 9 سال بتائی جاتی ہے۔ میرے سسر کے بقول اس شادی کا مقصد سیاسی تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت معزز اور بہت بااثر حیثیت کے مالک تھے، رسول اللہ اس شادی سے اپنی پوزیشن مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ سُسر کی یہ دلیل مجھے متاثر نہ کر سکی۔ اور میں اس سوچ کو ہضم نہ کر پایا کہ ایک پچاس سالہ آدمی ایک چھوٹی بچی سے شادی کرے۔ مجھے لگا کہ اب تک مجھ سے دھوکا کیا گیا ہے، مجھے پہلے کسی نے اس واقعہ کے متعلق کیوں نہیں بتایا؟"

راہ نے خدا سے راہنمائی لینے کا سوچا، اس نے اپنی شہادت کی انگلی کھڑی کر کے کہا، اے خدا مجھے اپنے وجود کا کوئی ثبوت دو، اگر تم موجود ہو تو میری شہادت کی انگلی کو بے جان کر دو۔ راہ نے ایک ہفتہ تک اللہ کی طرف سے کوئی بھی نشانی نہ ملنے کی صورت میں خدا کو خدا حافظ کہہ دیا۔

محمد راہ نے ایک کرد صفحے پر اسلام پر ایک تنقیدی مضمون لکھا جس کے نتیجے میں اسے ای میل کے ذریعے ڈینیل پرل کے کٹے سر کی تصویر ملی جس میں اس خواہش کا اظہار کیا گیا، "کاش میں تمہارا سر بھی اس طرح دیکھ سکوں۔ اس ای میل کے متعلق جاننے کے بعد میری ماں نے رونا شروع کر دیا اور باپ نے بھی بہت غصے کا اظہار کیا کہ تم نے ایسے حالات کیوں پیدا کئے ہیں۔ لیکن میں اپنی سلامتی بجائے خاندان کے لئے خوفزدہ ہوں کہ وہ میرے خیالات کی وجہ سے کسی نقصان یا خطرے سے دوچار نہ ہوں، میری بیوی بھی اس صورت سے خوش نہیں ہے۔ میں بہت سے ایسے ملحدین کو جانتا ہوں جو اپنے الحاد کا اقرار کرنا تو در کنار بلکہ اسلام کا دفاع کرتے ہیں کہ وہ اپنے سچے خیالات کے اظہار کی وجہ سے کسی

مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔ لیکن میں اپنے انداز سے اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں۔ مجھ سے منافقت کی زندگی نہیں جی جاتی۔ میں ناروے جیسے آزاد ملک میں رہتے ہوئے بھی سوچتا ہوں کہ وہ لوگ جو اسلام پر اپنے تنقیدی خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ آگ سے کھیل رہے ہیں۔ مجھے ایک دن مرنا تو ہے لیکن میں جو ہوں اسی کی خاطر مرنا چاہوں گا نہ کہ وہ جو دوسرے لوگ مجھ سے ہونے کی توقع کر رہے ہیں"۔

علی اور احمد

علی اور احمد افغان ہیں، ہم انہیں علی اور اس کے ملحد دوست احمد کو فرضی نام سے پکارتے ہیں۔ دونوں کافی عرصہ سے اسلام سے کنارہ کشی کر چکے ہیں۔ جس کا ان کے خاندان کو کوئی علم نہیں ہے۔ دونوں شادی شدہ ہیں، ان کی بیویاں پکی مسلمان ہیں اور نماز روزے کی ادائیگی کے علاوہ حجاب بھی استعمال کرتی ہیں۔ علی کی بیوی کو پتہ نہیں کہ اس کا شوہر اب مسلمان نہیں رہا۔

"میری بیوی کو خبر نہیں ہے کہ میں ملحد ہوں۔ اس موضوع پر بیوی سے بات نہ کر پانا مجھے اچھا نہیں لگتا، لیکن میرے بچے جب مذہب اور عقیدے سے متعلق مجھ سے سوال کرتے ہیں تو میں جہاں تک ہو سکے ان سے اپنے خیالات نہیں چھپاتا، لیکن میری کوشش ہوتی ہے کہ اس موضوع پر بات کرتے وقت ایسا توازن قائم کر پاؤں کہ بیوی کے ساتھ تعلقات خراب نہ ہوں۔ احمد کو شک ہے کہ اس کی بیوی اس کی لامذہبیت سے آگاہ ہے لیکن انہوں نے کبھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔ "انسان آہستہ آہستہ اپنے خیالات چھپانا سیکھ جاتا ہے۔ ہمیں محتاط ہونا چاہیئے، اپنی باتوں کو سنسر کرنا چاہیئے، اگر میں اپنا ملحد ہونا ظاہر کروں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے، اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے"۔

علی اور احمد افغانستان جیسے مذہبی معاشرے میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی ان کے ذہن میں اسلام سے متعلق تنقیدی سوال کھڑے ہونا شروع ہو گئے۔ علی نے افغانستان میں امام مسجد سے پوچھا، "پیغمبر صلیٰ اللہ وسلم کی اتنی بیویاں کیوں تھیں"؟ امام صاحب نے اسے جھڑکتے ہوئے ایسے سوال پوچھنے سے منع کر دیا۔ امام کی جھڑک نے سوال ختم کرنے کی بجائے مزید مطالعے اور غور وفکر کو راہ سجھائی، سوال بڑھتے گئے اور ان کا بوجھ اٹھانا مشکل ہوتا گیا۔ پیغمبر صلیٰ اللہ وسلم کی موجودگی میں اتنے بے گناہ کیوں قتل ہوئے؟، ان کی اتنی زیادہ بیویاں کیوں تھیں؟، اتنی لونڈیاں کیوں تھیں؟ ایک کم سن بچی سے شادی کرنے والا ایک مثالی انسان کیسے ہو سکتا ہے؟ علی اور احمد دونوں کا کہنا ہے کہ جو لوگ اسلام کو امن کا مذہب قرار دیتے ہیں، اور اس کے لئے قران کا حوالہ دیتے ہیں تو وہ ان مکّی آیات کا حوالہ دے رہے

ہوتے ہیں جب مسلمان کمزور تھے لیکن جونہی مدینہ میں اسلام نے زور پکڑا تو قران کی زبان میں بھی سختی آتی گئی۔ مسلمانوں کا خیال ہے کہ قرآن خدا کے بولے گئے الفاظ ہیں جب کہ سچ یہ ہے کہ یہ انسانوں نے رسول خدا کی وفات کے کئی سال بعد لکھے۔

اسلامی ممالک میں تو اسلام چھوڑنے یا اس کا اظہار کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مغربی ممالک جہاں آزادی اظہار رائے جیسے خوبصورت الفاظ کی بہت زیادہ تکرار سنائی دیتی ہے، وہاں بھی اسلام چھوڑنا آ بیل مجھے مار کے مترادف ہے۔ سابقہ مسلمانوں کو معاشرتی مقاطعہ اور دھمکیوں کا سامنا ہوتا ہے، آپ کے دوست اور رشتہ دار آپ سے منہ پھیر لیتے ہیں، قتل کی دھمکیاں تک بھی ملتی ہیں۔ کیونکہ اسلام کو چھوڑنے سے یہ مراد ہے کہ آپ اسلام کے دشمنوں سے جا کر مل گئے ہیں، آپ ایک غدار ہیں اور غدار کی سزا موت ہے۔ اسلام چھوڑنے کو سماجی خودکشی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ اجتماعیت سے غداری ہے، اور یہ اتنا آسان نہیں جیسے کوئی ریاستی چرچ سے اپنی ممبر شپ ختم کر دے یا آپ اپنی گرل فرینڈ سے قطع تعلق کر کے کوئی نیا تعلق استوار کر لیں، یہ جان لیوا جوکھم کا کام ہے اور جو لوگ اپنے خیالات وعقائد کے اظہار کی خاطر اس قدر خطرہ مول لیتے ہیں، ہم ان کے خیالات سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کے اپنی ذات سے خلوص اور دیانت داری کی قدر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مجھے اب ہوش آتا جارہا ہے
خدا تیری خدائی جارہی ہے

(جون ایلیا)

(”نیازمانہ“، 6مارچ2017)

ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد

ایان شاہ

معاشرتی و سماجی جبری حرکیاتی فضا نے ایسا ماحول بنا رکھا ہے کہ جس کی بنا پر لادین حضرات سوشل میڈیا پر ہی آزادی کے ساتھ اظہار رائے کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر روزمرہ کی زندگی میں سب کچھ کہا سنا جائے تو جس معاشرہ کے ہم پروردہ ہیں، اس نے جو حال کرنا ہے وہ آپ سے یا کسی سے ڈھکا چھپا ہرگز نہیں۔ مذہب میں ہر بات 'حرف آخر' سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے مذہب پر تنقید بھی نہیں کی جاسکتی، نہ آسانی کے ساتھ اصلاحات کی بات کر سکتے ہیں۔ مذہب پر تنقید کرنے والوں کو صرف تضحیک کی نگاہ سے ہی نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان کا سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ ان پر زندگی تنگ کی جاتی ہے اور موقع محل ملتے ہی جنت کمائی جاتی ہے۔ ایسے میں سوشل میڈیا رہ جاتا ہے۔ جہاں کوئی کسی سے واقف نہیں ہوتا جب تک واقفیت پیدا نہ کرے۔ ہر کس و ناکس اپنے محسوسات و جذبات یہاں شئیر کر سکتا ہے۔ کیوں نہ کرے؟ معاشرتی و سماجی خاندانی جبری رویوں کی گھٹن سے آزاد ہو کر کھل کر ہر بات کہہ سکنے کی آزادی جہاں میسر ہو، اس جگہ انسان ہر شے پر بات کرتا نظر آئے گا۔ ایتھئیسٹ حضرات بھی مذہب پر تنقید کرتے نظر آئیں گے۔ کیونکہ ہمارا معاشرہ اس ضمن میں کوئی جمہوری انداز اپنانے کو تیار نہیں اور نا ہی جمہوریت کو سقراط کے عہد سے آگے لے جانا چاہتا ہے۔ اگر لوگوں کو یہ جمہوری حق حاصل ہو جائے تو کم از کم ہمارے معاشرے کی صورت حال کافی حد تک تبدیل ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے معاشرے میں جمہوری نظام کو غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو جمود کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ 'آزادی' کو جمہوری حق کے طور پر اب تک تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہمارے ہاں جمہوریت ابراہام لنکن کے دور سے آگے نہیں بڑھی۔ حد تو یہ ہے کہ اس معاشرہ کے پروردہ سوشل میڈیا پر بھی یہ حق دینے کو تیار نہیں۔ "جرأت تحقیق بلاگ" تک کی پاکستان میں رسائی پر پابندی لگا رکھی ہے۔ سوشل سائٹس پر ایتھیسٹ حضرات کے گروپس، پیجز اور آئی ڈی کو رپورٹ کیا جاتا ہے۔ (رپورٹ کرنے کی نفسیات کا اگر عمیق مطالعہ کیا جائے تو اس کا محرک اور قتل کا محرک ایک ہی ہے)۔ پھر میسجز میں شدید ترین زمانے بھر کی گالیاں دی جاتی ہیں، بلکہ سوشل سائٹس پر کھلے عام قتل کرنے تک کی دھمکیاں دی جاتی ہیں، اور آئے روز واجب القتل ہونے کے فتوے دیے جاتے ہیں۔ اس قدر شدت پسندی کے مقابلے میں ملحدین کی شدت پسندی کیا

ہے؟ صرف اتنی کہ مذہب پر تنقید کی جاتی ہے۔ یا کہا جاتا ہے کہ اپنے عقائد اپنی ذات تک رکھے جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ سوشل میڈیا کہ علاوہ ملحدین کے پاس اور کوئی میڈیم نہیں جہاں وہ اپنے نظریات و خیالات کا اظہار کر سکیں۔ سارا وقت مذہب متاثرہ لوگوں میں گذارنے والے اس گھٹن سے باہر آنے کیلیے سوشل میڈیا پر بھی اس کا اظہار نہ کریں تو جائیں کہاں کس سے کہیں۔ مذہب ہر جگہ زندگی میں مداخلت کرتا ہے۔ اس گھٹن سے دو گھونٹ آزادی ہر ایتھیسٹ کا حق ہے۔ پاکستان میں ملحدین کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ جن کا اٹھنا بیٹھنا جینا مرنا یہیں ہے۔ ان کے پاس اظہار رائے کے لیے انٹرنیٹ کے علاوہ اور کوئی میڈیم نہیں۔ جب تک آزادئ اظہار رائے کی آزادی نہ ہو پاکستان میں تب تک انٹرنیٹ سے بہتر میڈیم اور کیا ہے؟ جس طرح سے مغربی ممالک میں مسلمانوں کو کھل کر تبلیغ کی اجازت ہے، کیا ایسے ہی ہمیں بھی آزادی اظہار کا جمہوری حق دیا جائے گا؟ برداشت کیا جائے گا؟

دیگر مذاہب والوں کو مسلمان کچھ بھی کہیں وہ جائز ہے، اگر ان کے مذہب پر کوئی انگلی اٹھائے تو یہ برداشت کرنے کی ہمت بھی ان میں ہونی چاہیے۔ جیسے تمام دنیا میں انہیں سنا اور برداشت کیا جاتا ہے ویسا ہی حوصلہ اگر مسلمانوں میں نہیں تو خرابی ساری دنیا میں ہے یا ان میں ہے؟ پاکستان میں ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ کو کھل کے گالی دی جاتی ہے، جس طرح سے یہ عیسائی، یہودی، ہندو کے عقائد پر تنقید کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں۔ دوسروں کی لیتے رہنا جزو ایمان ہے لیکن جب اسی اصول کے تحت کوئی مسلمانوں کی لیتا ہے تو فوراً سیخ پا ہو جاتے ہیں، اسلام خطرے میں آجاتا ہے۔ حرمتِ رسول کیا صرف مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے رسول کی ہے؟ کیا دوسرے مذاہب اور ان کے اکابرین کی کوئی اہمیت و تکریم نہیں؟ دوسروں کے مذاہب اور ہستیوں کے نام تک کو تو گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور خود چاہتے ہیں کہ دوسرے عقائد سے تعلق رکھنے والوں، لادین حضرات کی گردن کاٹ کر اپنے نبی کی عزت بچائیں، اسلام بچائیں۔ یہ منافقت صرف مسلمانوں کو ہی جچتی ہے۔

اسلام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو کافر (سچ کا انکار کرنے والے) کہتا ہے۔ جو انتہائی بد تہذیبی ہے۔ ہمارے یہاں ہنود و یہود کے الفاظ ایک گالی کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے ٹٹی خانے میں مرنے کے اشعار سنائے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی ہمارے 'دینِ حق' کی طرف بری نگاہ سے دیکھے گا تو اس کی آنکھیں نکال دیں گے۔ حرمت رسول پر جان (کسی کی بھی) قربان ہے۔

ہم جو کچھ بھی ہوں، جہاں کہیں بھی ہوں، ہمارے ارد گرد انواع اقسام کی بے شمار چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ ان اشیاؤں کے مجموعے میں سے ہم ایک وقت میں کسی خاص شے ہی کو اپنی توجہ کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ بہت سی اشیا میں

سے کسی ایک وقت میں کسی ایک ہی شے کو توجہ کا مرکز بنانے میں متعدد عناصر کا دخل ہے جو خارجی اور داخلی دونوں نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اب مذہب پر خود انسان کے اندر دلچسپی موجود ہوتی ہے۔ خاص کر ایک موازنہ کرنے والا ذہن، بچپن سے انڈیلے گئے عقائد کا موازنہ شروع کرتا ہے تو اس عمل میں اس کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ اور وہ مذہب کو مزید جاننے کے لیے اس کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے۔ جب کہ خارجی عناصر میں مذہبیوں اور عقائد پرستوں کی شدت، حرکیت، تکرار وغیرہ دیکھ کر ذہن اس پر کھلے ماحول میں گفتگو کرنے کا آرزومند ہوتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کے ذہن میں مذہب کا مطالعہ کرنے کے نتیجے میں جو بھی سوالات اٹھتے ہیں، ان کا سنجیدہ اور تشفی بخش جواب بھی ملے۔ لیکن ایک شدت پسند معاشرہ عموماً اس قسم کے سوالات کو اور اس کے کرنے والوں کو ناپسندیدگی سے دیکھتا ہے۔ اور بجائے ان سوالات کا جواب دے کر مطمئن کرنے کے سوال کنندہ پر کفر کے فتووں کا انبار لگا دیتا ہے۔ نیز اس شخص کے متعلق غلط فہمیاں عام کی جاتی ہیں۔ پروپیگنڈہ سے کام لیا جاتا ہے۔ شاید معاشرہ سوال کرنے سے اس لیے روکتا ہے، کیونکہ سوالوں کے کوئی جواب نہیں ہیں۔ دنیا کے خطوں میں اسلام یا تو تلوار سے پھیلا یا ابتدائے اسلام سے متعلق جھوٹی کہانیاں سنا کر۔ اب جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، ان کے جوابات نہ ہزار سال پہلے تھے نہ اب ہیں اور نہ ہزار سال بعد ہوں گے۔ جس بنا پر معاشرہ سوالات کرنے والوں کو نہ اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے کردار پر لایعنی سوالات اٹھانے لگتا ہے۔ اسے پاگل، خبطی، نفسیاتی وغیرہ کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ ایک غیر دانشمندانہ رویہ ہے، جس کے ذریعہ سوالات کرنے والے کی تشفی کرانے اور اس کے اعتراضات کو دور کرنے کے بجائے ایسے رویوں سے اسے الٹا اور مذہب سے برگشتہ کیا جاتا ہے؛ دانستہ یا نادانستہ۔ اگر کسی مذہب کے پیروکار یہ سمجھتے ہیں (بلکہ ان کی مذہبی تربیت اس بات پر ایمانی قسم کا پختہ یقین رکھتی ہے) کہ وہ حق پر ہیں، تب انہیں چاہیے کہ اس قسم کے غیر دانشمندانہ رویوں سے استدلال کرنے کے بجائے مناسب اور مہذب انداز میں جواب دینے کی کوشش کریں لیکن مجموعی طور پر عقائد کو مقدس گائے کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے مذہبی عقائد پر سوال اٹھانے، اعتراضات کرنے والوں کی آواز کو ہر ممکنہ طریقے سے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے لیے اگر ایذا رسانی، دھونس زبردستی سے کام لینا پڑے تو بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات نوبت قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے۔ اور محض سوالات کرنے کے جرم میں انسان کو تختہ دار تک پہنچا دیا جاتا ہے، جو ظاہر ہے کسی مہذب معاشرے کا خاصہ نہیں۔ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو متعلقہ لوگوں کے سامنے رکھے، لیکن چونکہ ایک شدت پسند معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا، لہذا سوشل میڈیا کا رخ کرنا

پڑتا ہے۔ جہاں کوئی کسی سے واقف نہیں ہوتا اور سب مکمل آزادی کے ساتھ ہر معاملے پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس! سائبر بل کے ذریعے اس واحد آزادیٔ اظہار رائے کے میڈیم کو بھی چھینا جا رہا ہے۔

اگر 'احساس جرم' کو دیکھا جائے تو رسول اللہ نے آدھی زندگی کافروں سے لڑنے اور ان کے دین کو جھوٹا کہنے میں گذار دی۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر کفاروں کو بدترین جانور اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ کہہ کر اس 'احساس جرم' کا پتہ دیا جس کا الزام معاشرہ مذہب پر اعتراضات کرنے والوں کو دیتا ہے۔ اور جس کا الزام سوشل میڈیا پر ملحدوں کے سر تھوپا جاتا ہے۔

آزادی کے ساتھ ہر چیز پر بات کرنے کے لیے زندگی سے "دو گھونٹ آزادی" کم از کم سوشل میڈیا پر ہر انسان کا حق ہے۔ اس حق کو دبانے کی ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد انسان کے جمہوری حق، اس کے انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ ہم اس معاملے میں اب تک سقراط کے عہد میں کھڑے ہیں جس میں عقائد مخالف جائز بات کہنے پر بھی زہر کا پیالہ نوش فرمانے کو دیا گیا۔

کیا مذہب پر سوالات کرنے، عقائد کی غیر عقلی باتوں پر اعتراضات اٹھانے سے اسلام کو شدید خطرات لاحق ہو جاتے ہیں؟ تبلیغ کا رواج دنیا کے چند مذاہب میں ہی ہے۔ جس میں اسلام سرفہرست ہے۔ خاص کر ایک سچا مسلمان سب کو مسلمان کر دینا چاہتا ہے۔ اسلامی انتہا پسند تنظیمیں ہر اس شے، ہر اس شخص کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہیں جو ذرا بھی غیر اسلامی، اسلام مخالف ہیں۔ اس کے لیے وہ متشدد ہونے پر بھی فخر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ہر شخص کو آزادی ہونی چاہیے کہ غور و فکر کر کے اپنی مرضی کے مذہب کا انتخاب کرے یا پھر لادین ہو جائے۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں بنتا۔ لیکن مسلمان بھائی کسی ملحد کو سوشل میڈیا تک پر برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ جبکہ خود 'دین حق' فرد کی ذاتی زندگی میں گھسنا فرض سمجھتا ہے۔ غسل کیسے کرنا ہے، ناخن کیسے کاٹنے ہیں، بیت الخلاء کیسے جانا ہے، مونہہ پر ہونٹ کے نیچے ہونٹ کے اوپر کتنی زلفیں ہونی چاہئیں، عمل مباشرت کیسے سرانجام دینا ہے، پانی کیسے پینا ہے، چلنا کیسے ہے وغیرہ وغیرہ۔ خود کو دین فطرت کہلوانے والا مذہب فرد کی ذاتی زندگی کے ہر معاملے میں اس کے سر پر سوار رہنا چاہتا ہے۔ ان باتوں پر بات کی جائے تو اسلام فوراً سے پیشتر خطرے میں آ جاتا ہے۔ اس کے پیروکار فوراً اس شخص کی گوشمالی کو نکل پڑتے ہیں۔ ایسے رویے، ایسا معاشرہ ہرگز ترتیب نہیں دے سکتے جو وسیع تر سیاق میں انسانیت کو سب سے مقدم سمجھے۔ ؏

آپ کو مجھ سے ہے اک نسبت احساس لطیف
ایسا لوگ کہتے ہیں مگر میں تو نہیں کہتا ہوں

اس پر طرہ یہ کہ کچھ مہربان چاہتے ہیں کہ 'مناظرہ' کیا جاوے۔ کس سے؟ اجی اسلامیوں سے۔ وہ یہی کچھ چاہتے ہیں۔ کیوں چاہتے ہیں؟ یہ تو ہم بھی نہ جانیں۔ جان کر بھلا کرنا بھی کیا۔ ہم لوگ 'مناظرہ' نہیں کیا کرتے۔ محض شریف آدمیوں کی طرح تبادلۂ خیالات پر یقین رکھتے ہیں۔ مناظرہ اذعان اور استنادیت کی مشترکہ جنگ ہے۔ جس کا نتیجہ مزید ادعائیت ہی کو جنم دیتا ہے۔ اس میں حقائق بیان کرنے کے بجائے اس بات پر بحث ہوتی ہے کے فلاں مقتدرہ ہستی کا فرمایا درست ہے۔ ڈھمکاں کتاب کی کہانی ایک دم سچ ہے۔ اب اسے درست ثابت کرنے کے چکر میں نزدیک و دور کی ایسی کوڑیاں بھی لائی جاتی ہیں جن کا نہ سر ہوتا ہے نہ پیر۔ جب کہ منطقی گفتگو کا طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ کسی بھی شے پر گفتگو کرتے وقت سب سے پہلے اس کے معنی اور تصورات کی تحلیل کا مرحلہ ہے۔ پھر تصورات کی قدر اور اہمیت کا اندازہ لگانے کا مرحلہ ہے۔ جو کہ بہت اہم ہے۔ اور آخر میں ان تصورات کو قبول یا رد کرنے کے بارے میں جواز فراہم کرنے کا مرحلہ ہونا چاہیے، جبکہ ایسا منہاج تو کجا اکثر مبحثین پہلے ہی کسی نہ کسی ماورائیت کو مطلق تسلیم کیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ صحیح کیا ہے درست کیا ہے وہ جائے بھاڑ میں۔ بس میں نہ مانوں ہار سجناں۔

جبکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ کسی بھی شے سے متعلق بات کرتے وقت حقائق بیان کر دیے جائیں، جہاں ہیں جیسے ہیں کی بنیاد پر۔ ان حقائق کو بیان کرتے وقت لہجہ اذعانیت کا شکار نہ ہو، ادعائیت کا شائبہ نہ ہو اور کسی ماورائیت کی استنادیت نہ ہو کہ جس مقتدرہ ہستی کا فرمایا معجزہ یا مستند جان کر ارشاد فرمایا جارہا ہے، خود اس کی علمی حیثیت صفر ہو۔ علمی حیثیت سے مراد حقیقتاً اور واقعتاً علم ہے، ماورائیت نہیں۔

لیکن اس سب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمیں اور بھی غم ہیں اے غم جاناں! ہم کسی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے زور نہیں لگاتے۔ کہاوت مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ زیادہ دور تک چل نہیں پاتا۔ تو بھلا پھر ہم کیوں کسی لایعنی جھوٹ کو پکڑنے کے لیے بھاگیں۔ اس نے ایک وقت میں خود ہی رک جانا ہے، پکڑے جانا ہے۔ ہاں مگر ہم اس جھوٹ کی کہانی کو ہر اس جگہ بیان کریں گے جہاں ہم چاہیں گے، جہاں سہولت محسوس کریں گے۔ جہاں ہماری جانوں کو خطرہ نہ ہو گا؛ کیونکہ یہ ہر باشعور انسان کی ذمہ داری ہے کہ اپنے وقتوں میں اپنے ان مسائل پر بات کرے جو خطرناک ہیں، باعث آزار ہیں کہ جن کی سچائی سے ابھی سے آگاہ نہ کیا گیا تو آنے والے وقتوں میں یہ عفریت اور بھی بے قابو ہو جائے گا۔

اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہمارا نام بھی تاریخ انہی لوگوں میں لکھے گی جو ظلم سہتے تھے بغاوت نہ کرتے تھے۔ ہماری خاموشی بھی اس عفریت کی حمایت گردانی جائے گی جنھوں نے انسانیت کی شہ رگ کو سختی سے دبا رکھا ہے۔ جو تفریق کا ایسا نادر فارمولا بنائے بیٹھے ہیں جو کچھ اچھا کرنے سے قاصر ہے۔ جو انسان کو، انسانیت کو لہو تھکواتا ہے۔

یہ ہماری ہی ذمہ داری ہے کہ ہم لوگوں کو شعور دیں، انہیں سوچنا سکھائیں تا آنکہ آئندہ نسل کو پُر امن دنیا ملے۔ انسان دوست ماحول ملے۔ ہمیں کسی سے کوئی نفرت نہیں۔ کسی سے کوئی مطلب نہیں۔ ہمیں انسان سے نہیں اس کے جاہلانہ افعال سے نفرت ہے۔ جن کی بنیاد پر وہ دنگا فساد مچا رہا ہے، انسانیت سوز کام کر رہا ہے، ہمیں ان تعلیمات سے چڑ ہے۔ جو تعصب کی بنیاد رکھتی ہیں جو نفرتیں کرنا سکھاتی ہیں جو انسانیت کو بانٹ رہی ہے۔ اس کی بات تو ہم کریں گے۔ ہم تو بولیں گے۔

مناظرے کی دعوت دینے والو! آپ کی رحمت سے تو آپ کے اپنے شیعہ بھائی، احمدی بھائی، اور نجانے کتنے فرقہ وارانہ بھائی ہی محفوظ نہیں۔ پھر ہم یعنی ہم فری تھنکرز ایتھیسٹ کس کھیت کی مولی ہیں؟

عہد حاضر برقیات کا عہد ہے۔ برقیاتی سرعت کے ساتھ اطلاعات کی ترسیل ہوتی ہے۔ خیالات کی تشہیر اور توسیع ہوتی ہے۔ اب عالمی افق پر اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنا ایک نہایت آسان کام ہے۔ لیکن جس طرح اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانا آسان ہے تو دوسروں کے خیالات سے متاثر ہونا بھی اسی قدر سہل ہے۔ اس عہد میں کسی جگہ بلا کر مناظرہ کی دعوت دینے کے بجائے سوشل میڈیا پر شریف آدمیوں کی طرح تبادلہ خیالات و معلومات فرمائیے۔ ادب کے دائرے میں گفتگو کیجیے۔ خواہ مخواہ تو کون میں تیرا مہمان کے مصداق ایسی فضول دعوتیں نہ دیجیے یا پھر اس معاشرے کی تربیت ایسی کر کے آجائیں جہاں ہم بغیر کسی خوف و خطر کے اپنے نظریات بتا سکیں۔ ہمیں ہمارا یہ جمہوری حق ملے تو مناظرہ کرنے جیسی عیاشیوں سے متعلق سوچیں بھی۔

ویسے بھی ہمارا مقصد کسی سے کچھ منوانا نہیں۔ روشن خیالی کی تحریک کا مقصد معاشرے میں موجود اکائیوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ انسان کو انسان سمجھتے ہوئے اس کا احترام عقائد و نظریات کے لزوم سے ماورا ہو کر کرنے لگ جائیں۔ یعنی کسی بھی انسانی گروہ کو محض عقائد کی بنیاد پر تول کر معاشرے میں اس کی حیثیت کا تعین نہ کیا جائے۔ روشن خیالی کی تحریک کا مقصد معاشرے کو یہ شعور دینا ہے کہ کیسے نظریات و عقائد کے دائروں سے نکل کر انسانیت کا احترام کیا جائے۔ لیکن نہ جانے یہ آسمانی سیاحوں کے غمخوار خوفزدہ کس بات سے ہیں۔ شاید اس بات سے کہ سوشل میڈیا پر مختلف علوم،

معاملات وواقعات کی مد میں ہونے والے تبادلہ خیالات اور گفتگو قارئین کے ذہن میں بنی مِتھس کو توڑنے کا اہم کام سر انجام دے رہی ہے۔

تم اپنی سرکار سے یہ کہنا، نظام زر کے وظیفہ خوارو!

نظام کہنہ کی ہڈیوں کے مجاورو اور فروش کارو!

تمہاری خواہش کے بر خلاف اک نیا تمدن طلوع ہو گا

نیا فسانہ، نیا ترانہ، نیا زمانہ شروع ہو گا

ہم لوگوں کا واسطہ ان لوگوں سے ہے جو کچھ غیر ثابت شدہ نظریات کے جال میں ہیں اور ان نظریات کی ترویج و ترقی کے لیے جان دینے تک راضی ہیں۔ پاکستان میں رہنے والے ملحدین کی مثال ایسے ہے جیسے لاکھوں سانپوں کے درمیان چند خرگوش یا چوہے پھنسے ہوئے ہوں جن کا اگلا سانس ان سانپوں کی مرضی، رحم و کرم پہ ہو۔ سوشل میڈیا پر موجود زیادہ تر ملحدین ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں۔ اکثر اپنے ہم خیال لوگوں سے اپنے دل کا حال کہہ سکتے ہیں۔

آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق یعنی آزادیٔ اظہار رائے اور آزادی پیس فل اسمبلی سے یکسر محروم ہیں، جبکہ ان کے مقابلے میں قسم قسم کے مبلغین مولوی لوگوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ ممتاز قادری جیسا پولیس کا عام سپاہی صرف اختلافِ رائے پر صوبے کے گورنر کو دن دہاڑے قتل کر کے بھی اس معاشرے میں ارفع مقام پاتا ہے۔ اتنے گھٹن زدہ اور تعفن زدہ معاشرے میں رہنے والے ملحدین کا مذیب اور اس کے پیروکاروں کی زیادتیوں اور اس کے تدارک پر بات کرنا قابل فہم ہے۔ مہذب معاشروں میں رائج آزادیٔ اظہار رائے کو تو چھوڑیں یہاں تو زندہ رہنے کے بنیادی حق سے بھی ملحد حضرات محروم ہیں۔

جانے کب کون کسے مار دے کافر کہہ کر

شہر کا شہر مسلمان ہوا پھرتا ہے

ہم جہالت کے خلاف قلمی جنگ کو جہاد سمجھتے ہیں۔ اور یہ جہالت ہی ہے جو ہمارے معاشرے کو چاٹ گئی ہے۔ پانی سے گاڑی چلانے والے، جنوں بھوتوں سے بجلی پیدا کرنے والے لوگ ہمارے ہاں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اپنے ارد گرد دیکھیں، مجھے تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہم صدیوں پرانی کہانیوں اور دعووں کو نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ انہیں رد کرتے وقت اس کا ثبوت بھی دیتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہمیں ان وقتوں کا نبی بھی سمجھ سکتے ہیں جو باطل کے خلاف علم

بلند کر رہے ہیں۔ ہم چند لوگ جو اگر کہیں باہر آجائیں تو حوروں کے دیوانے ہمیں ایک دم سے 'فارغ' کر دیں۔ جب مذہب ہمارے پیچھے پڑا ہو تو کیا ہمیں حق حاصل نہیں واپس اس کا جواب دیں؟

رسول اللہ سے جو بھی بن پڑا انہوں نے کیا، انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ باطل ایک دن خود بخود ختم ہو جائے گا۔ رسول اللہ نے چن چن کر مخالفوں کو قتل کرایا۔ ہم تو تلوار کے بجائے کی بورڈ استعمال کرنے والے لوگ ہیں۔ ہم نہ کسی کو ایذا پہنچاتے ہیں نہ قتل کرتے ہیں نہ قتل کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

دکھ ہوتا ہے اپنے ملک و قوم کو اب تک جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے دیکھ کر۔ دنیا کی اقوام کہاں سے کہاں پہنچ گئیں، جنوبی کوریا جیسا ملک جو کبھی ہم سے ترقی کے راستے پر چلنے کے لیے تجاویز لیا کرتا تھا، آج ایشین ٹائیگر ہے۔ اور ہم مزید پیچھے جارہے ہیں۔ بس اسی بات کا دکھ ہمیں ہمت اور قوت عطا کرتا ہے کہ ہم بے لوث ہو کر اپنے ہم وطنوں کو سمجھا سکیں کہ مذہب کو ہر انسان کا ذاتی معاملہ قرار دے کر اپنی معاشرتی و سفارتی پالیسیاں بہتر بنائیں۔ بطور فری تھنکر ہمارا اولین مقصد ایک سیکولر پاکستان ہی ہے۔ اب اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہم نے اس ملک کے آئین کو "اسلامی جمہوریہ" کے بجائے "عوامی جمہوریہ" میں تبدیل کرنا ہے۔

شدت پسندوں کی انتہا پسندی، عدم برداشت یقیناً خوش آئند تو نہیں لیکن ہم یہی سوچ کر خاطر جمع رکھے ہوئے ہیں کہ ابھی ابتداء ہے۔ اور سوشل میڈیا کے توسط سے شروع ہونے والی یہ تحریک، فکر و سوچ کو بدلتی چلی جائے گی۔

اب اور کتنی دیر یہ وحشت یہ ڈر یہ خوف
یہ گرد و غبارِ عہدِ ستم اور کتنی دیر
شام آگئی ہے ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو، ہم اور کتنی دیر

گستاخی اور توہین نہیں: ہمیں ہمارا حق چاہیے

سعد رضا

گذشتہ دنوں ایک جج صاحب کی وجہ سے یہ پروپیگنڈہ پھر زور پکڑ گیا ہے کہ ملحدین سوشل میڈیا پر گستاخی و توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان کو قانونی شکنجے میں لایا جائے اور انہیں "سر تن سے جُدا" کے فارمولے کے تحت ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔

ان ایمان افروز بیانات پر سارا سوشل، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا تعریف و تحسین کے ڈونگرے برسا رہا ہے اور موصوف جج صاحب کی ایمانی غیرت و عقیدت کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔ رہے بیچارے ملحدین تو انہیں آزادانہ اپنا مقدمہ تک لڑنے اور اپنی بات تک کہنے کی اجازت نہیں۔ واحد سوشل میڈیا ہی وہ پلیٹ فارم ہے جہاں ملحدین اپنے حقوق کا مقدمہ لڑ رہے ہیں، دھونس، دھمکیوں اور گالم گلوچ کے مقابل صرف آزادی اور دلائل کے ساتھ برابری کی سطح پر اپنی بات کہنے کا حق بھی توہین اور گستاخی بنا دیا گیا ہے۔

یہ بات سراسر غلط اور الزام ہے کہ ملحدین توہین اور گستاخی کرتے ہیں بلکہ ہم تو صرف برابری کی سطح پر اپنا حق مانگتے ہیں۔ جو زبان اور جو رویہ قرآن اور صاحبِ قرآن محمد صلعم نے دوسروں کی بابت اختیار کیا، وہی اگر کوئی ملحد اختیار کر لے تو گستاخی و توہین کے الزامات لگا دیے جاتے ہیں۔

قرآن میں کہا گیا تھا: "اور انہیں گالی نہ دو وہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے۔" (الاعراف:108) اس آیت میں اس اصول کو تسلیم کیا گیا تھا کہ دوسروں کے معبودوں کو بُرا نہ کہا جائے ورنہ پھر وہ جواب میں اللہ کو بُرا کہیں گے۔ اس اصول کے تسلیم کر لینے کے باوجود خود قرآن نے دوسروں کے معبودوں کے بارے میں کہا: "بے شک تم اور تمہارے وہ معبود جنہیں تم پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں، وہیں تم کو جانا ہے۔" (الانبیاء:98)

ہر صاحبِ انصاف سے سوال ہے کہ یہاں خود کیا قرآن نے دوسروں کے معبودوں کی صریح توہین نہیں کی؟

اب اپنے ہی تسلیم شدہ اصول کے تحت اگر اسلام کے نہ ماننے والے اسلامی خدا اور اس پیغام کے لانے والے کی توہین

کریں تو غلط کیوں؟ اگر قرآن اور صاحبِ قرآن محمد کی نظر میں دوسروں کے معبود باطل مردود اور جہنم کا ایندھن ہیں تو ملحدین کی نظر میں قرآن اور صاحبِ قرآن اسی وقعت کے حامل ہیں تو چیخنا چلانا کیوں؟

اسی طرح قرآن نے، اللہ کے علاوہ جن جن کی عبادت کی جاتی ہے، سب کو باطل کہا۔ (لقمان:30) اب اگر ملحدین اللہ کو بھی باطل کہتے ہیں تو گستاخی کیسی؟ اہل اسلام کی نظر میں دیگر معبودان باطل ہیں تو یہ سمجھنا اور کہنا ان کا حق ہے تو ملحدین کی نظر میں اسلامی معبود اللہ بھی باطل ہے، ہمارا یہ حق کیوں چھینا جاتا ہے؟

ابراہیم نے اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لئے اپنی قوم کے معبودوں کے مقدس بتوں اور مُورتیوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (الانبیاء:58) ابراہیم نے اپنے عقیدے کے سامنے کسی کی عقیدت اور دل آزاری کی پرواہ نہ کی اور قرآن نے ابراہیم کو نمونہ قرار دیا۔ (ممتحنہ:4) اگر آج کوئی ملحد یا دوسرا غیر مسلم اسی طرح اسلامی خدا کی صفت کلام قرآن کو پھاڑ کر اللہ کی بے بسی ولاچاری ثابت کرے تو مجرم کیوں؟ اس پر دل آزاری و توہین کے الزامات کیسے؟

قرآن ابراہیم کی بات کو پیش کرتا ہے کہ "تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟" (الانبیاء:67) آج کوئی ملحد جب کہتا ہے کہ تف ہے اللہ پر اور اس کی عبادت کرنے والوں پر کہ کچھ عقل نہیں رکھتے کہ کیسے بے بس ولاچار اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو مسلمان ان دلائل کا جواب دینے کی بجائے اسی طرح اس ملحد کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں جیسا کہ ابراہیم کی جان کے درپے وہ کافر ہوئے تھے۔

قرآن جب اپنے نہ ماننے والوں پر لعنتیں برسائے۔ (البقرۃ:161) محمد صلعم یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت بھیجیں (صحیح بخاری: حدیث 1390) تو ملحدین یا دیگر مذاہب والے یہی لعنت اسلامی خدا اور رسول پر بطور چڑھاوا پیش کریں تو غصہ واشتعال کیسا؟

قرآن اپنی آیتوں کا انکار کرنے والوں کی مثال کتے سے دیتا ہے۔ (الاعراف:176) انہیں ایک نہیں کئی جگہ کافر قرار دیتے ہوئے جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔ (الاعراف:179، الفرقان:44) ایسا قرآن لانے والے خوش اخلاق نبی کی مثال اگر کتے سے دی جائے، جانور بلکہ جانوروں سے بدتر کہا جائے تو تکلیف کیوں؟

قرآن اپنے نزدیک شرک کرنے والوں کو نجس قرار دیتا ہے۔ (التوبہ:28) ملحدین اگر ایسی نفرت انگیز تعلیم کے پیش کرنے والوں کو نجس قرار دیں تو توہین توہین کا شور کیسا؟

مسلمان ساڑھے چودہ سو سال سے دن رات جن دلائل کی رُو سے دوسروں کے معبودوں کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں، انہیں جہنم کا ایندھن اور باطل ثابت کر رہے ہیں، اپنے علاوہ دیگر تمام مزاہب کے ماننے والے یا کسی مذہب کو نہ ماننے والوں کو کوس رہے ہیں، گالیاں دے رہے ہیں، آج اگر کوئی ملحد یا دیگر کسی مذہب کے ماننے والا یہی حق اسلامی خدا اور رسول پر استعمال کرے تو مسلمان چیخنا چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ جس طرح مسلمان دوسروں کے مقدسات کو تعظیم و تکریم دینے کے روادار نہیں کیونکہ وہ انہیں تسلیم نہیں کرتے تو دوسروں سے اپنے خدا، رسول اور دیگر مقدسات کے احترام کا مطالبہ کس منہ سے کرتے ہیں؟

یہ دھونس اور زبردستی اب ہرگز نہیں چل سکتی۔ جس طرح دوسرے لوگ مسلمانوں کا عقیدہ و نظریہ برداشت کرتے آئے ہیں اور کرنا بھی چاہئے، چاہے وہ ان دوسروں کے نزدیک گستاخی و توہین ہو کہ مسلمانوں کے نزدیک ان کے نظریے کا اظہار ہے۔ اسی طرح اب مسلمانوں کو بھی سیکھنا ہو گا کہ ان کے مقدسات کو بھی دوسرے ہرگز نہیں مانتے اور ان کی نظر میں اگر یہ گستاخی و توہین ہے تو ضرور ہو، دوسرے اسے ماننے پر مجبور نہیں بلکہ یہ ان کے نظریے کا اظہار ہے۔ گستاخی اور توہین نہیں، ہمیں ہمارا یہ حق چاہیے۔

قانون توہین مذہب کا پھندا اور سلمان تاثیر کی گردن

فرنود عالم

ایک سکیورٹی گارڈ جسے گورنر پنجاب کی حفاظت پہ مامور کیا گیا تھا، اسی نے گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے سینے میں برسٹ اتار دیا۔ یہ ایک مقدمہ تھا جو اس محافظ نے خود اپنی بارگاہ عدل میں قائم کیا، خود فیصلہ سنایا اور خود اس فیصلے پر عمل درامد بھی کیا۔ دن دہاڑے کیے گئے جرم کے اس ارتکاب کو ممتاز قادری نے بخوشی قبول کیا۔ اصرار یہ ہے کہ ممتاز قادری نامی اس مجرم کو قاتل نہ پکارا جائے، اور یہ کہ اس کو پھانسی دینا گذشتہ برس کی سب سے بڑی زیادتی تھی۔

مرحوم سلمان تاثیر کا احساس یہ تھا کہ توہین مذہب کے مقدمے میں گرفتار ہماری مسیحی بہن آسیہ بی بی کے خلاف پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 295 سی کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ چونکہ اس قانون کا ہمیشہ سے ناجائز استعمال ہوتا آیا ہے اس بنیاد پر سلمان تاثیر نے اسے کالا قانون کہا۔ قانون کو کالا قانون کہنے کے سبب سلمان تاثیر اہانت مذہب کے مرتکب قرار دیے گئے۔ دو سوال اٹھتے ہیں:

1۔ ایک قانون کو کالا قانون کہہ دینے سے کوئی اہانت مذہب کا مرتکب ہو جاتا ہے؟

2۔ سلمان تاثیر کا اس قانون کو غلط قانون کہنا حقیقت پر مبنی تھا کہ نہیں؟

پہلے سوال پر تو خیر ہم کیا عرض کریں گے، جسٹس (ر) حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب سے رہنمائی لیتے ہیں کہ بیچ اس مسئلے کے وہ کیا فرماتے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے ممتاز قادری کی پھانسی کے تین روز بعد بخاری کا درس دیتے ہوئے ایک طالب علم کے سوال کے جواب میں سلمان تاثیر کیس کے حوالے سے جو گفتگو فرمائی وہ فلم کے فیتے پر محفوظ ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"سلمان تاثیر نے جو لفظ کالا قانون کہا تھا وہ موقوف اس بات پر ہے کہ خود سلمان تاثیر کی اس سے مراد کیا ہے۔ سلمان تاثیر کے کہے کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں:

الف: ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اہانت رسول سرے سے کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ اگر یہ مطلب ہے تو پھر آپ سلمان تاثیر کو اہانت رسول کا مرتکب کہہ سکتے ہیں۔

ب: دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اہانت رسول جرم تو ہے، مگر اس کی سزا موت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر سلمان تاثیر کا مطلب یہی تھا تو وہ اہانت رسول کے مرتکب قرار نہیں دیے جاسکتے، اس واسطے کہ خود فقہ حنفی بھی توہین مذہب کی سزا قتل نہیں سمجھتی۔

ج: تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے آئین میں توہین مذہب کا جو قانون دیا گیا ہے، اس میں کچھ ایسا سقم ہے کہ لوگ اس کا ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ اگر سلمان تاثیر کی مراد یہی تھی تو بھی وہ گستاخی رسول کے مرتکب قرار نہیں دیے جاسکتے۔

اب ان مختلف احتمالات میں سے سلمان تاثیر کی مراد کیا تھی یہ تو خود سلمان تاثیر ہی بتاسکتے ہیں۔ مجھے چونکہ اس واقعے کا ٹھیک طرح سے علم نہیں تو مجھے نہیں خبر کہ اس کے پہلو کیا ہیں۔"

چلیے ہم مفتی تقی عثمانی صاحب کے اس عذر کو قبول کرتے ہیں کہ انہیں واقعے کا علم نہیں، چنانچہ وہ جانتے نہیں کہ سلمان تاثیر کی مراد اس سے کیا تھی۔ اس باب میں ہم مفتی تقی صاحب کی مدد کیے دیتے ہیں۔ بظاہر تو ایسا لگتا ہے جیسے اس پورے وقوعے میں سلمان تاثیر نے صرف ایک جملہ کہا۔ اس جملے سے پہلے گویا وہ سو رہے تھے اور اس جملے کے بعد وہ قوت گویائی سے محروم ہو چکے تھے۔ سچ یہ ہے کہ آسیہ مسیح سے ملاقات کے دوران کہے گئے "کالا قانون" والے جملے کے بعد انہوں نے اکیس سے زائد ٹی وی پروگرامات میں اس مصرعے کی تشریح میں پوری پوری غزلیں کہیں۔ جہاں جہاں ان کی مفصل گفتگو نشر ہوئی ان میں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اور مقامی ذرائع ابلاغ شامل ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہم ان کی گفتگو کا ایک ٹکڑا قارئین کی پیش گاہ میں رکھتے ہیں۔ یہ گفتگو انہوں نے نجی ٹی وی پر میزبان مہر بخاری کے سوال کے جواب میں کی۔ سوال تھا کہ کیا آپ اہانت رسول کے حق میں ہیں؟ جواب ملاحظہ ہو:

"نعوذ باللہ نہ تو کوئی اس طرح سوچ سکتا ہے نہ اس طرف کسی کی سوچ جا بھی سکتی ہے۔ ہم تو ایک قانون کے بارے میں بات کر رہے ہیں کہ اگر اس کے اثرات غلط ہیں یا اس کو غلط استعمال کیا جارہا ہے تو بھئی اس پر نظر ثانی کی جائے۔ یہاں سارے مسلمان ہیں، اگر کوئی مسلمان (رسالت مآب کے بارے میں) کوئی ایسی بات کرے تو وہ تو پاگل ہو گا۔ وہ تو مینٹل کیس ہو گا۔ آپ کیوں ایسا تاثر دے رہے ہیں کہ جیسے میں کوئی توہین مذہب کے حق میں ہوں۔ میں بالکل نہیں ہوں۔ میں ضیا الحق کے قانون کے بارے میں بات کر رہا ہوں، اس کے اثرات ایسے ہیں کہ اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔"

سلمان تاثیر ہی کیا، اس قانون کی مخالفت کرنے والے ہم جیسے سبھی پاکستانی شہری یہی موقف رکھتے ہیں۔ اس موقف کا اظہار بیسیوں بار سلمان تاثیر نے کیا۔ سات اکتوبر 2015 کو جسٹس سعید کھوسہ کی سربراہی میں تین رکنی بینچ نے انسداد دہشت گردی کی عدالت سے یکم اکتوبر دوہزار گیارہ کو ممتاز قادری کو سنائی جانے والی سزائے موت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ اٹھائیس اکتوبر دوہزار پندرہ کی سماعت میں جسٹس سعید کھوسہ نے فرمایا:

"قانون توہین مذہب میں تبدیلی یا اصلاح کا مطالبہ کرنا غلط نہیں ہے۔ اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ اس کا مقصد نامزد فرد کے خلاف اس قانون کے غلط استعمال سے روکنا ہے۔"

کیا فاضل جج کے ریمارکس کسی بھی طور غیر آئینی غیر قانونی یا غیر منطقی ہیں؟ اور کیا سلمان تاثیر نے اس کے سوا کچھ فرمایا تھا؟ سب جانتے ہیں کہ شہر محروم تماشہ میں آئینے بیچنے والے نے کیا صدا لگائی تھی، مگر مشکل یہ ہے کہ عقابوں کا نشیمن پنڈی کے زاغوں کے تصرف میں آجائے تو وہاں کسی درویش خُم خانہ الست کا نعرہ مستانہ کوئی نہیں سنتا۔ اگر سنتے ہیں تو مفتی تقی عثمانی صاحب سے ایک شکوہ کرتا چلوں؟ آپ نے اپنی گفتگو میں مزید کہا:

"اب احتمال جو بھی ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ کہ اس شخص (ممتاز قادری) کا جذبہ بڑا نیک تھا۔ جذبہ تو یہی تھا کہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے لہذا میں اس کا بدلہ لوں گا۔ نیک جذبے کی وجہ سے اس شخص (ممتاز قادری) کے حق میں بھی نیک گمان رکھنا چاہیے۔"

اندازہ کرنا چاہیے کہ جن علما کو اعتدال پسندی اور معقولیت کے درجے پر گمان کیا جاتا ہے وہ درس گاہوں میں بیٹھے طالب علموں کو کیا پڑھا اور سکھا رہے ہیں۔ یعنی محترم مفتی صاحب ہمیں یہ بتارہے ہیں کہ اسلام آباد ائیر پورٹ پر اختر منشی اور اس کے گروہ نے جنید جمشید پر جو تشدد کیا تھا، اس تشدد کا اس لیے احترام کیا جائے کہ اختر منشی کا جذبہ نیک تھا، اور جذبہ یہ تھا کہ چونکہ جنید جمشید نے حضرت عائشہ کی شان میں گستاخی کی ہے، لہذا مجھے اس کا بدلہ لینا ہے۔ کیا مفتی صاحب نے اس کے علاوہ کچھ بیان کیا؟ اگر ہاں، تو خدارا میری رہنمائی کیجیے۔

یاد ہو گا کہ کالم کے آغاز پر سوال دو اٹھے تھے۔ ایک کی بات ہوگئی، دوسرے کی طرف آتے ہیں۔ سوال تھا کہ کیا سلمان تاثیر کا قانون توہین مذہب پر سوال اٹھانا حقیقت پر مبنی ہے کہ نہیں؟

ہمارا معاملہ جذباتی ہے اور ہماری ٹریفک یک رویہ ہے۔ ہم اذیت پسند ہوگئے ہیں۔ ہمارے دل رحم کے احساس سے عاری ہوگئے ہیں۔ علم کے نام پر ازبر کیے ہوئے نفرت انگیز انشائیوں نے ہماری آنکھوں میں خون اتار دیا ہے۔ قسم ہے اس وقت کی کہ جب سچ نے سلمان تاثیر کی زبان کا سہارا لیا تھا، ہمارا اجتماعی مزاج ظلم کی پوجا پر آیا ہے۔ ہم فرد جرم

عائد کرتے ہیں، اپنے ہی اصول پامال کر کے کسی غریب کی جان لے لینا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ اس ملک میں مذہب پر اصرار کرنے والے شہریوں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروی کرتی ہے۔ فقہ حنفی نے اہانت رسول کا مسئلہ ہمیشہ ارتداد کے باب میں بیان کیا ہے۔ گو کہ ارتداد کے حنفی تصور سے بھی ہم متفق نہیں، لیکن ایک حنفی پیروکار کو تو سوچنا چاہیے کہ ارتداد کا کسی غیر مسلم سے کیا تعلق ہے۔ پھر یہ کہ فقہ حنفی ایک غیر مسلم گستاخ رسول کی سزا قتل کیوں قرار نہیں دیتی؟ فقہ حنفی کیوں اصرار کرتی ہے کہ گستاخ رسول اگر غیر مسلم ہے تو جج اپنی صوابدید پر سزا دے گا، اور یہ کہ سزا قتل کی ہر گز نہیں ہو گی۔ کوئی ابن مریم امام ابو حنیفہ کے پیکر خاکی میں روح پھونک کر پاکستان میں لا کھڑا کرے، تو بتلایئے دو سو پچانوے سی سے متعلق امام کا نقطہ نظر کیا سلمان تاثیر سے مختلف ہو گا۔ اگر نہیں ہو گا، اور ظاہر ہے کہ نہیں ہو گا، تو کیا کسی غیرت مند محافظ کی داڑھ امام کے لیے بھی گرم ہو گی۔؟ فقہ حنفی نے قتل کی سزا کو اس صورت میں لاگو رکھا ہے کہ جب توہین مذہب کا ارتکاب مسلمان نے کیا ہو۔ اس کلیے کو سامنے رکھیے، اور پھر ہمارے اخلاقی دیوالیہ پن کا جائزہ لینے کے لیے کچھ دیر میرے ساتھ مل کر رمشا مسیح کیس کے صفحات کھنگالیے۔ جانتا ہوں کہ بات طول پکڑ رہی ہے مگر کیا حرج ہے کہ اگر تاریخ کے دفتر میں اپنے حصے کی گواہی ہم ثبت کرتے چلیں۔

دو ہزار بارہ کا سن ہے۔ ایک مسجد کا پیش امام مولوی خالد جدون نے الزام عائد کرتا ہے کہ رمشا نامی مسیحی لڑکی نے قرآن کے اوراق جلائے ہیں۔ کیس اسلام آباد ہائی کورٹ میں آیا۔ توہین مذہب کے مقدمے کے اندراج کے لیے گواہوں کی کبھی کمی نہیں پڑی۔ مولوی خالد جدون کو بھی گواہ مل گئے۔ خدا کا کرنا ہوا کہ خالد جدون کے قریبی ساتھی حافظ زبیر چلا آیا۔ حافظ زبیر نے جج کے روبرو بیان دیا؛ ''میں نے بقائمی ہوش و حواس اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھا کہ مولوی خالد جدون نے کچھ جلے ہوئے اوراق میں خود اپنے ہاتھوں سے قرآن کے کچھ اوراق شامل کیے اور اسے بنیاد بنا کر کچھ دوستوں کی مدد سے رمشا مسیح پر مقدمہ دائر کر دیا۔''

مولوی خالد جدون کے اپنے ہی قریبی ساتھی، جو حافظ قرآن تھا، کی اس گواہی کے بعد دل پر ہاتھ رکھ کر بتلایئے کہ گستاخی رسول کا مرتکب کون ہوا؟ مولوی خالد جدون ہوا نا؟ مولوی خالد جدون گرفتار ہو گیا۔ رمشا مسیح تو بری ہو چکی تھی، خالد جدون بھی چھ ماہ بعد بری ہو گیا۔ اب المیہ یہ ہے کہ فرزندان توحید سوال اٹھاتے ہیں کہ رمشا مسیح کو عدالتوں نے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ حیران ہوں کہ یہ سوال نہیں اٹھاتے کہ مولوی خالد جدون کو کیوں زندہ چھوڑ دیا گیا؟ یعنی انصاف کے تقاضے اپنی جگہ مگر کیا یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی پر اصرار کرنے والے اپنے مزاج میں داعش اور القاعدہ کے پیروکار کیوں بن جاتے ہیں؟ بس آپ نے خون بہانا ہے، چاہے اس کے لیے امام ابو حنیفہ کو کوفہ کے کسی اجنبی قلعے

میں بند کرنا پڑے؟ شاہان عرب کی خوشنودی کے لیے ابن تیمیہ کے مسلک پہ بنائے گئے جنرل ضیا کے قانون کو آپ صحیفہ آسمانی سمجھتے ہیں، سمجھتے رہیے، مگر اتنا بتلادیں کہ فطرت کا کون سا درجہ اس شق کی تائید کر سکتا ہے کہ اگر ایک احمدی کسی مسلمان سے ملتے وقت ''السلام علیکم'' کہے تو اسے تین سال جیل ہو گی۔ کیا اسے اسلامی تعلیم کہہ سکیں گے؟

بہر خدا، کچھ دیر رکیے۔ اطمینان کا سانس لیجیے۔ ہیجان سے باہر آیئے۔ کچھ گردوپیش کا جائزہ لیجیے۔ دیکھیے کہ آپ کی غیرت ایمانی نے کتنی ماوں کو رلا دیا ہے۔ انیس سو اٹھاسی سے اب تک توہین قرآن کے ڈیڑھ ہزار مقدمے قائم ہو چکے ہیں۔ توہین مذہب کے چار سو چوالیس مقدمے درج ہو چکے ہیں۔ ان میں دو سو اٹھاون مسلمانوں کے خلاف، ایک سو چودہ مسیحیوں کے خلاف، ستاون احمدیوں اور چار ہندووں کے خلاف درج ہو گئے ہیں۔ صرف انیس سو نوے سے اب تک باون افراد اسی الزام کی بنیاد پر ماورائے عدالت قتل کر دیے گئے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم سفاک ہو گئے ہیں۔ ہم الزام کا پھندا پہننے کے لیے اپنی گردن پیش کرتے ہیں مگر عدالت میں حال دل سنانے کی مہلت تو عطا کیجیے۔ کہنے کا حق تو عنایت کیجیے۔

آپ کی فقہ کہتی ہے کہ قتل کی سزا مسلم گستاخ کو ملے گی۔ اسے بھی اپنی بات سے رجوع کرنے کے لیے تین دن دیے جائیں گے۔ رجوع کرلے تو اس کا رستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ آسیہ مسیح غیر مسلم ہے، پھر اس نے کیمرے کی آنکھ کے سامنے الزام کو مسترد کیا؛ کہا کہ میں رسالت مآب کی اہانت کا تصور نہیں کر سکتی۔ مگر فقیہان شہر قمیص اتار کے کہتے ہیں کہ جج آسیہ کو لٹکانے کا حکم صادر کرے ورنہ ہم کفن باندھ کے نکلے ہیں۔ جنید حفیظ کا کیس جلتا انگارہ بن جاتا ہے۔ کوئی وکیل اسے اپنے ہتھیلی پہ رکھنا نہیں چاہتا۔ ملتان کا راشد رحمان جیسا انسان دوست یہ کیس لڑتا ہے۔ جج سماعت کو اگلی تاریخ تک ملتوی کرتا ہے تو مخالف وکیل جج کے سامنے کہتا ہے ''اگلی سماعت پر راشد رحمٰن آئیں گے تو سماعت ہو گی نا''۔ اگلی پیشی سے پہلے چیمبر میں گھس کر راشد رحمن کے سینے میں گولیاں اتار دی جاتی ہیں۔ جسٹس عارف اقبال بھٹی رحمت مسیح اور سلامت مسیح پر عائد توہین مذہب کے مقدمے کی سماعت فرماتے ہیں۔ مدعیوں کے پاس مطلوبہ ثبوت و شواہد نہیں ہوتے تو وہ لاہور ہائی کورٹ کے چیمبر میں گھس کر جسٹس عارف اقبال بھٹی کو ہی خون میں تڑپا دیتے ہیں۔ منصور مسیح توہین مذہب کے الزام میں گرفتار ہوتا ہے۔ مقدمے کی سماعت کے لیے آتا ہے تو لاہور ہائی کورٹ کے احاطے میں اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ یہ داستانِ الم کہاں تک سنائی جائے۔ دامن فریاد کہاں پھیلایا جائے۔

اب کے نشانے پہ شان تاثیر ہیں۔ جہاں عمران خان کی گردن ناپی جائے وہاں شان تاثیر جیسے ایرے غیرے پچ کلیان کیا بیچتے ہیں۔ شان تاثیر کا جرم کیا ہے۔ اس نے ایک بات کہی ہے؛ ''جنرل ضیا کا یہ قانون غیر انسانی قانون ہے۔''

اس قانون کے گرد گھومتی ہوئی خونریز تاریخ پر ایک نظر کیجیے۔ پھر انصاف سے بتلایئے کہ شان تاثیر نامی نوجوان نے غلط کیا کہا ہے؟ امکان بہت کم سہی، ایک گمان کر لینے میں حرج ہی کیا ہے کہ شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات۔

("ہم سب"، 4 جنوری 2017)

پاکستان کے خفیہ ملحد

مبین اظہر

پاکستان میں ملحد ہونا زندگی کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے، لیکن ایسے بہت سے لادین بھی ہیں جو ایک دوسرے کی حمایت کے لیے بند کمروں میں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ جس ملک میں توہین مذہب یا کفر اختیار کرنے پر موت کی سزا ہو سکتی ہے وہاں ایسے لوگ کیسے رہتے ہیں؟

عمر انھی میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے آبا و اجداد کے عقیدے کو مسترد کر دیا ہے۔ پاکستانی ملحدین جس آن لائن گروپ میں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں اس گروپ کی تشکیل میں عمر کا بھی ہاتھ ہے۔

ایسے لوگوں کو آن لائن بھی محتاط رہنا ہوتا ہے اسی لیے اراکین جعلی شناخت کا استعمال کرتے ہیں۔ عمر کہتے ہیں: 'آپ کو اس بات کا خیال رکھنا ہوتا ہے کہ آپ کس کو فرینڈ بنا رہے ہیں۔'

پاکستان میں الحاد سے متعلق کسی بھی طرح کی پوسٹ خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ حال ہی میں حکومت نے سائبر جرائم سے متعلق جو قانون منظور کیا ہے اس کے مطابق کسی نجی فورم پر بھی توہین مذہب سے متعلق کوئی بھی پوسٹ غیر قانونی تصور کی جائے گی۔

حکومت نے اس کے لیے اخبارات میں اشتہار جاری کیے ہیں جن میں عوام سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ توہین مذہب سے متعلق کوئی بھی مواد دیکھیں تو اس بارے میں وہ متعلقہ حکومتی اداروں کو مطلع کریں۔

اس قانون پر عمل بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس برس جون میں اسی طرح کے ایک مقدمے میں تیمور رضا نامی ایک شخص کو فیس بک پر توہین مذہب سے متعلق مواد شائع کرنے پر موت کی سزا سنائی گئی تھی۔

اس پس منظر میں ملحدین یہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا کے وجود پر ان کے سوالات خطرے سے خالی نہیں ہیں۔

عمر کا خیال ہے کہ حکومت نے ملحد بلاگروں کے خلاف تو جیسے جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں: 'میرا ایک دوست مذہبی بنیاد پرستی کے خلاف لکھا کرتا تھا۔ ہم ایک ساتھ مل کر آن لائن گروپ چلاتے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ اسے

بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ایک بار اگر آپ کو اغوا کر لیا گیا تو زیادہ امکانات اس بات کے ہیں کہ آپ کی لاش بوری میں بند ملے گی۔

'حکومت یہ دانستہ طور پر کر رہی ہے تاکہ جو لوگ بچے ہیں ان کو بھی یہ پیغام مل جائے کہ اگر آپ نے حد پار کی تو آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔'

اس برس ملحدین کی حمایت اور حکومت مخالف فورمز پر پوسٹ کرنے کی وجہ سے چھ کارکنان کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کارکن نے بی بی سی سے اس بارے میں بات کی لیکن نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر۔

ان کے مطابق حکومت اس خیال کو نافذ کرنا چاہتی ہے کہ اچھے شہری کا ایک اچھا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حالانکہ پاکستان میں تکنیکی سطح پر الحاد غیر قانونی نہیں ہے لیکن بعض فقہا کی نظر میں کفریہ عقیدے کا حامل شخص موت کی سزا کا مستحق ہے۔ اس روشنی میں کھل کر اس پر بات کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

بہت سے ایسے پاکستانی جو ملحد ہیں، چھپ کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ لاہور کے ایسے ملحد محفوظ نجی مکانوں میں خفیہ طور پر ہر ماہ ملتے ہیں۔

ان میں سے ایک شخص نے بتایا: 'یہ ایک خفیہ کمیونٹی ہے، جہاں ہم بات کر سکتے ہیں۔ یہاں ہر طرح کی بات ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں آپ آزادانہ طور پر جو کہہ سکتے ہیں وہ کہنا چاہتے ہیں۔'

الحاد پرستوں کی ایسی خفیہ میٹنگوں میں حصہ لینے والے ایسے بیشتر افراد کا تعلق شہر سے ہوتا ہے جو انگریزی میں آسانی سے بات کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر افراد کا تعلق مراعات یافتہ طبقے سے ہے لیکن کچھ لوگوں کا تعلق دیہی علاقوں سے بھی ہے۔

ظفر ایک وقت گاؤں کی ایک مسجد میں موذن تھے۔ وہ پنج وقتہ نمازی تھے اور مذہبی تعلیم دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن آئی ٹی جاب اختیار کرنے کے بعد جب وہ اپنے گاؤں سے باہر آئے تو انھیں لگا کہ ان کے خیالات بالکل تبدیل ہو گئے ہیں۔

وہ کہتے ہیں: 'میرے اہل خانہ کو مجھ میں تبدیلی نظر آئی۔ میری ماں کو لگا کہ مجھے کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ مجھے پھر پینے کے لیے دم کیا ہوا پانی اور کھانے کے لیے دم کیا ہوا کھانے دیا جانے لگا۔ ان کو لگا اس سے نظر بد دور ہو جائے گی۔

' آج کل میں جمعے کی نماز، یا عید کی نمازوں کے لیے بطور رسم جاتا ہوں۔ میرے خاندان کو پتہ ہے کہ میں مذہب میں اعتقاد نہیں رکھتا لیکن جب تک میں اس بارے میں بہت زیادہ شور نہیں مچاتا وہ مجھے جگہ دے دیتے ہیں۔'

ظفر کا کہنا ہے: 'اگر آپ بعض چیزیں کرنے کے لیے تیار ہیں، جیسے ادب آداب، والدین کا احترام اور عوام میں مناسب رویہ، تو پھر آپ ملحد رہ کر بھی آرام سے رہ سکتے ہیں۔'

اس سلسلے میں جب وزارت انفارمیشن و ٹیکنالوجی سے بات کرنے کی کوشش کی تو ان کا کہنا تھا کہ سائبر کرائم سے متعلق قوانین کا مقصد لوگوں میں بیداری پیدا کرنا ہے۔ لیکن انھوں نے اغوا کی وارداتوں کے سلسلے میں تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔

("بی بی سی" اردو، 23 جولائی 2017)

ایک ملحد سے مکالمہ

علی ارقم

بھکاری بنام خدا مدد کا طالب ہوا، رحم کی التجا کی، چند سکے کچھ مڑے تڑے نوٹ پا لیے۔

میرے پاس بیٹھے شخص نے بھی ایک نوٹ بڑھایا اور تسبیح پر انگلیاں پھیرتے ہوئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا رہا۔

پھر اگلے اسٹاپ پر ایک آٹھ سال کی بچی بس میں سوار ہوئی اور ایک مشہور نعت کے کچھ حصے ترنم کے ساتھ پڑھنے کے بعد مالی مشکلات، باپ کی بیماری، ماں کی بے چارگی کے عنوان سے کچھ اعانت کی طالب ہوئی۔ چند سکے اور اک نوٹ اس کے حصّے میں بھی آئے، اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو بغل کے پاس اس کی پھٹی ہوئی قمیض میں سے اس کے کمزور بازو اور استخوانی بدن جھلک رہا تھا۔ میرے پاس بیٹھے شخص نے ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا، پھر اس نے بچی کی حالت، اس کی پھٹی ہوئی قمیض اور بغل میں پڑے سوراخ کی طرف اشارہ کر کے تاسف سے سر ہلایا:

"مسلمانوں کی بیٹی کو دیکھو کس حال میں ہے؟ "

میں نے عرض کیا، "غریب کی بیٹی کہیئے سرکار! مسلمان تو ایک سیاسی شناخت کا عنوان ہے، جو تبھی حوالہ بنے گا جب مقابل کوئی اور مذہب، کوئی مسلک ہو، بے چارگی و محرومی قابل اعتناتب ہی ٹھہرے گی جب کسی طرح سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس کو مسلط کرنے والا ہمارے مذہب کا نہیں ہے۔"

وہ مسکرایا اور کہا، "یعنی کہ جب تک کوئی نعرہ، کوئی پرچم نہ ہو، کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگے گی۔ پر یہ بچی بھی تو مذہبی حسیات کو ہی مخاطب کر کے اعانت کی طالب ہوئی تھی، پھر اس کی مدد میں اتنا بخل کیوں؟"

جواب دیا، "لوگ حیلے تراش لیتے ہیں کہ یہ پروفیشنل بھکاری ہیں۔ یہ سب کچھ اسے سکھایا گیا ہے۔ پھر دیکھیں نا مخاطب بھی تو مسافر بس کے سوار ہیں جو دو اور پانچ روپے کے سکے پر کنڈیکٹر سے تکرار کرتے رہتے ہیں کیوں کہ ہر سکہ ان کی آمدنی و اخراجات کے بیلنس کو بھگانے کا باعث بنتا ہے۔"

ایسے میں مدرسے کی رسید بُک اور میگا فون ہاتھ میں لئے ایک نوجوان بس کے زنانہ حصے کے دروازے سے نمودار ہوا اور بیچ کا جنگلہ پکڑ کر میگا فون منہ سے لگائے وعدے و وعیدوں سے سجی مسجّع و مقفٰی تقریر شروع کر دی۔ اس بار جھنجھلاہٹ کے اظہار میں، میں نے پہل کی، "یہ اردو ادائیگی و تلفظ میں اس قدر مبالغہ آمیزی کی کیا ضرورت ہے؟"

اُس نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا اور جواب کی مسند پر براجمان ہو کر کہا، "ارے بھئی دین کی بات تو تجوید کے ساتھ ہو گی ناں، جتنی ناقابل فہم ہو، اتنی ہی مرعوبیت بڑھے گی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا، "اور اتنی چھوٹی سی بس میں یہ میگا فون؟"

"دلخراشی و سماعت خراشی کے لوازمات ساتھ ساتھ ہیں، تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس بلائے ناگہانی سے کچھ دے دلا کر ہی خلاصی ملے گی"، اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

اور پھر چند نوٹ لے کر وہ بھی اتر گیا جس کی مالیت بلاشبہ بوڑھے بھکاری اور کمسن بچی کے حصے میں آنے والی بھیک سے زیادہ تھی۔

"لو تمہارے مسلمانوں کا احوال، مولوی پر نوٹوں کی برسات کر دی، پینسٹھ روپے سمیٹے ہیں اس ایک بس سے۔" پھر پورے دن میں گزرنے والی بسوں اور سواریوں کا حساب لگاتے ہوئے کہا، "مذہبی جذبات وعدے وعیدوں سے زیادہ بھڑکتے ہیں۔"

میں نے کھسیانا سا قہقہہ لگایا اور سوال کیا، "میرے مسلمان! اور آپ کا تعلق کس مذہب سے ہے؟"

اس نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے وہ کسی کرکٹ بیٹسمین کی مانند اسی موقع کے انتظار میں تھا اور میں نے یہ سوال کر کے جیسے اُسے کوئی فُل ٹاس دے دی ہو۔ بڑی رسانیت سے کہا، "سارے مذہب میرے ہیں، گرچہ میں مذہب کو انسان کا واہمہ سمجھتا ہوں، فطرت کے قوانین کے سامنے احساس بے چارگی کا اظہار مذہبی رسومات میں ڈھل جاتا ہے۔" پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا، "خوف کے بطن سے دیوتا جنم لیتے ہیں، کبھی بیٹوں کی بلّی چڑھائی جاتی ہیں ہیں کبھی بیٹیاں دریا بُرد کی جاتی ہیں اور کبھی فصل و آمدن میں خراج سے مداوا کرنے لگتے ہیں، لیکن میں ان سب واہموں، وسوسوں اور خوش گمانیوں کو اپناتا بھی ہوں، یہ میرا حصہ ہیں اور میں ان کا حصہ ہوں۔"

"یہ تو صدیوں سے چلا آ رہا جھمیلا ہے جو کسی نہ کسی صورت میں رہتا ہی ہے پر اصل مسئلہ تو مذہب اور سیاست کے اشتراک نے پیدا کیا ہے۔ پیغمبر ابراہیم نے سماجی رویوں کی بنیاد عقیدے پر رکھنا چاہی تو دربار خداوندی سے تادیب ہوئی اور کہا، 'ابراہیم تم کون ہوتے ہو میرے اور بندے کے درمیان تعلق، ایمان و اعتقاد پر سماجی برتاؤ کی بنیاد رکھنے والے؟

جس ضعیف بوڑھے کو تم نے جھاڑ پلا کر اپنے دستر خوان سے اٹھایا کہ اس نے تمہارے اعتقاد کی تائید و تصویب سے گریز کیا، اسّی سال سے اس کے رزق کے کفیل کیا تم تھے؟ یہ تو آج کا مذہب ہے جو سیاسی مقاصد اور مذہبی پیشوائی کے مفادات کے ہاتھوں یر غمال ہے۔"

اس نے کہا، "کیا آج اور کیا کل! یہ لفاظی کی باتیں ہیں، شاہ کے دربار سے درجہ استناد پانے والوں نے جب بھی سولی اور مقتل سجایا یا کتابیں جلا کر الاؤ روشن کیے۔ یا جو مسجد کے زینے پر بیٹھے ابن رشد پر تھوکتے گئے، انہیں عنوان ہمیشہ مذہبی پیشوائی نے ہی فراہم کیا۔"

"جو ان کی زد میں تھے وہ بھی تو مذہب سے ہی دلیل لاتے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے، بلاشبہ خاص زمانے کے محاورے و اصطلاحات پیرایائے اظہار بنتے ہیں لیکن اس وقت ان کی معقول دلیل پر بھی کوئی کان نہیں دھرتا تھا۔ یہ تو جب وقت گزرتا تھا اور دہائیوں اور صدیوں بعد نئی صف بندیاں ہوتیں، بحث و مناظرے کے میدان سجتے تو اپنے حریف کو مات دینے کی خاطر، اپنی دلیلیں آراستہ کرنے کی خاطر ان لوگوں کے اقوال چنے گئے جو ماضی کے ادوار میں راندہ درگاہ تھے۔ منصور حلاج، ابن عربی اور ابن رشد پر آج شروحات لکھنے والے ماضی میں قتل کے پروانوں پر مہر لگانے والوں اور پتھر پھینکنے والوں کی صف میں تھے۔ ارے بھائی دور کیوں جاتے ہو دیکھ لو آج کے مذہبی طیلچی سراج الحق کو، کبھی وہ مزدور کسان کی بات کرتا ہے، جا کے سندھ کے ہاری کو گلے لگا کے اس بھٹو کی نقالی کرتا ہے جس پر ایک سو تیرہ مولویوں نے فتوٰی کفر لگایا تھا۔ اسی جماعت کا امیر العظیم ٹی وی پر بیٹھ کر سوشل ازم کو اسلام کے قریب قرار دیتا ہے۔ مذہب ماضی میں پیوست ہے اور ماضی سے جڑے ہر رومان سے تقویت لینے کے راستے بناتا ہے، بس پیرایائے اظہار میں تھوڑی ترمیم کر لیتا ہے۔ آپ معاش کا معاملہ، سماج کا معاملہ یا جو بھی لے آئیں جب مذہب سے اس کا حوالہ تراشیں گے تو آپ کے حصے میں وہی کچھ آئے گا جو اس بچی اور بوڑھے کے حصے میں آیا اور جو اسی معاد سے جوڑے گا وہ اس میگا فون والے کی طرح میلہ لوٹ کے لے جائے گا۔"

میں نے اس کے ہاتھ میں تسبیح کی طرف اشارہ کر کے کہا، "ہاتھ میں تسبیح؟ چہ معنی دارد؟"

کہا، "بس ایک عادت۔"

"پڑھتے کیا ہیں اس پر؟"

"یا انسان، یا انسان، یا انسان۔"

("ہم سب"، یکم اپریل 2017)

توہین مذہب کے الزامات اور مشتعل ہجوم

ڈاکٹر غزالہ قاضی

13 اپریل 2017ء کو عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان کے طالب علم مشال خان پر توہین مذہب کا جھوٹا الزام لگا کر بلوائیوں نے انتہائی ظالمانہ طریقے سے قتل کر دیا۔ مشال خان کے قتل سے قبل اور بعد ازاں اور واقعات بھی ہوئے جن میں کچھ افراد پر توہین مذہب کا الزام لگا کر انہیں مار دیا گیا یا مارنے کی کوشش کی گئی۔ نومبر 2014ء میں کوٹ رادھا کشن میں تین بچوں کی ماں اور چوتھے بچے سے حاملہ، 24 سالہ مزدور، کرسچن عورت، شمع مسیح اور اس کے 28 سالہ شوہر شہزاد مسیح پر 1200 افراد پر مشتمل ایک مشتعل ہجوم نے پہلے جسمانی تشدد کیا، پھر زندہ جلا کر مار دیا۔ اس ہجوم کو دو مقامی مسجدوں کے مولویوں نے اپنی اشتعال انگریز تقریروں سے اکٹھا کر کے اس بربریت پر اکسایا۔ شمع مسیح پر قرآنِ کریم کے صفحات جلانے کا الزام تھا۔ 30 جولائی 2009ء میں گوجرہ کے ایک کرسچن لڑکے پر توہین اسلام کا الزام لگایا گیا۔ جس کے نتیجے میں ایک مشتعل ہجوم نے وہاں کی کرسچن آبادی کے کئی گھروں کو آگ لگا دی اور اس آگ میں سات مسیحی عورتیں اور بچے جل کر مر گئے۔ اسی طرح لاہور کی جوزف کالونی میں بلوائیوں نے آگ لگا دی کہ وہاں کے ایک کرسچن شہری پر توہین مذہب کا الزام لگایا گیا تھا۔

1986ء سے لے کر اب تک پاکستان میں ہزاروں لوگوں پر توہین مذہب کا الزام لگایا گیا ہے۔ سینکڑوں کو گرفتار کیا گیا ہے اور درجنوں پر جسمانی تشدد کر کے اُنہیں جان سے مار دیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثریت پر اُن کے مخالفین نے اپنی ذاتی رنجش یا کاروبار کا حساب برابر کرنے یا اُن کی جائیداد غصب کرنے کیلئے جھوٹا الزام لگایا ہوتا ہے کہ ایک بار کسی پر توہینِ مذہب کا الزام لگ جائے تو اُسے ہمیشہ کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ پر پناہ لینا پڑتی ہے۔ ان میں کچھ نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور دماغی توازن درست نہ ہونے کے باعث نبوت وغیرہ کے دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ ان لوگوں کو اگر عدالت اس الزام سے بری بھی کر دیتی ہے تو ان کو جیل سے آزادی ملنے کے بعد مار دیا جاتا ہے۔ جس وکیل نے اُن کا کیس کیا ہوتا ہے اور جس جج نے یہ فیصلہ دیا ہوتا ہے، ان کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے پروفیسر جنید حفیظ 2013ء سے اس الزام میں جیل میں ہیں۔ ان کے وکیل راشد رحمان کو ان کا دفاع کرنے

پر قتل کر دیا گیا ہے۔ ایک انٹر نیشنل تنظیم کے مطابق اس وقت پاکستان میں جتنے لوگ اس الزام کی وجہ سے جیل میں ہیں، کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔

ان سب واقعات سے پوری دنیا میں پاکستان ریاست کی یہ تصویر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو جان ومال کا تحفظ دینے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ پاکستانیوں، خصوصاً پاکستان کے مولوی صاحبان کا یہ تصور ابھرتا ہے کہ وہ مذہب کے معاملات میں شدت پسند واقع ہوئے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے پر امن ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔ پاکستانی اس کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ پاکستانی مسلمان اپنے عقائد سے اتنا عشق کرتے ہیں کہ وہ ان کے بارے میں کسی توہین کو برداشت نہیں کرتے اور اس کے صرف شبے میں کسی کی جان لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ پاکستانی شہری اس بات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ انصاف کے بغیر کسی کی جان لینا کسی بھی نظام قانون میں قابل قبول نہیں ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنا فرد واحد، ایک گروپ یا ایک مشتعل ہجوم کا کام نہیں ہے، یہ ملک کی عدالتوں کا فرض ہے۔ جو شخص یا گروپ ریاست کو اس کے قانونی تقاضے پورا کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے وہ ریاست میں فساد پھیلانے کے خطرناک جرم کا مرتکب ہوتا ہے اور ایک منصف ریاست ایسے مجرموں کو قرار واقعی سزا دے کر ہی ملک میں امن و امان قائم کر سکتی ہے۔

پاکستان میں توہین مذہب کے مجرم کی سزا موت ہے اس میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں سے نیت کی شق بھی نکال دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ قانون ملزم کی نیت کو مد نظر نہیں رکھتا کہ آیا اس نے مذہب کی جان بوجھ کر توہین کی ہے یا وہ بے دھیانی اور لاعلمی میں توہین آمیز بات کر گیا ہے۔ ایسے قانون کو اگر اسلامی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی 1400 سالہ تاریخ میں جن اکا دکا افراد کو سزا دی گئی تو اس کی اصل وجہ ان لوگوں کا اسلامی ریاست کے خلاف سازشی یا سرکش ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کے مولوی حضرات کی اس بات کو درست سمجھ لیا جائے کہ توہین مذہب کے مجرم کو توبہ کا حق بھی حاصل نہیں تو اس منطق کے مطابق سارے کفار مکہ کو قتل ہو جانا چاہیے تھا۔ یا پھر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں اسلام کے اصولوں پر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ عبور حاصل ہے؟

دنیا میں کوئی ریاست اپنے شہریوں خصوصاً اقلیتوں کو انصاف فراہم کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کی اسلامی ریاستوں میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ توہین مذہب جیسے واقعات اس زمانے میں بھی ہوتے تھے۔ اس معاملے میں امام ابو حنیفہ اور امام غزالی جیسے پائے کے علماء اور فقیہان دین کی آرا قابل

غور ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق ایک غیر مسلم کو اس جرم میں قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی، اس لیے کہ اس کا اللہ اور رسالت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ اور ایک غیر مسلم پر حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اگر وہ شخص کھلے عام، بار بار اس جرم کا مرتکب ہو تو عدالت اس کی سزا متعین کر سکتی ہے۔ تاکید بار بار اور عدالت پر ہے۔ کسی گروپ یا فردِ واحد کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ امام غزالی کی رائے میں سزا دینے سے پہلے اُس شخص کی نیت، علم و فہم اور سمجھ بوجھ کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کی علاوہ اس کا جرم ثابت ہونے کے بعد توبہ کرنے کے لیے تین دن دینا ضروری ہیں اور اگر وہ توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے (فاصل التفریکہ)

مسلمانوں کے سپین میں 700 سالہ دور حکومت میں یہی اسلامی قوانین توہین مذہب کے مجرموں پر لاگو کیے گئے۔ اس دور میں صرف چند گنے چنے لوگوں کو اس جرم کی سزا ملی۔ ایک مغربی مورخ اس بارے میں لکھتا ہے کہ سپین میں مسلمانوں کی حکومت کے دور میں اسلامی عدالت نے صرف ان ایک یا دو مسیحیوں کو اس جرم کی سزا دی جو کہ "شہادت" کے شوق میں بار بار سر راہ کھڑے ہو کر علی الاعلان توہین کرتے تھے اور عدالت کی بار بار سرزنش کے باوجود باز نہ آتے تھے۔ اس کے برعکس اس دور کی یورپ کی حکومتیں اور عوام اسی طرح کے بے شمار مقدمات میں اپنے شہریوں کی ایذا رسانی میں مشغول تھیں۔ اس دور میں لوگوں پر مذہب کی توہین کے الزامات پر زندہ بھی جلایا جاتا تھا۔ اسی لئے یورپ کے اس دور کو تاریخ کا ایک تاریک دور سمجھا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مغربی مورخوں کی اکثریت مسلمانوں کے اس دور کو مقابلتہً، منصفانہ اور روشن خیال قرار دیتی ہے۔

ایک زمانے میں ہمیں یہ بتایا جاتا تھا کہ قرآن کریم کے صفحات کے شکستہ ہونے پر انہیں جلا دینا بہتر ہے کہ اگر ان کو دریا میں پھینکا جائے یا زمین میں دفن کیا جائے تو دریا کے پانی اور مٹی کی آلودگی کی صورت میں ان صفحات کی بے حرمتی کا خدشہ ہے۔ اکتوبر 2011ء میں ایک 20 سالہ لڑکا، جنید احمد جو حضرو ضلع اٹک کا رہنے والا ہے اور راولپنڈی روڈ پر واقع امدادیہ مسجد سے ملحق مدرسے میں قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے رہائش پذیر تھا۔ اس کے استاد نے اُسے قرآن کریم کے ضعیف صفحات ایک کنویں میں ڈالنے کے لئے کہا جو کہ اس مقصد کے لیے کھودا گیا تھا۔ جنید احمد جب ان صفحات کو کنویں میں ڈالنے لگا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کنواں مکمل طور پر بھر چکا ہے اور اس کے اوپر صفحات ڈالنے سے وہ جگہ جگہ بکھر سکتے ہیں۔ اس نے ان صفحات کو جلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کو قرآن کریم کے صفحات کو جلاتے دیکھ کر کچھ اشخاص نے اسے مارنا شروع کر دیا اور سخت جسمانی تشدد کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس سارے وقت میں جنید احمد چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاتا رہا کہ اس کی نیت قرآن کی بے حرمتی نہ تھی بلکہ اس کو بے حرمتی سے بچانا تھا۔ مگر اس کی کسی

نے ایک نہ سنی۔ اس کے استاد نے بھی جنید کی حمایت کی اور واضح کیا کہ قرآن کریم کے شکستہ صفحات کو اس مقصد کے لیے جلانا اسلامی رُو سے منع نہیں ہے۔ اس کے باوجود جنید احمد کو جہلم کی جیل میں بھیج دیا گیا۔

2009ء میں ایک ان پڑھ، مزدور کرسچن عورت، آسیہ بی بی پر توہینِ رسالت کا الزام لگایا گیا۔ وہ پچھلے 8 سال سے جیل میں ہے۔ وہ کئی بار معافی مانگ چکی ہے۔ اسے معافی دلانے کی کوشش میں اور توہین مذہب کے قانون پر نظر ثانی کی تجویز پیش کرنے پر اس وقت کے پنجاب کے گورنر، سلمان تاثیر اپنے باڈی گارڈ کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بار بار اس بات کی وضاحت کی تھی کہ وہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے توہین رسالت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ان کے خلاف آج تک کوئی بھی اس الزام کو ثابت نہیں کر سکا۔ اس کے باوجود مولوی حضرات کی اکثریت نے ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا اور دوسروں کو ان کے جنازے میں شرکت سے منع کیا۔ اسی سال 12 ربیع الاول کو ایک خبر کے مطابق، فیصل آباد میں بریلوی اور دیوبندیوں کے دو گروپوں کی لڑائی ہو گئی جس میں انہوں نے ایک دوسرے کے پوسٹر اور پمفلٹ غصے سے نذر آتش کیے۔ ان پر قرآنی آیات اور احادیث شریف درج تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف دفعہ 295-C (توہین مذہب) کے تحت مقدمہ درج کیا جو کہ بعد میں صلح کر کے یہ مقدمہ واپس لے لیا۔

مذہبی گروپ اور مذہبی جماعتیں نہ صرف ایک دوسرے کے خلاف الزامات واپس لے لیتے ہیں بلکہ جس شخص پر توہین رسالت کا الزام ہوتا ہے، اسے معافی بھی دے دی جاتی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ایک معافی نامہ موجود ہے جو کہ ایک مشہور مولوی صاحب کے لئے ہے۔ اس پر مختلف فقہ سے تعلق رکھنے والے کئی علما نے دستخط کیے ہیں۔ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے جنید جمشید مرحوم پر ایک یوٹیوب ویڈیو کے بعد توہین مذہب کا سنگین الزام لگا۔ ان کے مسلک کے ایک عالم نے بیان دیا کہ اگرچہ اس سے توہین ہو گئی ہے مگر چونکہ اس نے معافی مانگ لی ہے، لہٰذا اس کو معاف کر دیا جائے۔ کچھ دوسرے مسلک کے مولوی صاحبان نے کہا کہ نہیں، اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ جنید جمشید اس وقت لندن میں تھے۔ جب وہ واپس آئے تو کسی نے ان کو گرفتار نہیں کیا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ ان کی جہاز کے ایک ایکسیڈنٹ میں وفات ہوئی اور ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ ان کی نماز جنازہ نور خان ائیر بیس میں بھی پڑھائی گئی اور انہیں ملٹری گارڈ آف آنر پیش کر کے ان کے جسد خاکی کو پاکستانی جھنڈے میں لپیٹ کر دارالعلوم میں دفنایا گیا۔

مندرجہ بالا مثالوں سے شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ پاکستانی مولوی حضرات کو مکمل یقین ہے کہ گستاخ مذہب کے لئے معافی کی گنجائش موجود ہے۔ وہ اس معافی کا حق ان لوگوں کو تو دینے کو تیار ہیں جو مذہب کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے گستاخی کرتے ہیں مگر وہ ان لوگوں کو معافی کا حقدار نہیں سمجھتے جو لاعلمی، جہالت یا دماغی بیماری سے ایسی بات کر جاتے ہیں۔ وہ غریب اور بے بس لوگوں کے لئے صرف قتل کی سزا پر مصر ہیں اور ان کی معافی کی درخواست کرنے والوں کو بھی قتل کی سزا سناتے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے مولوی حضرات ان لوگوں کے قتل کے فتوے جاری کرتے ہیں جن سے ان کو سیاسی، فروعی یا نظریاتی اختلاف ہوتا ہے۔ شیعہ، سیکولر اور اعتدال پسند مسلمان خصوصاً ان فتوؤں کا نشانہ بنتے ہیں۔ ان کو حقیقتاً حرمت دین سے سروکار نہیں ہے۔ انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں ہے کہ جس دین کے عشق کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، اس کی بدنامی کا سب سے بڑا سبب ان کے اس طرح کے غیر منصفانہ افعال ہیں۔ اس وقت یہ عالم ہے کہ ہمارے پاکستانی علماء کی اکثریت کو اسلام کے انصاف کے اصولوں سے زیادہ سیاست عزیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اسلام کے انصاف کے اصولوں کو سربلند کرنے کے لیے ان لوگوں کی رہائی کی خود کوشش کرتے جو معافی مانگ چکے ہیں یا پھر ان کی نیت توہین کی نہیں تھی یا ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ عوام کو اسلام کے انصاف کے اصولوں سے متعارف کرواتے اور ایسی ناانصاف قوتوں کے خلاف ڈٹ جاتے جو ان کے دین کی بدنامی کا باعث ہیں کہ اصل ہتک اسلام کی انہی ناانصافیوں کی وجہ سے ہو رہی ہے۔

پاکستان میں مشتعل ہجوم کے ہاتھوں قتل، لوگوں کو زندہ جلانے اور ان کے گھروں کو آگ لگانے کی خبریں پل بھر میں دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہیں، جس کی وجہ سے پاکستانی مسلمان دنیا بھر میں شدت پسندی کی علامت بن چکے ہیں۔ پاکستان اس وجہ سے اب اس اخلاقی پوزیشن میں بھی نہیں رہا کہ وہ دوسرے ملکوں کی مسلمان اقلیتوں کے حق میں آواز اٹھا سکے۔ اس وقت پاکستانی ریاست پر لازم ہے کہ وہ ان معاملات میں اشتعال دلانے والوں اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والوں کا سخت محاسبہ کرے۔ جھوٹے الزام لگانے والوں کو سخت سزا دے۔ اگر ریاست کے کچھ ادارے اس قانون کو اپنے مخالفین کو خاموش کروانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک نہایت خطرناک کھیل ہے جس کی لپیٹ میں کوئی بھی کسی وقت آ سکتا ہے اور اس کی وجہ سے ریاست کی بقا خطرے میں پڑ چکی ہے۔ اس مسئلے کا اصل حل یہ ہے کہ یہ ادارے اپنے اندر جمہوری نظام کے مطابق ریفارم کا عمل فوری طور پر شروع کریں کہ یہ وقت کی اشد ضرورت ہے۔ وہ اسی صورت میں ہی اپنے اداروں کی عزت بحال کر سکتے ہیں کہ اس دور میں ناقدین کو ایسے حربوں سے دبانا ناممکن ہے۔

پاکستان کی پارلیمنٹ میں مشال خان کے ظالمانہ قتل کے بعد اس قانون کے اثرات پر بحث چلی ہے جو خوش آئند ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اس قانون میں اسلامی احکامات کے مطابق ترامیم کریں اور اس میں نیت، علم و فہم، سوجھ بوجھ اور معافی کی شقیں ڈالی جائیں۔ وہ وکیل جو ایسے لوگوں کی پیروی کریں اور جو جج ثبوت کو مد نظر رکھ کر منصفانہ فیصلہ دیں، ان کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے ہجوم کو اکٹھا کر کے مشتعل کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں۔ بلوائیوں کے لیے ہر شہر میں پولیس کے خصوصی یونٹ قائم ہوں جو کہ ہتھیاروں سے لیس ہوں اور مختصر نوٹس پر موقع پر پہنچ کر ہجوم سے متاثرہ شخص کی جان بچائیں۔ اس کے لیے ایک خاص ایمر جنسی فون نمبر مقرر کیا جائے۔ بلوائیوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تا کہ آئندہ کسی کو بھی ایسی درندگی کی ہمت نہ ہو۔ اگر اس وقت پاکستانی ریاست ایسا کرنے میں ناکام رہتی ہے تو وہ دنیا کی اقوام کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ ہو گی اور اس کے تاریخ میں اس دور کو تاریک ترین دور سے یاد رکھا جائے گا۔

("ہم سب"، 18 جون 2017)

گستاخ تو ہم سب ہیں

فرح لودھی خان

کیا اس وقت توہین اسلام نہیں ہوتی جب رسول اللہ کی تعلیمات کے خلاف جا کر تحفے کے نام پر رشوت لی جاتی ہے؟ جب علاقائی سوغات کی آڑ میں فائل اوپر کروانے کے لئے پیٹی بھر بھر کے پھل سبزیاں چیمبر میں بھجوائی جاتی ہیں کیونکہ میرے نبی نے تو فرمایا تھا کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہیں۔

جب سٹاپ پہ کھڑی لڑکی کا آنکھوں سے زنا کرنے کے بعد اس کے پاس بائیک لا کر پوچھا جاتا ہے 'چل! اچھے پیسے دوں گا' اور جب بڑے گھروں کے بڑے بھیڑیے گھر میں کام والی بچیوں کو بھی نہیں بخشتے۔ کیونکہ میرا دین تو کہتا ہے کہ 'مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔' (سورہ النور)

جب ہسپتال میں غریب کو جھڑک کر امیر پہ توجہ دی جاتی ہے اور غریب کے باپ کے لیے وینٹی لیٹر ہی نہیں مل پاتا۔ جب سائیں لوگوں کی آمد پر مریضوں کو ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ میرا دین تو کہتا ہے کہ 'جس نے ایک جان بچائی اس نے گویا ساری انسانیت کو بچایا اور جس نے ایک جان لی اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا۔' (سورہ المائدہ)

جب بنگلوں میں اعلیٰ گاڑی بھیج کے بلوائے گئے پروفیشنل 'عالم' آپ کے مخالف فرقے کو کافر قرار دے کر واجب القتل کی لسٹ میں ڈال دیتے ہیں۔ جب سڑک پر دو حافظ قرآن بچوں کو موبائل چوری کا الزام لگا کر بہیمانہ تشدد کر کے قتل کیا جاتا ہے، کیوں کہ میرے رسول نے تو فرمایا تھا کہ گناہ کبیرہ میں سے ایک گناہ کسی انسان کی جان لینا ہے اور حجتہ الوداع میں فرمایا کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو۔

جب دو اہل کتاب افراد کو صرف چند پیسوں کے حصول میں ناکامی پر توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگا کر بھٹی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جب غیر مسلموں سے علاقہ خالی کروانے کی غرض سے گھروں کے اطراف میں کرنٹ چھوڑا جاتا ہے اور جب افواہوں اور اختلاف رائے کی بنیاد پر قتل کے فتوے دیے جاتے ہیں کیونکہ میرے رسول نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم

میں سے کسی نے بھی اپنی ریاست میں کسی غیر مسلم کو کوئی ایسی تکلیف دی جو اس کی برداشت سے باہر ہو یا اس کی اجازت کے بغیر اس کی چیز چھین لے تو روز آخرت میں خود اس فرد کے خلاف موجود ہوں گا۔(سنن ابن داؤد)

جب کسی کی غیر دانستہ غلطی پر اس کی تمام خدمات بھلا کر اس کی ماں کو فاحشہ کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ جب جائیداد کے تنازعے پر سگے بھائی بہن کو بیڑیاں ڈالی جاتی ہیں اور جب مزدوری کا مطالبہ کرنے پر پولیس والے ایک گنے کا رس بیچنے والے کا ہاتھ اسی کی مشین میں دے دیتے ہیں کیونکہ میرے رسول نے تو فرمایا تھا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں۔

ان سب احادیث اور آیات کو بیان کرنے کا مقصد کسی پر جبراً کوئی فیصلہ تھوپنا یا خود کو ولی ثابت کرنا نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کو آئینہ دکھانا ہے کہ کسی اور کو گالیاں، لعنت اور بالآخر فتویٰ دینے سے پہلے اپنی بدصورتی پہ تو غور فرما لیجیے۔ گستاخ تو ہم سب ہی ہیں۔ دن رات گستاخیاں ہی کرتے ہیں پھر مہینے کے آخری جمعہ کو 'یا سلام' کا ختم دلوا کر مدرسے کے بچوں کو کھانا دے کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں اور اطراف کے لوگوں میں اپنی نیک نیتی کا اخبار چھپوا دیتے ہیں۔

صرف ایک دن آس پاس پہ غور کیا کہ ذرا دیکھیں ہماری سمت کیا ہے۔ مارننگ شو تھا ندا یاسر کا، موضوع تھا 'گود بھرائی'۔ ایسی تمام اداکارائیں اور ماڈلز مدعو تھیں جن کے پاس نہ کوئی ڈرامہ ہے نہ اور کوئی مصروفیت۔ سوالات کا سلسلہ شروع ہوا اور ندا یاسر نے ایک خاتون سے پوچھا: آپ ان کی شکل دیکھ کر بتائیں کیا لگتا ہے لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ پھر یہی سوال حاضرین سے پوچھا گیا۔ اس کے بعد عقل سے پیدل اور سائنس سے دور دورانِ حمل کے عجیب و غریب تجربات بتائے گئے۔ سوچا کہ محض سائنس ہی نہیں بلکہ شعور سے بھی پیدل ہونے کا سبق دے رہی ہیں بی بی۔

بیوٹی پارلر میں با آواز بلند ایک خاتون فرما رہی تھیں "ارے بھئی اپنے لڑکے کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی ہوں مگر کوئی اس کی ٹکر کی بھی تو ملے نہ۔ ڈاکٹر بن رہا ہے، اس قدر وہ خوبصورت ہے۔ ٹال، فیئر، ہینڈسم۔ اب لڑکی اس سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر کی خوبصورت تو ہو"۔

سوچا یہ ایم بی بی ایس مخلوقات بھی کسی معاشرتی مسئلے سے کم نہیں۔ لڑکی ہو تو ابا کو داماد ایسا افسر شاہی چاہیے کہ بیٹی تعلیم کو اپنی ہیل کے نیچے دبا کر سوشل ایکٹو زندگی گزارے اور اگر لڑکا ہو تو جناب لڑکی گول روٹی میکر، انگریزی بولنے والی، جدید تقاضوں سے آراستہ اور روایات کی پاسدار ہو۔ ہسپتال میں ایچ او ڈی بھی ہو جائے اور گھر آ کر دعوتیں بھی نمٹائے۔ آج کل سبھی کو بہو یا داماد نہیں بلکہ ٹیگ چاہئیں جن کو ماتھے پر سجا کر گھومیں۔

ولیمہ ہوتے ہی اگلے دن سے ننھے مہمان کا انتظار کیوں کیا جاتا ہے، جب اس کے لئے بہتر ماحول نہیں تشکیل دیا جاتا؟ سوچ سوچ کر اس انجام پر پہنچی کہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر ڈگری یافتہ حضرات بھی بنا سوچ اور اپروچ کے آبادی میں اس لیے اضافہ کر رہے ہیں کہ پہلی اولاد اس لیے ہو جائے کہ سماج میں مردانگی ثابت ہو جائے اور دوسری اس لیے کہ پہلی اولاد لڑکی تھی۔

آئینہ دیکھتے جائیں اور شرماتے جائیں۔ جن کے خلاف فتویٰ آجاتا ہے وہ تو بدنام ہو کر نام پا جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ گستاخ ہم سب ہی ہیں۔ دین تو چھوڑیں دنیاوی معاملات میں بھی مصلحت کے نام پر منافقت کا دامن تھامے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کو بے چین ہیں۔ محض برتری کی خواہش بدتری کی جانب لے جا رہی ہے۔ اساتذہ ہوں یا رشتہ دار، ہمسائے ہوں یا خدمت گار سب ہی اپنا فرض پوری بد دیانتی اور بد نیتی سے لے کر چل رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو ان کے عیب سے یاد رکھتے ہیں۔ تماشا آپکے سامنے ہے۔ اب یہ آپ پر ہے کہ آپ تماشائی بننا چاہتے ہیں یا تماشے میں حصہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

ویسے ایک اور رستہ بھی ہے۔ ڈگری کے بجائے اصل تعلیم کی ترویج شروع کر دیں۔ اپنے گھر اور حلقہ احباب میں ہر موضوع پر بات کا آغاز کریں اور بحث و مباحثے کا کلچر عام کریں۔ صرف بولنا نہیں، سننا بھی سیکھیں۔ جوں جوں برداشت بڑھتی جائے گی ویسے ہی معاشرے میں تشدد میں کمی بھی دیکھنے کو ملے گی اور امید ہے ہم سب فرقہ اور فقہ کی جنگ سے آگے نکل کر علم اور فن کا میدان مار لیں گے۔

("ہم سب"، 2 جنوری 2017)

توہین رسالت کے نام پر انسان کی تذلیل

دانیال تیموری

توہین رسالت کے حوالے سے چند اہم حقائق نوٹ فرمائیے:

☆ چھوٹی سی چھوٹی بات پر بھی اس قانون کے تحت سزا ہے۔

☆ اور یہ سزا جرمانے یا قید، یا چھوٹی موٹی جسمانی سزا تک محدود نہیں، بلکہ ہر حال میں "قتل" جیسی خونی سزا ہے۔

☆ اور موجودہ قانون کے تحت عفوودرگذر اور توبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور ہر صورت میں قتل ہو کر رہے گا۔

اسلام ہرگز دین فطرت نہیں ہو سکتا۔ انسانی فطرت میں "غلطی" موجود ہے۔ نظریات اور مذاہب پر بحث کے دوران انسان تنقید کرتے وقت کہیں پر بھی چھوٹی موٹی غلطی کر سکتا ہے۔ مسلمان خود دوسروں پر تنقید کرتے ہوئے ایسی انسانی غلطیوں سے مبرا نہیں۔ خود ابو بکر اور پیغمبر اسلام اور قرآن تک اس غلطی سے مبرا نہیں اور وہ بھی کفار کے دیوی دیوتاؤں کی توہین کے مرتکب ہیں (تفصیلات آگے پیش ہوں گی)۔

اس لیے دنیا کا ہر عقلی قانون "چھوٹی غلطی" اور "بڑے جرم" میں فرق کرتا ہے، اور کبھی بھی عام زندگی میں عام ایسی کی جانے والی چھوٹی غلطیوں کی وہ "بڑی سزائیں" نہیں دیتا جو کہ فقط "بڑے بڑے جرائم" کے لیے مخصوص ہیں۔ پھر روزمرہ کی چھوٹی غلطیوں پر مکمل طور پر معافی وعفوودرگذر کی پابندی لگا دینا اس سے بڑا ظلم ہے۔

توہین رسالت کا قانون انسانی فطرت، انسانیت اور انصاف ہر ایک کا قتل کر رہا ہے۔

عدالت نے بہت سے لوگوں کو 8 تا 10 سال بعد جا کر ان الزامات سے باعزت بری کیا۔ مگر اس دوران میں ان بے قصوروں کی زندگیاں تباہ ہو چکی تھی۔ بلکہ ان بے قصوروں کے پورے پورے خاندانوں کی زندگیاں تباہ ہو چکی تھی۔ کیا آپ کو اب بھی اس قانون کے ہاتھوں انسانیت کی تذلیل نظر نہیں آ رہی؟

شریعت میں توہین رسالت پر قتل کرنے کے لیے کسی گواہ، کسی عدالت، کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

توہین رسالت کی ضمن میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں، وہ یہ ہیں:

پہلا واقعہ: باندی کا قتل

سنن ابو داؤد، حدیث 4361 میں اس واقعے کی تفصیلات کے مطابق ایک عورت قتل ہو گئی۔ صبح کو پیغمبر نے لوگوں سے پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ اس پر ایک شخص اٹھا اور بولا کہ وہ عورت اس کی باندی اور اسکے بچے کی ماں ہے۔ رات کو اس نے پیغمبر کے توہین کی، جس پر اس نے خنجر اس کے پیٹ میں اتار دیا اور اس کا بچہ اسکی ٹانگوں کے قریب گر کر ہی خون میں لت پت ہو گیا۔ پیغمبر نے اس پر کہا تو پھر ٹھیک ہے، اس عورت کا خون رائیگاں ہے۔

چنانچہ پیغمبر نے نہ کوئی عدالت لگائی، نہ قتل ہونے والی عورت کے خلاف کوئی گواہ پیش کرنے کا حکم دیا، اور نہ کوئی اور ثبوت طلب کیا۔ بلکہ قاتل کا اکلوتا بیان ایک انسان کی جان لینے کے لیے کافی جانا۔

کیا کسی بھی طرح یہ چیز انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی دکھائی دے رہی ہے؟ یاد رہے کہ قتل جیسے کیسز میں گواہوں پر زبردست جرح ہوتی ہے، پکے اور ٹھوس ثبوت حاصل کیے جاتے ہیں، اور اس کے بعد بھی خود سے سزا دینے کی اجازت نہیں ہوتی، بلکہ یہ فقط عدالت کا حق ہے۔

دوسرا واقعہ یہودی عورت کا

اس میں بھی پہلے قتل کیا گیا اور بعد میں پیغمبر نے نہ کوئی گواہ طلب کیا، نہ کوئی عدالت لگی، بلکہ پیغمبر نے سیدھا سیدھا قاتل کی اکلوتی گواہی پر اسے ہر جرم سے مبرا کر دیا۔

تیسرا واقعہ ام مکتوم صحابی کا

ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ ام مکتوم ایک انصاری کے گھر ٹھہرے۔ اس انصاری کی پھوپھی یہودی تھی۔ اس نے کوئی رسول کو کچھ کہا تو غصے میں آ کر ام مکتوم نے اس کو قتل کر ڈالا۔ ایک بار پھر جب پیغمبر کو بعد میں اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کوئی گواہ اور کوئی ثبوت طلب نہیں کیے بلکہ تنہا قاتل کی اکلوتی گواہی پر اس یہودی عورت کے خون کو رائیگاں قرار دے دیا۔

شریعت میں توہین رسالت پر "ماورائے عدالت" قتل کرنا جائز ہے۔

اگرچہ پاکستانی قانون کے مطابق قتل کا فیصلہ "عدالت" کرتی ہے، لیکن اسلام میں شریعت کا اصول توہین رسالت قانون کہتا ہے کہ نبی کی توہین کرنے والے کو قتل کرنے کے لیے کسی گواہ کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی کسی عدالت کی ضرورت ہے۔ اور اس کیس میں قاتل کی اپنی گواہی کافی ہے۔

سعودیہ کے مفتی اعظم، ناصر الدین البانی صاحب سے کچھ سوال جواب یوں ہوئے:

سوال: کیا اہانت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرتکب کو کوئی بھی عام مسلمان قتل کر سکتا ہے؟

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ اہانت رسول کرنے والے کی سزا موت ہے لیکن اس کا حق صرف حکمران کو یا اس کے نائب کو ہے ہر کسی کو نہیں۔

سوال: بعض لوگ دلیل دیتے ہیں کہ ایک صحابی نے بغیر حکومت کے بھی خود سے اپنی لونڈی کو قتل کر دیا کہ جب اس نے اہانت رسول کی۔

جواب: یہ تو ایک واقعہ ہے کہ جب کوئی جذبات میں مغلوب ہو کر ایسا اقدام کر لے تو قدر اللہ وماشاء فعل دلائل سے ثابت ہونے کے بعد اس کا مواخذہ پھر نہیں ہونا چاہیے مگر عمومی قاعدہ یہ نہیں کہ ہر کوئی خود سے قتل کر دے۔

ممتاز قادری کے وکلاء نے اس کا مقدمہ اسی بنیاد پر لڑا تھا کہ پاکستان کا توہین رسالت قانون غلط ہے اور شریعت سے متصادم ہے، کیونکہ شریعت کے توہین رسالت قانون کے تحت قادری کو نہ کسی گواہ کی ضرورت تھی اور نہ عدالت کی، اور نہ ہی ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا کوئی موقع دینے کی۔ چنانچہ قادری نے جو کچھ کیا، وہ اسلام کے تحت بالکل درست تھا۔ لہذا، قادری کو پھانسی دینے کی بجائے پاکستان اپنے توہین رسالت قانون کو پہلے صحیح کر کے اسے شریعت کے مطابق بنائے۔

یعنی ایک "بدتر" ہے تو دوسرا "بدترین"۔ پاکستانی توہین رسالت قانون کریلا ہے، تو شریعتی توہین رسالت قانون کریلا ہونے کے ساتھ ساتھ نیم چڑھا بھی۔

مسلم عذر: کوئی آپ کے باپ کو گالی دے تو کیسے برداشت کریں گے؟

اس ظالمانہ قانون کے حوالے سے واحد عقلی دلیل مسلمانوں کی طرف سے اس عذر کی صورت میں پیش کی جاتی ہے کہ اگر کوئی آپ کے باپ کو گالی تو آپ مرنے مارنے پر تُل جاتے ہیں، تو پھر پیغمبر کی توہین کو مسلمان کیسے برداشت

کریں؟ چنانچہ اگر غیر مسلم پیغمبر کا کارٹون بناتے ہیں تو پھر انہیں مسلمانوں کے انہیں قتل کرنے پر شکایت نہیں کرنی چاہیے۔

جواب: پہلی بات؛ کیا یہ دوہرے منافقانہ رویے نہیں جب آپ صرف پیغمبر اسلام کے نام پر ہی "قتل" کو حلال کر لیں، لیکن دیگر مذاہب کے خداوؤں کو یہ درجہ نہ دیں؟ دنیا کی وہ کون سی اخلاقیات ہیں جنھوں نے آپ کو یہ دہرے رویے اپنانے کی اجازت دیں؟

دوسرا یہ کہ اخلاقیات آپ کو اس پاگل پن سے روکتی ہیں کہ "زبانی" برا بھلا کہنے پر آپ دوسرے کو "جسمانی" نقصان پہنچانا شروع کر دیں (اور پاگل پن بھی اس انتہا کا کہ جسمانی سزا میں بھی سب سے بڑی سزا، یعنی "قتل" ہی کیا جائے)۔

اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ کسی کو برا بھلا نہ کہا جائے لیکن یہ حقیقت مد نظر رکھنی بھی لازمی ہے کہ یہ "انسانی فطرت" کی کمزوری ہے جہاں انسان غصے میں آکر دوسرے کو برا بھلا کہہ بیٹھتا ہے۔ اگر کوئی مذہب اس "انسانی فطرت" کو نہیں مانتا، تو اسے "دین فطرت" کہلوانے کا کوئی حق نہیں۔

مغرب میں کوئی اگر کسی کے باپ کو گالی دے تو اس پر لڑائیاں نہیں ہوتیں۔ قانون کہتا ہے کہ اگر کوئی تمہیں "زبانی" گالی دیتا ہے جو اگر تم جواب میں اسے یوں ہی "زبانی" گالی دے لیتے ہو تو قانون تمہیں اس پر سزا نہیں دے گا، لیکن اگر تم نے "جسمانی" نقصان پہنچایا تو یہ قانوناً جرم ہے۔

اخلاقیات سمجھاتی ہیں کہ اگر کوئی تمہیں گالی دے تو تم ایسے شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ کتے بھی انسانوں پر بھونکتے ہیں، تو کیا انسان انہیں بھونکنے پر جان سے مارنے لگ جائے؟

تیسری بات یہ کہ گالی کے برعکس کارٹوں بنانا طنز کرنے کا طریقہ ہے جس کی عمومی طور پر اجازت ہے۔ اگر کوئی کارٹونسٹ پیغمبر اسلام کی صحیح تصویر کشی کارٹون میں کرتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اگر آپ مسلمان خود اپنے لیے حق رکھتے ہیں کہ مغربی ممالک پر اور اتھیسٹوں پر کارٹون بنا کر طنز کر سکیں، تو پھر یہاں دہرے منافقانہ رویے دکھانے سے وہ راہ فرار حاصل نہیں کر سکتے۔

ابو بکر اور پیغمبر تو خود کفار کے خداوؤں کو برا بھلا کہنے کے مرتکب ہیں۔

صحیح بخاری (کتاب الشروط) کی روایت کے مطابق عروہ بطور قریش کے سفیر کے پیغمبر کے پاس آئے۔ دوران گفتگو انہوں نے پیغمبر سے کہا کہ اگر جنگ میں قریش غالب آئے تو محمد کے ساتھی مدد کرنے کی بجائے بھاگ جائیں گے۔

اس پر ابو بکر نے عروہ کو پیغمبر اسلام کے سامنے ایک ایسی گالی دی جو کہ غلیظ ترین ہے؛ ابو بکر نے کہا: "امصص بظر اللات"۔ ترجمہ: "تو جا کر لات (دیوی عورت) کی زنانہ شرمگاہ کی Clitoris کو چوس۔" (صحیح بخاری، کتاب الشروط)

اس سے زیادہ غلیظ ترین گالی ممکن ہی نہیں۔ اور پیغمبر کے دوہرے رویے دیکھئے کہ اس توہین پر ابو بکر کو "قتل" کرنے یا پھر کم از کم "سرزنش" کرنے کی بجائے مکمل طور پر چپ رہ کر اس غلاظت کو "حدیث تقریری" کا درجہ دے کر شریعت کا حصہ بنا رہے ہیں۔

مسلمان دوہرے رویوں کی انتہا پر پہنچ چکے ہیں جہاں وہ خود پر، اپنے نبی پر، اپنی شریعت پر ہزار خون معاف رکھتے ہیں۔ انہیں دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آ رہا ہے، لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں۔

مسلمانوں کا دھوکہ: "ہتک عزت" کو برا بھلا کہنا بنا دیا۔

مسلمانوں کے ایک اور دھوکے سے ہوشیار رہیے۔ مغرب میں اگر آپ کسی کو برا بھلا کہتے ہیں یا پھر کارٹون بنا کر طنز کرتے ہیں، تو اس پر کوئی سزا نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ کسی پر کوئی "جھوٹا الزام" لگاتے ہیں، جس کا پھر آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا، اس پر دوسرا شخص عدالت میں آپ پر ہتک عزت کا مقدمہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں۔

مسلمان یہ کہہ کر دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں کہ مغرب میں بھی ہتک عزت پر عدالت میں سزا ملتی ہے، تو پھر توہین رسالت پر مسلمان سزا دیں تو اعتراض کیوں؟ تو مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ پہلے آپ ہتک عزت اور توہین میں فرق سیکھئے اور معصوم عوام کو دھوکہ دینا بند کیجئے۔

ام المومنین عائشہ اور ام المومنین زینب کا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا۔

مسلمان سب کچھ جانتے بوجھتے پھر بھی اس "چھوٹی غلطی" اور "بڑے جرم" پر کج بحثی کرتے رہے۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ دیکھئے جہاں دو ام المومنین پیغمبر کی موجودگی میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہی ہیں، لیکن پیغمبر اس پر توہین کے نام پر "بڑا جرم" قرار دے کر سزائیں جاری کرنے کی بجائے اسے "چھوٹی غلطی" سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الھبہ): فَأَرْسَلْنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ، فَأَتَتْهُ فَأَغْلَظَتْ، وَقَالَتْ إِنَّ نِسَاءَكَ يَنْشُدْنَكَ اللَّهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ. فَرَفَعَتْ صَوْتَهَا، حَتَّى تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ. وَهْيَ قَاعِدَةٌ، **فَسَبَّتْهَا** حَتَّى إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه

وسلم لِيَنْظُرُ إِلَى عَائِشَةَ هَلْ تَكَلَّمُ قَالَ فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلَى زَيْنَبَ، حَتَّى أَسْكَتَتْهَا . قَالَتْ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَائِشَةَ، **وَقَالَ** "إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ

ترجمہ: جناب زینب بن جحش رسول اللہ کے پاس آئیں اور پیغمبر کو سخت الفاظ کہے اور کہا کہ آپ کی ازواج ابو قحافہ کی بیٹی کے بارے میں آپ سے خدا کے لیے انصاف مانگتی ہیں اور ان کی آواز اونچی ہو گئی۔ جناب عائشہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پھر جناب عائشہ **کو** برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ جناب عائشہ کو دیکھنے لگے کہ وہ کچھ جواب دیں۔ راوی کہتا ہے کہ جناب عائشہ بھی بول اٹھیں اور زینب کی باتوں کا جواب دیتے دیتے انہیں خاموش کروادیا۔ اس پر رسول نے جناب عائشہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ واقعی میں ابو بکر کی بیٹی ہے۔

اس مسئلے کا واحد ممکنہ حل

اس مسئلے کا ایک ہی ممکنہ حل ہے۔ مسلمانوں کو پہلے عقل اور دلیل کے ساتھ سمجھایا جائے، انہیں انسان بننے کا پیغام دیا جائے۔ لیکن اگر وہ سیدھی طرح اپنے دوہرے اور انتہا پسند رویوں سے پھر بھی باز نہ آئیں تو پھر انگلیں کو ٹیڑھا کر کے گھی نکالا جائے۔

اس سے قبل غلامی کے مسئلے میں بھی ایسے ہی یہ مسلمان شریعت کے حلال کو حرام بنانے کا بہانہ کر کے تللے بازیاں کرتے رہے۔ اس وقت بھی انگریزوں کو ان کی تشریف پر لات مار کر انہیں انسان کا بچہ بنانا پڑا تھا اور پھر وہ ساری شریعت وغیرہ کو بھول بھال کر غلامی کو ختم کرنے کے معاہدے پر سائن کر رہے تھے۔ لاتوں کے بھوت اگر باتوں سے نہیں مان رہے تو پھر انہیں لاتیں رسید کر کے انسان بنایا جائے۔

پاکستانی ایتھسٹ کو بزدل کہنے والوں کے نام

دانیال تیموری

اللہ نے قرآن میں حدیبیہ کے مقام پر جنگ نہ کرنے کا جواز یہ پیش کیا کہ مکہ میں مومن ایمان چھپائے ہوئے ہیں اور اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ مارے جائیں گے۔ "اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) کچھ ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں جنھیں تم نہیں جانتے، اندیشہ تھا کہ تم انھیں پامال کردوگے اور آئے گا ان کی وجہ سے تم پر ان کے قتل کا الزام (تو جنگ نہ روکی جاتی)۔" (48:25)

صحابہ اپنی جان کے خوف سے اپنی شناخت چھپائیں تو ٹھیک، لیکن اگر ہم مذہب کے نام پر جنونیت کے شکار مسلمانوں سے اپنی جانیں بچانے لیے اپنی شناخت خفیہ رکھیں تو پھر الزام یہ کہ ہم بزدل اور منافق ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ دو جھوٹ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے تھا اور ایک انھوں نے یہ فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ان بتوں کو ان کے بڑے بت نے توڑا ہے اور تیسرا حضرت سارہ کے بارے میں، ان کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم و جابر بادشاہ کے ملک میں پہنچے اور ان کے ساتھ (ان کی بیوی) حضرت سارہ بھی تھیں اور وہ بڑی خوب صورت خاتون تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا، اگر اس ظالم بادشاہ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو وہ تجھے مجھ سے چھین لے گا اور اگر وہ بادشاہ تجھ سے پوچھے تو تو اسے بتانا کہ یہ میرا بھائی ہے، کیوں کہ تو میری اسلامی بہن ہے اور اس وقت پوری دنیا میں میرے اور تیرے علاوہ کوئی مسلمان بھی نہیں۔ پھر جب یہ دونوں اس ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچے تو اس بادشاہ کے ملازم حضرت سارہ کو دیکھنے کے لیے آن پہنچے (حضرت سارہ کو دیکھنے کے بعد) ملازموں نے بادشاہ سے کہا کہ تمھارے ملک میں ایک ایسی عورت آئی ہے جو تمھارے علاوہ کسی کے لائق نہیں۔ اس پر ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوا لیا تو ابراہیم (مقابلہ کرنے کی بجائے) نماز میں کھڑے ہو گئے..." (صحیح مسلم، کتاب فضائل کا بیان) اس طویل روایت میں آگے مذکور ہے کہ ابراہیم کی بزدلی کے بعد اللہ نے خود سارہ کی حفاظت کی اور بادشاہ سارہ کو ہاتھ نہ لگا سکا۔

دوسرے کے شر سے بچنے کے لیے قرآن کی تعلیم بھی یہی ہے۔ ”مسلمانوں کو چاہیے کہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کے لیے اللہ (کی دوستی میں) سے کچھ نہیں ہو گا، سوائے اس کے کہ تم ان (کے شر) سے بچنا چاہو۔“ (3:28)

فرعون کی قوم میں بھی بیچارہ ایک شخص تھا جو شر کی وجہ سے اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا: ”اس موقع پر آل فرعون میں سے ایک مومن شخص جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا؛ کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟“ (40:28)

پھر اصحاب کہف بھی شر سے بچنے کے لیے چھپتے پھر رہے تھے: ”اور یوں ہی ہم نے ان کا جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے احوال پوچھیں۔ ان میں ایک کہنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر رہے، کچھ بولے کہ ایک دن رہے یا دن سے کم۔ دوسرے بولے، تمھارا رب خوب جانتا ہے، جتنا تم ٹھہرے تو اپنے ایک کو یہ چاندی لے کر شہر میں بھیجو، پھر وہ غور کرے کہ وہاں کون کھانا زیادہ ستھرا ہے کہ تمھارے لیے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہیے کہ نرمی کرے اور ہر گز کسی کو تمھاری اطلاع نہ دے۔ بے شک وہ لوگ اگر تمھاری اطلاع پائیں گے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین میں لوٹا لیں گے، پھر تم کبھی فلاح نہیں پا سکو گے۔“ (18:19،20)

بلاسفیمی: یورپ نے اپنی گردن کیسے بچائی؟

رضوان عطا

یکم جولائی 1766ء کو شمالی فرانس کے ایک قصبے میں ایک نوجوان کو بلاسفیمی کا مجرم قرار دیا گیا۔ اس وقت اس جرم پر سزائے موت کا تجویز ہونا بڑی بات نہیں تھی۔ مجرم کی زبان کاٹی گئی، سر قلم کیا گیا اور جسم جلا کر پانی میں بہا دیا گیا۔ سزا سے شاید کچھ لوگوں کی تشفی ہوئی ہو گی اور بہت سوں نے عبرت پکڑی ہو گی۔ یہ اپنی نوعیت کا کوئی واحد واقعہ نہیں تھا۔ اس دور میں نہ جانے کتنے افراد کو بلاسفیمی کے جرم میں پھانسیاں ہوئیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب یورپی سماج میں عمومی طور پر مذہب اور مذہبی پیشواؤں کا اثر غیر معمولی تھا۔ متعدد قوانین ان کی مرضی کے تھے۔ اس طرح ظالمانہ انداز میں جان لینا غیر انسانی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس پر فخر کیا جاتا تھا اور اسے انصاف کے تقاضوں کے مطابق مانا جاتا تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا کہ مذہبی طبقے کی بالادستی بر قرار رہتی اور کسی کو اسے چیلنج کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ مگر وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ یورپ میں مذہب اور مذہبی پیشواؤں کا سورج غروب ہونے کا وقت قریب تھا اور ان کا اثر کم ہو رہا تھا۔ اس سے کم و بیش 70 سال پہلے 1697ء میں برطانیہ میں ایک 20 سالہ نوجوان کو اسی طرح کے جرم میں موت کی سزا ہوئی تھی۔ اس نے عہد نامہ قدیم اور حضرت عیسیٰ کے معجزات سے انکار کیا تھا۔ یہ سزا برطانیہ میں بلاسفیمی کے تحت آخری سزائے موت تھی۔

آج برطانیہ اور فرانس میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کو اس بنا پر سزا موت ہو سکتی ہے۔ دونوں ملکوں کے قوانین میں فلاسفیمی قابل سزا نہیں رہی۔ یورپ کے بعض دیگر ممالک میں آج بلاسفیمی پر کم درجہ سزائیں صرف قانون کی کتابوں کی حد تک ہیں۔ ان پر عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔

صرف بلاسفیمی کے قانون میں تبدیلی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یورپ کتنا بدل گیا ہے۔ جو الزام کسی دور میں قابل گردن زنی تھا آج اس پر سماج اور قانون کی رائے بالکل مختلف ہے۔ مسلسل پھانسیوں، سزاؤں اور خونی جنگوں کے بعد یورپ میں مذہب نجی معاملہ قرار پا چکا ہے۔ ریاست اس میں مداخلت سے باز رہتی ہے۔ مذہب اور ریاست کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ مذہب اور ریاست کی علیحدگی نے بلاسفیمی قوانین پر بھی اثر ڈالا ہے۔ اب بلاسفیمی کی وجہ سے سزاؤں

یا حملوں کی زیادہ تر کہانیاں یورپ کے باہر ان ممالک سے آتی ہیں جہاں مذہب اور ریاست میں ایکا ہے۔ یورپ میں اظہار آزادی اور رواداری کی اقدار کو بنیاد بنایا گیا۔ جب یہ اقدار نہیں ہوا کرتی تھیں گلیلیو کو قید کیا جاتا تھا اور جورڈانو برنو کو زندہ جلا دیا جاتا تھا کیونکہ کلیسا کو ان کی بات پسند نہیں تھی۔ اب نئی بات کرنے والے کو ڈر نہیں ہوتا کہ مذہبی پیشواؤں یا ان کے ماننے والوں کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھے گا۔ سوال یہ ہے کہ تبدیلی کیسے آئی؟ یورپ میں اٹھارویں صدی کی روشن خیالی کی تحریک نے عقل کی اولیت کو تسلیم کرتے ہوئے مذہبیت پر پہلا قابل ذکر وار کیا۔

لیکن ریاست اور مذہب کی علیحدگی محض چند روشن خیال دانشوروں کے ذہن کی پیداوار نہیں۔ یہ یورپ میں ہونے والی سماجی، معاشی اور سیاسی تبدیلیوں کی داستان ہے۔ سائنسی اور صنعتی انقلاب کی وجہ سے کلیسا اور جاگیردار کے اثر ورسوخ کے ساتھ ان نظریات کو بھی مات ہوئی۔ محسوس کیا گیا کہ سائنسی تحقیق کے لیے نئی سوچ اور آزادانہ تحقیق چونکہ بنیادی شرط ہے اس لیے مذہب کے معاملے کو اس سے علیحدہ رکھا جائے۔ صنعت اور سائنس کی ترقی کے لیے آزادانہ سوچ کی ضرورت پڑتی ہے۔

یقیناً یورپی سماج میں اب بھی مذہبی تعصبات موجود ہیں۔ حالیہ کچھ عرصے میں مسلمانوں سے نفرت میں اضافہ ہوا ہے، وہ پابندیوں کا شکار ہیں، ان کی نگرانی بڑھ گئی ہے اور ان کی دل آزاری کی جاتی ہے جس کی حمایت نہیں کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان زیادتیوں کے خلاف سب سے بلند آوازیں وہیں سے اٹھتی ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر سخت قانون بنانے کا ایک مقصد کسی مخصوص طبقے یا سماجی پرت حاوی کرنا یا اس کے اثر کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ یہ عوام کو مذہب یا فرقے کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور خوف کی فضا قائم رکھتے ہیں۔ اس لیے آمروں کو ان سے خصوصی دلچسپی ہوتی۔ پھر وہاں وہی کچھ ہوتا ہے جو کبھی شمالی فرانس میں ہوا تھا۔

("سجاگ")

پاکستان: دست برداری کی طرف گامزن ریاست

مجاہد حسین

میں ایک عام طالب علم ہوں اور گذشتہ پچیس برسوں سے پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ قتل وغارت اور اس کے محرکات کو اپنا موضوع بنائے ہوئے ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کس طرح ایک منظم ہجوم نے لاہور ہائی کورٹ سے باعزت بری ہونے والے توہین رسالت کے ملزمان رحمت مسیح اور منظور مسیح پر حملہ کیا، جن میں سے ایک موقع پر مارا گیا دوسرا بھاگ گیا۔ اس کیس کا فیصلہ کرنے والے جج عارف اقبال بھٹی کو کس بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ کس طرح ایک مشتعل ہجوم نے گوجرانوالہ میں ایک حافظ قرآن کو زندہ جلا دیا، پھر سمندری میں ایک خاکروب اسلم مسیح کا گھر مسمار کیا گیا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے احمد پور شرقیہ میں ایک پاگل شخص کو چوک میں کھڑا کر کے زندہ جلا دیا گیا، شانتی نگر، جوزف کالونی، جہلم میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ ابھی مردان میں ایک نوجوان کو ثواب کے متلاشی طلبہ نے کس طرح بیدردی سے قتل کر دیا ہے۔ گورنر سلمان تاثیر کا اندوہناک قتل اور اس طرح کے درجنوں واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں اور بے گناہوں کے قتل پر اکسانے والے ہر سو دندناتے پھر رہے ہیں۔ بظاہر نورانی چہروں کے پیچھے چھپی اندوہناک تیرگی ریاست پاکستان کے سماج کو نگلنے لگی ہے اور آسانی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اب کوئی بھی محفوظ نہیں چاہے وہ پکا مسلمان ہو، کچا مسلمان ہو، اس کی سوچ متصوفانہ ہو یا صوفی دشمن، کبھی کبھی غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں اس کی سوچ متوازن ہو یا نہ ہو، احمدی قادیانی ہو یا لاہوری، شیعہ ہو یا پکا رافضی، سنی ہو یا دیوبندی، وہابی ہو یا حیاتی و مماتی اصل مسئلہ یہ ہے کہ کب وہ کسی مشتعل کیے گئے ہجوم کے ہتھے چڑھتا ہے۔ پاکستان میں مذہبی آتش فشانوں نے عدم برداشت کے لاوے کو اتنی زیادہ مقدار میں اُگل دیا ہے کہ جو بچ جائے وہی سکندر۔ سوائے سرکاری خبرناموں کے کہیں بھی مذہبی رواداری یا برداشت نظر نہیں آتی۔ البتہ ہمیں اکثر اوقات ایک ایسی افسانوی رواداری اور برداشت کے بارے میں بتایا جاتا ہے جو صرف اُس صورت میں برآمد ہو گی جب تمام بنی نوح انسان کی سوچ کے دھارے ایک ہو جائیں گے اور ایک ہی طرح کے عقائد کا چار سو پرچار ہو گا، بصورت دیگر مذہب و مسلک کے نام پر لوگ مارے جاتے رہیں گے، جنت جہنم کی طرف سفر جاری رہے گا۔ لیکن ہم نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ

لوگ اس طرح بھی مارے جائیں گے جیسے آج کل مارے جارہے ہیں۔پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے تک جو چیدہ چیدہ معذرت خواہانہ قسم کے لوگ امن و آشتی کے درس کو مذہبی اساطیر سے برآمد کر کے یہ کوشش کرتے نظر آتے تھے کہ کسی طرح انتہا پسندی کے داغ کو دھو سکیں وہ عرصہ ہوا خود اپنی جان بچانے کے لیے پاکستان سے بھاگ نکلے۔

میرے ایک دوست جو پولیس کے ضلعی آفیسر ہیں وہ بتا رہے تھے کہ انتہا پسندوں کے خوف کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ محکمہ پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ خاص طور پر ایسے مقدمات کے اندراج سے اجتناب کریں جن میں ملزمان کا تعلق کسی مذہبی یا مسلکی جماعت کے ساتھ ہو۔اول تو مدعی پارٹی کو صلح پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے اور اس قسم کے تنازعات میں اعلیٰ عہدیدار پولیس اہلکار سے زیادہ صلح کار کا کردار ادا کریں کیوں کہ تنازعہ کسی وقت بھی مذہبی یا مسلکی رخ اختیار کر سکتا ہے اور اس صورت میں مذکورہ ذمہ دار پولیس آفیسر ہی حالات کی خرابی کا ذمہ دار تصور ہو گا۔مذکورہ دوست نے ایک اور مثال سے بات بالکل واضح کردی۔انہوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے راولپنڈی میں ایک پاکستانی نژاد برطانوی شہری، جس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا،اس پر توہین مذہب کا الزام لگایا گیا۔مذکورہ ملزم کو پولیس نے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ابھی اسے جیل میں آئے چند روز ہی گزرے تھے کہ اس کی حفاظت پر مامور ایک پولیس اہلکار نے اس کو قتل کرنے کی کوشش کی۔موقع پر موجود دیگر پولیس اہلکاروں نے بروقت مداخلت کر کے اس کو بچالیا۔اس حملے میں توہین کا ملزم زخمی ہو گیا اور اس کو علاج کے لیے پنڈی جیل سے لاہور منتقل کر دیا گیا۔انہوں نے مزید بتایا کہ چوں کہ ملزم برطانوی شہری تھا اس لیے حکومت پر برطانیہ کی طرف سے بہت زیادہ دباو تھا۔پولیس کے صوبائی سربراہ نے پولیس لائن کے انچارج کو طلب کیا کہ زخمی ملزم کی دوران علاج حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔پولیس لائن کے انچارج کے لیے یہ ایک ایسی ذمہ داری تھی جس میں کوتاہی اس کی ملازمت ختم کرواسکتی تھی لہذا مذکورہ انچارج نے پورے لاہور کی پولیس سے سات ایسے ملازمین کو تلاش کیا جو غیر مسلم تھے۔کیوں کہ مذکورہ انچارج یہ جانتا تھا کہ کوئی بھی مسلمان پولیس ملازم اس خصوصی ملزم کو قتل کر سکتا ہے۔

اگرچہ توہین کے الزامات کے تحت مارے جانے والے افراد میں ہر طرح کی سماجی حیثیت کے لوگ شامل ہیں لیکن پھر بھی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کسی گروہ سے منسلک نہیں تھے، تنہا اور نہتے تھے جنہیں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ مارا گیا۔اِن میں سے اکثر کی شناخت کسی معتوب فرقے سے جڑی ہوئی تھی یا وہ تن تنہا کسی ایسے مذہبی و مسلکی تصور سے وابستہ تھے جس کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔اِنہیں تعاقب کا سامنا کرنا پڑا اور پھر کسی دن کھدیڑ کر مار دیا

گیا۔ سوشل میڈیا اور نجی محفلوں میں ہونے والی بعض نازک بحثوں کے بعد جب دوسروں سے مختلف نقطہ ہائے نظر کے حامل لوگ خود بخود تنہا ہو جاتے ہیں تو انہیں منصوبہ بندی کے ساتھ مار دینا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن اس سارے منظر نامے میں ایک دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ پہلو ہے مذہبی گروہوں اور ٹھیکیداروں میں موجود ایسے سینکڑوں کردار جن کا تمام تر کاروبار دوسروں کے عقائد کی بیخ کنی اور توہین پر چلتا ہے۔ ایسے مبلغین کی طرف سے روا رکھی جانے والی توہین کو اس کے اپنے گروہ کی طاقت بھرپور تحفظ فراہم کرتی ہے اور یوں اس قسم کی توہین "تبلیغی یا دعوتی" لبادے میں لپیٹ کر پیش کی جاتی ہے اور کہیں کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ پاکستان کے تقریباً تمام مذہبی مکاتب فکر کے سرگرم علما اور مبلغین نے ایک دوسرے کے خلاف توہین کے مقدمات درج کروا رکھے ہیں اور قانون کے مطابق کی جن کی سزا بھی موت سے کم نہیں لیکن چوں کہ یہاں پر ملزمان کو کھدیڑ کر مار دینا آسان نہیں اس لیے ایسے لاتعداد مقدمات کو کبھی منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ یہاں ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کس طرح کسی مذہبی گروہوں نے اپنے مخالفین کے خلاف توہین کے مقدمات دورج کروائے مثال کے طور پر معروف دیوبندی مماتی عالم دین علامہ احمد سعید ملتانی کی متنازعہ تحقیق "قرآن مقدس بخاری محدث" پر توہین کے کئی مقدمات درج کروائے گئے، کتاب پر پابندی لگوائی گئی لیکن مذکورہ علامہ صاحب پچھلے دنوں طبعی موت مرے کوئی اِن کو جلانے یا کاٹنے نہ آیا۔ کتاب بھی بازار میں موجود ہے اور علامہ صاحب کے ورثا اور پیروکار بھی پوری قوت سے موجود ہیں، لیکن ہیں طاقت ور، بس یہ فرق ہے۔ خاکسار کی نظر سے آج تک کوئی مناظرہ ایسا نہیں گزرا جس میں ہر قسم کی توہین کا پورا سامان موجود نہ ہو، نہ کوئی مناظر نذر آتش ہوا نہ ہی کسی مبلغ کو کوئی آنچ آئی۔ تقریباً یہی حال چھوٹے بڑے مذہبی اجتماعات کا ہے جہاں پُرجوش مبلغین مخالف مکتبہ فکر کے مسلمانوں کے عقائد اور ان کے اکابرین کے بخیے ادھیڑ دیتے ہیں، پولیس بھی خاموش تماشائی بنی رہتی ہے اور کوئی کسی کو کاٹنے کو نہیں دوڑتا۔ میں انتہائی وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں جس قسم کے خیالات، تصورات اور اعتقادات کو عمومی طور پر توہین کے زمرے میں لایا جاتا ہے، اگر انہیں جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو سب سے زیادہ مواد ہمارے مستند مذہبی علما اور مبلغین کی اپنی تحریروں اور تقریروں میں سے برآمد ہوگا اور سینکڑوں کتب کی صورت میں اس کو مرتب کیا جاسکتا ہے لیکن نہ انہیں کوئی سزا دے سکتا ہے اور نہ ہی اِنہیں توہین کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑے گا، کیوں کہ ان کے پاس طاقت ہے، گروہ ہے اور ماننے والوں کی اپنی اپنی کثیر تعداد ہے۔ بنیادی معاملہ ریاست کی وہ دست برداری ہے جو اس نے اپنے شہریوں کے تحفظ کے سلسلے میں روا رکھی ہے، جہاں بڑے گروہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں اور بوقت ضرورت دوسروں

پر حملہ کر سکتے ہیں وہاں ریاست کے لاچار پن کا اندازہ لگانا اتنا مشکل کام نہیں۔ جتھہ بند گروہ آگے بڑھ کر ریاست کا کام خود کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے اِنہیں کئی اطراف سے خاموش مدد اور حمایت بھی حاصل ہے جب کہ میڈیا اس کام کو مزید آسان بنانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسا منظر نامہ ہے جس کے تمام خدوخال حوصلہ شکن ہیں اور ریاست کی نمایاں ہوتی ہوئی ناکامی کا ثبوت بھی۔

("ہم سب"، 15 جنوری 2017)

بھارت میں نوجوان مسلمان اسلام کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

طفیل احمد

ہندی سے ترجمہ: سید امجد حسین

بھارت میں 'ایکس مسلم' یعنی اسلام کو چھوڑنے کی ایک تحریک ابھر رہی ہے۔ اس سے وہ لوگ منسلک ہیں جو عراق، شام، افغانستان اور پاکستان جیسے مسلم ممالک میں خودکش حملوں میں مسلمانوں کے شامل ہونے سے پریشان ہیں۔ انٹرنیٹ پر موجود اسلام کی دیگر تشریحات ان کی مدد کرتی ہیں۔ ان کے دماغ میں برابر سوال اٹھتے رہتے ہیں۔ بھارت میں ایسے نوجوان مسلمان اسلام کو چھوڑ رہے ہیں، ان میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں اور وہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ان کی عمر 20 سے 40 سال کے درمیان ہے اور یہ لوگ خود کو ایکس مسلم، ملحد یا پھر ثقافتی مسلمان بتاتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے سوشل میڈیا، فیس بک اور واٹس اپ کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں اور ملک کے مختلف شہروں میں رہتے ہیں۔

سلطان شاہین ایک اصلاح پسند یعنی ریفارمسٹ ویب سائٹ http://newageislam.com/ کے ایڈیٹر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں برطانیہ جیسے مغربی ممالک کی طرح ایکس مسلم کی کوئی منظم تحریک نہیں ہے لیکن کچھ نوجوان انہیں فون کرتے ہیں اور اصل اسلام کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ شاہین بتاتے ہیں، "میں نے تین چار مسلمانوں سے بات کی، جو پانچ وقت کی نماز چھوڑ چکے ہیں۔ دہلی میں تو ایک وکیل نے اپنے باپ کو بھی اسلام چھوڑنے کے لئے راضی کر لیا۔" انہوں نے بتایا کہ نوجوان انٹرنیٹ پر اسلام مخالف ویب سائٹ دیکھتے ہیں۔

اللہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟

ایکس مسلم کے بارے میں نادیہ کہتی ہیں، "میں (سوشل میڈیا پر) ایسے لوگوں کو کھوجتی ہوں اور پھر ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔"

نادیہ شیلانگ میں رہتی ہیں۔ انہوں نے کمپیوٹر سائنس میں بی ٹیک اور معاشیات میں ایم اے کیا ہے۔ وہ ایک مسلمان خاندان سے ہیں، وہ بتاتی ہیں، "اسکول میں مجھے اس بات پر بالکل یقین نہیں ہوتا تھا کہ اللہ جو بہت اچھا ہے، وہ ایسی ناانصافی کس طرح کر سکتا ہے کہ وہ اپنے اسکول کے غیر مسلم بچوں کو جہنم میں بھیج دے گا۔"

نادیہ اسلام کی اس تعلیم پر سوال اٹھاتی ہیں کہ غیر مسلموں کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ وہ اپنے آپ کو ایکس مسلم کہنے پر بالکل نہیں ہچکچاتی ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اس سے ان کی سلامتی کو خطرہ نہیں ہے؟ اس پر وہ کہتی ہیں کہ وہ اپنی شناخت کو چھپاتی نہیں ہیں۔ وہ کہتی ہیں، "میں نے مارشل آرٹ سیکھی ہے۔"

اسلام سے دھکا لگا

شازی سبر (بدلا ہوا نام) کی پیدائش سعودی عرب میں ہوئی اور 10 سال کی عمر تک والدین نے وہیں ان کی پرورش کی۔ ان کی ماں نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام اپنایا تھا، لیکن پھر عیسائی بن گئیں۔ وہ بیٹے کے ساتھ منگلور آ گئی اور شازی کو مدرسے میں بھیجا گیا۔

ابھی شازی کے پاس کمپیوٹر سائنس میں انجینئرنگ کی ڈگری ہے اور وہ کامک کتاب کے ایپ پر کام کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، "جب میں بھارت آیا تو مجھے کتے بہت پیارے لگنے لگے۔ میری ماں نے بتایا کہ کتے پالنا تو اسلام میں حرام ہے۔" وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں ان کے نظریات سے یہ پہلا تصادم تھا۔

اسلام میں کتے کو ناپاک سمجھا جاتا ہے اور مسلمانوں کو انھیں پالتو جانور کے طور پر رکھنے کی ممانعت ہے۔ ہندوستان آنے کے دو سال بعد شازی منگلور میں ہی ایک اجتماع میں موجود تھے، جہاں ایک مولوی لاؤڈ اسپیکر پر مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ غیر مسلموں کے گھر سے پانی یا کھانے کی کوئی چیز نہ لیں۔

یہ بات شازی کے لئے کسی دھکے سے کم نہیں تھی وہ اسے ہضم نہیں کر پائے۔ مولوی کے اس اعلان کے بارے میں وہ کہتے ہیں، "یہ ویسا ہی تھا جیسے کوئی مجھے اپنی ماں سے نفرت کرنے کے لیے کہے کیونکہ وہ ایک عیسائی تھی، کوئی بچہ اسے قبول نہیں کرے گا۔" اس بات نے ان کے اندر اندر اسلام کو لے کر سوال پیدا کئے۔

ابھی شازی 27 سال کے ہیں اور ایک ملحد ہیں َ۔ وہ بتاتے ہیں، "پھر میں نے سائنس پڑھنی شروع کی۔ اسلام سے مجھے دھکا لگا۔ میں اس منطقی نتیجے پر پہنچا کہ یہ ٹھیک نہیں تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ سوال بھی ان کے دماغ میں اٹھنے لگا کہ خود کش حملوں میں مسلمان ہی کیوں شامل ہوتے ہیں؟

شیطان کی اولاد

عاشق (گھر کا نام) ایک الیکٹرانکس انجینئر ہیں اور ترونندرم میں رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، "میں مدرسے میں جایا کرتا تھا۔ میں لائبریری میں سائنس کی کتابیں پڑھتا تھا۔ میں اپنے استاد سے پوچھتا تھا، اللہ کو کس نے بنایا ہے؟ لیکن ٹیچر میرے سوالات کے جواب نہیں دیتے تھے۔"

عاشق بتاتے ہیں کہ ٹیچر جواب دینے کے بدلے کہتے تھے، "تم شیطان کے کہے میں چل رہے ہو۔ وہ مجھے شیطان کی پرچھائیں کہا کرتے تھے۔" اپنے مدرسے کے استاد سے عاشق کا سب سے چبھنے والا سوال تھا؛ چونکہ قطب شمالی کے قریب آباد ممالک میں ایک دن چھ ماہ کا بھی ہو سکتا ہے، تب وہاں مسلمانوں کو اپنا روزہ کب کھولنا چاہئے؟ مدرسے کے اساتذہ کو جغرافیہ کی معلومات نہیں تھی۔ عاشق بتاتے ہیں، "یہ سوال پوچھنے کے جرم میں مولویوں نے میری پٹائی کی تھی۔"

عاشق بتاتے ہیں، 'میرے دوست مجھے شیطان کی اولاد کہتے تھے۔ وہ میرے ساتھ کرکٹ نہیں کھیلتے تھے۔ میں الگ تھلگ پڑ گیا۔ میں صرف اپنی ماں سے ہی بات کر سکتا تھا۔"

عاشق سے بھی کہا گیا کہ غیر مسلمانوں سے کھانا نہ لے۔ وہ بتاتے ہیں، "جب میں نے مولوی سے پوچھا کہ آپ ہندوؤں سے کھانا لینے سے کیوں روکتے ہو تو انہوں نے مجھے کلاس سے باہر نکال دیا۔"

بعد میں عاشق کی ماں نے ان سے کہا کہ جیسے تیسے اپنی تعلیم مکمل کر لو اور ایسے سوال مت پوچھو، ورنہ مولوی تمہیں کافر قرار دے دیں گے۔ وہ کہتے ہیں، "اگلے سال میں نے سوال ہی نہیں پوچھا۔"

ابھی عاشق کی عمر 29 سال ہے۔ انہوں نے مسلمان نوجوانوں میں سائنس کو لے کر دلچسپی پیدا کرنے والے فیس بک اور واٹس اپ گروپ جوائن کئے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں، "ہم بنیادی سوال پوچھتے ہیں؛ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ زمین کی پیدائش کیسے ہوئی؟"

تین طلاق نے کیا برباد

علی منتظر 27 سال کے ہیں اور کولکتہ میں رہتے ہیں، ان کا تعلق علماء کے خاندان سے ہے۔ ان کے دادا اور والد اسلامی اسکالر تھے۔ وہ اسلام مذہب کے مطابق نہیں چلتے اور خود کو 'انقلابی' یا پھر باغی کہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ عید یا کسی اور دن نماز نہیں پڑھتے اور رمضان المبارک کے دوران کھلے عام کھاتے پیتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اس کی وجہ

سے پریشانی نہیں ہوتی؟ وہ کہتے ہیں، "میرے پٹنے کی نوبت آگئی تھی. لیکن بھارت میں جمہوریت ہے، اس لئے میں بچ گیا۔"

وہ کہتے ہیں کہ بچپن سے ہی ان کے دماغ میں سوال اٹھتے رہے ہیں۔ ان کے والد کے تمام دوست مولوی تھے اور وہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے پاتے تھے۔ علی منتظر اس بات سے بھی بہت پریشان ہوئے کہ ان کی خالہ کی زندگی تین طلاق کی وجہ سے برباد ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں، "اسلامی دہشت گردی کے سب سے پہلے خود مسلمان شکار ہیں۔"

بوہرا مسلم شیعہ اسلام کا ایک فرقہ ہے۔ بہت سے بوہرا مسلم نوجوان اسلام کو چھوڑ رہے ہیں، اگرچہ یہ آسان نہیں ہوتا۔ بنگلور میں رہنے والے ایک بوہرا مسلم نوجوان نے نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا، 'بوہرا کمیونٹی میں لوگوں کا حقہ پانی بند کرنے کا بہت رجحان ہے، جس کا منفی اثر آپ کی زندگی اور کام پر پڑتا ہے۔ لیکن کمیونٹی کے اندر اندر سیدنا (رہنما) کے کردار کو لے کر بہت بے چینی ہے۔"

وہ کہتے ہیں، "ثقافتی طور پر میں ایک مسلمان سے زیادہ ایک بوہرا ہوں۔ لیکن میں خود کو ایکس مسلم نہیں کہوں گا۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے، لیکن والدین، اپنے بزنس اور بزنس پارٹنر کی فکر ہے۔"

20 طرح کی نماز

ڈاکٹر ظفر مراد آباد میں رہتے ہیں۔ انہوں نے انگریزی ادب میں مذہبی بنیاد پرستی پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ وہ حج کر چکے ہیں۔ انہوں نے علم کی بھوک کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قرآن کے تین ترجمے پڑھے اور اب اسلام کو چھوڑ چکے ہیں۔ مقامی مولوی ان سوالات کے جواب نہیں دے پائے، بلکہ الٹا انہیں دھمکیاں دینے لگے کہ عوام کے درمیان ہمارا ایک بیان آپ کو مرتد قرار دے دے گا اور آپ کو یہ شہر چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ ایک مقامی مسجد کے امام ان کو مرتد بتاتے ہوئے ان کی تصویر چھاپنے والے تھے، لیکن پھر سیاسی اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے اس معاملے کو رفع دفع کیا گیا۔

نفرت پھیلا رہے ہیں مدرسے

میجر راشد خان فوج سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق ایک دقیانوسی خاندان سے ہے، جہاں پانچوں وقت کی نماز پڑھی جاتی ہے اور روزے رکھے جاتے ہیں. وہ کہتے ہیں، "جب میں کالج میں گیا تو میں نے اسلام اور قرآن کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ مجھے احساس ہوا کہ ہمیں مذہب کے بارے میں سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔" ان کی سوچ اسلام سے الگ ہونے لگی۔ اس کی وجہ، ایک طرف پیغمبر اسلام کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہونے جیسی بات تھی تو

دوسری طرف نبی کے سامنے ہتھیار ڈالنے والے بنو قریظہ قبیلہ کے 700 یہودیوں کا قتل۔ میجر خان نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ ان کے والد نے انہیں ڈانٹا جبکہ بڑے بھائیوں نے بول چال بند کر دی۔ وہ بتاتے ہیں، "میرے بھائیوں نے ایسا اس لئے کیا کیونکہ وہ سوچتے ہیں کہ اسلام کو مسترد کرنے والے انسان کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔"

میجر خان نے اپنے بچوں کی پرورش آزاد ماحول میں کی۔ وہ بتاتے ہیں، "جب میرے بچے 8-10 سال کے تھے، تو میں نے ان کو خدا کو لے کر مختلف مذاہب کے عقائد کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ میں نے اپنے بچوں سے کہا: "تم فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہو، میں تم سے کوئی مذہب قبول کرنے کو نہیں کہوں گا۔ میں نے انہیں قرآن پڑھانے کے لئے ایک اسلامی ٹیچر بھی رکھا." وہ کہتے ہیں کہ تین سے چار سال کے بچوں کو مدرسوں میں لے جایا جاتا ہے جبکہ مدرسوں پر پابندی لگنی چاہئے کیونکہ وہ مسلم اور کافر کے تصور ذریعے بچوں کو دوسرے مذاہب سے نفرت کرنا سکھاتے ہیں۔ میجر راشد کے بچوں کی اپنی ہی سوچ تیار ہوئی جو اسلام سے الگ تھی۔

جہنم میں جائیں گی لڑکیاں

آمنہ بیگم جے پور میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کی دلچسپی تاریخ، فلسفہ اور فرانس کے انقلاب میں تھی، لیکن ان کے انجینئر والد نے سائنس دلایا۔ پہلے انہوں نے کمپیوٹر پڑھا یا لیکن پھر لاء کی تعلیم حاصل کرنے لگیں. وہ بتاتی ہیں، "10-11 سال کی تھی جب مجھے اعظم گڑھ میں ایک مدرسے میں پڑھنے بھیجا گیا۔ مدرسے میں مولوی نے بتایا کہ لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں جہنم میں جائیں گی۔ مجھے بتایا گیا کہ جہنم میں 100 لوگوں میں سے 99 عورتیں ہوں گی۔ "انہوں نے اپنے اساتذہ سے پوچھا کہ کیوں زیادہ تر لڑکیاں ہی جہنم جائیں گی تو انہیں جواب ملا: "وہ ناشکری ہوتی ہیں۔"

("فرسٹ پوسٹ ڈاٹ کام")

پاکستانی ملحدین صرف اسلام کے خلاف کیوں؟

نامعلوم

آخر پاکستان کے ملحد اسلام، مسلمان اور پاکستان کے ہی پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں؟ ملحدوں کو عیسائی، یہودی یا ہندو نظر کیوں نہیں آتے؟ ملحد اسرائیل یا امریکہ کے خلاف بات کیوں نہیں کرتے؟ یہ وہ سوال ہیں جو پاکستان میں تیزی سے پھیلتے ہوئے الحادی انقلاب کی وجہ سے اکثر لوگوں کے ذہنوں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

آج ہم ان سوالوں کے جوابات پر اپنے معروضات رکھنے کی کوشش کریں گے۔ سب سے پہلے غور کرو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو قرآن اور حدیثیں پڑھ پڑھ کر مسلمان ہوئے؟ اگر اپنے آپ پر غور کروگے تو تمہیں شرم آئے گی، کیونکہ تم میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے علم کی بنیاد پر مسلمان بنا ہو۔ تم مسلمان صرف اس لئے ہو کہ تم مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اور پھر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود تمہارے اندر کچھ تبدیلی نہ آسکی، جبکہ یہاں زیادہ تر ملحد وہ ہیں جو ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اور پھر مطالعہ اور غور و فکر کی بنیاد پر ملحد ہوگئے۔ ایک شعوری علم پر چل رہا ہے تو دوسرا وراثتی علم پر، اور یاد رکھو وراثتی علم کبھی بھی جدید شعوری علم سے آگے نہیں جاسکتا۔ یہی وہ علمی کلیہ ہے جس کی وجہ سے الحاد ہر دن پاکستان میں پھیلتا جارہا ہے۔

آج کی عالمی اخلاقی جدت سے تم نے صرف ایک ہی بات سیکھی ہے کہ کسی کے مذہب یا عقیدے کو نشانہ نہ بناؤ بلکہ دوسروں کے مذہب کی تعظیم کرو، لیکن تمہیں شاید یہ بھی نہیں پتہ کہ تم نے یہ جو سنہرا سبق سیکھا ہے یہ کہاں سے آیا؟ کیسے دریافت ہوا؟ اس سنہرے اصول کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ تمہاری اسلامی تاریخ میں کافروں کو یا تو مار دیا جاتا تھا یا زبردستی اسلام قبول کروایا جاتا تھا، ان کے خداؤں کو جہنم کا ایندھن کہا جاتا تھا، انھیں تمھاری مقدس کتاب قرآن میں کتا، گدھا، سور، نجس، حرامزادہ، اندھا، بہرا، گونگا وغیرہ جیسی گالیوں سے نوازا گیا (لیکن تمھیں یہ سب پتہ کیسے ہو، کبھی تمھیں اپنی کتاب باترجمہ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی)، پھر تم نے دوسروں کے مذہب کی تعظیم کا سبق کہاں سے سیکھ لیا؟ اگر تم صرف اسی سوال کا جواب ڈھونڈ لو تو تم مسلمان سے شاید انسان بن جاؤ گے۔ آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم

نے کسی دوسرے کے مذہب کی تعظیم کا یہ سنہرا اصول کہاں سے سیکھا؟ لیکن یہ جاننے سے پہلے تھوڑے سے مذہبی حقائق جاننا بہت ضروری ہیں۔

اگر ہم حدیثوں کو چھوڑ کر صرف قرآن کی ہی بات کریں تو یہ جان لو کہ قرآن میں دہشت گردی پر اکسانے والی آیات 15 / 20 سے زیادہ نہیں ہیں، جبکہ ہندوؤں کے پاس دنیا کی سب سے بڑی جنگی مقدس کتاب مہابھارت ہے پھر وہ تم سے زیادہ امن پسند کیوں ہیں؟ مسیحیوں کے پاس بائبل میں پرانا عہد نامہ خون ریزیوں سے بھرا پڑا ہے، اس کے باوجود وہ تمہارے لئے مذہبی دل آزاری یا کسی کے مذہب کی تعظیم کے سنہرے اصول کیسے بنا دیتے ہیں؟ بات صرف اتنی سی ہے کہ صدیوں پہلے ہندوؤں نے آپس میں اتنی مذہبی خون ریزی کی کہ انہوں نے امن کا سبق سیکھ لیا۔ وہ جو اچھوتوں کو نیچ سمجھتے تھے، ان کو برابر شہری حقوق دے دیے اور ایک اچھوت وینکٹ رامن نامی آدمی کو ہندوستان کا صدر مملکت بنا دیا، مسلمان کو بنایا، سکھ کو بنایا؛ یہ ہے سیکولر نظام تمہارے پڑوس میں۔ کیا تم خواب میں بھی کسی احمدی کو اپنا صدر مملکت بنانے کا تصور کر سکتے ہو؟

پھر جن مسیحیوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر آج تم اپنے مذہب کی توہین سے منع کرتے ہو وہ بھی کبھی تمہاری طرح یورپ میں بائبل کا نفاذ چاہتے تھے اور پھر صلیبی جنگوں میں اٹلی سے لیکر فرانس، برطانیہ، جرمنی سویڈن اور پھر شمالی یورپ کے آخری ملک فن لینڈ تک مذہب کے نام پر خون بہایا گیا جسے آج بھی وہ خود یورپ کا سیاہ دور کہتے ہیں۔ بس پھر انہوں نے امن کا سبق ایسے سیکھا کہ پاپائے روم نے بائبل کے پرانے عہد نامہ پر جوں کا توں چلنے سے منع کر دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اب مسیحی کو انجیل میں بتائے ہوئے مسیحی سے زیادہ اچھا مسیحی بننا ہے۔

اور اگر تم ہندو یا مسیحیوں کی ریس کرتے ہوئے اپنے مذہب کی تعظیم چاہتے ہو تو تمہیں بھی سب سے پہلے اپنے مذہب سے دہشت گردی کو الگ کرنا ہو گا لیکن کرے گا کون؟ تمہارا تو کوئی ایک پاپائے روم ہی نہیں؛ ایک گروپ ایرانیوں کی مذھبی غلامی میں ہے تو دوسرا عربوں کی غلامی میں۔

جس مذہبی خونی راستوں پر تم آج جا رہے ہو، اسی مذہبی خون کی ندیوں میں ہندوستان اور یورپ کے لوگ صدیوں پہلے ڈبکیاں لگا چکے ہیں اور ملحد صرف انہی علمی بنیادوں پر تم کو خون خرابے سے روکنا چاہتے ہیں، اسی لئے وہ تمہارے مذہب سے کیڑے نکال نکال کر تمہارے سامنے رکھتے ہیں تا کہ تمہارے اندر کچھ علمی اور عقلی غیرت جاگے۔

پاکستانی ایتھئسٹ صرف اسلام اور مسلمان کو ہی نشانہ کیوں بناتے ہیں؟ یہ بحث لمبی ہے لیکن بعض اوقات ایک چھوٹی سی بات سمجھ لینے سے ساری بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اب غور کرو جب تم بیمار ہوتے ہو تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہو، وہ تمہاری بیماری کی کچھ علامتیں جاننے کے لیے تم سے پوچھتا ہے کہ کھانسی تو نہیں آتی؟ جواب میں تم کبھی یہ نہیں کہتے کہ میرے گھر کے سامنے ایک عیسائی عورت رہتی ہے، وہ ہر وقت کھانستی رہتی ہے اور جب ڈاکٹر پوچھتا ہے تمہیں چکر تو نہیں آتے؟ جواب میں تم کبھی یہ نہیں کہتے کہ میرے ایک پڑوسی ہندو بابے کو بہت چکر آتے ہیں۔ ظاہر ہے جب بیماری تمہاری ہے تو علامتیں بھی تم سے ہی پوچھی جائیں گی اور ان کا جواب بھی تم اپنے ہی بارے میں دو گے اور پھر میٹھی یا کڑوی دوائی بھی تمہی کو دی جائے گی۔ اگر تم صرف اسی اصول پر تھوڑا سا غور کرو تو بہت کچھ سیکھ جاؤ گے۔

پھر پاکستان میں ہندو بھی رہتے ہیں، مسیحی بھی اور پارسی بھی لیکن اپنے آپ سے پوچھ کر بتاؤ کہ کیا کبھی کسی ہندو نے پاکستان میں بھگوت گیتا یا کسی مسیحی نے بائبل کا نظام رائج کرنے کا مطالبہ کیا؟ کبھی نہیں، کیونکہ دنیا کی قومیں تم سے زیادہ عقلمند ہیں، صدیوں پہلے ان میں مذہبی ظلمات کے خلاف الحادی انقلاب آئے، جس سے قوموں میں مذہب سے ہٹ کر سوچنے کا شعور پیدا ہوا۔

("بھینسا")

ایک نعرے کی مار

احسان سبز

راستہ نیا تھا اس لئے پوچھتے پاچھتے اور نگی پہنچنے میں مجھے کچھ تاخیر ہوئی لیکن یہ دیکھ کر اطمینان بھی کہ شفیق نے میزوں پر چادریں بچھا کر بیشتر ڈبوں سے کتابیں باہر نکال لیں تھیں۔ سلام دعا کے بعد ہم دونوں تیزی سے سیکشنز بنانے لگے۔ کوشش یہی تھی کہ موٹا موٹا کام خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہو جائے۔ جمعے کے دن عموماً بچے بھی مسجد کا رخ کرتے ہیں۔ باہر ہمارا اسٹال دیکھ کر سمجھے کہ کچھ مفت بانٹا جارہا ہے۔ پہلے پہل تو دو ایک، پھر دیکھتے ہی دیکھتے درجن بھر ہو گئے۔ پچکارنے سے ناما نے تو ہاتھ قابو کرانے کے لئے ڈانٹنا پڑا۔ کھی کھی کھو کھو کرتے مسجد میں دوڑ گئے۔ ایک تو ان شریروں کی پھیلائی ہوئی بے چینی کہ جس سے کام میں خلل پڑا۔ لیکن اس دوران لاوڈ اسپیکر کے ذریعے خطیب صاحب کے منہ سے نکل کر کان میں پڑنے والے بعض جملے چونکا رہے تھے۔ ایک آیت پر تو شفیق میری جانب باقاعدہ مڑا۔ "یار اعظم بھائی دیکھ لو۔ مروامت دینا۔ ایک یہی مسجد ملی تھی اسٹال کے لئے؟"، حالانکہ اندر ہی اندر اس انتخاب پر میں بھی پچھتایا لیکن اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ معمول کی تنظیمی سرگرمی ہے جو ہدایات دی گئیں، مان لیں۔ "یار بڑوں کا فیصلہ ہے، یقیناً کوئی مصلحت ہو گی، گھبراؤ نہیں میں ساتھ ہوں۔ شاہد بھائی آرہے ہیں۔" میں نے شفیق کو تسلی دی۔

تقریر تھمتے ہی ہم نے کتابوں پر چادریں ڈالیں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ وضو کر کے خطبہ سننے پچھلی صفوں ہی میں بیٹھے تاکہ سلام پھرنے کے بعد اور دعا ختم ہونے سے پہلے باہر نکلتے ہوئے کاندھے نہ پھلانگنا پڑیں۔ سلام پھیرا، اسٹال پر پہنچتے اور چادریں ہٹانے تک خطیب صاحب دعا کا مختصر سا عربی گئیر اردو والے بڑے گئیر میں ڈال چکے تھے۔ صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ، نیک صالح اولاد، مناسب رشتوں، اساتذہ، والدین کی بخشش اور مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر کے لئے غیب سے مدد کی دعاؤں پر اوروں کی طرح میں بھی زیر لب آمین، آمین کہتا رہا۔ لیکن پھر اچانک ایک شخصیت کے تذکرے کے ساتھ کچھ افراد اور گروہوں کے لئے وہ کچھ مانگا گیا جو ہم عموماً یہود و نصاریٰ کے لئے ہی مانگتے یا منگواتے آئے ہیں۔ شفیق پھر میری طرف مڑا۔ اس بار میں بھی اسے تکتا رہ گیا۔ خیر یہ رسمی کارروائی بھی ختم ہوئی اور دروازے سے ہجوم باہر نکلا۔ اسٹال تک پہنچنے والے کئی ایک کتابیں دیکھنے ٹٹولنے لگے۔ کچھ نے قیمتیں پوچھیں۔ ایک نے یوں بڑی حیرت کا اظہار

کیا؛"اچھا! یہ فری نہیں ہیں کیا؟ اب دینی کتابوں سے بھی کمائی ہو گی۔ لاحول ولا۔" شکوے، وضاحتیں اور سوال جواب جاری تھے کہ مخصوص رنگ کے عمامے باندھے دو نوجوان اونچی آواز میں لوگوں کے ہٹاتے ہماری ٹیبلز تک پہنچے۔" کس نے اجازت دی ہے تمھیں یہاں یہ سب کرنے کی؟" ان میں سے ایک دھمکانے والے انداز میں بولا۔ "کیا کرنے کی؟ دوست کتابیں ہیں یہ دینی۔ آپ دیکھ لیں۔" میں نرمی سے سمجھانے ہوئے ایک کتاب پیش کی۔ "او بھائی ہمیں مت دکھا کیا ہے ان میں، سب پتہ ہے۔ یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔ بیو قوف مت بناؤ لوگوں کو، سمجھے ناں۔ چلو اٹھاؤ یہ یہاں سے۔" دوسرے نوجوان نے اپنے سامنے رکھی ایک کتاب اٹھا کر میری جانب اچھالی۔ "بھیا آرام سے، ہاتھ سنبھال کر، منہ سے بات کرو۔" مجھے بھی غصہ آ گیا۔ اب مجمع کی توجہ بھی ہماری تکرار کی جانب ہونے لگی۔ "ہاں ورنہ؟ ورنہ کیا کرے گا؟ بے غیرت، جہاں مرضی آئے ٹھیا لگا کر اپنا منجن بیچنے لگ پڑتے ہو تم لوگ!۔ چلو دفع ہو یہاں سے۔"

اب ان دونوں کے ساتھ ساتھ پیچھے سے وہی مخصوص عمامے والے ایک دو اور آگے آئے اور کتابیں اٹھا اٹھا کر قریب پڑے ڈبوں میں اچھالنے لگے، "گستاخ رسول"، یوں لگا جیسے کسی نے ہائی وولٹیج کرنٹ کا جھٹکا دیا ہو! "اناللہ وانا علیہ راجعون۔ تمہارا دماغ صحیح ہے، پاگل ہو گئے ہو کیا؟" میرے ہونٹ کپکپانے لگے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ فوری طور پر اور کیا کہوں۔ اتنے میں مخصوص رنگ کی ٹوپی والا ایک چھوٹے قد کا مگر مضبوط دکھنے والا شخص تیزی سے آگے بڑھا اور یہ کہتے ہوئے کہ "ہمارے حضور کی شان میں گستاخی!" میرے چہرے پر کھینچ کر تھپڑ رسید کیا۔ بہت زوردار ضرب تھی۔ درد کی ٹیسیں پوری کھوپڑی میں محسوس ہونے لگیں۔ اسٹال کے پچھلے حصے سے اندر داخل ہو کر دو ایک نے شفیق کو بھی پکڑ لیا۔ وہ بے چارہ عمر میں ویسے ہی چھوٹا تھا۔ خوف کی وجہ سے کانپنے لگا۔ ہم دونوں اسٹال کے اندر ہی زمین پر بٹھا دیئے گئے۔ ہاتھوں سے چہرے چھپا لئے لیکن کمر، گدی اور سر پر مسلسل ضربیں لگ رہی تھیں۔ حالانکہ جسمانی درد عارضی طور پر باقی سب کچھ بھلا دیتا ہے لیکن گستاخ رسول کا اس ٹوپی والے کے منہ سے نکلا لفظ، درد کے احساس کو بھی دھوکا دے رہا تھا۔

اچانک شاہد بھائی کی آواز گونجی، "اعظم بیٹا، شفیق، کیا ہو رہا ہے یہ۔ ہٹو یہاں سے کیوں مار رہے ہو ان کو؟"، دراز قد اور نسبتاً ڈیل ڈول والے شاہد بھائی نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر اسٹال سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن اسی دوران چھوٹے قد والے کی ایک اور ضرب سیدھی میری ناک پر لگی۔

آپ کو بتاتا چلوں کہ اورنگی کے اس علاقے میں لوہاروں کے کئی چھوٹے بڑے کارخانے ہیں۔ یہ ہاتھ جتنی طاقت سے چہرے پر لگا ایک لمحے کے لئے محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے سریا کاٹنے والا گھن پوری طاقت سے دے مارا ہو۔ ناک سے خون کا نلکا کھل گیا۔ اس مرتبہ شاہد بھائی نے بھی مجھے پکڑے پکڑے ہاتھ پیر چلائے اور چند لوگ معمول کے مطابق

بیچ بچاؤ کرانے آگے بڑھے۔ ایک بزرگ نے شاہد بھائی کی تھوڑی میں ہاتھ ڈالا۔ "بیٹا آپ سمجھ دار ہو۔ ہٹالو یہ کتابیں یہاں سے۔" یہ آخری منظر تھا اس مقام پر جو مجھے یاد رہا۔

بے ہوشی کی بریک کے بعد واپس لوٹا تو سوجے ہوئے چہرے پر ادھ کھلی آنکھوں نے اپنے کمرے کا پنکھا گھومتا پایا۔ قصہ مختصر، ٹھیک ایک روز بعد مخصوص رنگ کی ٹوپی اور ہتھوڑے کی طاقت جیسے ہاتھوں والا شخص مخصوص رنگ کے عمامے والے بعض نئے اور معتبر چہروں کے ساتھ ہمارے ڈرائینگ روم میں بیٹھا تھا۔ ابو اور چچا جان بھی آگئے۔ شاہد بھائی نے بات شروع کی؛ "بیٹا یہ تم سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی۔ یہ سمجھے آپ کسی اور تنظیم سے ہو۔ بعد میں پتہ چلا انہیں۔" اب ٹوپی والا مخاطب ہوا، "سوری بھیا۔ معاف کرنا۔ آپ کو جانتے نہیں تھے اس لئے یہ ہوگیا۔ تکلیف کی معذرت"، اس مرتبہ لہجے نے ثابت کر دیا کہ وہ لوہار نہیں تو کنڈکٹر، کارپنٹر یا مکینک ہوگا۔ اگلی آواز معتبر چہروں میں سے ایک کی آئی؛ "بیٹا یہاں کم پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ کتاب تو دور اپنا نام نہیں پڑھ سکتے۔ آپ مسجد کمیٹی سے مل لیتے تو ایک بندہ آپ کے ساتھ کر دیتے۔ دیکھو کتنی بری بات ہوگئی اللہ کے گھر کے باہر"، ان کے بعد باقیوں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ چند منٹ ہمدردی دلاسے معافیاں تلافیاں چلیں۔ چائے آگئی، بسکٹ بھیگے، موضوعات تبدیل ہوئے اور شاہد بھائی کی طرح ابو اور چچا جان بھی سننے سنانے میں لگ گئے۔ "آپ نے مجھے گستاخ رسول کیوں کہا؟" میں نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں اچانک سوال داغا۔ کمرے میں یک دم خاموشی چھاگئی۔۔ چند لمحے ٹوپی والے اور معتبر مہمانوں کی آنکھیں چار رہیں۔ ٹوپی والا پھر مخاطب ہوا؛ "بھائی جان سوری بول رہا ہوں۔ ہوگئی غلطی۔ میرے کہنے سے آپ ہو تو نہیں نا گئے گستاخ"، اِدھر اُدھر دیکھتے اس کے چہرے پر اس بار عجیب کراہیت آمیز مسکراہٹ تھی۔ "جانے دو بیٹا۔ ہو جاتا ہے ایسا۔ گھر پر چل کر آئے ہیں۔ معاف کرنے والا بڑا ہوتا ہے"۔ ابو کا یہ جملہ نشست کا آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد رسمی الوداعی سلام دعا کے ساتھ ہی دروازے کھل بند ہوئے اور ڈرائینگ روم کے پنکھے لائیٹیں آف کر دی گئیں۔

یہ واقعہ چند سال پرانا ہے۔ لیکن آج بھی ذہن میں آجائے تو منہ کڑوا ہو جاتا ہے۔ لوہاری تھپڑوں کی تکلیف تو یاد نہیں البتہ نبیؐ کے نام پر لگائی گئی تہمت دل چھلنی کر دیتی ہے۔ الفاظ تھے کہ تلوار، دل کے آر پار ہوگئے اور جب جب یاد آتے ہیں بڑے کرب کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے جیسے پر جوش اور کچھ کر دکھانے کی جستجو رکھنے والے نوجوان اب ہوش کے ناخن لیں۔ مجھے مثال بنائیں۔ جب تک اس معاشرے کا حصہ ہیں ہر اس کام سے گریز کریں جس کا واسطہ کسی بھی طرح ہمارے خود ساختہ دینی ٹھیکے داروں سے پڑنے کا امکان ہو۔ جو کہا جا رہا ہے؛ سنتے رہیں، عمل کرتے رہیں، اچھا لگے یا برا۔ زندگی جینی ہے تو کسی قسم کی ہیرو گیری دکھانے کی ضرورت نہیں۔ سڑک پر کہیں روکیں تو

بالکل ان کے جیسے خیالات رکھنے والے بن جائیں۔ ہاں میں ہاں ملائیں۔ کوئی جلوس یا ریلی راستے میں پڑ جائے تو آواز سے آواز ملا کر نعرے بلند کرتے چلے جائیں۔ چوں چرا، اگر مگر، لیکن ویکن کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ یاد رکھیں آپ صرف ایک نعرے کی مار ہیں۔ بہت سے لوگوں کے لئے آپ میں سے کوئی بھی ایک، کسی بھی وقت، کسی کے لئے جنت کا فری انٹری پاس بن سکتا ہے۔ مجھ گستاخ کے مرنے سے پہلے تو شاہد بھائی آ گئے تھے لیکن ہر گستاخ میری طرح خوش قسمتی نہیں ہو سکتا۔

("ہم سب"، 30 مارچ 2016)

میں مذہب کی مخالفت کیوں کرتا ہوں؟

تصنیف حیدر

میں جب چھوٹا تھا تو ایسی کئی کتابیں پڑھتا تھا، جن میں صلیبی جنگوں کا ذکر ہوا کرتا تھا، جن میں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے بڑے بڑے کارنامے لکھے جاتے تھے، میں واقعی کئی بار ان کی شجاعت اور دلیری سے مرعوب ہوا، میں نے بہت سے ایسے مضامین بھی پڑھے جس میں مذہبی پیشواؤں کی عسکری معاملات میں سوجھ بوجھ کو نمایاں کیا جاتا تھا۔ ہم نے جنگ میں خندق بنانے کا فن کیسے سیکھا، عرب لڑنے کے بعد مرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، فریقین پر پانی بند کرنا، سچ کے لیے لڑنا، جنگ یرموک، احد، بدر اور نہ جانے کیا کیا۔ تاریخ کو میں اس زمانے میں بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا۔ میرے پاس اپنے والد کی دو بڑی ڈکشنریز ہوا کرتیں اور میں انہیں لے کر علامہ اقبال اور میر انیس جیسے شاعروں کو پڑھا کرتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آلات حرب و ضرب، شجاعت و حمیت اور میمنہ و میسرہ سے لے کر قلب و منادی تک بہت سے الفاظ میں نے انہیں شاعروں اور تاریخ دانوں سے سیکھے۔ جب میں اپنے خاص انداز میں ایک بڑی سی کرسی پر چڑھ کر گھر والوں کے سامنے لمبی چوڑی تقریر کیا کرتا تو انہیں خوشی ہوتی، تھوڑا بڑا ہونے پر میں نے گھر گھر جا کر میلادیں بھی پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ ہمارے سکول کے ہیڈ ماسٹر بھی اپنے گھر پر فاتحہ کے لیے مجھے بلایا کرتے تھے۔ میں لمبی لمبی راتوں میں جاگ کر نمازیں پڑھا کرتا تھا، بڑی راتوں کی بڑی قدر دانی کی مثال یہ تھی کہ مسجد میں بٹنے والے پرچوں کے حساب سے ان پر لکھی تمام نمازیں پڑھ جایا کرتا، ان کے فضائل پڑھ پڑھ کر مجھے خوشی ہوا کرتی کہ میں نے اتنا ثواب کمالیا ہے۔ جمعہ کو ایک خاص مسجد میں ایک مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ جاتا اور موذن کی پھونک سے سلام کے ختم تک اسی مسجد میں رہا کرتا۔ آج جب میرے ارد گرد کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ تصوف پڑھنے والوں اور صوفیوں سے دلی لگاؤ رکھنے والوں کے یہاں تشدد کم ہے یا نہیں ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ کون صوفی اور کیسی تعلیمات۔ کیا ان لوگوں نے، جن کو تصوفانہ تعلیمات کا بڑا زعم ہے، کبھی ان جھوٹے اور غیر ضروری دعووں کے ابطال کی ضرورت محسوس کی ہے، جس سے کرامتیں پڑھ پڑھ کر کسی شخص کے اندر کڑی ریاضت کرنے اور اپنی زندگی کا سنہری دور وظائف اور اذکار جیسے کاموں میں صرف کر دینے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، سفید اور زرق برق کرتے پائجامے میں ایک روز میں مسجد سے جمعہ کی نماز پڑھ کر نکلا، کوئی پرچہ باٹنا جارہا تھا(یہ واقعہ آج سے کوئی بارہ، تیرہ برس پہلے کا ہے) میں نے بھی وہ پرچہ لیا، ابھی پہلی سطر پڑھی تھی کہ اسے پھاڑ کر پھینک دیا، اس پر لکھا تھا۔ 'نماز میں گدھے یا خچر کا خیال آجانا اس بات سے بہتر ہے کہ نبی کا خیال آئے (نعوذ باللہ)۔' اب جب میں اس واقعے پر غور کرتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ میرے اندر اچانک اتنا غصہ کہاں سے آیا تھا۔ اس وقت جو بات وجہ بنی تھی، وہ یہ تھی کہ اس پر 'وہابی تعلیمات' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ تو کیا میں کسی نظریے سے اس چھوٹی سی عمر میں اس قدر ناراض ہو سکتا تھا کہ اس کے بارے میں لکھی ہوئی کسی سطر کو پڑھتے ہی پھاڑ دوں؟

اپنے بچپن میں مجھے اس بات کا بڑا شوق تھا کہ زمین پر جب بھی کوئی مقدس آیت لکھا ہوا کاغذ مل جاتا، میں اسے چوم کر کسی اونچی جگہ رکھ دیتا، یا پھر گھر میں آکر اس ڈھیر میں اسے ڈالتا، جس کو ہم ہر پانچویں چھٹے دن سمندر میں سرانے جایا کرتے تھے۔ اب یہ کیوں ہوتا تھا وہ بھی سن لیجیے، اصل میں، صوفیوں کے تذکروں میں موجود ایسے کئی قصے میں نے پڑھے تھے، جن میں کوئی ولی پہلے ڈاکو یا شرابی ہوا کرتے تھے، لیکن ایک دن اچانک انہوں نے خدا کے لکھے ہوئے کلام کو خوشبو میں ڈبو کر کسی اونچے مقام پر رکھ دیا اور ایسے افضل ہوئے کہ ان کے مرتے دم تک، اس شہر کی حدود میں کوئی جانور فضلہ کرتے نہ پایا گیا۔ اچھا یہ صرف باتیں نہیں ہیں، یہ قصے موجود ہیں، جن لوگوں نے بشر حانی اور فضیل بن عیاض کے بارے میں تھوڑا بہت بھی کچھ پڑھا ہو گا وہ میری ان باتوں کی تائید کریں گے۔ میرے لیے یہی باتیں ایک عجیب قسم کی فینٹسی پیدا کیا کرتی تھیں، میں خدا کے ایسے ہی قرب کا متلاشی رہنے لگا، جس میں ولایت اور کرامات و فضائل کا ایک پیچ ساتھ میں ملا کرتا ہو۔ بعد میں بہت سوچنے پر معلوم ہوا کہ دراصل اس خواہش نے، تقدس اور احترام کے جذبے کو اتنا مضبوط بنادیا تھا کہ ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات سننا، ان کے نظریات کے خلاف کچھ سمجھ پانا میرے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی۔

ان وجوہات کی بنا پر میں اپنی بسائی ہوئی ایک الگ دنیا میں رہنے لگا، ولیوں اور صوفیوں کے قصے، نبیوں کے معجزات مجھے ہر وقت اپنے ہالے میں رکھتے، اسی لیے ان کی تعلیمات اور ان کے نظریات بھی اپنے اپنے سے لگتے، وہابیت کے خلاف دل میں زور پنپنے لگا۔ ایک میں ہی نہیں، میرے گھر کے سارے بھائی بہنوں کا، جن میں چچا اور پھوپھی زاد بھی شامل ہیں، یہی حال تھا۔ میرے ایک پھوپھی زاد بھائی کا ماجرا یہ تھا کہ وہ بڑا اگلینڈا تھا، بات بات پر پھبتی کستا، جو لڑکی نظر آتی، اس سے مباشرت کے راستے ڈھونڈتا، سیکس ہر وقت اس کے دماغ پر سوار رہتا، وہ ہم جنس پرست بھی تھا، کبھی باتوں باتوں میں گال چوم لیتا، کبھی گلے لگا کر پیٹھ سہلاتا، کبھی سوتے میں پیچھے سے لپٹ جاتا۔ گورا چٹا، اچھے قد کا لڑکا تھا،

پاس پڑوس کی ایک دو لڑکیوں کے ساتھ بھی اس کے گہرے مراسم تھے، ان تمام باتوں کے باوجود اس زمانے میں، ہم سب بھائیوں کو اس کی ایک بات بہت عزیز تھی کہ 'گیارہویں' یا 'بڑے پیر صاحب' کے بارے میں کوئی غلط لفظ سنتے ہی سامنے والے کی بولتی بند کر دیتا، ایسی کھری سناتا، ننگی گالیاں دیتا کہ شیطان بھی دور تک الٹیاں کرتے ہوئے دوڑ لگائے، مگر اسے فرق نہ پڑتا۔ اس کی عقیدت بہر طور سلامت تھی اور اس بات پر ہمارے پورے گھر میں اس کے سات خون معاف تھے۔

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جس بات کو لوگ بدعت کے نام سے منسوب کرتے ہیں، دراصل وہ مذہبی معاشرے کا جوہر ہے۔ جو لوگ آپ کو ساری زندگی میں کبھی مذہبی پریکٹس کرتے نہ دکھائی دیں گے، انہیں بھی نجات کا پورا حق ہو گا۔ باتیں کتنی ہی فروعی ہوں، کیسی ہی اضافی ہوں، انہی کی زمین میں ایک سخت گیر مذہبی معاشرہ اپنے کھونٹے گاڑتا ہے۔ ایک دن میری ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ تصنیف! کیا انگلیوں پر نیل پالش لگی ہو تو وضو ہو جائے گا۔ ایک روز اسی نے مجھے بتایا کہ اس کی کسی سہیلی نے اسے یہ بتایا ہے کہ جسم پر کسی بھی قسم کا ٹیٹو گدوانا اس لیے غلط ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے پانی کی بوندیں، جسم کے جن چھوٹے چھوٹے سوراخوں تک پہنچنا چاہیے، نہیں پہنچ پاتیں، بلکہ اس سیاہی میں ضم ہو جاتی ہیں۔ آج سے چھ سات سال پہلے، جب میں بی اے، ایم اے کے طلبا کو کوچنگ دیا کرتا تھا تو ایسے بہت سے لڑکے لڑکیاں مجھے ملے، جو مجھے بڑی نئی نئی باتیں بتاتے تھے۔ دوپٹہ کو سر پر کس طرح اوڑھنا چاہیے، کسی لڑکی کو دیکھنا کہاں تک گناہ ہے اور کہاں تک نہیں، ٹوپی پہنے بغیر نماز مکمل نہیں ہوا کرتی، تیمم کرنے کے لیے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے، فلاں فلاں۔۔اور ایسے ہی کئی مسائل اردو اخباروں میں باقاعدہ جمعہ ایڈیشن کی زینت بنا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس میں ایک مسئلہ پڑھا، بڑا دلچسپ۔ ایک صاحب نے مفتی صاحب سے پوچھا تھا کہ رات کو زید اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری میں مشغول تھا، پستان چوستے وقت، بیوی کا دودھ اس کے منہ میں چلا گیا، اور زید نے وہ دودھ پی لیا، کیا فقہ اسلامی کی رو سے اس نے جو دودھ پیا ہے، وہ حرام تھا یا پھر حلال۔ مفتی صاحب نے تو خیر اس کی تشفی یہ کہہ کے کر دی تھی کہ اس میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ مگر یقین جانیے اگر کبھی آپ کو اس قسم کے مسئلے پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو، تو ان سے دلچسپ لطیفے اور ہی شاید پوری دنیا میں کہیں پائے جاتے ہوں۔

میرے بڑے بھائی نے مجھے ایک دفعہ کا ایک قصہ سنایا، وہ بس میں سوار تھے، پیچھے دو تین جماعتی مسلمان ہاتھوں میں تھیلا لیے باتیں کر رہے تھے، ایک چھوٹا لڑکا بھی ان کے درمیان موجود تھا۔ لڑکے کو بار بار ٹیپ مار کر ایک بڑا نوجوان اس سے پوچھ رہا تھا کہ تجھے بس میں چڑھنے کی دعا یاد ہے؟ بس میں اترنے کی دعا یاد ہے؟ وہ مریل سا لڑکا بچارا ہر بات پر

ہاں کہتا اور یقین دہانی کے لیے کچھ چھوٹی موٹی دعائیں بھی سنا دیتا، اچانک اس نوجوان نے لڑکے سے پوچھا کہ پخانے میں جانے کی دعا یاد ہے، اس نے کہا بالکل! اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث' اتنے میں اس نے پوچھا کہ ہاں بھئی! یہ تو ٹھیک لیکن ہگنے سے پہلے کی دعا کون سنائے گا۔

آپ اور ہم ان باتوں کو ہنس کر سن سکتے ہیں، ہنسی میں اڑا سکتے ہیں، مگر اس معاشرے میں زیادہ تر لوگوں کے نزدیک یہ ایک عام وبا ہے، وہ لوگوں سے کلموں کے بارے میں، دعاوں کے بارے میں، اسلامی حکمرانوں اور احکام کے بارے میں پوچھ گچھ کیا کرتے ہیں۔ میں نے اس معاشرے میں جو دو فقرے سب سے زیادہ سنے ہیں، وہ یہ ہیں، اول کہ اسلام میں یہ آیا ہے یا اسلام یہ کہتا ہے۔۔۔ اور ایسا کہتے وقت نہ کسی مذہبی صحیفے کے حوالے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی عقلی دلیل کی۔ منطق ہے تو صرف ایک یہ کہ خدا نے جو کچھ کہا ہے، کچھ سوچ کر ہی کہا ہو گا یا یہ ہمارے پیارے نبی کا فرمان ہے تو غلط کیسے ہو سکتا ہے۔

میں ایک اکیلا شخص، غلط یا صحیح کا فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، مگر یہ تو پوچھ سکتا ہوں کہ اتنی ساری باتوں کو ایسے یقین کے ساتھ دوہرانے کی اجازت دینے سے پہلے کیا اسلام یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ لوگوں کی ذاتی زندگی میں دخیل ہونا ایک غیر ضروری امر ہے اور اس سے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں، اور اگر اسلام نے یہ بات کہی ہے تو پھر ایک خالص اسلامی معاشرہ اس تعلیم سے بے بہرہ کیوں معلوم ہوتا ہے۔

آپ اگر مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں مذہب پر تنقید نہ کروں تو مذہب کو اس بات سے باز رکھیے کہ وہ میرے معاملات میں دخیل ہو، اور اس دخل اندازی میں صرف یہی بات شامل نہیں کہ آپ مجھے نماز نہ پڑھنے پر نہ ٹوکیں، میرے حلیے، بشرے اور انداز و اطوار کو اپنی اسلامی یا مذہبی تعلیمات کے ترازو میں نہ تولیں۔ بلکہ کیا آپ مجھے ضمانت دے سکتے ہیں کہ میں آپ کے گلی محلوں میں چین کے ساتھ بغیر کسی لاوڈ سپیکر کی چیختی ہوئی آواز کے اپنی نیند مکمل کر سکتا ہوں، کیا آپ میرے دروازے کو اس دستک سے محروم رکھ سکتے ہیں، جس میں کسی مسجد کا چندہ یا کسی جماعت میں چلنے کی دعوت کا پیغام نہ ہو۔ کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ میں آپ کی آسمانی کتابوں یا فرشتوں کے تقدس کو تسلیم کرنے سے مکمل انکار کرنے کے باوجود آپ کو اپنا دوست کہہ سکوں، کیا میں ایک بالغ معاشرے کی توقع کر سکتا ہوں، جس میں آپ کا کوئی مذہبی فریضہ یا شوق اتنا جذباتی نہ ہو کہ اگر میں رمضان میں سڑک پر کچھ کھاوں، پیوں تو آپ کی نظریں مجھے تشکیک اور ملامت کی ملی جلی کیفیتوں کے ساتھ نہ دیکھیں۔ کیا آپ مجھے زمین کی حقیقتوں پر واقعی غور کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، کیا آپ اپنی انا کی لو کو ذرا سا مدھم کر سکتے ہیں۔

ایک بات کے اصرار سے آپ کیوں پیچھے نہیں ہٹتے کہ آپ کا دین، دین فطرت ہے۔ بلکہ فطرت کسی دین کی قائل نہیں۔ فطرت تو اتنی الجھی، ایسی پیچیدہ، ایسی عریاں اور اس قدر سفاک حقیقت ہے کہ اگر وہ واقعی آپ کا دین ہوتی، یا آپ کا دین واقعی فطری ہوتا تو آپ کو نہ کسی عورت کے سر پر پردہ ڈالنے کی ضرورت ہوتی، نہ شادی بیاہ کے رسموں میں الجھنے کا کوئی شوق پیدا ہوا ہوتا۔ فطرت صرف انسان کی عجیب و غریب نہیں ہے، یہ مانا کہ انسان ایک ناطق اور عقلمند جانور ہے، مگر ابھی تک ہم نے دوسرے جانداروں کی عقل اور صلاحیتوں کو سمجھنے یا جاننے کی اس گھٹن زدہ معاشرے میں کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ ہم صرف بکرے، مرغیاں کاٹ کر سڑک پر ان کے خون کے فوارے بلند کرتے آرہے ہیں اور ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ اس قسم کی قربانیاں، خون کی ایسی دھاریں، ہمارے معصوم بچوں کی نفسیات پر کیسا برا اثر ڈال سکتی ہیں۔ حالانکہ میں اب نہ جمعہ کی تقریر سنتا ہوں، نہ خطبہ، مسجد کی جانب گئے بھی کئی برس ہو گئے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کے مولوی ہوں یا آپ کے علما؛ ان سب کے مسائل چکن اور کچن میں الجھے ہوئے اتنے ہی فروعی قسم کے ہوں گے، جتنے کے آپ کے ہیں۔ کیونکہ سوال کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں کی کوشش صرف 'ایک سلام کے بدلے ستر نیکیاں' کمانے کی حد تک محدود ہیں۔

آپ جب ان معاملات پر غور کرنا سیکھ جائیں گے، جب فطرت سے اپنے دین کو علیحدہ کر کے اپنی صورتیں آئینوں میں دیکھیں گے۔ اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کریں گے، تقدس کی اندھا کر دینے والی روشنی سے باہر نکلیں گے تب آپ کو اندازہ ہو گا کہ آپ کر کیا رہے ہیں۔ آپ صرف پیدا ہو رہے ہیں، کھا رہے ہیں، پہن رہے ہیں، عبادتیں کر رہے ہیں، زکوٰۃ دے رہے ہیں، حج کر رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔ دنیا کی ترقی اور زندگی کے حسن کو بڑھاوا دینے میں آپ کا اور آپ کی نسلوں کے ذہن کا کوئی کردار باقی نہیں بچا ہے۔ تب آپ کو سمجھ میں آسکے گا کہ ہم جیسے لوگ آپ سے دور جا کر کھڑے رہنے پر کیوں مجبور ہوئے ہیں اور کیوں آپ کی پھیلی ہوئی تھوتھنیوں پر گاڑھے گاڑھے لفظوں کی لپ سٹک دیکھ کر وحشت زدہ ہیں اور آپ کی بدرونقی پر تنقید کر رہے ہیں۔

("لالٹین"، 5جولائی 2016)

میں نے مذہب کیوں چھوڑا؟

اعتزاز میر (آئزی کشمیری)

جو دوست یہ تحریر پڑھنا شروع کریں ان سے درخواست کرنا چاہوں گا کہ اسے کھلے دل اور کھلے ذہن سے پڑھنے کی کوشش کریں۔ اس تحریر کو پڑھتے ہوئے تعصبات کی عینک اتار کر ایک طرف رکھ دیں تو اور بھی اچھا ہو گا۔ یہ سب لکھنے سے میرا مقصد کسی کے دین و مذہب کی توہین کرنا ہرگز نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا مسلمان پیدا ہونے کے بعد اسلام کو ترک کر دینے کا فیصلہ بجائے خود بہت سے لوگوں کے لیے قابل اعتراض ہو گا۔ ان کی خدمت میں محض اتنا عرض کر دینا چاہوں گا کہ مجھے قتل کرنے کی دھمکیاں دے کر آپ اپنے ہی خدا کی مخالفت کے مرتکب ہوں گے کیونکہ آپ ہی کے خدا نے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہر کسی کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی لیکن یہاں نہیں؛ روز حساب کے وقت۔

میری ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ اپنی زندگی کے تجربات میں دوسروں کو بھی شریک کر سکوں لیکن زندگی کے معمولات میں فرصت کی چند گھڑیاں تلاش کرنا کتنا مشکل ہے اس کا آپ سب کو اندازہ ہو گا۔ آج میں نے یہ طے کیا ہے کہ فیس بک پر نوٹس کی شکل میں اس کتاب کو لکھنا شروع کر دوں جسے لکھنے کی خواہش کئی برسوں سے موخر ہوتی چلی آ رہی ہے۔

میرے نام سے آپ کو اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا کہ میرا تعلق کشمیر سے ہے۔ میں پاکستانی کشمیر کے ایک چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ بہت مذہبی لوگ نہیں تھے لیکن مذہب سے یکسر بے بہرہ بھی نہ تھے سو دوسرے بچوں کی طرح مجھے بھی قرآن اور عربی کی تعلیم دینے کا بندوبست کیا گیا۔ میں نے آٹھ سال کی عمر میں قران ختم کر لیا لیکن مذہب سے کوئی خصوصی رغبت نہیں پیدا ہوئی۔

مذہب، خدا اور کائنات کے متعلق سوالات ہر بچے کی طرح میرے ذہن میں بھی آیا کرتے تھے لیکن تیرہ چودہ برس کی عمر تک میں نے ان پر کبھی غور نہ کیا تھا۔ یہ سوچ کر ڈر ضرور لگتا تھا کہ نماز نہیں پڑھتا، روزے بھی دو چار ہی رکھتا ہوں؛ خدا مجھ سے ضرور خفا ہو گا لیکن نوجوانی کی دوسرے مصروفیتوں میں یہ خدشات کہیں دب کر رہ جایا کرتے تھے۔

نوجوانی ہی میں ایک بار رمضان کے مہینے میں باقاعدگی سے تراویح کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ رمضان کا مہینہ اپنے اختتام کو پہنچنے والا تھا، گرمیوں کا موسم تھا اور تراویح پڑھنے کے لیے ہم نے ایک چھوٹی سی مسجد کا انتخاب کیا تھا۔ اس مسجد کے انتخاب میں جو بات اہم تھی وہ یہ تھی کہ یہاں پورے سپارے پڑھنے کی بجائے سورتوں سے کام چلایا جاتا تھا یوں گھنٹے بھر میں نماز تمام ہو جاتی تھی۔ مسجد کے امام ایک نہایت پرہیز گار متقی اور نیک آدمی تھے جن کی میرے دل میں بہت عزت تھی۔ ایک روز تراویح کے دوران میں پہلی صف میں امام صاحب کے عین پیچھے کھڑا تھا اور میرے دو دوست میرے دائیں بائیں تھے۔ سولھویں یا سترہویں رکعت کے دوران امام صاحب کی ہوا خارج ہو گئی۔ میرے دوست نے مجھے کہنی سے ٹہوکے دیتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا "وضو ٹوٹ گیا" میں نے دوسرے طرف کھڑے دوست کو کہنی مار کر یہی پیغام اس تک پہنچا دیا۔

تراویح ختم ہونے کے بعد جب ہم باہر نکلے تو مجھے اپنے دوستوں سے جو عمر میں مجھ سے کچھ بڑے تھے، پتہ چلا کہ امام صاحب کو وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کرنا لازمی تھا جو انہوں نے نہیں کیا اور یوں ہم سب لوگوں کی نماز نامنظور ہو گئی ہو گی۔ مجھے اس انکشاف نے بہت پریشان کر دیا کیونکہ میری نظر میں وہ مولانا ایک بہت نیک اور خدا کے قریبی بندے تھے۔

میں نے دن رات یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اگر مولانا صاحب جو پیشہ ور امام مسجد ہیں اور ہم سب سے کہیں بڑھ کر دین اسلام اور اس کے احکامات کو سمجھتے ہیں انہیں خدا سے ڈر کیوں نہیں لگا اور انہوں نے خدا کے حکم کے مطابق وضو کیوں نہیں کیا۔ کئی دن اس پر سوچنے اور کڑھنے کے بعد ایک روز اچانک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میری زندگی کا دھارا ہی بدل گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر امام صاحب کو جو خدا کی صحبت میں دن رات رہتے ہیں خدا کا ڈر نہیں تو اس کا مطلب یقیناً یہی ہو سکتا ہے کہ انہیں خدا پر سچ مچ یقین خود بھی نہیں۔

اس دن کے بعد مسجد میں جانا تو ترک ہو ہی گیا تھا میں نے تہیہ کر لیا کہ وہ سب کچھ جو امام صاحب اپنی الماری میں سجی سینکڑوں ہزاروں اسلامی کتب سے سیکھ کر آئے ہیں وہ سب میں بھی سیکھوں گا تاکہ میں امام صاحب کی اس دلیری کی تہہ تک پہنچ سکوں۔

جس زمانے کی میں بات کر رہا ہوں، یاد رکھیے کہ اس وقت انٹرنیٹ تو کیا، پاکستان جیسے ملک میں کسی نے کمپیوٹر کا نام بھی نہیں سنا تھا ایسے حالات میں پاکستان جیسے ملک میں مذہب کی حقیقت جاننے کی کوشش کرنا مشکل تو تھا ہی ایک بہت خطرناک کام بھی تھا۔ یہ ضیاالحق جیسے مردود کے عروج کا زمانہ تھا جس نے لوگوں کی سیاسی سرگرمیوں کو محدود

کرنے کی خاطر فرقہ واریت اور اس قسم کے دوسرے تعصبات کو خوب ہوا دے رکھی تھی اور مذہب کے کسی بھی پہلو پر سوال اٹھانا موت کا پیغام سمجھا جاتا تھا۔

میں نے اپنے سفر کا آغاز شبلی نعمانی کی لکھی ہوئی "سیرت النبی" سے کیا۔ یہ کتاب جو رسول اسلام کے ایک چاہنے والے نے لکھی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ رسول کی تعریفوں پر مبنی ہے اس میں بھی مجھے بہت سے ایسے واقعات پڑھنے کو ملے جنہوں نے میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو مزید ہوا دی۔ مثلاً زینب بنت جحش کا واقعہ، عائشہ کا واقعہ، جویریہ بنی مصطلق کا واقعہ، جنگ بدر وغیرہ وغیرہ۔

میری جستجو کا اگلا مرحلہ احادیث کی کتابیں تھیں اور سب سے پہلی کتاب جو مجھے پڑھنے کو ملی وہ صحیح مسلم تھی۔ اس میں درج احادیث پڑھ کر تو یہ جانیے کہ میرے ہوش اڑ گئے۔ اور ایسی ایسی حدیثیں پڑھنے کو ملیں کہ جنہیں کوئی بھی عاقل شخص پڑھ کر یہ سوچے بغیر نہ رہ سکے کہ کیا واقعی یہ سب باتیں خدا کے رسول کے بارے میں ہیں جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہیں دونوں جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

جب میں انیس برس کی عمر کو پہنچا تو میرے ذہن میں یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ مذہب اسلام ایک افسانے سے بڑھ کر کچھ نہیں، اسی عمر میں میں برطانیہ آ گیا جہاں آنے کے بعد میں نے عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب کے بارے میں پڑھنا شروع کیا اور مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا کہ انسان کی فطری توہم پرستی اور موت کے خوف نے ہی مذہب کو جنم دیا ہے اور یہ کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو حق کا راستہ ہو۔

اس سفر کے دوران میں نے کیا کچھ دیکھا سنا، کس طرح مذہبی علما سے رہنمائی حاصل کرنے کی جستجو کی، کتابوں سے سیکھا، اپنی جبلی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر صوفی ازم میں پناہ تلاش کرنے کی کوشش کی یہ سب اور بہت کچھ اگلے ابواب میں درج کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں امید ہے کہ اسے مکمل کر پاؤں گا، نہ بھی کر سکا تو پہلا پتھر تو رکھ ہی رہا ہوں۔ اپنی رائے سے وہ چاہے مخالف ہو یا موافق ضرور آگاہ رکھیے گا۔

ہر بچے کی طرح میرا ذہن بھی طرح طرح کے سوالات سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ مر کر کہاں چلے جاتے ہیں؟ آسمان کیا ہے؟ چاند ستارے سورج یہ سب کیا ہیں؟ اللہ اگر اتنا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے تو لوگ بیمار کیوں پڑتے ہیں؟ لوگ غریب کیوں ہوتے ہیں؟ چھوٹے چھوٹے بچے کیوں مر جاتے ہیں؟

جب میں دس یا گیارہ برس کا ہوا تو ہمارے اسکول میں کام کرنے والا ایک چپراسی جو ہماری ہی عمر کا تھا ایک روز کہیں غائب ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کی لاش ایک بوری میں بند ایک قریبی نالے سے دریافت ہوئی۔ میرا ایک ہم

جماعت جو سکول کے ایک گروپ کے ساتھ پکنک منانے گیا تھا، اسکول ہی کی بس تلے آکر مر گیا۔ ان دونوں کی موت نے مجھے بری طرح پریشان کیا اور میرے سوال بڑھتے ہی چلے گئے۔ مگر ان کا جواب مجھے کوئی نہیں دے پاتا تھا۔ کوئی کہتا کہ خدا جن لوگوں کو پسند کرتا ہے انہیں جلد اپنے پاس بلا لیتا ہے، کوئی کہتا کہ ماں باپ کے گناہوں کی سزا بچوں کی موت کی صورت میں ملتی ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اگر خدا ان لوگوں کو اتنا ہی پسند کرتا تھا تو اس نے انہیں دنیا میں بھیجا ہی کیوں اپنے پاس ہی رکھ لیتا۔ اگر ماں باپ کے گناہوں کی سزا بچوں کو ملتی ہے تو کیا خدا براہ راست ماں باپ کو سزا نہیں دے سکتا بچوں کا کیا قصور ہے؟

ہمارے گھر میں دو تین چھوٹے چھوٹے بچے اور ان کی ماں ہفتے میں ایک دو بار آیا کرتے تھے، ان کی ماں کپڑے اور برتن دھوتی اور بچے صفائی ستھرائی کا کام کرتے میری امی انہیں جاتے ہوئے چند سکے اور پچھلی رات کا بچا ہوا کھانا دیا کرتیں اور وہ اگلے ہفتے پھر آنے کے لیے چلے جایا کرتے۔ میرا خاندان کوئی بہت امیر خاندان نہیں تھا، سفید پوشی کا بھرم بمشکل قائم رکھے ہوئے تھا لیکن جب میں ان بچوں کو دیکھتا جو میرے ہی ہم عمر تھے لیکن اسکول نہیں جاسکتے تھے اور بڑی حسرت سے ان چند کھلونوں کو دیکھا کرتے تھے جن سے میں کھیلتا۔ تھوڑے سے بچے ہوئے کھانے اور چند سکوں کے لیے ان بچوں اور ان کی ماں کو اتنی مشقت کیوں کرنا پڑتی ہے؟ ان کے پاس میرے جیسے کھلونے کیوں نہیں؟ یہ اور اس جیسے بہت سے سوال میرے ذہن میں کھلبلی مچائے رکھتے لیکن اس کا کوئی جواب مجھے اس وقت تک نہ مل سکا جب تک میں اس قابل نہیں ہو گیا کہ خود سے تحقیق کرکے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کروں۔

میری امی اکثر مجھے الٹے سیدھے جوابوں سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں لیکن جس ماحول میں انہوں نے پرورش پائی تھی اس میں سوال کرنے کا رواج نہیں تھا سو ان کے اکثر جوابات یا تو من گھڑت ہوتے تھے یا ان قرآنی کہانیوں پر مبنی ہوتے تھے جو انہوں نے اپنے بڑوں سے سن رکھی تھی (یہ مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ یہ قرآنی کہانیاں اصل میں یہودیت اور عیسائیت کی کہانیوں کا چربہ تھیں)۔

دنیا کے آغاز کے بارے میں انہوں نے مجھے آدم اور حوا کی کہانی سنائی لیکن یہ نہیں سمجھا سکیں کہ خدا نے آدم کو دنیا میں کیوں بھیج دیا تھا جب کہ اس نے آدم اور حوا کے لیے ایک خوبصورت باغ تیار کیا تھا۔ اگر آدم اور حوا کو ان کی غلطی کی سزا ملی تھی، جس پر انہیں دنیا میں بھیجا گیا تو پھر یہ دنیا اصل میں کس لیے بنائی گئی تھی۔ اگر یہ دنیا پیغمبر اسلام کے لیے تخلیق کی گئی تھی تو آدم اور حوا اگر غلطی نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ اگر آدم اور حوا کی غلطی پہلے ہی سے اسکرپٹ کا حصہ تھی تو پھر یہ ان کی غلطی نہیں بلکہ خدا کا منصوبہ کہلائے گا۔

آدم اور حوا کی اولاد کی آپس میں شادیاں بھی میرے لیے ایک بڑا سوال تھیں۔ اگر اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح ناجائز ہے تو آدم کے بچوں کی آپس میں شادی کس طرح جائز ہو گئی اور کیا خدا کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایک سے زیادہ جوڑے پیدا کر دیتا اور ان کے بچے آپس میں شادیاں کر کے انسانی نسل کو آگے بڑھاتے؟

میری امی کے دیئے ہوئے سادہ جوابات مجھے کبھی مطمئن نہ کر پائے لیکن ادب کا تقاضہ یہ تھا کہ میں ان سے بحث نہ کروں۔ جب یہ سوال میں نے دوسرے لوگوں سے پوچھنا شروع کیے تو مجھے بتایا گیا کہ یہ سوالات میرے ذہن کی پیداوار نہیں، بلکہ شیطان مردود میرے دل میں ڈالتا ہے تاکہ میں اللہ سے دور ہو جاوں اور جہنم کا نوالہ بنوں۔ خود یہ سوال کہ شیطان کون ہے اور اس نے خدا کو ذاتی طور پر جانتے ہوئے اور خدا کی بے پناہ قوت سے واقفیت کے باوجود خدا سے اختلاف کی جرات کس بنیاد پر کی؛ مجھے ہمیشہ پریشان کیے رکھتا۔

کہا جاتا ہے کہ شیطان خدا کا ایک بہت مقرب فرشتہ تھا جس نے ہزاروں برس خدا کی عبادت کی تھی اور خدا کے بہت قریب تھا۔ جب خدا نے آدم کو تخلیق کیا تو تمام فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کریں لیکن شیطان نے اپنے غرور کی وجہ سے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کہانی میں یوں تو سوچنے کی بہت سی باتیں ہیں مثلا" یہ کہ شیطان اگر اللہ کا قرب رکھتا تھا تو کیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے انکار کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اور اگر اسے پتہ تھا تو اس نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا؟ کیا اس کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے ساتھ لڑائی میں کوئی اور خدا اس کا ساتھ دے گا؟ اللہ تعالیٰ سے یہ فرمان بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ اللہ شرک پسند نہیں کرتا اور یہ کہ اللہ کے علاوہ اگر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی کو حکم دیا جاتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو پھر پھر اللہ نے کس بنیاد پر فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ کیا ایک دن کے لیے اللہ نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے پابندی ہٹا دی تھی؟ اگر یہ کہانی درست نہیں تو پھر اصل قصہ کیا ہے؟ مجھے کوئی نہیں بتا سکا۔

لیکن مجھے سوال پوچھ پوچھ کر اتنا پتہ ضرور چل گیا کہ سوال پوچھنا اچھی عادت نہیں؛ اللہ تعالیٰ سوال پوچھنے والے کو ناپسند کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ جو بات تمہیں شک کی طرف لے جائے اسے چھوڑ دو۔ مجھے آج تک کوئی ایسا عالم دین نہیں ملا جو مجھے یہ سمجھا سکے کہ اس میں کیا حکمت ہے اگر مذہب خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت ہے تو اسے سوالوں سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر خدا مجھے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا تو میں کسی انسان سے رہنمائی کی کیا توقع رکھ سکتا ہوں۔

ایک عالم دین نے مجھے مسلمانوں کے خلیفہ اول ابو بکر کا یہ فرمان بھی سنایا کہ ضرورت سے زیادہ علم کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ ان سب سوالوں کے جوابات کی عدم فراہمی اور شکوک و شبہات کے باوجود لڑکپن میں میری دلی خواہش تھی کہ میرا مذہب واقعی سچا مذہب ہو۔ میں نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے بہت سے پاپڑ بیلے جن کا ذکر آگے آئے گا لیکن ابھی بات وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں چھوڑی تھی۔ شیطان کے آدم کو سجدے کے جواز اور پھر سجدے سے انکار نہ تو کبھی میری سمجھ میں آسکا نہ ہی کسی کے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب موجود تھا۔ پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے آدم کی پسلی سے حوا کو اس لیے پیدا کیا کہ آدم تنہائی اور بیزاری محسوس کرتا تھا تو پھر آدم کے جنسی اعضا کس کام کے لیے بنائے گئے تھے؟ اس بات کو بھی چھوڑیئے پہلے اس سوال کا جواب تلاش کیجیے کہ آدم کو آخر خدا نے بنایا کیوں تھا؟ دنیا میں بھیجنے کے لیے؟ اگر دنیا میں بھیجنے کے لیے بنایا تھا تو پھر حوا کے بہکاوے میں آکر آدم کا شجر ممنوعہ کا پھل چکھنا وغیرہ تو صرف بہانہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ خدا نے آدم کو جنت سے نکالنے کا پہلے سے تہیہ کر رکھا تھا۔ کچھ لوگ کہیں گے کہ ایسا نہیں تھا اور صرف آدم کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اس سے جو نئے سوالات پیدا ہوتے ہیں (مثلاً کیا خدا کو پتہ تھا یا نہیں کہ آدم غلطی کرے گا) کو ایک طرف رکھ دیں تو بھی اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدم کو اس کی غلطی کی وجہ سے جنت سے نکال کر بھیجا گیا تھا تو اسلام کی بیان کی ہوئی یہ داستان کیونکر سچی ہو سکتی ہے کہ محمد اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ نے ساری کائنات ان کی خاطر بنائی تھی۔ اگر اللہ نے چھٹی صدی عیسوی میں محمد کو عرب میں بھیجنے کا پلان پہلے سے تیار کر رکھا تھا تو آدم کی غلطی والی کہانی ایک سازش ثابت ہو جاتی ہے اور اگر آدم کو واقعی غلطی کی بنیاد ہی پر نکالا گیا تھا (اور اگر وہ غلطی نہ کرتا تو ہمیشہ جنت کے مزے لوٹتا) تو پھر محمد کے لیے کائنات بنانے والی کہانی جھوٹی ہو جاتی ہے۔ اس میں سچ کیا ہے کوئی مجھے نہ بتا سکا اور جب میں نے اصرار کیا تو مجھے وہی ہدایت کی گئی کہ جو بات تمہیں شک میں ڈال دے اسے چھوڑ دو۔

چلیں ان معمولی جزئیات کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اگر بھائی بہن کی شادی اسی قدر ناجائز اور کراہت آمیز عمل ہے تو خدا نے دنیا اسی عمل سے کیوں شروع کی؟ اگر خدا دو آدم اور دو حوائیں بنا دیتا تو یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوتا لیکن ایسا نہ کرنے میں اللہ کی کیا حکمت پوشیدہ تھی اس کا جواب آپ کو کوئی نہیں دے گا اور اگر آپ ضد کریں گے تو پہلے تو آپ کو چپ رہنے کی ہدایت کی جائے گی اور اگر آپ نہ مانیں تو آپ کو یہ یاد دلایا جائے گا کہ کافر ہونے کی سزا موت ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ آدم اس دنیا میں بھیجے جانے والے پہلے نبی بھی تھے۔ ایک طرف تو ہمیں بتایا گیا کہ آدم سے پہلے کوئی آدمی تخلیق نہ ہوا تھا دوسری طرف کہا جا رہا ہے کہ آدم پیغمبر تھا۔ اگر وہ پیغمبر تھا تو کس کے لیے پیغام لے کر آیا تھا؟

اپنے بچوں کے لیے؟ چلیں مان لیا لیکن ایک اور بات یاد آتی ہے۔ یاد ہے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اللہ تعالی نے ایک کوا زمین پر بھیجا تھا جس نے ایک دوسرے کوے کو مار کر زمین میں دفنا دیا تھا اور یوں قابیل کو سکھایا تھا کہ لاش کو دفن کیا جاتا ہے۔ اگر آدم صاحب پیغمبر تھے تو انہیں اتنی معلومات تو ہونی ہی چاہیے تھی کہ کوئی مر جائے تو کیا کرنا ہے لیکن نہیں یہ بھی نہیں ہوا۔ قتل کی سزا خدا کے نزدیک گردن اڑا دینا ہے تو کیا قابیل کی گردن اڑائی گئی؟ مجھے تو اس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملا تو کیا اللہ تعالی نے یہ سزائیں بعد کے لیے بچا کر رکھی تھیں؟

آیئے آدم اور حوا کو بھول جاتے ہیں، دنیا بدل گئی ہے انسانوں کی آبادی بہت بڑھ چکی ہے ایسے میں موسیٰ پیغمبر بن کر تشریف لاتے ہیں بتایا جاتا ہے کہ وہ کوہ طور پر اللہ سے ملنے جایا کرتے تھے۔ کوہ طور پر کیوں جایا کرتے تھے؟ کیا وہاں سے آسمان نزدیک پڑتا ہے؟ کیا اللہ تعالی موسی سے "ہاف وے" ملا کرتے تھے؟ کوئی جواب نہیں موسیٰ کا ایک نام کلیم اللہ یعنی اللہ سے کلام کرنے والا بھی ہے۔ کیا کسی نے کبھی سوچا ہے کہ حضرت محمد جو نبیوں کے سردار ہیں اور جن کی خاطر یہ کائنات تخلیق کی گئی اللہ نے انہیں باہم گفتگو کا شرف کیوں نہیں بخشا؟ کیا موسیٰ محمد سے برتر تھے؟ اگر تھے تو سردارالانبیا کا تاج کہا گیا اور اگر محمد واقعی نبیوں کے سردار تھے تو ان سے گفتگو کے لیے اللہ تعالی نے مڈل مین یعنی جبرئیل پر کیوں انحصار کیا؟ شیطانی آیات کا قصہ آپ نے سنا ہو گا اگر نہیں سنا تو بتایئے گا، میں سنادوں گا لیکن اگر اللہ نے محمد کو بھی کلیم اللہ کا اعزاز دے دیا ہوتا تو ایسی سنگین غلطیاں تو رونما نہ ہوتیں کہ شیطان جبرئیل کا بھیس بدل کر آئے اور محمد کو شیطانی آیات اللہ کا کلام بتا کر لکھوا جائے؟

اس داستان کی گذشتہ قسط لکھنے کے بعد مجھے جو تبصرے پڑھنے کو ملے اور جو پیغامات بھیجے گئے وہ بہت خوشگوار نہیں تھے، حالانکہ میں نے یہ داستان شروع کرنے سے پہلے ہی یہ وضاحت کر دی تھی کہ اسے لکھنے کا مقصد نہ تو کسی کے مذہب کی توہین کرنا ہے نہ ہی میں تصور خدا اور سالت کا مذاق اڑانا چاہتا ہوں لوگوں کو حق ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں۔ مجھے یہ حق نہیں کہ میں کسی کو اپنا عقیدہ ترک کرنے پر مجبور کروں لیکن اس کے ساتھ ہی کسی کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ مجھے کسی الٹے سیدھے بلکہ کئی صورتوں میں احمقانہ عقائد کو قبول کرنے پر مجبور کرے۔

آج میں جس تجربے کی بات کرنے جارہا ہوں وہ تیسری یا چوتھی جماعت کے بچے کے طور پر اسلامیات کے اسباق پڑھنا ہے۔

ہماری اسلامیات کی کتاب کے سرورق پر لکھا تھا؛ یہ کتاب فقہ جعفریہ کے طلبا کے لیے نہیں ہے۔اس سوال کا جواب میں نے کبھی تلاش نہیں کیا کیونکہ اس وقت میری عمر محض سات یا آٹھ برس کی تھی اور میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہ تھا کہ فقہ جعفریہ کیا ہوتا ہے۔ لیکن کچھ اسباق ایسے تھے جنھوں نے میرے ذہن پر بہت گہرے نقوش چھوڑے ۔مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کس غزوہ / جنگ کی بات ہو رہی تھی لیکن ایک سبق میں دو کمسن بھائیوں کا ذکر تھا جن کے نام معوذ اور معاذ بتائے گئے تھے۔ سبق میں لکھا تھا کہ دونوں بھائی جنگ میں حصہ لینے کے لیے اس قدر بیتاب تھے کہ انہوں نے بھرتی کے وقت اپنی عمروں کے بارے میں جھوٹ بولا اور مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ان میں سے ایک بھائی کا بازو لڑائی کے دوران کٹ گیا لیکن جسم سے علیحدہ نہیں ہوا۔ اس بچے نے اس لٹکتے ہوئے بازو پر ایک پاؤں رکھا اور زور لگا کر اسے اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا، کیونکہ اس کی وجہ سے اسے لڑنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ان دو بھائیوں کی کہانی نے میرے دل پر عجیب اثر کیا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے میرے دل میں ایک تڑپ سی پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی نبی کے زمانے میں پیدا ہوا ہوتا اور ان پر اپنی جان قربان کر کے فوراً جنت کا حقدار بن جاتا۔ یہ کہانی جس انداز سے بیان کی گئی تھی، کچھ عجب نہیں کہ اگر اس وقت میرے بس میں ہوتا تو میں کوئی کافر تلاش کر کے اسے اپنے نبی کی محبت میں ہلاک کر دیتا۔اب اگر کبھی اس بارے میں سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں مجھے ایسی کہانیاں پڑھائے جانے کا مقصد کیا تھا؟ جب اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے جہالت کا مجسمہ بنے پاکستانی نوجوانوں کو دیکھتا ہوں تو یہ وجہ بھی کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ یہ نوجوان جن سے بات تو ہوتی نہیں لیکن ماں بہن کی گالیاں اور قتل کی دھمکیاں گویا ان کی زبان کی نوک پر دھری ہوتی ہیں۔

اب کبھی جب خود کش بمبار بنے کمسن بچوں کی کوئی کہانی سنتا ہوں تو بھی وہ وقت یاد آتا ہے۔اگر اس وقت میری زندگی میں کوئی کردار ایسا آ جاتا جو مجھے بتاتا کہ میں پیغمبر اسلام کی خوشنودی کس طرح حاصل کر سکتا ہوں اور کیسے جنت کا فوری حقدار بن سکتا ہوں تو کوئی بڑی بات نہیں میں بھی اس زمانے کے حالات کے مطابق کوئی احمقانہ کام کر چکا ہوتا۔ بچپن کی اسی یاد کا نتیجہ ہے کہ جب یہ سنتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کس طرح ورغلا کر خود کش بمبار بننے پر تیار کیا جاتا ہے تو ذرا حیرت نہیں ہوتی۔اس قسم کی داستانیں اور ان داستانوں کو سنانے کا انداز شاید جوان عمر لوگوں کو بھی پل میں "مجاہد" بننے کے لیے تیار کر لے بچوں کی تو کچھ حیثیت ہی نہیں۔

خیر، آگے بڑھتے ہیں۔اسی زمانے میں ہمیں غزوہ بدر کا حال بھی پڑھایا گیا۔مجھے یاد ہے اس میں بتایا گیا تھا کہ ایک ہزار کفار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ آ رہے تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف تین سو تیرہ نوجوان تھے

لیکن ان تین سو تیرہ لوگوں نے کفار کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ مجھے یاد ہے یہ پڑھ کر میں خوش ہوا تھا کہ کس طرح جذبہ ایمانی ہر طرح کی رکاوٹوں پر حاوی ہو سکتا ہے۔ معوذ اور معاذ کا جذبہ دیکھ کر مجھے یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ کفار اگر ایک ہزار کی جگہ دس ہزار بھی ہوتے تو مسلمانوں کا ہر گز مقابلہ نہ کر پاتے۔

بد قسمتی سے جب میں نے اسلام کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ شروع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ بدر کی کہانی تو کچھ اور ہی تھی ۔مجھے یقین ہے کہ دنیا میں آج بھی کروڑوں مسلمان ایسے ہوں گے جنہیں مسلمانوں کی جنگوں کی حقیقت معلوم نہ ہو گی اور جنھیں ہو گی ان میں بھی میری طرح کروڑوں نہیں تو لاکھوں ایسے ضرور ہوں گے جو خود سے جھوٹ بول کر کسی نہ کسی طرح اپنے ضمیر کی کسک کو دبا لیتے ہوں گے کہ یہ سب اسلام کے غلبے کے لیے ضروری تھا کیونکہ اسلام اللہ کا دین ہے اور اللہ کے دین کی سر فرازی ایک مسلمان کا فرض اولین۔ یہاں اس بات کی گنجائش تو نہیں کہ میں بدر کا پورا واقعہ بیان کروں جن دوستوں کو ضرورت ہو وہ تاریخ اسلام کی کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں لیکن میں مختصر لفظوں میں اسے یہاں بیان کر رہا ہوں اور اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ مجھے اس قسم کی جنگوں کی کہانی پڑھ کر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے شرمندگی کیوں محسوس ہوئی۔

مکہ کے قریش قبیلے کے لوگ اکثر مال تجارت لے کر شام جایا کرتے تھے۔ خود پیغمبر اسلام بھی اس قسم کے قافلوں کا حصہ رہے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کر چکے تھے۔مکہ سے شام کا سفر کرنے والے قافلے بدر نام کے ایک مقام سے گذرا کرتے تھے جو مدینہ سے ستر کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ بدر کی جنگ سے پہلے مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ مکہ کے لوگ ایک قافلہ لے کر شام جا رہے ہیں اور پیغمبر اسلام نے فیصلہ کیا کہ مسلمان اس قافلے پر حملہ کر کے اس کا سامان لوٹ لیں گے اور یوں مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ سے جنوب کی طرف روانہ ہوا،اور بدر کے مقام پر جہاں قریش کے قافلے کو آرام کے لیے رکنا تھا چھپ گئے۔ قافلے کے لوگ پانی لینے کے لیے ایک قریبی کنویں پر جاتے تھے لیکن مسلمانوں نے اس کنویں پر قبضہ کر لیا اور جو بھی وہاں پانی لینے جاتا،اسے ایک ایک کر کے قتل کرتے رہے۔ آخر میں ہوا یہ کہ قافلے پر حملہ کر کے قافلے کے شرکا میں سے سینکڑوں کو قتل کر دیا اور ان کا سامان لوٹ لیا جو نبی اور ان کے ساتھیوں نے آپس میں بانٹ لیا۔اس میں کتنا مال لوٹا گیا اور کس کس کو یرغمال بنایا گیا اس کی تفصیل پڑھنے کے لیے آپ اسلامی تاریخ کی کتب دیکھ سکتے ہیں یہاں اس کی جگہ نہیں۔ میں نے جب اسلامی علما سے اس کی وضاحت چاہی تو زیادہ تر نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اہل قریش مکہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ جا رہے تھے اور آخر جب ایک عالم نے یہ تسلیم کیا کہ یہ جنگ کفار کے قافلے کا مال چھیننے کی خاطر کیا گیا تھا، انہوں نے اس کی توجیہہ یہ

پیش کی کہ "اس زمانے کا رواج یہی تھا"۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ اسلام زمانہ جہالت کی روایات کو بدلنے کے لیے آیا تھا، سو اس وضاحت نے مجھے بہت مایوس کیا اور مجھے یقین ہے کہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا یہ عمل کسی بھی ذی شعور کے لیے فخر کا باعث نہیں ہو سکتا۔ کم از کم میں اس قسم کے واقعات کی کوئی وضاحت قبول نہیں کر سکتا۔ جو بات غلط ہے وہ کوئی بھی کرے غلط ہی رہتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ اس قسم کے تاریخی کرداروں کی محبت میں مبتلا ہو کر گذار دیا۔

میری کہانی آپ کو بہت بے ربط معلوم ہو گی۔ میں کوئی پیشہ ور لکھاری نہیں اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ میری گفتگو بعض اوقات بے معنی معلوم ہوتی ہو لیکن میں اس احساس کے باوجود اس لیے لکھے جا رہا ہوں کہ مجھے اس دنیا میں زندگی گذارنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے ایک مذہب کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور مذہب کے میری زندگی پر اچھے یا برے بہت گہرے اثرات رہے ہیں۔ ایسے میں اگر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کے تمام مذاہب جھوٹ کا پلندہ ہیں اور انہوں نے کروڑوں اربوں انسانوں کی زندگیوں کو تباہ کیا ہے۔ اس لیے مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اپنے دل کی بات دل ہی میں لے کر نہ مر جاؤں بلکہ اسے دوسروں کے ساتھ بھی بانٹوں۔ بے ربط یا بے معنی ہی سہی لیکن میری یہ گفتگو کے انداز میں لکھی گئی تحریر شاید کسی کے کام آ جائے اور سوچنے، غور کرنے اور تحقیق کرنے والے کچھ لوگ ان سے اس قدر رہنمائی حاصل کر سکیں کہ بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے کون کون سی کتابیں پڑھ لینا کافی ہے وغیرہ۔

پچھلی قسط میں میں نے غزوہ بدر کی بات کی تھی۔ برادرم امجد حسین نے اپنے کسی مسلمان صاحب علم دوست سے اس پر ان کی رائے پوچھی تو ان کے دوست نے کہا کہ مسلمان مکہ میں اپنی جائیدادیں چھوڑ آئے تھے اس لیے قریش کے قافلے پر حملہ کر کے ان کا ساز و سامان لوٹ لینے کا مسلمانوں کو پورا حق تھا۔ وہ صاحب جو کوئی بھی ہیں ان کی دی ہوئی دلیل مجھے تو بہت بودی لگی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مسلمان باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہجرت کر کے یثرب گئے تھے، مکہ سے انہیں بے دخل نہیں کیا گیا تھا بلکہ محمد کے ضمن میں تو اسلام تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ انہوں نے مکہ میں اپنا تمام لین دین ختم کیا تھا اور جن لوگوں کی امانتیں ان کے پاس تھیں وہ اپنے چچازاد بھائی علی کے ہاتھوں واپس کروا دی تھیں۔ ایسے میں یہ تاثر دینا کہ مسلمان اپنی جائیداد سے محروم ہو گئے تھے درست نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو یہ جواز ڈاکہ زنی کی معقول وجہ میرے جیسے عام شخص کے نزدیک بھی نہیں کجا کہ خدا کا رسول ایسا کرے۔

آج میں تھوڑی سی بات پیغمبر اسلام کے اپنے خاندان کے حوالے سے کرنا چاہوں گا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں ان کے والد ان کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ پھر والدہ بھی ان کی کمسنی میں چل بسیں اور ان کی دیکھ بھال اس

کے بعد ان کے دادا عبد المطلب اور پھر چچا ابو طالب نے کی۔ دادا کی وفات بھی حضرت محمد کے بچپن ہی میں ہو گئی لیکن ابو طالب 619 عیسوی یعنی مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کرنے سے تین برس پہلے تک زندہ رہے۔ ہمیں اسکول میں ایک کہانی پڑھائی گئی تھی جس کے مطابق جب مکہ کے لوگوں نے حضرت محمد کی شکایت ابو طالب سے کی جواب میں حضرت محمد نے اپنے چچا سے کہا کہ یہ لوگ اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنا مشن ترک نہیں کروں گا ۔اس پر ابو طالب نے مکہ کے لوگوں کو جھڑک دیا اور نہیں محمد کو تنگ کرنے سے منع کر دیا۔

حضرت محمد کے ایک اور چچا ابو لہب بھی تھے، جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ محمد کی پیدائش کی خبر انہیں ان کی جس لونڈی (غلام عورت) ارسہ ثویبہ نے سنائی تھی، ابو لہب نے خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا تھا۔ بھتیجے کی پیدائش پر ایک چچا کی خوشی کا تصور کرنا کوئی مشکل نہیں۔ ابو لہب کا لونڈی کو آزاد کرنا یقیناً ایسی ہی خوشی کا غماز ہے لیکن ابو لہب کی کہانی بھی عجیب ہے۔

جب پیغمبر اسلام نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے مذہب کا اعلان کیا تو ان کی مخالفت کرنے والوں میں سب سے پہلا نام خود ان کے اسی چچا ابو لہب کا تھا؟ کیوں؟ کیا وہ اپنے بھتیجے کو نہیں جانتے تھے؟ اگر جانتے تھے تو ان کی بات پر یقین کیوں نہ کیا؟ خاندانی جھگڑوں یا پنجابی محاورے کے مطابق "شریکے" والا معاملہ ہوتا تو نبی کی پیدائش پر لونڈی کو آزاد کرنے والا واقعہ ہمیں کہیں نہ ملتا۔ ابو لہب کو ایک اور عجیب و غریب اعزاز بھی حاصل ہے۔ لیکن اسے بیان کرنے سے پہلے ایک چھوٹی سی تمہید ضروری ہے۔

قرآن مسلمانوں کے دعوے کے مطابق ہدایت کی ایک کتاب ہے۔ اگر میں اس قابل ہوتا کہ رنگ برنگے جانور اور انسان تخلیق کر سکتا اور پھر رہتی دنیا تک ان کی ہدایت کے لیے ایک کتاب بھیجتا تو میں اس کتاب میں زندگی کے اصول بیان کرتا۔ یہ بتاتا کہ کیا کام کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ پوری تفصیل سے بتاتا کہ زندگی میں کون کون سے کام کرنے چاہییں اور کون سے نہیں۔ یہ بیان کرتا کہ میں نے دنیا کیوں بنائی اور کیوں دنیا میں انسانوں کو چھوٹا بڑا بنایا۔ ظالموں کی رسی کیوں دراز کی اور اپنے پیارے بندوں کو کیوں محرومی اور غربت سے دوچار کیا۔ میں ایسا اس لیے کرتا کہ میرے بندے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ میں ایسا اس لیے کرتا کہ میں جو انسانوں سے ستر ماوں سے زیادہ پیار کرتا ہوں، انہیں یہ بھی بتاوں کہ وہ اتنے بے بس کیوں ہیں کہ اپنے بچوں کو دو وقت کی روٹی فراہم نہیں کر سکتے۔ انہیں یہ بھی بتاوں کہ کیا وجہ ہے کہ زیادہ صورتوں میں جھوٹ سچ پر حاوی ہو جاتا ہے ؛ یہ لسٹ بہت لمبی ہے بات مختصر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اس کتاب میں یہ ہر گز نہ کہتا کہ فلاں آدمی جو تمہارے پاس میرا پیغام لے کر آیا ہے اس کا فلاں چچا بہت

خبیث آدمی ہے اور یہ نہ کہتا کہ (یہ الفاظ قران کے ہیں) ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹیں، ابو لہب کا مال و دولت اس کے کسی کام نہیں آئے گا، وہ جہنم کی آگ میں جلے گا، اس کی بیوی بھی جہنم کی آگ میں جلے گی جو نبی کی راہ میں کانٹے بچھاتی رہی، اس کے گلے میں پھندا پڑا ہے۔

کیوں؟ ابو لہب کے نام قرآن کی ایک پوری سورت کیوں؟ اس میں کون سی ہدایت ہے اور ہدایت بھی وہ جو رہتی دنیا کے لیے ہے؟ کیا اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ محمد کی نبوت کا انکار کرنے والوں کے لیے آگ اور جہنم کی خبر نہیں سنائی؟ پھر ابو لہب پر لعن طعن کیوں؟ وہ بھی ایک ایسی کتاب میں جس میں سمجھدار لوگوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے؟ چلیے اتنا بتا دیجیے کہ کیا ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے؟ کیا قرآن میں خدا اس تمنا کا اظہار کر رہا ہے کہ ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں یا کسی اور سے دعا مانگ رہا ہے؟ کیا خدا ابو لہب کی خبر نہیں لے سکتا جو اس کی اپنی مخلوق ہے اور اس کے محبوب کی دشمن ہے؟

ابو لہب کو بھول جائیں؛ صرف اتنا بتا دیں کہ پیغمبر اسلام کے پیارے چچا ابو طالب جنہوں نے ایک باپ کی شفقت اور محبت سے اپنے بھتیجے کی پرورش کی انہوں نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا؟ بات سوچنے کی ہے یا نہیں؟

شاید اس وقت میری عمر سترہ یا اٹھارہ سال کی ہو گی۔ میں ٹرین کے ذریعے کچھ دوستوں کے ساتھ کراچی جا رہا تھا۔ اس عمر کے لڑکوں کو سفر میں جس چیز کی سب سے زیادہ حاجت ہوتی ہے وہ کوئی نوجوان لڑکی ہے جسے دیکھ کر وہ آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہیں اور سفر کی طوالت کا احساس کم ہو جائے لیکن بد قسمتی سے اس روز سفر میں ہمارے ڈبے میں کوئی لڑکی تو کیا بڑھیا تک نہیں تھی۔ ایسے میں وقت گذارنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ ملتان کے قریب کسی اسٹیشن پر گاڑی ذرا دیر کو رکی تو داڑھی والوں کا ایک ہجوم ہمارے ڈبے میں داخل ہو گیا۔ سب نے عجیب قسم کا سامان اٹھا رکھا تھا۔ میں نے نوٹ کیا کہ ہر آدمی کے پاس ایک بستر بند اور ایک لوٹا ضرور تھا۔ میں نے زندگی میں اس سے پہلے اس قسم کے لوگ نہیں دیکھے تھے سو حیران ہو کر انہیں دیکھتا رہا۔ اس وقت تک مجھے کوئی ایسا مسلمان دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا جس کی شلوار ٹخنوں سے اوپر بندھی ہو۔ یہ میرا تبلیغی جماعت سے پہلا تعارف تھا۔

مذہب کے حوالے سے اس وقت میں ایک گومگو کی کیفیت میں تھا جس میں خدا سے ڈرتا بھی تھا اور خدا کے وجود پر شک بھی کرتا تھا۔ رات کو سونے سے پہلے کلمہ بھی پڑھتا تھا اور لڑکیوں میں بھی پورے انہماک سے دلچسپی لیتا تھا۔ خیر مختصراً یہ کہ طویل سفر اور ریل کے ڈبے کی تنگی نے بہت جلد ہمارا ان سے تعارف کروا دیا۔ میرے سامنے جو تین افراد بیٹھے تھے ان میں سے ایک سرجن تھے، ایک کسی اور قسم کے ڈاکٹر اور ایک سائنس کے پروفیسر۔ بات چلتے چلتے اس

مقصد کی طرف آ گئی جسے اپنے بستر بند میں لپیٹ کر وہ گھر سے نکلے تھے یعنی تبلیغ اسلام۔ میں نے اس سے پہلے تبلیغی جماعت کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ سو ان کی گفتگو نہایت دلچسپی سے سننے لگا۔ پتہ چلا کہ یہ صاحبان اکثر گھر چھوڑ کر اللہ کے دین کی خدمت اور اللہ کی خوشنودی کی خاطر تبلیغ دین کے لیے جایا کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو، حسن اخلاق اور لگن نے مجھے بہت متاثر کیا گو کہ میں اس سے برسوں پہلے اتفاق سے کچھ کرسچن مشنریز کو کام کرتے دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے یہ اندازہ تھا کہ خوش اخلاقی ان کے "پیشے" کا تقاضہ ہے لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ حقیقت تھی کہ یہ سب لوگ مجھ سے کہیں زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار تھے۔ تینوں نے سائنس کی تعلیم بھی حاصل کر رکھی تھی اس کے باوجود مذہب سے بے پناہ لگاؤ رکھتے تھے۔ میں نے اپنے محدود علم کے باوجود ان سے سوالات پوچھنا شروع کر دیئے جو اس وقت اور بھی محدود ہوا کرتا تھا۔

ساری رات ان لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد مجھے ان سے اتفاق تو نہیں ہو سکا لیکن ایک بات کا احساس شدت سے ہوا کہ یہ لوگ جدید علوم سے آشنا ہونے کے باوجود نئی دنیا سے نہ صرف لاتعلق ہیں بلکہ کسی وجہ سے یہ مذہب کو جدید زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ انہوں نے میری جینز پر کئی جملے کسے، مجھے یہ بھی جتانے کی کوشش کی کہ میرے بال دین اسلام کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتے اور میرا نماز نہ پڑھنا میرا اور خدا کے بیچ کا معاملہ نہیں بلکہ شاید ان کی ذاتی ذمہ داری ہے۔ اس وقت میری ذہنی استطاعت ایسی نہ تھی کہ میں ان کے ان رویوں کا تجزیہ کر سکتا نہ ہی میری زندگی میں کوئی ایسا بڑا یا بزرگ تھا جو اس پر میری رہنمائی کر سکتا لیکن کئی برس بعد جب مجھ میں دنیا کو اپنی نگاہ سے دیکھنے کا اعتماد پیدا ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ ظاہری طور پر پڑھے لکھے ہونے کے باوجود بہت سے معاملات میں اندھے ہیں۔ مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ مذہبی ذہن کے لوگوں کو اگر ان کے مذہب کا چہرہ صاف صاف دکھایا بھی جائے تو وہ یا تو اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس کی کوئی احمقانہ قسم کی توجیہہ تلاش کر کے لے آتے ہیں۔

مذہبی لوگوں کے ساتھ میرے تجربات نے مجھے سکھایا ہے کہ اس قسم کے عقیدے رکھنے والے لوگ کسی بھی چیز کو معروضی انداز میں دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک مٹکے میں بیٹھا اس مٹکے کی خوبیاں گنوا رہا ہو لیکن اس نے ساری زندگی اس مٹکے میں سے قدم باہر نہ نکالا ہو۔ ایسے شخص کو یہ اندازہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جس مٹکے میں وہ بیٹھا ہے وہ باہر سے کیسا دکھائی دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مٹکے کے باہر گندگی لگی ہو جو سب دیکھنے والوں کو صاف دکھائی دے رہی ہو لیکن مٹکے کے اندر بیٹھا شخص اسے کبھی نہ دیکھ سکے اور جب باہر کھڑے لوگ اسے بتائیں کہ

تمہارا مٹکا گندگی میں لتھڑا ہے تو وہ گندگی کی بدبو محسوس کرنے کے باوجود خود سے جھوٹ بولے گا کہ نہیں ایسا کچھ نہیں ہے یہ بدبو میرا وہم ہے ضرور میری سونگھنے کی صلاحیت میں کوئی خرابی ہے وغیرہ وغیرہ۔

جب میں بائیس یا تیئیس برس کا تھا تو میری ایک پروفیسر صاحب سے ملاقات ہوئی جو فلاسفی کے پروفیسر تھے اور بہت پڑھے لکھے تھے۔ میں نے ان سے ملتے ہی ان سے پہلا سوال یہ پوچھا کہ کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ وہ میرے سوال پر ہنس دیئے اور مجھے سمجھایا کہ خدا کا وجود یا عدم وجود اس دنیا کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ خدا کے وجود کی کہانیاں شروع ہی اس وقت ہوتی ہیں جب انسان اپنی زندگی سے غیر مطمئن ہو۔ جو لوگ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں، ان کے لیے یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے۔ اس وقت میرے لیے شاید زندگی کا سب سے بڑا سوال ہی یہی تھا اس لیے میں ان کے جواب سے متاثر نہیں ہوا لیکن بعد کی زندگی میں احساس ہوا کہ وہ درست کہہ رہے تھے۔ آپ کو اکثر مذہبی لوگ یہ کہتے سنائی دیں گے کہ انسان جب مشکل میں ہوتا ہے تو ہی خدا یاد آتا ہے۔ خدا کی پیدائش اصل میں انسان کو زندگی میں پیش آنے والی مشکلات ہی کے نتیجے میں ہوئی۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جب انسان غاروں میں رہتا تھا تو سورج، بادل، سمندر، آندھی، خطرناک جانوروں اور اسی طرح کی چیزوں کو خدا مانتا تھا۔ جب انسان نے ان چیزوں کا توڑ دریافت کر لیا تو یہ خدائی کے درجے سے گر گئیں۔

چونکہ میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا تھا اس لیے میری گفتگو کا دائرہ بھی اسلام تک محدود ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف اسلام ہی جھوٹا مذہب ہے۔ میں نے سیکھا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب ایک ہی سانچے میں ڈھل کر بنے ہیں۔ ان سب کے مرکز میں کوئی ایسی قوت ہے جو انسانوں کی زندگی کو کامیابی یا بربادی سے دوچار کر سکتی ہے۔ یہ طاقت بلا تخصیص ہر مذہب کے پیروکاروں کو ایک خوف میں مبتلا رکھ کر انہیں اپنی مرضی پر چلنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ طاقت کہیں انہیں جہنم کا خوف دلاتی ہے اور کہیں کرما کی دہائی دیتی ہے۔ یہ قوت انسان کا خالق ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن اتنی بڑی طاقت کا دعویٰ کرنے کے باوجود کوئی معمولی سا معجزہ دکھانے سے بھی مجبور ہے۔ ہزاروں برس کی انسانی تاریخ میں ہمیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جہاں خدا نے سچ مچ ایک نیکی کی قوت ہونے کا ثبوت دیا ہو۔ اگر کوئی ہوائی جہاز کریش ہو جائے اور دو تین سو افراد میں سے ایک آدھ بچ جائے تو مذہبی لوگ فوراً اسے معجزے کا نام دے دیں گے لیکن کوئی یہ نہیں کہے گا کہ ایک آدمی کے بچ جانے کا مطلب اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔ اگر خدا معجزے دکھایا کرتا ہے تو افریقہ کے قحط میں مرنے والوں کو کھانے کے لیے کچھ کیوں نہیں دے دیتا۔ آپ کو انسانی تاریخ میں یہ افسانے تو مل جائیں گے کہ خدا نے عیسیٰ کے ذریعے مردوں کو زندہ کر کے دکھایا لیکن آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں ملے گا

کہ خدا نے کسی کے کٹے ہوئے ہاتھ یا پاؤں کو دوبارہ اگا دیا ہو۔ جو خدا انسانوں کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے کھانا اور پانی فراہم نہیں کر سکتا وہ جنت میں انہیں دودھ اور شہد کی نہروں کا وعدہ کس منہ سے کرتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب لوگ دن رات اس کی خوشامد کرتے رہیں اور اس کے ایجنٹوں کو جو (آج کل ملاوں اور پادریوں کی شکل میں ملتے ہیں پچھلے زمانے میں پیغمبروں کی شکل میں آیا کرتے تھے) نذر نیاز دیتے رہیں۔

پیغمبروں سے یاد آیا؛ قرآن میں جسے مسلمان خدا کی آخری کتاب قرار دیتے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں رہتی دنیا کے لیے تمام نسل انسانی کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ یہ کتاب شک سے بالاتر ہے اور اس کا ہر ایک حرف سچ اور خدا کا کہا ہوا ہے۔ اس کتاب میں ہمیں درجنوں پیغمبروں کا ذکر ملتا ہے۔ رسولوں کے قصے بھی اس میں درج ہیں لیکن کیسا عجیب اتفاق ہے کہ قرآن اور دیگر اسلامی روایات میں جن نبیوں اور رسولوں کا ذکر ملتا ہے وہ سب سے سب بلا تخصیص مشرق وسطی میں پیدا ہوئے۔ اگر اللہ کی بادشاہی دنیا کے ہر کونے میں ہے، اگر خدا کا پیغام تمام انسانوں کے لیے ہے تو کیا وجہ ہے کہ کوئی پیغمبر مشرق وسطیٰ سے باہر پیدا نہیں ہوا؟ اس بات کے جواب میں بہت سے مسلمان دوست یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قران کے مطابق نبی اور رسول دنیا کی ہر قوم میں بھیجے گئے لیکن آج تک کوئی مجھے کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتا سکا جو چین، امریکہ، آسٹریلیا، برطانیہ، بھارت، جاپان یا دنیا کے کسی اور کونے میں پیدا ہوا ہو۔ کیا دنیا میں صرف عرب قوم ہی ایسی تھی جسے ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت تھی؟ اگر نہیں اور پیغمبر دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی آئے تھے تو کیا وجہ ہے قرآن میں صرف مشرق وسطی والوں کا ذکر ہے باقی کسی کا نہیں؟ عورت کا پیغمبر ہونا تو خیر ناممکن ہے ہی لیکن کوئی چینی یا جاپانی پیغمبر بھی ہے کہیں؟ ذرا سوچیے کہ کیا آپ نے کبھی کسی حضرت ذنگ سونگ، حضرت جان میکڈانلڈ، حضرت چارلس اسمتھ، حضرت ائیں مکارتھر، حضرت پیڈرو گونزالیز، حضرت شن زو کائ فو،، حضرت موبوتو مگابے، حضرت مرلی لعل کرشنن، حضرت اناطولی کرپچوف، حضرت جاوید اقبال کا نام سنا ہے؟

پچھلی نشست میں ہم بات کر رہے تھے کہ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ بھی مذہب کو کیونکر مان سکتے ہیں۔ مجھے زندگی کے تجربے نے یہی سکھایا ہے کہ جو بات بچپن میں آپ کے ذہن میں بٹھا دی جائے، اسے ذہن سے جھٹک دینا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہوتا ہے۔ آپ میں سے زیادہ تر کا تعلق پاکستان یا بھارت سے ہے اس لیے یقیناً آپ اس بات سے واقف ہوں گے کہ ہمارے ہاں اگر آپ کا ہاتھ کسی طرح اپنی گردن کو چھو جائے تو ہاتھ پر پھونک مارتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن یہ جاہلانہ رسم یقیناً کئی نسلوں سے اس خطے کے لوگوں میں جاری وساری ہے۔ میں

مذہب اور رسوم و رواج کی رسیاں مدتوں پہلے توڑ چکا ہوں لیکن آج بھی اگر میرا ہاتھ گردن کو چھو جائے تو جب تک میں ہاتھ پر پھونک نہ مار لوں مجھے چین ہی نہیں آتا۔ کئی بار میں جان بوجھ کر ایسا کرنے سے احتراز کرتا ہوں لیکن پھر آخر تنگ آکر پھونک مار ہی دیتا ہوں کہ اس بے ضرورسی پھونک سے کون سی خرابی ہو جائے گی۔ ایسا میں اس لیے کرتا ہوں کہ اگر نہ کروں تو ہو سکتا ہے مجھے نیند ہی نہ آئے یا میرا ذہن سارا دن اسی کوفت میں الجھا رہے۔

ذرا غور کیجیے یہ کس قدر معمولی بات ہے لیکن میں اپنی تمام تر پڑھائی لکھائی اور زندگی کے تجربات کے باوجود آج بھی ایک طرح سے اس عادت کا غلام ہوں۔ مذہب سیکھنے اور سکھائے جانے کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہے۔ ہمارے ذہنوں میں بچپن ہی سے کچھ باتیں بٹھا دی جاتی ہیں اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ساری زندگی ان کے غلام بنے رہتے ہیں۔ اگر میں گردن کو ہاتھ لگنے پر پھونکیں مارنے کی عادت کی جگہ اگر یہ لکھ دیتا کہ مجھے نماز پڑھے بغیر چین نہیں پڑتا تو میرے مذہبی دوست فورا پکار اٹھتے "دیکھا نا خدا کی قدرت" لیکن میری خوش قسمتی کہ اس بچکانہ توہم پرستی کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کے خیالات اور باتیں جو بچپن سے ہمارے ساتھ چلی آرہی ہوں بعض اوقات عجیب عجیب شکلوں میں ظہور کرتی ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں جنہیں آپ میرا استاد بھی کہہ سکتے ہیں؛ وہ ایک جانے پہچانے آدمی ہیں اور کئی حیثیتوں میں ہزاروں لاکھوں لوگ انہیں جانتے ہیں اس لیے میں ان کا نام نہیں لوں گا۔ انہوں نے ایک بار مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا تھا جو میں انہی کی زبانی آپ کو سناتا ہوں پھر واپس آتے ہیں۔

میں یہ واقعہ ان کی زبانی سنا رہا ہوں اس لیے الفاظ بھی انہی کے ہیں۔

"میرے محلے میں میرا ایک ہم عمر رہا کرتا تھا جس کے نام کا پہلا حصہ "زین" ہے۔ پورا نام میں نہیں بتاوں گا۔ زین کے والد شہر کے ایک مشہور و معروف دینی عالم اور سکالر تھے اور ان کا تعلق اہلحدیث فرقے سے تھا۔ اس وقت ہماری عمر پندرہ سولہ سال رہی ہوگی۔ زین کے گھر کا ماحول بہت سخت تھا اور تمام بہن بھائی ایک ایسے روبوٹ کی زندگی گذارتے تھے جو اپنے والد کے ابروؤں کے اشارے پر کام کرتا ہو۔ سب بچوں کو پانچ وقت نماز پڑھنا پڑتی، ہم لوگ اس وقت تک سگریٹ پینا شروع کر چکے تھے زین بھی ہمارے ساتھ سگریٹ پیتا لیکن گھر واپس جانے سے پہلے دس بیس چیونگم چباتا اور ماوتھ واش سے منہ دھوتا کہ سگریٹ کی بو کوئی نہ سونگھ لے، غرضیکہ تمام بچے اسلامی احکامات کے عین مطابق اپنے باپ کے غلاموں کی طرح رہتے تھے۔

"میرا تعلق ایک نسبتا ماڈرن گھرانے سے تھا، جس کی وجہ سے صنف نازک سے میرا میل جول آزادانہ تھا اور میری اس وقت تک ایک گرل فرینڈ بھی بن چکی تھی، جبکہ زین کے گھر میں سخت پردے کا رواج تھا اور اس کی بہنوں کی

سہیلیاں اگر ملنے آجاتیں تو انہیں گھر کے زنانہ حصے تک محدود رکھا جاتا، زین میں ایک عادت تھی کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی بات بھی مجھ سے شئیر کرتا۔ میں ذہنی طور پر اس کی نسبت کہیں زیادہ میچور تھا اس لیے کبھی اسے جھڑک دیا کرتا کبھی اسے کوئی اچھا مشورہ دے دیتا۔ ایک دن زین نے باتوں باتوں میں مجھے بتایا کہ اس کی بہن کی سہیلی گھر آئی ہوئی تھی وہ جب باتھ روم گئی جو گھر میں ایک ہی تھا تو زین باتھ روم کے دروازے میں ایک چھوٹی سی درز سے اسے کپڑوں بغیر دیکھتا رہا۔ میں نے اسے بہت لعنت ملامت کی اور سمجھایا کہ اگر پکڑے جاتے تو کس قدر رسوائی ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ خیر کچھ دن بعد زین نے مجھے ایک اور ہوشربا راز میں شریک کیا۔ اس کی بات ہمیشہ ایک ہی انداز سے شروع ہوتی تھی، یار میں گھر پر اکیلا تھا یا کمرے میں اکیلا تھا اور شیطان نے مجھ پر غلبہ پا لیا۔ خیر اس معاملے میں زین نے فرمایا؛ یار میں گھر پر اکیلا تھا شیطان نے مجھ پر غلبہ پالیا، گھر میں ایک طوطا تھا میں نے اسے پنجرے سے نکال کر اس کے ساتھ ایک بری حرکت کرنے کی کوشش کی اور وہ مر گیا، میں نے چپ چاپ اسے گھر ایک کیاری میں دفن کر دیا اور گھر والوں کو بتایا کہ اڑ گیا ہے، یار میں کتنا گناہگار ہوں۔ میں نے اسے بہت لعنت ملامت کی اور دیر تک کوستا رہا۔ میرے لیے اس کی یہ حرکت بہت صدمہ پہنچانے والی تھی لیکن اس کی ذہنی کشمکش اور گھٹن کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اسے کہا کہ توبہ استغفار کرے اور آئندہ کبھی ایسی کوئی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کرلے تو خدا اسے معاف کر دے گا۔

"کچھ ہی دن گذرے تھے کہ زین صاحب پھر اسی تمہیدی جملے سمیت نازل ہو گئے "یار میں گھر پر اکیلا تھا۔ "اب کیا ہوا؟ میں نے چلا کر پوچھا۔ " یار شیطان نے مجھ پر غلبہ پالیا، گھر کا گیٹ کھلا تھا کسی کی بکری اندر آ گئی اور میں نے اسے پکڑ کر اس کے ساتھ زیادتی کر لی۔ " یہ کہہ کر زین زار و قطار رونے لگا، میں سمجھا کہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے کہ طوطے والے واقعے کے بعد اس نے توبہ کی تھی لیکن توبہ پر قائم نہیں رہ سکا۔ میں نے اسے ایک طرح سے حوصلہ دینے کے لیے کہا چلو کوئی بات نہیں، کم از کم طوطے جیسا ظلم تو نہیں ناں۔ اس نے جواب میں جو کچھ کہا اسے سن کر میری سٹی گم ہو گئی۔ کہنے لگا "یار وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں کتنا بڑا گناہگار ہوں یہ تو حلال جانور تھا۔ "

آپ نے دیکھا کہ زین صاحب کو اس بات کا تو ذرا احساس نہیں کہ انہوں نے بے زبان اور بے کس جانوروں کو نہ صرف اذیت پہنچائی بلکہ ایک کو جان سے مار دیا لیکن ان کے لیے یہ غم کہیں بڑا تھا کہ ان کے ہاتھوں ایک حلال جانور کو تکلیف پہنچ گئی۔، یہ ہوتے ہیں ذہنوں میں بٹھائے گئے خیالات؛ یعنی اگر بکری کی جگہ کوئی حرام جانور ہوتا تو زین صاحب کے ضمیر کا بوجھ بہت کم ہو جانا تھا۔ حلال جانوروں کی بات آ گئی تو آپ کو ایک اور چھوٹے سے واقعہ میں شریک کرلوں۔ میں ایک بار مسجد میں گیا، جی ہاں امام صاحب کی ہوا خارج ہونے کے واقعے کے بعد بھی میں ایک دو بار مسجد میں جا چکا

ہوں، اس بار میں اپنی والدہ کی ضد پر امام صاحب کو لینے گیا تھا جنہیں ہمارے گھر آ کر میرے والد کی برسی پر "ختم پڑھنا "تھا اور یہ واقعہ پاکستان کا نہیں برطانیہ کا ہے۔ میں اپنے بھائی کے ہمراہ مسجد میں پہنچا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اندر جائیں، میں گیا تو ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جائے گی۔ میرے بھائی نے ضد کی کہ نہیں کچھ نہیں ہوتا، تم اندر آؤ۔ جب اندر گئے تو مولوی صاحب نے کہا کہ ذرا دیر بیٹھ جائیں، میں بچوں کا سبق ختم کرالوں تو چلتا ہوں۔ پھر مولوی صاحب بچوں کو مخاطب کر کے گویا ہوئے؛"ہاں تو بچو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ ہمارے دین اسلام میں یتیم کی بہت بڑی قدر ہے اور یتیم کی دیکھ بھال کرنا ہمارے پیارے نبی کی سنت۔ نبی کریم کا فرمان ہے، اگر تمہیں کہیں کوئی جانور بھی ایسا دکھائی دے جس کی ماں نہ ہو تو اسے گھر لا کر پالو پوسو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو۔" لیجیے اب ایسی بات سن کر مجھ سے کیونکر خاموش رہا جاتا میں نے کہا مولانا صاحب کیوں بچوں کو جہالت سکھا رہے ہیں آپ کے نبی نے حلال کی شرط اس لیے رکھی کہ جب آپ اس یتیم کو پال پوس کر بڑا کریں تو اسے ذبح کر کے کھا جائیں؟ میرے بھائی نے فوراً دخل دے کر معاملہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن میں بڑبڑاتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا۔ میرے بھائی نے مولوی کو منا کر بلا لیا اور ہم اسے گھر لے گئے، یہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں کہ میں اس دورانیے کے لیے گھر سے باہر چلا گیا تھا۔

لیجیے یہ تو تھی آج کی کہانی آپ نے دیکھا کہ ان مسلمانوں کے حلق میں جانوروں کا حلال و حرام کس بری طرح اٹکا ہوا ہے۔ برطانیہ کا ایک مشہور لطیفہ ہے کہ یہاں مسلمان بیگ میں بلیک لیبل کی بوتل اٹھائے دکان دکان حلال گوشت تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ایک مسلمان جس نے ہاتھ میں شراب کی بوتل اٹھا رکھی جب قصاب سے گوشت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کیا یہ حلال ہے تو قصاب نے بوتل کی طرف اشارہ کر کے کہا؛"جنی اک اوہ حلال اے اوہنا ای گوشت وی حلال اے؛؛(یعنی جس قدر آپ کی شراب حلال ہے اتنا ہی یہ گوشت بھی حلال ہے)۔

جس طرح میں نے مذہب سے جان چھڑا لی لیکن گردن کو ہاتھ لگنے پر اب بھی بے چین ہو جاتا ہوں اسی طرح جب آپ بھی اپنے مذہب کو ترک کرنے کا سوچیں گے تو بڑی مشکلوں سے گذرنا ہو گا۔ اگر ان مشکلوں سے گذرے کی ہمت آپ میں نہیں تو ٹھیک ہے مذہب سے جڑے رہیں لیکن اسے اپنے اور اپنے خاندان کی خوشیوں میں آڑے نہ آنے دیں زندگی بھرپور انداز میں گذاریں اور لوگوں کو جہالت کی بنیاد پر جج کرنا ترک کر دیں یہ بھی بہت ہو گا۔ جاتے جاتے ایک بات اور بتاتا جاوں کہ زین صاحب پچھلے کئی برسوں سے مدینہ منورہ کی ایک مسجد کے امام ہیں۔ وہ گلیاں جہاں قدم رکھنے کے لیے کروڑہا لوگ ترس ترس کر مر جاتے ہیں جہاں دفن ہونے کی خواہش لاکھوں پڑھے لکھے سمجھدار لوگ رو رو

کر کرتے ہیں ہمارا طوطے والا دوست وہاں ایک مسجد میں اپنے دین کا فروغ کر رہا ہے۔ بس جسے بلاوا آ جائے۔ آپ فی الحال یہی گنگنائیے "میرے آقا بلالو مدینے مجھے"۔

خدا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اس کی شکل کیسی ہے؟ اس کی عادتیں کیسی ہیں؟ اسے کیا پسند ہے اور کیا نہیں؟ یہ اور اس سے ملتے جلتے درجنوں سوالات ہر اس بچے کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جسے آنکھیں کھولتے ہی یہ بتایا جانا شروع کر دیا جائے کہ کہیں کوئی ذات ایسی بھی ہے جو ہر وقت ہر جگہ موجود رہتی ہے جو سب کچھ دیکھ اور سن سکتی ہے۔ جس سے دنیا میں ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی حرکت بھی پوشیدہ نہیں رہتی وغیرہ وغیرہ۔ یہ داستان جہاں بچوں کے کئی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہیں مثلاً "لوگ مر کر کہاں چلے جاتے ہیں؟ (اللہ میاں کے پاس)، کوئی شخص بے وقت کیوں مر گیا (اللہ کی مرضی ایسی تھی) اس بچے کی ٹانگیں کیوں نہیں ہیں (اللہ نے اسے ایسا بنایا ہے) وہیں بہت سے نئے سوالات بھی پیدا کر تی ہے۔

ایک متجسس بچے کے طور پر میں بھی دن رات اپنی والدہ کا جینا حرام کیے رکھتا۔ اللہ کی مرضی بدلتی کیوں رہتی ہے؟ ابھی کل ہی تو اس بچے کا باپ مرا تھا آج یہ بھی کیوں مر گیا؟ کیا اس بچے کی ماں کوئی بہت گناہگار عورت ہے؟ اللہ برے لوگوں کو سزا کیوں نہین دیتا ہمیشہ اچھے لوگوں کی زندگی کیوں جلدی ختم کر دیتا ہے؟ اگر اللہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بندر اور سور بنا دیا تھا تو ہمارے محلے کے بدمعاش کو وہ گرفتار تک نہیں کرواتا آخر کیوں؟

ان سوالوں کا جواب میری والدہ کیا دیتیں کہ وہ تو خود اپنے ماں باپ کی سکھائی ہوئی جہالت کو بڑی مشکل سے ہضم کیے ہوئے تھیں لیکن اسکول میں ذرا آگے بڑھے تو پتہ چلا کہ بہت سے سوالوں کے جوابات صرف مذہب دے سکتا ہے۔ اچھا جی چلیں مذہب سے رجوع کرتے ہیں۔ بہت سے بچکانہ سوالات کے ان سے بھی زیادہ بچکانہ سوالات تو ہمیں مذہب میں مل گئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اس لیے بنائی کہ وہ اپنے پیارے محبوب کو دنیا میں بھیجنا چاہتا تھا۔ اللہ برے لوگوں کی رسی دراز کرتا ہے کہ دیکھیں وہ کس حد تک جاتے ہیں۔ اللہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو نبی اور پیغمبر بنا لیتا ہے اور ان کے ذریعے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ان جوابات سے پیدا ہونے والے ضمنی سوال چھوڑ بھی دیئے جائیں (پیغمبر اللہ کا پیغام لینے پہاڑوں پر کیوں جایا کرتے تھے؟ کیا وہاں اللہ نے کوئی ریسٹ ہاوس یا نبیوں کی تربیت گاہ قائم کر رکھی ہے؟ اگر اللہ براہ راست میگا فون کے ذریعے دنیا کو اپنی ہدایات جاری کر دیا کرے تو زندگی کتنی آسان ہو جائے کوئی کسی نبی یا رسول

پر جھوٹا ہونے کا الزام ہی نہ لگا سکے اور بد کردار لوگ اللہ کا براہ راست حکم سن کر ممکن ہے بد کرداری سے باز ہی آ جائیں)۔

خیر یہ تو بات کہیں اور نکل گئی، کہنا یہ تھا کہ یہ جواب جیسے کیسے بھی تھے مذہب نے ہمیں فراہم کر دیئے۔ کوئی ان سے قائل ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم جواب تو دے دیا گیا ہے اب ان سوالات کا کیا کیا جائے جنہیں مذہب پیدا کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک سوال جو بچپن سے میرے ساتھ چلتا رہا ہے وہ قرآن میں موجود علوم کا ہے۔ میں نے اپنے بڑوں سے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور یہ رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ میں نے کوشش کی کہ قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھوں لیکن محسوس ہوا کہ اس الجھی ہوئی تحریر کو پڑھنا تو آسان ہے سمجھنا خاصا دشوار ہے۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ قرآن کی تفاسیر کا مقصد قرآن کا مفہوم کند ذہن لوگوں کو سمجھانا ہے، سو میں نے تفاسیر کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ میں ابھی اسکول ہی میں پڑھتا تھا کہ میری بڑی بہن ایف ایس سی میں داخل ہو گئیں۔ ان کی بائیالوجی کی کتاب کو از راہ تجسس پڑھا تو معلوم ہوا کہ دنیا میں انسانوں کے آنے سے بہت پہلے بڑے بڑے جانور رہا کرتے تھے، جنہیں عام زبان میں ڈائناسور کہا جاتا ہے۔ یہ ڈائناسور کوئی پینسٹھ ملین برس پہلے اس دنیا سے ختم ہو گئے اور اس سے پہلے دو سو ملین سال تک اس دنیا میں موجود رہے۔ میں نے قرآن میں کسی ایسے اشارے کی تلاش شروع کی جو مجھے بتا سکے کہ اللہ کو ڈائناسورز کے بارے میں معلوم تھا اور اس نے اپنے بندوں کو اس بارے میں بتایا بھی تھا لیکن میں بری طرح ناکام رہا۔ میرے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ اللہ دنیا میں اتنے اتنے عظیم الجثۃ جانوروں کو دو سو ملین برس رکھے لیکن عام انسان تو کیا اپنے پیغمبروں تک کو اس بارے میں ایک حرف تک نہیں بتایا۔ میرے لیے یہ بات نہایت ناقابل فہم تھی۔

بچپن میں مجھے بھی دوسرے بچوں کی طرح جنوں پریوں کی کہانیوں میں بہت دلچسپی ہوا کرتی تھی اور میں نے جب بھی کسی بڑے سے جنوں کے وجود کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے ہمیشہ یہی جواب ملا کہ "جنوں کا وجود تو برحق ہے کیونکہ ان کا ذکر قرآن میں آیا ہے" اسلامی عقیدے میں جنوں کی کہانیاں تو بہت سی مل جائیں گی جن کے وجود کی کوئی معمولی سی نشانی بھی آج تک کسی کو نہیں مل سکی لیکن دنیا میں دو سو ملین سال تک بسنے والے ڈائناسورز کو قرآن نے بھلا دیا۔ میں نے بہت سے پڑھے لکھے لوگوں سے جو اپنے آپ کو عالم سمجھتے اور کہلاتے تھے یہ سوال کیا کہ خدا نے قرآن میں ڈائناسورز کا ذکر کیوں نہیں کیا لیکن کوئی بھی مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا اور آخر میں تان اسی پر آ کر ٹوٹی کہ اللہ کی مرضی وہ جو جی چاہے کہے جو جی چاہے پوشیدہ رکھے۔ یہ جواب کسی ایسے شخص کو تو شاید قائل کر سکتا ہو جو آنکھیں بند کر کے پہلے ہی سے مذہب کی کہی ہوئی ہر بات کو سچ مان چکا ہو لیکن میرے لیے اس منطق بلکہ غیر منطقی پن کا سمجھنا بہت

دشوار تھا۔ جب میں بی اے میں پہنچا تو میری رسائی ایک بزرگ دوست کی لائبریری تک ہوگئی، اور میں نے دنیا کی تاریخ کو جاننے اور سمجھنے کی جستجو شروع کر دی۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایک آئرش پادری بلکہ آرچ بشپ (مہاپادری) دنیا کی پیدائش کی تاریخ بھی متعین کر چکا ہے۔ میں نے پڑھا کہ آرچ بشپ جیمز اشر نے تورات اور انجیل میں دیئے گئے واقعات اور نبیوں کے شجرہ ہائے نسب کو دیکھتے ہوئے نتیجہ نکالا ہے کہ دنیا کی پیدائش اتوار چار اکتوبر 4004 قبل مسیح میں ہوئی۔ اس طرح دنیا کی عمر کوئی چھ ہزار برس پرانی قرار پائی۔ مجھے ایک کشمیری ہونے کی حیثیت سے علم تھا کہ خطہ کشمیر کی تاریخ دنیا کی سب سے پرانی تحریری تاریخ ہے اور اس کے مطابق کشمیر بھی چھ ہزار برس سے مسلسل آباد چلا آرہا ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آسکی کہ اگر جیمز اشر کے دعوے کے مطابق اس وقت دنیا کی تخلیق ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ شیطان کو سجدے پر مجبور کر رہا تھا تو کشمیر میں بادشاہ اور ہزارہا لوگوں پر مشتمل رعایا کہاں سے آگئے؟

سائنس کی ترقی نے جہاں زندگی کو کئی طرح کی سہولیات عطا کی ہیں وہیں اس کا ایک کمال یہ بھی ہے اس کے ذریعے ہمارے سیارے زمین کی تاریخ مرتب کیے جانے میں بھی مدد ملی ہے۔ ڈائناسورز کی ہڈیوں اور دیگر فاسلز کی عمر کا تعین کرنا ہو یا جیالوجی کی مدد سے زمین کی تہوں میں دفن تاریخ کا تجزیہ سائنس نے مذہب کے لیے جن چیلنجز کو جنم دیا ہے اس کو جھٹلانا ایک ایسے نظام فکر کے لیے ممکن نہیں جس کی بنیاد اندھے اعتقاد پر ہو۔ اسلام میں عیسائیت اور یہودیت کی کتابوں کو بھی خدا کی کتابیں مانا گیا ہے، ایسے میں آرچ بشپ اشر کی دی گئی تاریخ اسلام کے لیے بھی قابل قبول ہوگی۔ اب اس دعوے کو سائنس کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب کی جھاگ منٹوں میں بیٹھ جائے گی۔ اگر ڈائناسورز اللہ نے بنائے تھے تو انہیں بنانے کا مقصد کیا تھا؟ ڈائناسورز سے لے کر اب تک زمین پر کیا ہوتا رہا؟ ڈائناسورز کیوں ختم ہو گئے؟ کیا ڈائناسورز کی ہدایت کے لیے بھی نبی بھیجے گئے تھے؟ اللہ نے اپنے رسولوں کو اتنی بڑی تاریخی حقیقت سے بے خبر کیوں رکھا؟ اور اگر نبیوں کو بتا دیا تھا تو نبیوں نے یہ بات اپنے پیروکاروں کو کیوں نہیں بتائی؟ یہ تو ہوگئی ایک سامنے کی بات جس کا اسلام تو کیا کسی بھی مذہب کے پاس کوئی جواب نہیں۔

فرض کیجیے کہ آرچ بشپ اشر نے پیغمبروں کی عمریں ٹھیک طرح نوٹ نہیں کیں اور پرانے زمانے میں لوگوں کی عمریں نو نو سو سال ہوا کرتی تھیں (اسلام کا دعوا) تو پھر بھی آدم سے لے کر عیسیٰ تک کی تریسٹھ نسلیں صرف ساٹھ پینسٹھ ہزار سال تک پھیل سکتی ہیں، پینسٹھ ملین سال ایک بہت لمبی مدت ہوتی ہے۔ پرانے لوگوں کی عمریں نو نو سو سال ہونے اور ان کے قد ساٹھ ساٹھ گز ہونے کا دعویٰ مضحکہ خیز تو ہے ہی زمین کی تہوں میں ملنے والے شواہد کی روشنی میں یہ بوگس ثابت بھی ہو چکا ہے۔ ایسے میں آدم اور حوا اور شیطان کے سجدے کی کہانیوں پر یقین کرنے والے سائنس کو کیسے

جھٹلائیں گے۔ جو لوگ جنوں کے (مکمل طور پر فرضی) وجود کو محض اس خاطر آنکھیں بند کر کے قبول کرنے پر تیار ہیں کہ قرآن میں ان کا ذکر آیا ہے وہ قرآن میں خدا کی اتنی بڑی تخلیق کا ذکر نہ ہونے کے سوال کا کیا جواب دیں گے؟ ہو سکتا ہے ڈائنا سورز کسی اور خدا نے بنائے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے پیشہ ورانہ رقابت کی وجہ سے ان کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا؟

میں نے جب سے اپنی یادداشتیں لکھنا شروع کی ہیں، مجھے درجنوں لوگوں نے پرسنل میسیج بھیجے ہیں، جن میں کہا جاتا ہے کہ وہ میری کہی ہوئی باتوں سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں لیکن چونکہ ایک مسلمان گھرانے کے فرد ہیں، اس لیے میری پوسٹ پر کمنٹ نہیں کر سکتے۔ یہ دوست میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور مجھے تاکید کرتے ہیں کہ میں اپنا کام جاری رکھوں، اس سے بہت سے لوگوں کے ذہن میں موجود شبہات دور ہو رہے ہیں اور وہ بہتر انداز سے مذہب بالخصوص اسلام کا تجزیہ کر پا رہے ہیں۔ اسی طرح کچھ دوست جن میں بالخصوص نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، مجھ سے سوال بھی پوچھنے لگ گئے ہیں۔ ان سوالوں کا انداز وہ نہیں جو اندھے اعتقاد والے مسلمان پوچھا کرتے ہیں بلکہ ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ پوچھنے والا تجسس کی اسی منزل سے گذر رہا ہے، جہاں میں اپنی ٹین ایج زندگی میں کھڑا تھا۔ ایک سوال جو بہت زیادہ پوچھا جا رہا ہے، وہ پیغمبر اسلام کی بیویوں کے بارے میں ہے۔ سو، میں کوشش کرتا ہوں کہ آج اس بارے میں اپنی جستجو کا نچوڑ آپ سے شیئر کروں۔

بچپن میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ پیغمبر اسلام کی ذات ہر مسلمان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے اور اگر کوئی چاہتا ہے کہ جنت کا حقدار اور اللہ کا پیارا بن جائے تو اسے چاہیے کہ وہ پیغمبر اسلام کی ہر بات کی تقلید کرے۔ ایک بچے کے طور پر میری خواہش بھی یہی تھی کہ میں مر کر جہنم کی آگ میں نہ جلوں بلکہ اللہ کا قرب کسی طرح مجھے مل جائے۔ جب میں نے سیرت النبوی کا پہلے پہل مطالعہ شروع کیا تو میری دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز محمد صاحب کی زندگی رہی۔ وہ کیا کھاتے اور پیتے تھے، کس طرح دوسروں سے معاملات کرتے تھے، اپنے عزیز رشتہ داروں سے ان کا سلوک کیسا تھا، ہمسایوں کے ساتھ کیسے رہتے تھے، دوستی یاری میں ان کا معیار کیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔

جب میں یہ سب کچھ تفصیل سے پڑھنے بیٹھا تو مجھے نبی اسلام کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جان کر بہت حیرت ہوئی۔ مجھے پتہ چلا کہ نبی اکرم مسلمانوں کو تو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ صرف چار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتے ہیں اور وہ بھی اس صورت میں، جب ان سب کے ساتھ یکساں سلوک کر سکیں لیکن خود انھوں نے درجنوں عورتوں سے شادی کی اور روایات کے اختلاف کے باوجود اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ ان کی ایک وقت میں سات سے گیارہ تک

بیویاں بھی رہی ہیں۔ میری حیرت کی بنیاد یہ تھی کہ اگر نبی اکرم کی ذات ہمارے لیے تقلید کا بہترین نمونہ ہے تو اسے مکمل طور پر قرآن کی ہدایات سے ہم آہنگ ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا تھا نہیں۔ اس سوال کا جواب مجھے کئی برسوں بعد جا کر ملا لیکن میں نے جن پڑھے لکھے اور عالم لوگوں سے اس پر بات کی، ان میں سے کوئی بھی مجھے قائل نہ کر سکا۔ کئی نے تو مجھے شدید عذاب کی نوید بھی سنائی کہ ایک ایمان والے کے لیے اس قسم کے خیالات کا دل میں پیدا ہونا بھی جہنم کا پروانہ ہوتا ہے۔

مجھے اپنی جستجو کے دوران نبی اسلام اور ان کی بیویوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کو ملا اور اس کا ذریعہ کوئی اور نہیں، قرآن اور حدیث تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ نبی کی پہلی بیوی خدیجہ ان سے عمر میں بڑی تھیں اور ان کی زندگی میں نبی نے دوسری شادی نہیں کی لیکن خدیجہ کے مرنے کے بعد گویا بیویوں کی قطار لگ گئی۔ میرے لیے یہ بات بڑے تعجب کا باعث تھی کہ نبی کے پیروکار جب کسی قافلے یا کسی بستی پر حملہ کرتے تو مردوں کا قتل کر کے ان کی عورتوں کو غلام بنا لیتے تھے اور پھر یا تو ان سے تاوان لے کر انھیں چھوڑ دیتے یا انھیں اپنی باندیاں یا بیویاں بنا لیتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ مجھے بنی مصطلق کی جویریہ کے بارے میں پڑھنے کو ملا جس نے ایک طرح سے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بتاتے ہیں کہ یہ خاتون بنی مصطلق کے کسی بڑے سردار کی بیوی اور بڑے مرتبے کی حامل تھیں۔ جب مسلمانوں نے ان کے مردوں کو مار کر عورتوں کو غلام بنا لیا تو ان سے آزادی کے بدلے تاوان مانگا۔ جویریہ نے عرض کیا، اے محمد میرے پاس تو تاوان کی رقم نہیں، جس پر نبی نے فوراً کہا کہ تم اگر مجھ سے شادی کر لو تو میں تمھارے تاوان کی رقم ادا کر دوں گا اور یوں جویریہ ان کے حرم میں داخل ہو گئی۔

اس قسم کا واقعہ خیبر کی جنگ کے بعد کا ہے جس میں صفیہ نامی ایک خاتون کے شوہر اور خاندان کے دیگر مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ کلبی نام کا ایک شخص نبی کے پاس آیا اور نبی سے دو کنیزوں کی فرمائش کی۔ نبی نے اسے دو عورتیں دیے جانے کا حکم دیا لیکن کچھ دیر بعد کسی نے نبی کو آ کر بتایا کہ جو عورتیں کلبی کو دی گئی ہیں، ان میں سے صفیہ ایک غیر معمولی عورت ہے، سو نبی نے کلبی کو بلا کر کہا کہ تم صفیہ کی جگہ کوئی اور کنیز لے لو اور خود صفیہ سے شادی رچا لی۔ اس واقعے کی تفصیلات میں ہمیں صاف طور پر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس موقعے پر نبی نے قرآن میں بیان کردہ عدت کے حکم کی بھی پرواہ نہیں کی جس کے تحت کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اسے چار مہینے دس دن بعد دوسری شادی کی اجازت ہوتی ہے لیکن نبی اکرم نے اسی رات حجلہ عروسی سجوایا اور اس خاتون سے ازدواجی تعلق قائم کر لیا۔ میرے لیے اس واقعے کا ایک اور ہوشربا پہلو یہ بھی تھا کہ جس شخص نے اس عورت کے بھائیوں، باپ اور شوہر کو قتل کیا، وہ اسی رات اس سے محبت

جتانے میں مشغول ہو گیا۔ ایسے میں اس عورت پر کیا گذری ہو گی، آپ میں سے کسی نے کوئی عزیز، موت کے ہاتھوں کھویا ہو تو آپ کے لیے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہ ہو گا۔ یاد رہے کہ جس ذات شریف کی یہاں بات ہو رہی ہے، ان کا ایک لقب رحمتہ للعالمین بھی ہے۔

اس طرح کے بے شمار قصوں سے احادیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، آپ اگر مزید جاننا چاہیں تو یہ کتابیں پڑھ لیں۔ ایک اور ام المومنین جن کا ذکر پیغمبر اسلام کی زندگی کے ضمن میں بہت اہم ہے؛ وہ بی بی عائشہ ہیں۔ بی بی عائشہ ابو بکر صاحب کی صاجزادی تھیں۔ جب نبی اسلام سے ان کا نکاح ہوا تو ان کی عمر چھ سال اور نبی کی عمر اکیاون سال تھی۔ جب رخصتی ہوئی تو یہ بی بی نو سال کی ہو چکی تھیں اور نبی اسلام چون سال کے۔ یقیناً آپ کے ارد گرد کوئی نو سال کی بچی ہو گی، ہو سکتا ہے کہ آپ کی بیٹی ہو، بہن ہو، بھانجی ہو، بھتیجی ہو یا کوئی اور رشتہ دار۔ ذرا دیر کو اس بچی سے گفتگو کر کے دیکھیے، آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ کس قدر معصوم اور ننھی سی بچی ہے۔ اور یہ میں آپ سے اس زمانے میں کہہ رہا ہوں، جہاں آپ نے ہر دوسرے شخص کو کہتے سنا ہو گا کہ آج کل کے بچے بہت جلدی جوان ہو رہے ہیں۔

ہمارے زمانے میں (یعنی کوئی بیس تیس سال پہلے) ہمیں کسی چیز کا پتہ نہیں ہوتا تھا۔ سارا دن گڑیوں سے کھیلتے رہنا دنیا کی کوئی خبر نہ تھی۔ ذرا سوچیے اگر بیس تیس سال پہلے کے بچوں کی معصومیت کا یہ عالم تھا تو چودہ سو سال پہلے نو سال کے بچے کیسے رہے ہوں گے؟ یہ بچی نبی کی بیوی بنی اور اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سب سے چہیتی بیوی بنی۔ جب نبی کی وفات ہوئی تو اس بچی کی عمر محض اٹھارہ برس تھی لیکن چونکہ وہ ام المومنین تھیں، اس لیے انھیں دوبارہ شادی کی اجازت بھی نہ تھی۔ ایک طرف تو اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ اسے عورتوں کے نفسانی جذبات کا احساس ہے، اسی لیے بیواؤں کی شادی ضروری ہے لیکن نبی کی ملکیتی فطرت یہ کیوں کر گوارا کرتی کہ ان کی بیویاں ان کے بعد کسی اور سے جنسی تعلق قائم کریں، چنانچہ عائشہ کو باقی زندگی بغیر مرد کے گذارنی پڑی۔ کسی نن (راہبہ) سے پوچھ کر دیکھیے کہ اس طرح کی زندگی گذارنے میں کس کس طرح کی مشکلات آتی ہیں؟

ایک بہت مشور قصہ زینب بن جحش کا بھی ہے جو نبی کی کزن تھیں۔ احادیث کے مطابق ان کی شادی نبی کے گود لیے ہوئے بیٹے زید سے ہوئی تھی۔ ایک روز نبی زید کے گھر گئے تو زینب کو بے پردگی کی حالت میں دیکھ لیا اور بہت متاثر ہوئے۔ مزید تفصیل کے لیے فیس بک پر موجود غلام رسول صاحب کا لکھا ہوا نوٹ پڑھ لیجیے۔ مختصراً یہ کہ نبی نے اپنے بیٹے سے طلاق دلوا کر زینب سے بیاہ رچا لیا۔ اس معاملے میں اور تو جو کچھ ہوا سو ہوا، ایک بات بہت عجیب ہوئی کہ اسلام

میں گود لیے جانے کا تصور ختم کر دیا گیا جو اس سے پہلے کے عرب کی ایک پرانی روایت تھی جس کے تحت گود لیا گیا بچہ آپ کا حقیقی بچہ تصور کیا جاتا تھا۔

بہر حال، ہم اپنے سوال کی طرف واپس آتے ہیں۔ اگر نبی اسلام کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے تو یہ اصول ان کی شادیوں پر کیوں لاگو نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے کہ کروڑوں مسلمان جو نبی کے قدموں کی خاک ہو جانے کو اپنی زندگی بھر کی آرزو قرار دیتے ہیں، ان کے لیے کردار و عمل کا بہترین نمونہ یعنی پیغمبر اسلام خود اپنے ہی مذہب کے کچھ اصولوں کو روندتا رہا اور کبھی کسی مسلمان نے اس کے بارے میں سوچا تک نہیں؟

اس کا جواب مجھے یوں ملا کہ مجھے ایک دوست کے ہمراہ ایک (پہنچے ہوئے بزرگ) کی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا، محفل میں درجنوں لوگ موجود تھے، جنھیں وہ صاحب درس دے رہے تھے۔ کچھ دیر میں جب نماز کا وقفہ ہوا تو سب مریدین ایک الگ کمرے میں نماز پڑھنے چلے گئے، جب کہ وہ پہنچے ہوئے بزرگ اپنی مسہری پر نیم دراز ہو گئے اور خراٹے لینے لگے۔ محفل سے نکلنے کے بعد میں نے اس دوست سے پوچھا کہ تمھارے پیر صاحب نے نماز کیوں نہ پڑھی تو فرمانے لگے کہ وہ خدا کے نیک پاک بندے ہیں، ان کی نمازیں فرشتے ادا کرتے ہیں اور فرشتوں میں باقاعدہ مقابلہ ہوتا ہے کہ آج اس بزرگ کی جگہ نماز کون سا فرشتہ پڑھے گا۔

ان کی اس عجیب منطق پر میں ہنسا تو بہت، ان کا مذاق بھی اڑایا لیکن ان کی اس حماقت نے مجھے یہ سبق سکھا دیا کہ جب آپ کی آنکھوں پر عقیدت کی پٹی بندھی ہو تو آپ اپنی محبوب شخصیت کا بڑے سے بڑا عیب دیکھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ اسی لیے عقیدت کی شدت کو عموماً اندھی عقیدت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی اسلام کی زندگی کے اس پہلو پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ کچھ مسلمانوں کو تو ہوش ہی نہیں کہ انھیں نبی کی کہانی میں یہ بڑے بڑے جھول سرے سے دکھائی ہی نہیں دیتے اور کچھ مسلمان اپنا عقیدہ کھو دینے کی دہشت میں مبتلا رہتے ہیں کہ نبی کی ذات یا مذہب کے بارے میں ہلکا سا شک بھی انھیں کفر کی کھائی میں گرا دے گا اور وہ نہ صرف اپنے بال بچوں اور خاندان سے محروم ہو جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے انھیں اس (شیطانی وسوسے) کی قیمت اپنی زندگی دے کر چکانی پڑے۔

ہینس کرسٹین اینڈرسن (Hans Christian Anderson) کی مشہور کہانی "بادشاہ کا نیا لباس" (Emperor's New Clothes) آپ نے پڑھ رکھی ہو گی جس میں دو فریب کار جولاہے بادشاہ کو اس بات پر قائل کر لیتے ہیں کہ وہ ایک بے وزن کپڑا تیار کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی شرط لگا دیتے ہیں کہ یہ کپڑا صرف عقل مندوں کو

دکھائی دے گا۔ بادشاہ کے درباری جب کپڑے کی تیاری کا جائزہ لینے جاتے ہیں اور انھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تو وہ خود کو بیوقوف سمجھتے ہوئے نہ دیکھتے ہوئے بھی کپڑے کی تعریفیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ لباس تیار کر کے جب بادشاہ کو پہنایا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ننگا ہوتا ہے لیکن بادشاہ یہ سمجھتا ہے کہ شاید میں بیوقوف ہوں جسے یہ لباس دکھائی نہیں دے رہا۔ درباری بھی بادشاہ کو ننگا دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن ڈر کے مارے خاموش رہتے ہیں کہ شاید ہم ہی بیوقوف ہیں جنھیں یہ کپڑا دکھائی نہیں دیا۔ یوں بادشاہ جب نیا لباس پہلے شہر کی سیر کو نکلتا تو شہر کے سارے لوگ بھی خود کو احمق جان کر نادیدہ لباس کی تعریفیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ آخر ایک ننھا سا بچہ بادشاہ کی طرف انگلی اٹھا کر اس کی برہنگی کا پول کھول دیتا ہے کہ بادشاہ تو ننگا ہے۔

مجھے جب پہلے پہل اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے میں دشواری ہوئی اور ذہن میں رنگ برنگے سوال پیدا ہونا شروع ہوئے تو میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب کچھ پلے نہ پڑا تو ایک عالم دین سے رجوع کیا، جنھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ قرآن سے صرف وہی ہدایت پا سکتا ہے جو فہم رکھتا ہو۔ اگر تم دل میں شکوک لے کر قرآان پڑھو گے تو تم اس کی روشنی سے محروم رہو گے۔ شرط یہ ہے یہ پہلے اس پر مکمل ایمان لاؤ اور خود کو ایک نیک اور متقی شخص بناؤ پھر تمھیں اس کی حکمت دکھائی دے گی۔

مولانا صاحب کی اس تاکید نے مجھے عجیب مخمصے میں ڈال دیا۔ میں تو قرآن پڑھ ہی اس خیال سے رہا تھا کہ اس کی روشنی سے فیض حاصل کر سکوں لیکن معلوم ہوا کہ میں بھی "بادشاہ کا نیا لباس" کی کہانی کی طرح احمق قرار دے دیا گیا ہوں جسے سامنے کی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ مجھے لگا کہ میرے ارد گرد کے بہت سے لوگ جنھیں میں سیانا سمجھتا ہوں، شاید اسی خوف سے قرآن کی حقانیت کی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں کہ کہیں انھیں بھی گناہگار اور کم فہم نہ سمجھا جائے؛ گویا قرآن نے بھی میری رہنمائی نہ کی۔ یہ مجھے بہت بعد میں پتہ چلا کہ قرآن میں موجود تضادات اور زبان و بیان کی غلطیوں پر بھی لوگ تحریریں لکھ چکے ہیں۔ یہ تحریریں، ظاہر ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، سو میری زندگی کے کئی سال اس عالم میں گذرے کہ میں خود کو کم عقل اور کم فہم قرار دیتا رہا، قرآن کی حقانیت پر شک کرنے کی جرات نہیں کی لیکن چند برس بعد تک قرآن و حدیث کے لگاتار مطالعے نے یہ گتھی آخر سلجھا ہی دی۔ جب میں کسی مسلمان کو پورے خشوع و خضوع سے قرآن پڑھتے دیکھتا ہوں تو سمجھیے کہ مجھے اس پر ترس آنے لگتا ہے۔ کاش تم جس عبارت کو اس قدر عقیدت سے تلاوت کیے جا رہے ہو، اس کا مفہوم بھی سمجھ پاؤ۔ کوئی شخص نہایت عمدہ قرات سے کسی ایسی آیت کی تلاوت کر رہا ہو، جس میں اللہ تعالیٰ حوروں کے جسموں کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہا ہو، یا کسی ایسی

آیت کی جس میں اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو حکم دے رہا ہو کہ غیر مسلم جہاں کہیں ملے، اسے وہیں غرق کر دو تو مجھے افسوس ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ عقیدہ انسان کو کس پستی تک لے جا سکتا ہے۔

بات قرآن کی ہو رہی تھی تو کئی باتیں مجھے قرآن اور حدیث میں ملیں اور جنھیں پڑھ کر میرا یہ احساس قوی ہوتا گیا کہ یہ کسی خدا کا کلام نہیں، ایک سیاسی لیڈر کے طاقت اور اقتدار کے حصول کے لیے گھڑے ہوئے جملے ہیں۔ پھر ایسی آیات سے بھی میرا تعارف ہوا جو پیغمبر اسلام کی ذاتی سہولت کے لیے جبرئیل صاحب فوراً لے کر حاضر ہو جایا کرتے تھے اور اندھے مقلد، بے سوچے سمجھے عقیدت کے مارے بیہوش ہو جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت عائشہ کے گلوبند کھو جانے کا ہے۔ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا قافلہ کہیں جا رہا تھا کہ صحرا میں کچھ دیر کو رکا۔ بی بی عائشہ رفع حاجت کے لیے باہر گئیں تو اپنا ہار کھو آئیں۔ خیمے میں واپس آکر جب ہار کی گمشدگی کا پتہ چلا تو ضد شروع کر دی کہ ہار تلاش کیے بغیر قافلہ آگے نہ جائے۔ نبی نے جو عائشہ بی بی کے لیے خصوصی محبت رکھتے تھے، مومنین سے ہار تلاش کرنے کو کہا۔ یہ تلاش جاری تھی کہ رات ہو گئی۔ قافلے والے بے چین ہو گئے کہ انھیں آگے بڑھنا تھا، ہار کی تلاش کی وجہ سے وہ صحرا کے بیچوں بیچ پھنس چکے تھے۔ عائشہ بی بی کے والد اپنی بیٹی کو سمجھانے خیمے میں گئے تو دیکھا کہ پیغمبر اسلام عائشہ کی ران پر سر دھرے سو رہے ہیں۔ باپ نے بیٹی کو ڈانٹا کہ تمھاری ضد کی وجہ سے ہم بیچ صحرا میں رک گئے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں فجر کا وقت ہو جائے گا اور یہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں، لوگ وضو کیسے کریں گے؟ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ نبی اسلام یہ آوازیں سن کر نیند سے بیدار ہو گئے اور اس کیفیت میں چلے گئے جو وحی نازل ہوتے وقت ان پر طاری ہوتی تھی اور چند لمحوں بعد وہ آیت بیان فرما دی جس میں کہا گیا تھا؛ "اے ایمان والو! اگر تم سفر میں ہو یا بیمار ہو، وضو کی ضرورت ہو اور پانی میسر نہ ہو تو صاف مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔" لو جی مسئلہ حل ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ا ٓخری کتاب جسے رہتی دنیا کے لیے سرچشمہ ہدایت بننا تھا، اس کی آیات اس طرح کے مواقع پر نبی اسلام کی ضرورت اور خواہش کے عین مطابق نازل ہو جاتیں۔ اللہ بھی خوش، رسول بھی خوش اور مومنین و مومنات بھی۔ قرا ٓنی آیات کے اس طرح کے نزول کی بہت سی مثالیں قرآن میں موجود ہیں اور احادیث میں ان کی شان نزول کسی کی بھی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ حدیثوں اور قرآن میں ایسی باتوں کی پہچان کے لیے متقی اور پرہیز گار ہونے کی شرط بھی نہیں، صرف عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسی ہی ایک اور روشن مثال ہمیں سورہ بقرہ میں ملتی ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں نے (غالباً محرم) کسی مقدس مہینے میں؛ جس میں جنگ و جدل عرب رواج کے مطابق منع ہوا کرتا تھا، قریش کے ایک قافلے پر حملہ

کر کے قتل وغارت اور لوٹ مار کی تو مومنین نے اس پر سوال اٹھایا کہ کیا اس مہینے میں ایسا کرنا حرام نہیں؟ دیکھیے حضرت جبرئیل نے کس طرح فوراً نبی کی مشکل آسان کر دی: "اے پیغمبر لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے بند کرنا اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا جو یہ کفار کرتے ہیں، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اور فتنہ انگیزی، خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔" (سورۃ بقرہ:217)

اس طرح کی بے شمار مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔ حضرت عائشہ کے فراق میں مبتلا پیغمبر اسلام کے لیے صلح کا بہانہ گھڑنا ہو تو خدا کی گواہی حاضر، اپنی سابقہ بہو اپنے لیے حلال قرار دینا ہو تو جبرئیل مطلوبہ آیت سمیت دست بستہ حاضر، اپنی بیویوں کی خواہش کے خلاف لونڈیوں سے ہم بستری کا جواز ڈھونڈنا ہو تو قرآن کی آیت تیار، لوگوں کو اپنے گھر سے دور رکھنا مقصود ہو کہ چند گھڑیاں پیار محبت کے ساتھ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ گذاری جائیں تو سورہ احزاب مدد کو آسمان سے آن گرا۔ اگلی بار کسی عالم قرآن سے ملیے تو ان سے اس کی وضاحت ضرور پوچھیے گا۔ اگر وہ آپ کو قائل نہ کر سکے تو کہہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو شے تمھیں شک میں ڈالے، اسے فوراً چھوڑ دو، اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو۔

میرے وہ دوست جو پچھلے کچھ ہفتوں سے میری کتاب (میں نے مذہب کیوں چھوڑا) کے کچھ ابواب پڑھتے آرہے ہیں، اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان مضامین کو فیس بک پر پوسٹ کرنے کے نتیجے میں مجھے اپنے مسلمان دوستوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا رہتا ہے۔ یہ مخالفت عام طور پر گالی گلوچ، تشدد کی دھمکیوں اور پرائیوٹ میسیج کی صورت میں بدکلامی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کچھ دن پہلے ایک مسلمان دوست نے میرے نوٹس پر بڑے مہذب انداز میں تبصرے کرنا شروع دیے جو عموماً مسلمان دوست نہیں کیا کرتے۔ پہلے انھوں نے ایک پرائیوٹ میسیج بھیجا کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسے درجنوں میسیج روزانہ ملتے ہیں، جس میں بری طرح پھنسے ہوئے مسلمان دوست اپنی بے چارگی کا رونا روتے ہیں کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مسلمان ہونے کا ڈھونگ کرنے پر مجبور ہیں، سو میں

نے ہامی بھر لی اور کہا جو پوچھنا چاہیں، پوچھیں میں حاضر ہوں۔ ان صاحب نے بتایا کہ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے خیال میں مجھے اسلام ترک کرنے سے پہلے فقہ جعفریہ کا مطالعہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے شیعہ مذہب بھی پڑھ رکھا ہے لیکن وہ پھر بھی پُر امید رہے کہ وہ مجھے قائل کر سکتے ہیں اور انھوں نے کمنٹس میں بار بار مجھ سے بھی بحث کی اور میرے ہم خیال دوستوں سے بھی۔ وہ مجھے خدا کے وجود پر قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے تمام مذہبی لوگوں کی طرح بار بار دائروں میں گھومتی باتیں کر کر کے ہمیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ میرے دوستوں نے بھی انھیں بار بار کہا کہ بات کرنی ہے تو دلیل سے کریں لیکن وہ اپنے طریقے پر قائم رہے۔ ایک وقت ایسا آگیا کہ میرے دوست جو مجھے اس قسم کی بیکار بحث سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیتے رہتے ہیں، خفا ہو گئے اور یہ صاحب بھی تلخ نوائی پر آ گئے۔ آج یہ ہوا کہ ان صاحب کا میسیج آیا کہ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ نوٹس کے کمنٹس میں اپنا سوال لکھ دیں۔ انھوں نے کمنٹس میں بھی شاید سوال کیا ہو، میں ابھی دیکھ نہیں پایا لیکن انھوں نے ایک سوال پرسنل میسیج میں لکھ بھیجا تو مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ سوچا کہ اگلے نوٹ کا موضوع اسی کو بنا لیا جائے۔ یہ سوال میری جستجو کے دوران بھی مجھے پیش آ چکا ہے، آج پھر سامنے ہے۔ خیر اب ان کا میسیج پڑھیے، پھر اس پر بات کرتے ہیں:

”حضرت علی علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ کون سے جانور بچے دیتے ہیں اور کون سے جانور انڈے دیتے ہیں؟ تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جن کے کان باہر ہوتے ہیں، وہ بچے دیتے ہیں اور جن کے کان اندر ہیں وہ انڈے دیتے ہیں۔ مجھے بتائیں آپ لوگ سائنس کی بات کرتے ہیں ناں؟ اس وقت سائنس تو نہیں تھی ناں اتنی؟ تو حضرت علی علیہ السلام کو یہ کیسے پتہ چلا؟ آج تک یہی بات ہے اور یہی سچ ہے۔ آپ کی سائنس بھی اس بات کو مانتی ہے جو حضرت علیہ السلام نے آج سے 1400 سال پہلے کہی تھی۔ تو یہ ان کو کیسے پتہ چلا حضرت علی علیہ السلام کو؟ یہ جس ہستی نے حضرت علی علیہ السلام کو بتایا، وہ ہے خدا۔ جواب ضرور دیجیے گا، آئیں بائیں شائیں مت ماریے گا۔“ (علی رضا شورو)

شاید میں اس وقت دوسری یا تیسری جماعت میں پڑھتا تھا، جب میں نے اسلامیات کی کتاب میں پڑھا کہ پیغمبر اسلام نے خود کو علم کا شہر اور علی کو اس کا دروازہ قرار دیا تھا۔ ایک چھوٹے سے بچے کے لیے اس طرح کے استعارے سمجھنا مشکل تھا، اس لیے میں نے گھر پہنچتے ہی اپنی امی سے دریافت کیا کہ علم کے شہر کا دروازہ ہونے کا کیا مطلب ہے، تو انھوں نے استعاروں کی باریکیوں میں پڑے بغیر مجھے سادہ الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے مجھے یہی روایت

سنائی اور کہا کہ حضرت علی دنیا کے سب سے بڑے عالم گذرے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو دنیا کے تمام علوم سے مالا مال کر دیا تھا اور رہتی دنیا تک ان جیسا صاحب علم پیدا نہیں ہو گا۔

میں نے اپنی والدہ کی یہ بات پلے باندھ لی کہ حضرت علی ایک بہت بڑے عالم تھے اور اسی اعتقاد کے ساتھ جوان ہوا۔ جب میں ٹین ایجز (کم عمر) تھا تو مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں گھر میں ایک فش ٹینک بناؤں۔ میں نے ایک فش ٹینک بنوایا ور اس کے لیے خصوصی طور پر راولپنڈی جا کر رنگ برنگی مچھلیاں خرید کر لایا۔ ایک دو روز بعد اسکول سے واپسی پر میں خوشی خوشی اپنی مچھلیوں کو دیکھنے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جس ٹینک میں، میں نے دو دن پہلے آٹھ مچھلیاں رکھی تھیں، وہاں کوئی دس پندرہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی موجود ہیں۔ یا خدا! یہ بچے کہاں سے آگئے؟ سوچا جا کر پتہ کروں کہ مچھلیوں کے انڈے کتنے دن سینتے جاتے ہیں۔ اگلی بس سے راولپنڈی جا پہنچا کہ تجسس کے مارے برا حال تھا۔ جب معلومات لے کر دکان سے باہر نکلا تو سر میں گویا سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ پتہ چلا کہ جو مچھلیاں میں لے کر گیا تھا، وہ انڈے نہیں بچے دیتی ہیں۔ یا خدا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مچھلیوں کے کان تو باہر نہیں ہوتے؟ میری والدہ نے بڑی محنت سے حضرت علی کی علمیت کا جو بت میرے دل میں کھڑا کیا تھا، وہ اوندھے منھ گر پڑا۔ اس وقت تک میں مذہب کے بارے میں اپنی جستجو کے ابتدائی مراحل ہی میں تھا، کبھی کچھ سوچتا تھا، کبھی کچھ۔ جس مچھلی کا میں ذکر کر رہا ہوں، اسے گپی کہا جاتا ہے۔ بعد میں جب تحقیق اور جستجو کی تو ایسی ایسی حیران کن باتیں سننے میں آئیں کہ حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا، مثلاً یہ کہ ایسے جاندار بھی ہیں جو انڈے بھی دے سکتے ہیں اور بچے بھی جیسے ایفڈز، کئی جانور ایسے ہیں جو بیک وقت مادہ بھی ہوتے ہیں اور نر بھی، کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی جنس بدل سکتے ہیں۔

حضرت علی کے بارے میں اس تاثر کو مسلمان ایمان کی طرح عزیز رکھتے ہیں لیکن کبھی یہ گستاخی کرنے کا سوچتے بھی نہیں کہ جا کر پتہ ہی کر لیں۔ یہ تو ایک ایسی بات تھی جو اتفاق سے مجھے پتہ چل گئی لیکن اگر ایسا نہ بھی ہوا ہوتا تو میں ضرور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ اب ایسی باتیں باب شہر علم کو معلوم ہوتیں تو وہ بتاتے۔ شورو صاحب! مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دینی عقائد کو ایسی ٹھیس پہنچا رہا ہوں لیکن کیا کروں کہ سچ یہی ہے۔ حضرت علی کا یہ دعویٰ جو آپ کے بقول اللہ کے وجود کا ثبوت ہے، بالکل غلط ہے۔ حضرت علی کے بارے میں پیغمبر اسلام کا یہ فرمان کہ میں علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں، بالکل اسی طرح بوگس ہے جیسے ان کے دیگر دعوے تھے۔ بات حضرت علی کی ہو رہی تھی تو جاتے جاتے ان کا ایک اور فرمان آپ کی خدمت میں پیش کرتا چلوں۔ یہ فرمان پڑھ کر میرا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اگر میں اس زمانے میں ہوا ہوتا تو شاید اسلام آنے کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہتا۔ حضرت علی اپنی کتاب "نہج البلاغہ"

میں جو اہل تشیع کے نزدیک قرآن جیسا مقام رکھتی ہے، فرماتے ہیں: "اگر کوئی عورت تمھیں مشورہ دے تو وہ چاہے جتنا بھی اچھا ہو، اسے ہرگز نہ مانو، کیوں کہ اگر تم نے آج اس کا اچھا مشورہ مان لیا تو کل وہ برا مشورہ دے کر اصرار کرے گی کہ اب اسے بھی مانو۔" عورتوں کے بارے میں ایسے توہین آمیز خیالات نبیوں اور ان کے عزیزوں کو مبارک ہوں، میں ایسے عقیدے سے دور رہنا ہی مناسب خیال کرتا ہوں۔

مجھے ٹھیک سے یاد تو نہیں لیکن آٹھ دس برس سے زیادہ میری عمر نہ رہی ہوگی جب مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ اگر کوئی مسلمان اپنا مذہب چھوڑ دے تو اسے قتل کر دیے جانے کا حکم ہے۔ میرے لیے یہ خیال ہی حیرت کا باعث تھا کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب ترک بھی کر سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص واحد خدا اور اس کے سچے دین کو چھوڑ جائے۔ شیطان کی شیطانی پر میری حیرت اپنی جگہ موجود تھی ہی لیکن پھر بھی ذہن اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا کہ کبھی کوئی اسلام کو ترک بھی کر سکتا ہے۔ جس جگہ میری پیدائش ہوئی اور جہاں میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ گذارا، وہاں کسی غیر مسلم کا گذر تک نہ تھا بلکہ مجھے یاد ہے کہ میں نے شاید انیس بیس برس کی عمر میں برطانیہ آمد پر پہلی بار کوئی سکھ یا ہندو دیکھا تھا، عیسائی یا یہودی تو بہت دور کی بات تھی۔ ایسے میں یہ خیال کہ کوئی اسلام چھوڑ بھی سکتا ہے، میرے لیے ہضم کرنا مشکل تھا۔ سو، اس سزا کی شدت نے مجھے اس وقت کچھ زیادہ پریشان نہ کیا۔ گویا میرے لیے کسی ایسے آدمی کا سر قلم کر دینا جو اسلام کو چھوڑ دے یا نبی کو، اس وقت ایک قابل قبول بات تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب پہلی بار مجھے "رنگیلا رسول" کے راج پال اور علم دین کی کہانی سننے کو ملی تو مجھے نہ تو کتاب میں کوئی دلچسپی محسوس ہوئی، نہ راج پال کے مرنے پر کسی قسم کا کوئی افسوس ہوا لیکن علم دین کی خوش قسمتی پر رشک کا جذبہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے پیغمبر اسلام کی جنسی زندگی کے واقعات پر مبنی ایک کتاب "رنگیلا رسول" کے نام سے لکھی جسے لاہور کے ایک پبلشر راج پال نے شائع کیا۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت پر بہت واویلا کیا اور معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ راج پال نے عدالت کے سامنے مصنف کی شناخت ظاہر کرنے سے معذرت کر لی لیکن دفاع میں یہ کہا کہ اس کتاب میں لکھے گئے تمام واقعات خود مسلمانوں کی لکھی ہوئی تاریخ اسلام سے نقل کیے گئے ہیں، مصنف نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں لکھا۔ جج نے اس دفاع کو قبول کرتے ہوئے راج پال کو بری کر دیا لیکن ایک نیم خواندہ نوجوان علم دین نے جب اس بارے میں سنا تو برصغیر کے عام مسلمانوں کی طرح اس کا خون کھول اٹھا اور اس نے راج پال کی دکان پر جا کر اسے چاقو کے وار کر کے قتل کر دیا۔ علم دین کو بعد میں پھانسی کی سزا سنائی گئی جس پر اس نے اپیل کی اور بانی پاکستان محمد علی جناح اس کے وکیل صفائی کے طور پر بیس ہزار (بلکہ شاید پچیس ہزار) روپے سکہ رائج

الوقت وصول کر کے پیش ہوئے۔ جناح صاحب نے اس کی صفائی میں عدالت کو بتایا کہ اس نے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچنے پر طیش میں آکر ایسا کر دیا، لہٰذا اس کے جرم کو اشتعال میں آکر جرم کا درجہ دیتے ہوئے اس کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا جائے۔

عدالت نے یہ موقف تسلیم نہ کیا اور علم دین کو بالآخر پھانسی دے دی گئی۔ جس زمانے میں، میں نے علم دین کی کہانی پڑھی، مجھے بھی اس کی قسمت پر بہت رشک آیا کہ اس نوجوان کو خدا نے ایک ایسا موقع فراہم کیا کہ وہ اللہ کے نبی کے گستاخ کو ٹھکانے لگا کر فوراً جنت کا حق دار ہو گیا۔ میری یہ کیفیت یقیناً اس تربیت کا نتیجہ تھی جو مجھے بچپن سے دی گئی تھی لیکن بعد میں جب سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ کسی کو اسے خیالات کی بنیاد پر قتل کر دینا ایک غیر انسانی کام ہے۔ اگر کسی نے اللہ یا اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی ہے تو اللہ خود بھی تو اسے سزا دے سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ اسلامی تاریخ میں کسی بھی گستاخ یا کافر کو اللہ نے سزا نہیں دی بلکہ ہمیشہ کسی جنونی مسلمان کے ہاتھوں اسے قتل کروایا۔ جو خدا انسان میں روح پھونکتا ہے اور اسے زندگی دیتا ہے، وہ اپنے گستاخوں اور اپنے محبوب کے دشمنوں کی زندگی ختم کیوں نہیں کر سکتا؟ کیا وجہ ہے کہ آج تک اللہ کو ایسے معاملے میں اپنے بندوں کے تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے؟

جب میں اسکول میں پڑھتا تھا تو میرا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام سے بہتر انسان دنیا نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ آئندہ دیکھے گی۔ اسکول کی کتابوں میں اس بڑھیا کا قصہ موجود تھا جو پیغمبر اسلام پر کوڑا پھینکا کرتی تھی۔ جب ایک روز اس نے کوڑا نہیں پھینکا تو نبی اسلام اس کی خیریت کا پتہ کرنے اس کے گھر چلے گئے اور وہ اسلام لے آئی۔ کتابوں میں یہ قصہ بھی درج تھا کہ ایک یتیم بچہ عید کے روز راہ میں کھڑا تھا کہ پیغمبر اسلام اسے گھر لے آئے، اسے کپڑے پہنائے اور کھانے کو دیا اور اسے کہا کہ آج سے محمد تمھارا باپ اور خدیجہ تمھاری ماں ہیں۔ ایسی ہستی سے کون پیار نہ کرے گا جو اس قدر شفیق اور رحم دل ہو، جسے غریبوں اور لاچاروں کا اس قدر احساس ہو۔ کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ جب رسول پر طائف کے لوگوں نے پتھر برسا برسا کر انھیں لہولہان کر دیا تو اللہ نے پیشکش کی کہ میں ان لوگوں کو کچل کر ہلاک کر دیتا ہوں لیکن نبی نے انکار کر دیا۔ یہ پیغمبر اسلام کا ایک ایسا چہرہ تھا جسے دیکھ کر میں بھی ان کا دیوانہ تھا اور تمنا کرتا تھا کہ خدا کسی روز مجھے بھی اسلام کی راہ میں آزمائے۔ لیکن جب ہوش کی آنکھیں کھلیں تو پتہ چلا کہ نبی کی ذات کا ایک اور پہلو بھی تھا جس کا ذکر درسی کتابوں میں نہیں لیکن خود مسلمانوں کی تحریر کردہ اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے موجود ہے۔ یہ ایک ایسے نبی کی داستان ہے جو جب تک کمزور اور اکیلا تھا، لوگوں کے ساتھ نرمی، اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آتا ہے، ان کی تلخ باتوں کا

جواب بھی نرمی سے دیتا ہے، کوئی بد تمیزی کرے تو اسے دعا دیتا ہے لیکن یہی نبی جب دنیاوی طاقت حاصل کر لیتا ہے تو اپنے ساتھیوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ سے بد تمیزی کرے تو اس کی زبان کھینچ لی جائے۔

اپنے پیروکاروں کو ہدایت کرتا ہے کہ تم مسلمان ہو ہی نہیں سکتے، اگر تم میری خاطر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، آل اولاد کو چھوڑنے پر تیار نہ رہو۔ یہ نبی دو آدمیوں کو جنھوں نے ایک مسلمان کو قتل کر کے ان کا اونٹ چرا لیا تھا، ہاتھ اور پاؤں کٹوا کر شدید گرمی میں صحرا کی ریت پر بلک بلک کر مرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ نبی یہودیوں کے ایک سردار کعب بن اشرف کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو حکم دیتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا سر کاٹ کر لائے اور نبی کو خوش کر دے۔ یہی نبی ایک قبیلے کے مردوں کو ذبح کر کے ان کے سردار کی بیوی سے نکاح کر لیتا ہے اور اسی رات خود اپنے مذہب کے احکامات کے خلاف اس سے ہم بستری کرتا ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ پیغمبر اسلام کے حکم پر اسما بنت مروان کا قتل اس حال میں ہوا کہ وہ اپنے پانچ بچوں کے ساتھ سو رہی تھی اور اس کا ایک شیر خوار بچہ اس کی چھاتی پر لیٹا ہوا تھا۔ اسما بنت مروان کو اس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچوں کی موجودگی میں رسول اللہ کے حکم پر ذبح کر دیا گیا۔ اس کا قصور کیا تھا؟ اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے ابو افک نامی ایک شاعر کے قتل پر (جسے اسی الزام میں قتل کر دیا گیا تھا کہ وہ خدا کے رسول کے خلاف نظمیں لکھتا تھا) ایک نظم لکھی۔ اس نظم میں اسما بنت مروان نے مدینہ کے لوگوں کو لعنت ملامت کی تھی کہ وہ اپنے قبیلے سے باہر کے ایک آدمی کی سرداری قبول کر رہے ہیں۔ ایسی بے شمار داستانیں سیرت نبوی کی کئی کتابوں میں درج ہیں جو خود مسلمانوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

جب میں سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو میرے دل میں نبی کے ان کاموں کے بارے میں ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہوئے۔ میں نے سوچا کہ اگر ایک ایسا پیغمبر جسے خدا کل عالم کے لیے رحمت قرار دیتا ہے، لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتا ہے تو خدا کے دوسرے چاہنے والے کیسے ہوں گے؟ بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ ذکر ہو رہا تھا اسلام ترک کرنے والوں کے لیے موت کی سزا کا۔ نبی اسلام نے جابجا وضاحت سے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر اسلام ترک کر دے، اسے قتل کر دو۔ تاریخ میں ہمیں ہزاروں ایسی مثالیں ملتی ہیں، جہاں لوگوں کو اس جرم میں قتل کر دیا گیا کہ وہ اسلام سے پھر گئے تھے۔ میں نے اس سزا کے حوالے سے مسلمانوں کی اکثریت کو متفق پایا۔ گویا اسلام میں آپ کو سوچنے کی اجازت نہیں۔ اگر آپ سوچیں گے تو سوال کریں گے اور سوال کریں گے تو مرتد ٹھہریں گے اور کوئی نہ کوئی مسلمان آپ کو جنت کا ٹکٹ سمجھتے ہوئے آپ کی گردن اڑا دے گا۔ میں جب اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو حسب معمول کسی کے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہ تھا۔ ایک جواب البتہ ایسا تھا جو آپ کے ساتھ شیئر

کرنا چاہوں گا۔ ایک عالم دین نے فرمایا کہ اسلام چھوڑنے کی صورت میں قتل کر دیے جانے کے حکم کے پس منظر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ مسلمان ایک فوج کی طرح ہیں، جیسے فوجی کو فوج سے بھاگ جانے کی صورت میں سخت کاروائی کی جاتی ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کو چھوڑنے والا بھی غدار سمجھا جاتا ہے اور غدار کی سزا موت ہوتی ہے۔ جن صاحب نے یہ تاویل پیش کی، وہ پاکستان کے ایک جانے پہچانے عالم ہیں۔ ان کے جواب پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلام دراصل ایک فوج کا نام ہے جسے خدا نے دنیا میں خدا کا بول بالا کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

یہ فوج محنت کر کے افرادی قوت اور طاقت جمع کرتی ہے تا کہ جب اس قابل ہو تو دنیا کو بزور طاقت اسلام کے دائرے میں لے آئے۔ اسلام کو اس بات کی ضرورت کیوں ہے؟ کیا مسلمانوں کو اپنے مذہب کی حقانیت پر اعتبار نہیں؟ اگر کوئی شخص اسلام کو ترک کر دے گا تو اس سے خدا اور اس کے رسول کے کروڑوں چاہنے والوں کو کیا فرق پڑے گا؟ پھر یہ کہ اگر کسی نے اپنی عقل و فہم کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام اس کی طبیعت سے لگا نہیں کھاتا، اس کا رجحان کسی اور مذہب کی طرف ہے، یا وہ تمام مذاہب کو ایک جیسا سمجھتا ہے، وہ خدا یا مذہب کے لیے کیا خطرہ پیدا کر سکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مذاہب کو اور بالخصوص اسلام کو یہ ڈر ہے کہ وہ لوگ جو اس کی گرفت سے نکل جاتے ہیں، انھیں دیکھ دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی سوچنے اور فکر کرنے کی تحریک ملے گی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلام کی نظر میں مذہب چھوڑ دینے والے کو قتل کر دیا جانا ضروری ہے تا کہ اپنے ہم مذہبوں کو ایسا کوئی خیال دل میں لانے سے بھی باز رکھا جائے؟ انھیں ایک خوف کے تحت مجبور رکھا جائے کہ وہ ہمیشہ اسی جماعت کا حصہ بنے رہیں، چاہے وہ دل سے اسلام کی حقانیت کے قائل ہوں یا نہ ہوں لیکن منافقوں کی طرح نماز روزہ کرتے رہیں اور یہی ظاہر کرتے پھریں کہ وہ سچے مسلمان ہیں جب کہ ان کے دل میں کچھ اور ہو؟

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ بھی لوگوں کے ذہنوں اور دلوں کو ایک آہنی گرفت میں قابو میں رکھنے کا ایک ہتھکنڈا ہو؟ ان تمام سوالوں کی روشنی میں ہی میں نے نتیجہ نکالا کہ لوگوں کو مذہب بدلنے سے بزور طاقت روکنے کی کوشش کرنا ویسا ہی رویہ ہے جیسا اہل قریش نے پیغمبر اسلام کی دعوت کے جواب میں اختیار کیا تھا اور اس رویے کی بنیاد تو سب کو معلوم ہے۔ قریش کو ڈر تھا کہ لوگ ان کے بنائے ہوئے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے لگے تو لوگوں پر ان کا کنٹرول خطرے میں پڑ جائے گا۔ آج جب کہ اسلام اور اس کی وساطت سے ملاؤں اور مذہبی لیڈروں کا لوگوں پر کنٹرول قائم ہے، وہ کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ لوگ اسلام چھوڑ کر جانے لگیں۔

مذہب بدلنے پر کسی کو قتل کرنا ایک گھناؤنا فعل ہے جس کی آج کی مہذب دنیا میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اسی طرح کسی کو اس بنیاد پر قتل کرنا یا نقصان پہنچانا کہ اس کے خیالات آپ کے خیالات سے مختلف ہیں، یہ بھی ایک جاہلانہ فعل ہے۔ مسلمان دن رات یہ ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں کہ اسلام کا مطلب سلامتی ہے اور یہ امن کا مذہب لیکن اپنے متشدد رویوں پر غور کرنے کو تیار نہیں۔ کوئی آدمی احادیث کی کتابوں میں درج قصے لکھ کر انھیں ایک (بہت بری کوالٹی کی) فلم کی شکل دے دیتا ہے تو نیل کے ساحل سے تا بخاک کاشغر آگ لگ جاتی ہے۔ بے گناہ غیر مسلموں کو امریکہ کے کسی احمق فلم ساز کی حرکت کی سزا زندہ جلا کر اور گلا کاٹ کر دی جاتی ہے، کیوں؟ پہلی بات تو یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کی زبان کو بزور طاقت روکے اور اگر یہ حق ہوتا بھی تو امریکہ میں رہنے والے کسی احمق کے کام کی سزا کے طور پر لیبیا میں امریکی سفیر کو اس قدر درندگی سے موت کے گھاٹ اتارنا صرف کسی جاہلوں کے ٹولے کا کام ہو سکتا ہے۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک نادیدہ خدا کے نام پر قتل و غارت کا لائسنس کسی بھی مذہب کو آج کے زمانے میں مل سکتا ہے تو دوبارہ سوچیے۔ مسلمانوں کے خلاف جس نفرت کو آپ اسلاموفوبیا سے تعبیر کرتے ہیں، وہ آپ کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ایک پُر امن زندگی گذارنا چاہتی ہے لیکن جو مسلمان ہمیں دنیا بھر کے ٹیلی ویژن چینلوں کی خبروں میں لوگوں کو قتل کرتے، عمارتوں کو آگ لگاتے اور لوٹ مار کرتے دکھائی دیتے ہیں، دنیا کے نزدیک اسلام کا چہرہ وہی ہے۔ دنیا مسلمانوں کو اسی تعارف سے پہچانتی ہے۔ اگر ماڈریٹ مسلمانوں کو اپنے امیج کا کچھ خیال ہے تو مذہب میں اجتہاد کی تحریک کو فروغ دیں اور ایسے ظالمانہ قوانین اور احمقانہ احکامات کو جو آج کے زمانے سے لگا نہیں کھاتے، اسلام سے نکالنے کے لیے کوشش کریں ورنہ اسلام کا مستقبل بہت روشن نہیں ہو گا۔

یہ نوٹ لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ بہت سے ہم خیال دوستوں سے ملاقات ہو گئی۔ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو وسوسوں اور پریشانیوں کی منزل سے گذر کر اپنا جواب پا چکے ہیں لیکن کچھ دوست ایسے بھی ہیں جنھیں ابھی اپنے سوالوں کے جوابات کی تلاش ہے۔ میرے ان باکس میں روزانہ چار یا چھ پیغامات ایسے ضرور آتے ہیں جن میں کچھ سوالوں کے جوابات مانگے جاتے ہیں، کچھ میں جوابات کی توثیق کی خواہش ہوتی ہے، کچھ ایسے ہیں جو میرے ذہن میں کبھی نہیں آئے۔

آج میں ایسے ہی ایک سوال پر بات کرنا چاہتا ہوں جو ایک دوست نے بہت دن پہلے بھیجا تھا لیکن مجھے اس کا جواب دینے کا وقت نہ مل سکا۔ ایک اور بات جس کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ میں نہ تو کوئی فلسفی ہوں، نہ تاریخ

داں، نہ مذہبی عالم اور نہ ہی کوئی سائنس داں۔ میں بھی آپ سب دوستوں کی طرح ایک عام سا مسلمان ہوا کرتا تھا جو دل کی گہرائیوں سے اپنے مذہب کی عزت کرتا تھا اور دل میں یہ خواہش رکھتا تھا کہ دنیا میں مسلمان ایک باعزت مقام پا جائیں۔ میں نے کبھی نسیم حجازی جیسے احمقانہ اسلامی ہیروز کے خواب تو نہیں دیکھے لیکن علامہ اقبال کے اشعار از قسم؛

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

پڑھ کر انسپائر بھی ہوتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اقبال کی اسی غزل کا شعر جو مجھے سب سے زیادہ مرغوب تھا، میری افتاد طبع کے زیادہ قریب تھا:

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

اس کی وجہ یقیناً یہی رہی ہو گی کہ میرا ذہن غیر مناسب پابندیوں کو کبھی پسند نہ کرتا تھا۔ خیر ان جملوں کو تمہید سمجھیے، اب مقصد کی طرف آتا ہوں۔ میرے دوست نے پوچھا ہے کہ اسلامی احکامات جن میں نماز، روزہ، حج اور اس کے ساتھ رنگ برنگی دعائیں، ممنوعات، وضو کا طریقہ، نماز کی رکعتیں وغیرہ ایک ان پڑھ آدمی کیسے گھڑ سکتا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کی کیا توجیہ ہے؟

ان میں سب سے مرکزی بات پیغمبر اسلام کا ان پڑھ ہونا ہے۔ اسلامی تاریخ کی بیشتر روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ حضرت محمد ایک امی یعنی ان پڑھ تھے۔ جب ان پر پہلی وحی نازل ہوئی تو جبرئیل نے کہا؛ "اقرا"، یعنی پڑھ۔ جس کے جواب میں پیغمبر اسلام نے کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ فرشتے نے کئی مرتبہ اس بات پر اصرار کیا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، ایک سوال یہیں پیدا ہو جاتا ہے جس کی طرف اشارہ ضروری ہے اور اس نے مجھے بھی مدتوں چکروں میں ڈالے رکھا۔ وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کی خاطر دنیا تخلیق کی، انھیں نیک و پاک بنایا تاکہ انھیں آخری نبی کا درجہ دیا جا سکے اور انھیں اپنا محبوب ٹھہرایا تو کیا وجہ ہے کہ جبرئیل کو اتنا بھی بتا کر نہیں بھیجا کہ محمد صاحب پڑھ نہیں سکتے؟ جبرئیل یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ میرے پیچھے پیچھے دہراؤ لیکن انھوں نے اصرار کیا کہ محمد صاحب پڑھیں۔ کیوں؟ کیا اللہ کو معلوم نہیں تھا کہ محمد ان پڑھ ہیں؟ یا اللہ کو تو پتہ تھا لیکن جبرئیل کو پتہ نہیں تھا؟ اللہ کی ذات کی طرف اتنی بنیادی قسم کی تساہل پسندی یا غفلت کسی بھی مسلمان کے لیے ایک خوف ناک سوال کی حیثیت رکھتی ہے اور میرے لیے بھی تھی۔ آخر کو یہ آیات اللہ کی آخری اور مکمل کتاب کا حصہ بننے والی تھی، پھر ایک ان پڑھ نبی کو

یوں مخاطب کرنا چہ معنی؟ بہر کیف آگے بڑھتے ہیں۔ ایک بات جو نوٹ کرنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام ایک دن میں نازل نہیں ہوا، بلکہ قرآن کے نزول کا عرصہ کوئی 23 برس کا بنتا ہے جس میں وقتاً فوقتاً آیات آتی رہیں۔ اسی طرح دیگر احکامات اسلام بھی ایک طویل عرصے میں رفتہ رفتہ سامنے آئے۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے احکامات فوری ضرورت کے پیش نظر جاری کیے گئے۔ میں کسی پچھلی قسط میں تیمم کی آیت کا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔ زنا کے جرم میں چار افراد کی گواہی کی آیت بھی اسی طرح کی وقتی ضروریات کی ایک اہم مثال ہے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے مدینہ ہجرت کی تو انھیں عاشور کے روزے کا پتہ چلا جو یہودیوں کا ایک رواج تھا اور انھوں نے اپنے پیروکاروں کو بھی اس کی تقلید میں یوم عاشور کو روزہ رکھنے کا حکم جاری فرمادیا جو بعد میں پہلی وحی کے کوئی سولہ سال بعد رمضان کے روزے آنے کے بعد منسوخ کر دیا گیا۔

شراب کی ممانعت کا حکم ہو یا متعہ (عارضی شادی) کا؛ اسلام کے احکامات ایک طویل عرصے کے دوران وقفے وقفے سے نازل ہوتے رہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تمام عرصے میں پیغمبر اسلام کے پاس نئے احکامات تجویز کرنے اور نئے قوانین وضع کرنے کے لیے بہت وقت ہوا کرتا تھا۔ ان کی زندگی کا محور اپنے مذہب کی اشاعت اور تبلیغ تھا، اس لیے ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ اسی مذہب میں نت نئے احکامات داخل کرنے اور قوانین بنانے میں گذرا۔ ایک امی شخص کی طرف سے اتنے تفصیلی احکامات اور باریکیاں حیرت کا باعث صرف اس صورت میں ہو سکتی تھیں، اگر یہ سب کچھ ایک ہی دن میں تیار ہو جاتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ پھر کچھ احکامات ایسے بھی ہیں جو نبی کی وفات کے بعد مزید ترامیم سے گذرے، مثلاً نبی کی زندگی میں زکوٰۃ اکٹھی کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا، یہ قانون حضرت ابو بکر نے جاری کیا۔ اسی طرح آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت عمر نے فجر کی نماز کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ شامل کیے، تراویح کی نماز شروع کی اور متعہ کی شادی کو حرام قرار دیا۔ حضرت عثمان نے پہلی بار قرآن کو تحریری صورت میں جمع کر کے شائع کیا، وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی تاریخ کے بغور مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسلام ابتدائی طور پر مکہ اور ارد گرد کے لوگوں کے لیے آیا تھا۔ قرآن میں اس بات کا باقاعدہ اشارہ موجود ہے۔ اسلام کو جو کامیابی حاصل ہوئی، اس کی توقع خود پیغمبر اسلام کو بھی نہ تھی۔ پیغمبر اسلام کے بعد حضرت عائشہ اور حضرت علی کے درمیان ہونے والی جنگ جمل کا ہونا بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام پیغمبر کی وفات کے بعد بھی تبدیلیوں اور اختلاف رائے سے گذرتا رہا۔ حضرت محمد نے اسے جس حالت میں چھوڑا تھا، وہ کوئی ٹھوس اور مکمل حالت نہیں تھی۔

کچھ مسلمانوں کے خیال میں حضرت محمد ان پڑھ نہیں تھے۔ ان کے اس دعوے کی سچائی کا ایک اشارہ ایک مشہور حدیث میں بھی موجود ہے جس میں کہا گیا کہ پیغمبر اسلام نے بستر مرگ پر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ایک کاغذ اور قلم لا دو، میں تمھیں ایسی وصیت لکھ دوں کہ تم بعد میں گمراہ نہ ہو جاؤ لیکن حضرت عمر نے کہا کہ پیغمبر کو ہذیان ہو گیا ہے، ہمیں کسی وصیت کی ضرورت نہیں، ہمارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، محمد ان پڑھ نہ بھی ہوتے تو 23 سال کے عرصے میں اسلامی عبادات کا طریقہ اور ان سے متعلقہ احکامات کو ترتیب دے لینا کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں کہ اس پر حیران ہوا جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت احکامات گھڑ لیے جاتے تھے جس کی ایک بڑی مثال یوم عاشور کا روزہ اور بعد ازاں اس کی تنسیخ بھی ہے لیکن اسی سے جڑی ہوئی ایک دلچسپ کہانی اسلام اور یہودیت کے باہمی تعلقات کی ہے۔

میں نے پچھلی قسط میں پیغمبر اسلام کے مدینہ جانے کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اگلی قسط میں یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات کے بارے میں بات کروں گا۔

اس سے پہلے آپ کو اپنے بچپن کی ایک اور کہانی سناتا چلوں۔ میں اس وقت شاید بارہ یا تیرہ برس کا رہا ہوں، جب میری والدہ نے پہلی بار مجھے بتایا کہ جس بندر کو میں چڑیا گھر میں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں، ہو سکتا ہے وہ کبھی یہودی یا عیسائی رہا ہو۔ میں ان کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ تفصیل پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں نافرمان قوموں کو بندر اور سور بنا دیا تھا۔

یہاں ایک اور دلچسپ بات یہ کہ میری والدہ لفظ سور کبھی استعمال نہیں کرتی تھیں، اس کے لیے انھوں نے پنجابی کا ایک اور لفظ "باہرلا" مخصوص کر رکھا تھا جس کے لغوی معنی باہر والا ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتی تھیں کہ سور اس قدر غلیظ جانور ہے کہ محض اس کا نام لینے سے زبان چالیس روز تک ناپاک رہتی ہے۔ کیوں ناپاک ہے؟ اگر اتنا ہی ناپاک ہے تو اللہ نے اسے بنایا کیوں تھا؟ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کو بندر اور سور بنانے سے پہلے بندر اور سور نامی جانور نہیں ہوتے تھے؟ اور یہاں چڑیا گھر میں کوئی بیس مختلف قسم کے بندر ہیں، ان میں سے کون سا بندر سابقہ عیسائی یا یہودی ہو سکتا ہے، اس پر میری خاموش رہتی تھیں؟ وہ یہ تو بتاتی تھیں کہ ان کی نافرمانی ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنا تھا، جب کہ اللہ نے ہفتے کے دن کو مقدس قرار دیا تھا اور اس دن مچھلیاں پکڑنا منع تھا لیکن یہ سوال ان کی سمجھ سے باہر تھا کہ اگر اللہ نے

یہودیوں کو بتایا تھا کہ ہفتے کا دن مقدس ہے تو عیسائیوں کو اتوار اور مسلمانوں کو جمعہ کے بارے میں یہی بات کیوں کہی؟ کیا پیغمبروں کے ساتھ ساتھ اللہ کے بنائے ہوئے مقدس دن بدل جاتے تھے۔

ایسی ہی سمجھ میں نہ آنے والی کہانیوں میں میرا بچپن گذر گیا۔ یہ شوق ہمیشہ دل میں موجزن رہتا تھا کہ ایک اچھا آدمی بنوں اور اچھے آدمی کی کسی جامع تعریف کی تلاش میں، میں نے بہت جتن کیے۔ کوشش کرتا تھا کہ لوگوں سے نیکی سے پیش آؤں، ضرورت مندوں کی مدد کروں اور برے کاموں سے پرہیز کروں لیکن مذہب کا گورکھ دھندہ ہمیشہ کی طرح گرہوں میں الجھا رہا۔

خیر یہ جاننے کے بعد کہ اللہ نے عیسائیوں اور یہودیوں کو بندر اور سور بنا دیا، میں نے ایک عجیب حرکت شروع کر دی۔ سوروں تک رسائی تو ممکن نہ تھی لیکن بندر نچانے والا کوئی آدمی دکھائی دے جاتا تو اس کا پیچھا کرتے کرتے اس کے بندر کا مسلسل مشاہدہ کرتا رہتا کہ شاید یہ بندر کوئی ایسی حرکت کر دے جس سے پتہ چل سکے کہ اس کا نام کبھی سلامت مسیح یا مائیکل یا پیٹر ہوا کرتا تھا۔ جب میں کم عمر تھا تو مجھے کچھ دوستوں کی صحبت میں شکار کا شوق ہو گیا اور ہم نے سوروں کا شکار کھیلنا شروع کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک تاریک رات میں ہم نے پہلی بار ایک سور شکار کیا تو ہم میں سے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ قریب جا کر اس غریب کو دیکھ ہی لیں۔ لگتا تھا شاید اس کے قریب جاتے ہی ہم گندگی اور گناہ میں لتھڑ جائیں گے۔ ہماری ٹولی کے ایک بہادر لڑکے ہمت کر کے قریب جا کر اس بے زبان کی دم کاٹ لی۔ جب واپس آیا تو ہر کوئی اسے چھری پلید کرنے پر لعنت ملامت کر رہا تھا لیکن اس نے بتایا کہ محکمہ زراعت کے دفتر جا کر اگر شکار کیے گئے سور کی دم پیش کی جائے تو انعام ملتا ہے اور انعام کی رقم سے ایسی کئی نئی چھریاں خریدی جا سکتی ہیں۔

بات پھر کہیں سے کہیں نکل گئی۔ ہم واپس آتے ہیں ظہور اسلام اور مسلمانوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات پر۔ جب محمد بن عبداللہ نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تو عرب کے لوگ پہلے ہی سے ایک پیغمبر کے آنے کے منتظر تھے۔ اس پیغمبر کا نام احمد بتایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے دعوے کے مطابق محمد کا ہم معنی لفظ ہے لیکن اس سوال کا جواب کوئی نہیں کہ جس خدا نے نبی کے آنے کا وعدہ کیا تھا اس نے محمد کا ہم معنی لفظ کیوں استعمال کیا، سیدھا سیدھا محمد کیوں نہ کہا؟ یہ کہیں نہیں بتایا جاتا کہ اس نبی کے آنے کا تذکرہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کس کتاب میں تھا؟ خیر، جب پیغمبر اسلام نے تبلیغ شروع کی تو انھوں نے فلسطین کو اپنا قبلہ قرار دیا اور نماز بھی ہیکل سلیمانی کی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی تھی۔ جب میں نے اسلام میں گہری دلچسپی لینی شروع کی اور اس مذہب کے سچا یا جھوٹا ہونے کے بارے میں تحقیق کا آغاز کیا تو مجھے اس بات نے شدید حیرت میں مبتلا کیا کہ خود مکہ میں ہوتے ہوئے جہاں خانہ کعبہ حضرت محمد کے گھر کے پچھواڑے میں

تھا، مسلمان یروشلم کی طرف منہ کرکے نماز کیوں پڑھتے تھے؟ اگر حضرت محمد کو تخلیق کائنات سے پہلے ہی تخلیق کرکے آخری نبی کا درجہ دے دیا گیا تھا تو یقیناً دین اسلام بھی اسی وقت تخلیق کیا گیا ہوگا؛ پھر کیا وجہ تھی کہ نبوت کے پہلے بارہ تیرہ سال مسلمان کعبہ کو نظرانداز کرکے یروشلم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی جو وضاحت فرمائی ہے، اسے نرم سے نرم الفاظ میں بھی گول مول ہی کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ اس کا مفہوم کچھ ایسا ہے کہ خدا کی جو مرضی چاہے کرے۔

جب پیغمبر اسلام مدینہ گئے تو انھوں نے مقامی آبادی کے ساتھ مل کر ایک طرح کی چھوٹی سی ریاست قائم کرلی اور تمام مقامی قبائل سے ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق سب ایک دوسرے کی جان و مال کے محافظ تھے۔ اس معاہدے میں یہودیوں کو بھی امت کا حصہ قرار دیا گیا تھا۔ جب مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور غزوات کے نتیجے میں ان کے پاس مال و دولت اور فوجی طاقت کی فراوانی ہوگئی تو رفتہ رفتہ مدینہ کے یہودیوں کو نکالا جانا شروع کردیا گیا۔ مکہ میں اس وقت یہودیوں کے تین قبائل تھے؛ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ مدینہ آمد کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں بنو قینقاع اور بنو نضیر کو مسلمانوں نے مختلف الزامات لگا کر مدینہ سے نکال دیا اور ان کی زمین اور جائداد پر قبضہ کرلیا۔ جنگ خندق کے بعد بنو قریظہ کی باری تھی جن پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے قریش کی درپردہ مدد کی۔ حالاں کہ اس کا کوئی ثبوت ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ مختصراً یہ کہ خندق کی جنگ کے فوراً بعد مسلمانوں نے پچیس روز تک بنو قریظہ کے گھروں کا محاصرہ کیا اور جب بنو قریظہ نے خود کو مسلمانوں کے حوالے کردیا تو اس بدنصیب قبیلے کے چھ سے لے کر آٹھ سو مردوں اور ایک عورت کو مدینہ کے بازار میں ذبح کردیا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ انھوں نے قریش سے ساز باز کی تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر بنو قریظہ نے واقعی قریش سے ساز باز کی تھی تو جن لیڈروں نے ساز باز کی، ان کو سزا دیا جانا کافی ہوتا لیکن چھ سے آٹھ سو لوگوں کا سربازار قتل کیوں؟ ابن اسحاق کے مطابق بنو قریظہ کے وہ تمام لڑکے جن کے زیر ناف بال آنا شروع ہوگئے تھے، اس قتل عام کی خوراک بنے۔

میں نے ان واقعات کو پڑھ کر جو کچھ اخذ کیا، وہ یہی تھا کہ جب پیغمبر اسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ان کا خیال تھا کہ جزیرہ نما عرب کے عیسائی اور یہودی انھیں ابراہیمی سلسلے کا نیا نبی مان کر ان کی بیعت کرلیں گے اور یوں وہ بیٹھے بٹھائے ایک بڑی امت کے سربراہ ہوجائیں گے لیکن جب ان مذاہب کے لوگوں نے ان کی مزاحمت کی تو پیغمبر اسلام نے اپنا راستہ الگ کرکے اپنے مذہب کو ایک نئی پہچان دینے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک مسلمانوں کی قوت اتنی بڑھ چکی تھی کہ بزور بازو مدینہ کے دوسرے مذاہب کو اپنی ماتحتی میں لاسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کے پہلے تیرہ سال انھوں نے

یروشلم کی طرف منھ کرکے نماز پڑھی جو عیسائیوں اور یہودیوں دونوں کے لیے ایک مقدس سرزمین تھی لیکن جب دیکھا کہ یہ لوگ ان کی طرف مائل نہ ہوں گے تو اپنا راستہ الگ کرلیا اور انھیں اچانک یاد آگیا کہ ان کے اپنے شہر مکہ میں بھی اللہ کا گھر بنا بنایا موجود ہے۔

آپ اگر سوال پر سوچیں تو کس نتیجے پر پہنچیں گے؟ اگر خانہ کعبہ جس کی طرف ہم آج پاؤں بھی پساریں تو گنہگار ٹھہریں گے، تیرہ سال تک مکہ میں محمد صاحب کی نظروں کے سامنے موجود رہا لیکن انھوں نے اسے دنیا کا مقدس ترین مقام قرار نہیں دیا بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کو پھانسنے کی کوشش میں یروشلم کو اپنا قبلہ بنائے رہے اور یروشلم کی طرف منھ کرکے نماز پڑھنے کے دوران ان کی پشت کعبہ کی طرف ہوتی رہی۔ آخر جب مایوس ہو گئے تو ایک روز ظہر کی نماز کے عین درمیان سجدے کا رخ یروشلم سے موڑ کر مکہ کی طرف کرلیا۔ کیا دنیا کا مکمل ترین مذہب بھیجنے والا خدا قبلے جیسی مرکزی حیثیت کی عمارت بدلے گا؟ کیا اللہ کو معلوم تھا کہ تیرہ سال بعد میں انھیں یروشلم کی بجائے مکہ کی طرف منھ کرنے کو کہوں گا؟ کیوں؟ ایسی کیا مجبوری تھی؟ کیا اس کے بعد یروشلم قبلہ بننے کے قابل نہیں رہا تھا؟ کیا اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی یا خدا نے کعبہ میں کوئی نئی خوبی دریافت کرلی تھی؟ سوچیے ذرا سوچیے۔

اگر مدینہ میں نماز پڑھنے والا کوئی شخص یروشلم کی طرف منھ کرے تو مکہ کی طرف اس کی پیٹھ ہو جائے گی۔ یہ ظلم اللہ نے کس طرح تیرہ سال تک برداشت کیا؟

اس سے متعلقہ ایک سوال کہ سورہ المائدہ میں قرآن کہتا ہے کہ عیسائی اور یہودی تمھارے دوست نہیں ہو سکتے، کسی اور نشست میں اس پر بات کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایک ضروری درخواست یہ کہ جو دوست یہ چاہتے ہیں کہ انھیں اپنے نوٹس میں ٹیگ کیا کروں، وہ بھی جو ٹیگ نہیں چاہتے، براہ کرم مجھے پرسنل میسیج میں بتادیں۔ میں ہر بار ہر دوست کو ٹیگ کر بھی نہیں پاتا اور بعض ایسے دوست بھی ٹیگ ہو جاتے ہیں جو فاصلہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے پلیز مجھے بتا دیجیے گا۔

میرے بچپن میں ہمارے گھر ایک بزرگ تشریف لایا کرتے تھے، مجھے ان کا نام تو معلوم نہیں تھا لیکن یہ یاد ہے کہ سب انھیں سائیں صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ سائیں صاحب جب بھی آتے، گھر کے سارے لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے، کوئی ان سے دعا کرنے کو کہتا تو کوئی ان سے دینی سوالات پوچھا کرتا۔ میں نے بہت چھوٹی عمر ہی سے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان سے پوچھے جانے والے سوالات صحیح معنوں میں سوالات نہیں ہوتے تھے، مثلاً اگر مجھ میں اتنی ہمت ہوتی یا ایک چھوٹا بچہ ہونے کی حیثیت سے مجھے ہمیشہ احمق نہ خیال کیا جاتا تو میں ان سے دنیا کی تخلیق،

اللہ کے اوصاف، پیغمبر اسلام کی زندگی اور دل میں اٹھنے والے وسوسوں کے بارے میں سوال کرتا۔ میرا بڑا بھائی ان سے اپنی دانست میں الٹے سیدھے سوال کرتا لیکن اس کے سوال بھی اس قسم کے ہوتے کہ اگر کوئی انسان کسی دور دراز علاقے میں پیدا ہو اور اسلام کا نام بھی اسے ساری زندگی سننے کو نہ ملے اور یوں وہ مسلمان ہوئے بغیر مر جائے تو وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بھائی کو عجیب نظروں سے دیکھتا کہ یہ تو کامن سنس کی بات ہے کہ اگر کسی نے دین حق کا نام ہی نہیں سنا تو وہ جہنم میں کیوں کر جا سکتا ہے؟ یہ مجھے قدرے بعد میں پتہ چلا کہ اسلام کے دینی مسائل میں کامن سنس کا استعمال کم کم ہوتا ہے۔ اسی سوال کو لے لیجیے، مجھے بعد میں پتہ چلا کہ جنت میں جانے کے لیے کلمہ شہادت پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا تو وہ کتنا بھی اچھا اور نیک انسان کیوں نہ ہو، کبھی جنت میں نہیں جا سکتا۔ میرے خاندان کے ایک بزرگ جو جنون کی حد تک مذہبی تھے، ہمیں اشارے اشارے سے یہ بھی بتایا کرتے کہ سائیں صاحب اصل میں انسان نہیں، جن ہیں جو ان بزرگ کی محبت کی وجہ سے ہمارے گھروں میں آتے جاتے ہیں۔

ہمارے خاندان کے یہ بزرگ بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور دینی معاملات میں بڑے سخت گیر تھے۔ اس زمانے میں حج کرنا بھی ایک بہت بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا لیکن ان موصوف نے میری پیدائش سے بیس تیس سال پہلے بحری جہاز کے ذریعے عرب جا کر اور کچھ راستہ پیدل چل کر حج کیا تھا، اس لیے ان کی کہی ہوئی بات ہمیشہ حرف آخر ہوا کرتی تھی۔ ایک بار میں ان بزرگ کے گھر گیا۔ انھیں باغبانی کا بہت شوق تھا اور انھوں نے اپنے گھر میں رنگ رنگ کے درخت اور پھول اگا رکھے تھے۔ میں گیٹ سے داخل ہو رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں، موصوف اپنے برآمدے سے اتر رہے ہیں۔ باغ میں ایک بکری کہیں سے گھس آئی تھی۔ بکری کیا تھی، میمنہ تھا کہ اس کا قد ایک درمیانے سائز کے کتے سے بھی کم ہوا ہو گا۔ ان بزرگوار کی آنکھوں میں گویا خون اترا ہوا تھا۔ انھوں نے اس بکری کو پچھلی ٹانگوں سے پکڑ لیا اور دھوبی کی طرح اسے اپنے سر سے اوپر لے جا کر تین چار مرتبہ فرش پر پٹخا۔ میں اس وقت شاید دس یا گیارہ سال کا تھا۔ بکری یوں پٹخے جانے پر یقیناً شدید زخمی ہو گئی ہو گی کہ وہ جس انداز میں بلبلائی اور چیخی، وہ بیان سے باہر ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لیے بالکل سن سا ہو کر رہ گیا۔ انھوں نے بکری کو بار بار پٹخنے کے بعد چھوڑ دیا اور وہ بیچاری ہڑبڑائی ہوئی لنگڑاتی لنگڑاتی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے ان کے پاس سے گذر کر اندر چلا گیا۔ ان بزرگ نے جیسے مجھے دیکھا تک نہیں لیکن میں کنکھیوں سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو خوف کے مارے کانپ اٹھا۔ ان کے منہ سے گویا جھاگ نکل رہی تھی اور لگتا تھا کہ

انھیں بکری کو زندہ چھوڑ دینے پر افسوس ہو رہا ہے۔ کئی دنوں تک یہ واقعہ میرے حواس پر چھایا رہا۔ مجھے خواب میں بھی اس بے زبان جانور کی چیخیں سنائی دیتیں اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ ایک نیک اور اللہ والا آدمی کس دل سے ایک بے زبان جانور کو اتنی اذیت پہنچا سکتا ہے جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ گیٹ کھلا پا کر خوراک کی تلاش میں ان کی پراپرٹی میں داخل ہو گئی تھی۔ آج بھی جب کوئی مسلمان دوست مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ کے ماننے والوں کے دل نرم اور سخی ہوتے ہیں تو مجھے بے اختیار وہ منظر یاد آنے لگتا ہے۔ مسلمان اتنے سخت دل کیوں ہوتے ہیں؟ یہ سوال مجھے اکثر پریشان کرتا رہتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے تو ہمارے ماں باپ نے کبھی عید قربان کے موقع پر اس وحشیانہ منظر سے دور رکھنے کی کوشش نہیں کی جس میں کسی بے زبان جانور کو بعض صورتوں میں دس بیس لوگ مل کر لٹا دیتے ہیں اور اس کا گلا تیز دھار چھری سے کاٹتے ہیں۔ اس عمل میں جو خون بہتا ہے اور جس اذیت سے جانور اپنی جان سے جاتا ہے، اس کے وحشیانہ پن کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے ترقی یافتہ ملکوں کا سفر کیا اور دیکھا کہ وہاں بچوں کو کس طرح اس قسم کی درندگی سے بچا کر رکھا جاتا ہے۔ ابھی پچھلے برس آپ نے پاکستانی شہر سیالکوٹ میں دو نوجوان بھائیوں پر ایک ہجوم کے حملے کی تصویریں دیکھی ہوں گی، جہاں ان بچوں کو وحشیوں کے ایک ٹولے نے پتھر، اینٹیں، ڈنڈے اور نجانے کن کن چیزوں سے پیٹ کر کئی گھنٹوں کے تشدد کے بعد موت کی نیند سلا دیا اور پھر ان کی لاشوں کو بجلی کے ایک کھمبے میں الٹا لٹکا دیا۔ آپ نے شاید پچھلے دنوں سندھ میں ہونے والے اس واقعہ کی فوٹیج بھی دیکھی ہو جہاں ایک نیم پاگل شخص کو رسول اللہ اور اللہ کی کتاب کی محبت میں اسی طرح اذیتیں دے دے کر سرعام قتل کیا گیا اور اس کی لاش کو آگ لگا دی گئی۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا ان لوگوں کے دلوں میں کوئی رحم نہیں؟ کیا یہ کسی کو یوں سسک سسک کر مرتا دیکھ کر لذت محسوس کرتے ہیں؟ یہ مناظر دیکھ کر میرا ذہن بے اختیار بنو قریظہ کے ان چھ سے آٹھ سو (مختلف روایتوں میں تعداد مختلف ہے لیکن چھ سو سے کہیں کم نہیں) کی طرف جاتا ہے جنھیں مدینہ کے کسی بازار میں سرعام سر کاٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔

میں نے پچھلی قسط میں، یہودیوں کا قصہ بیان کیا تھا، اس میں مجھے یہ ذکر کرنے کا خیال نہ رہا کہ تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں کے مطابق جب پیغمبر اسلام مدینہ گئے تو انھیں پتہ چلا کہ یہودی یوم عاشور کو روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ اندازہ بھی ہوتا کہ وہ پہلے یہودیوں سے زیادہ واقف نہ تھے۔ پیغمبر اسلام نے جب یہ سنا تو انھوں نے کہا کہ موسیٰ ہمارا بھی برگزیدہ پیغمبر ہے اور یوں انھوں نے مسلمانوں کو بھی یوم عاشور پر روزہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ بعد میں جب رمضان کے روزے رکھنے کا حکم آیا تو عاشور کا روزہ ترک کر دیا گیا لیکن یہ کہانی پڑھ کر میرے ذہن میں جو خیال آئے، وہ

کچھ تو پچھلی قسط میں بیان کر چکا ہوں کہ پیغمبر اسلام اصل میں یہودیوں اور عیسائیوں کو متاثر کر کے اپنی امت میں شامل کرنا چاہتے تھے اور ان کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد ہی اسلام کی راہیں صحیح معنوں میں الگ ہوئیں۔ دوسرا خیال جو میرے ذہن میں آیا، وہ یہ تھا کہ اس وقت تک کی پیغمبر کی زندگی کو بغور پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا ابتدائی زمانہ عیسائیت کی ان کہانیوں سے متاثر تھا جو پیغمبر اسلام نے ادھر اُدھر سے سن رکھی تھیں۔ اس حوالے سے ایک اہم نام ورقہ بن نوفل کا ہے جو حضرت خدیجہ کا کزن تھا اور اسلامی روایات کے مطابق جب پیغمبر اسلام پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ انھیں ورقہ بن نوفل ہی کے پاس لے گئی تھیں۔ ورقہ بن نوفل پچھلی آسمانی کتابوں کو پڑھ چکا تھا اور ان میں موجود کہانیوں سے بھی واقف تھا۔ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ورقہ بن نوفل ہی اصل میں قرآن کا مصنف تھا یا کم از کم اس نے پیغمبر اسلام کی آیات کی تیاری میں مدد کی تھی۔ میری گفتگو چونکہ صرف اسلامی کتب تاریخ، حدیث اور سیرۃ النبی تک محدود ہے، لہٰذا میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا۔ مجھے اس بات کا البتہ پورا یقین ہے کہ پیغمبر اسلام نے قرآن کی بنیادی اولڈ اور نیو ٹیسٹامنٹ میں موجود ان کہانیوں کی بنیاد پر رکھی (اس ضمن میں ایک نہایت ہی دلچسپ کہانی نضر بن حارث کی بھی ہے جو نئے پڑھنے والوں کے لیے جلد پیش کروں گا جو لوگ اسلامی تاریخ سے واقف ہیں، انھوں نے یقیناً یہ نام اور اس سے منسلک کہانی سن رکھی ہو گی)۔

کہانیاں مستعار لینے میں ان سے جو غلطیاں ہوئیں، ان میں سے ایک قرآن کی سورہ مریم کی ایک آیت میں نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن کی سورہ مریم کی آیت نمبر 28 میں مریم کو ہارون کی بہن کہہ کر پکارا گیا ہے۔ نجران کے عیسائیوں نے یہ آیت سنی تو اس کی بنیاد پر اعتراض اٹھایا کہ مریم، ہارون کی بہن نہیں تھی کیوں کہ ہارون کا زمانہ مریم کی پیدائش سے کم از کم بارہ سو سال پہلے کا ہے۔ پیغمبر اسلام نے بعد میں اس غلطی کی جو توجیہ پیش کی، وہ ہمیں صحیح مسلم کی اس حدیث کی صورت میں ملتی ہے جو میں نیچے نقل کر رہا ہوں:

"مغیرہ ابن شعب نے بیان کیا، جب میں نجران گیا تو انھوں (نجران کے عیسائیوں) نے مجھ سے پوچھا تم قرآن میں ہارون کی بہن مریم پڑھتے ہو جب کہ موسیٰ کا زمانہ تو عیسیٰ سے بہت پہلے کا ہے۔ میں جب واپس آکر نبی پاک کی خدمت میں پیش ہوا تو ان سے یہ سوال پوچھا۔ انھوں نے جواب میں فرمایا، پرانے زمانے کے لوگ آپس میں اپنے لوگوں کو پہلے سے گذرے ہوئے نیک اور برگزیدہ لوگوں اور نبیوں کے نام سے پکارا کرتے تھے۔" (صحیح مسلم، 5236)

اگر اس کہانی پر غور کیجیے تو اندازہ ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے کس خوب صورتی سے اپنی اس غلطی پر پردہ ڈالا۔ اگر آپ سورہ مریم پڑھیں تو آپ کو صاف دکھائی دے جائے گا کہ اس میں مریم کو ہارون کی بہن قرار دیا گیا ہے لیکن بعد

میں غلطی پکڑے جانے پر پیغمبر اسلام نے کمال خوبی سے اسے جھٹلا دیا۔ بات شروع ہوئی تھی سائیں صاحب سے اور جا نکلی حضرت مریم تک۔ جو کہانی میں لکھنے بیٹھا ہو، اس میں اسی طرح کے اونچ نیچ آتے رہتے ہیں۔ جب آپ کو یہ شبہ گذرے کہ وہ "عالمی سچائیاں" جن پر پورے اعتقاد کے ساتھ آپ کے بڑوں نے اپنی زندگی گذاری اور جو آپ کو آنکھ کھلتے ہی گھوٹ گھوٹ کر پلائے گئے تو آپ کی دنیا تہہ وبالا ہو جاتی ہے۔ اسی کو آگہی کا عذاب بھی کہا گیا ہے۔ جن لوگوں پر یہ باتیں کھل جاتی ہیں، انھیں ہدایت کی جاتی ہے کہ انھیں خود تک محدود رکھیں ورنہ معاشرے میں فساد پھیل جائے گا اور جب کوئی اس دباؤ کو برداشت نہ کر سکے اور گلیوں میں نکل کر منصور حلاج کی طرح نعرہ (انا الحق) لگانا شروع کر دے یعنی میں ہی حقیقت / حق / خدا ہوں تو پھر خلقت شہر کے پتھر اس کا مقدر ہو جاتے ہیں۔ منھ کھولنا سزا کو دعوت دینا بن جاتا ہے۔ شاید اسی موقع کے لیے میاں محمد بخش نے کہا تھا:

خاصاں دی گل عاماں اگے نئیں مناسب کرنی

مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

یعنی خاص لوگوں کی بات عام لوگوں کے سامنے کرنا ایسا ہی ہے جیسے میٹھی کھیر پکا کر کسی کتے کے سامنے رکھ دی جائے (ہمارے مقامی محاورے کے مطابق کتے کو کھیر ہضم نہیں ہوتی)۔

بابا بلھے شاہ جب کہتا ہے:

بلھیا کھا کباب تے پی شراب تے بال ہڈاں دی اگ

چوری کرتے بھن گھر رب دا اس ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ

تو وہ سچ ہی کہہ رہے ہوتے ہیں، ہم اسے سو طرح کے معنی پہنا دیتے ہیں۔

پچھلے تین چار دن سے کچھ لکھنے کی تحریک نہیں ہو رہی تھی۔ ہندوستان کی تقسیم اور ہندوؤں کے بارے میں ایک مضمون لکھنا شروع کیا لیکن ادھورا چھوڑ دیا۔ ذہن منتشر ہو تو خیالات کو یکجا کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔ آج کس موضوع کو چھیڑوں کس چیز پر بات کروں فیصلہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ یونہی فیس بک پر پوسٹس دیکھ رہا تھا کہ ایک جگہ جان ایڈم کی ایک پوسٹ نظر سے گذری۔ انہوں نے پیغمبر اسلام کے بارے میں کچھ حقائق لکھے تھے جن پر دو مسلمان دوست بہت خفا ہوئے اور انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ جان ایڈم نے بہت محبت سے میرا نام لے کر لکھا کہ اس کے نوٹس پڑھو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم اسلام کی حقانیت پر یقین کیوں نہیں رکھتے۔ سب سے پہلے تو جان ایڈم کا

شکریہ کہ انہوں نے دو مزید "گاہک" میری طرف بھیجے۔ امید کرتا ہوں کہ وہ دونوں مسلمان دوست میرا یہ نوٹ پڑھ سکیں گے اور اپنے ذہن سے سوچنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے بہت سے ایسے لوگوں کے مسیج آتے ہیں جن کے ذہن میں تحقیق کا کیڑا ہے لیکن ہمت نہیں۔

پچھلے دنوں ایک ایسے ہی نوجوان کا مسیج مجھے ملا مسیج کچھ یوں تھا:

"میں آپکی کھانی پرہ کر پاگل ھو گیا ھوں۔ اپنی یونیورسٹی میں 9000 پونڈ فییس جمع کیٔ ھے، مگر پڑھائیٔ نی کر پا رھا۔ عجیب عجیب خیال اتے ھیں۔ باپ فوت ھو چکا ھا، دعا کروں یا نا کروں، سمجھ نھیں اتی۔ 4 چھوٹے بھاہیٔ ھیں، جب گھر فون کرتا ھوں تو نماز کی نصیحت کروں یا نا کروں۔ یو کے میں اپنے چاچو کے گھر رھتا ھوں، وہ نماز کا کھتے ھیں، نا کروں تو کھتے ھیں "منڈا یو کے وچ خراب ھو گیا اے" اور اگر نماز پڑھوں تو کس کے لئے??????? ایک 10 سال کا بھای ھے، عجیب سوال کرتا ھے۔ ابُو خدا کے پاس کیٔوں گے امی کھتی ھیں تم خود خراب ھو گے ھو، باپ سر پے نھی ھے چھوٹے بھایوں کو اسلام کا نھں کھتے۔ زندگی بے معانی ھو گی ھے۔ جب مشکل میں پھستا ھوں تو کیس خدا کو پکاروں???? اور تو اور اس فکر نے پاگل کر دیا ھے کے شادی کے بعد اپنے بچوں کو کس رستے پے چلانا ھے? میں الفاظ میں بیان نیٔ کر سکتا کس پنگے میں پھس گیا ھوں۔ اپ سے گزارش ھے کے اب جو کھانی شروع کی ھے اسکو کسی انجام پہ پہچانا ورنہ نہ نا جانے کتنے لوگ اور بی ھیں میری طرح درمیان مین پھس گے ھیں۔ اپکو واسطے کس کے دوں، یے بی سمجھ نی لگ رھی۔ مگر جو بی ھے، اپنکو اپکی ماں باپ بھن بھای کا واسطا، اب کوٰی حل بی بتانا، اگر مرنا بی ھوا تو پھلے ھمیں کسی طرف لگا کے جانا۔ ویسے آپس کی بات ھے، میری راتوں کی نیند حرام ھو گی ھے۔ کوی ایک پوانٹ تو بتا دو کے، سکون سے سو سکوں۔ مین جاوں بی تو کھاں جاوں? ھدایت مانگوں بی تو کس سے مانگوں? جو خدا تھا اس کا تو اپ نے بیڑا بٹھا دیا ھے۔ اور ایک آخری درخواست، میرا نام اپنی تھریر میں مت لینا۔ میری حالت لکھنا اگر مناسب سمجھو مگر مرا نام مت لکھنا۔ امید ھے جلد اپکا جواب ملے گا۔ ایاز بھائی اپ خوش رھو۔"

یہ مسیج میں نے کاپی پیسٹ کیا ہے۔ ٹائپنگ کی غلطیاں بھی رہنے دی ہیں تاکہ آپ کو بھی اس نوجوان کی منتشر خیالی کا اندازہ ہو سکے۔ اسے پڑھ کر مجھے اپنی نوجوانی کا زمانہ یاد آگیا۔ اس وقت کی کچھ کہانیاں آپ سے شئیر کرتا ہوں۔ جس نوجوان نے یہ مسیج بھیجا ہے اسے بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ اکیلا اس مشکل میں گرفتار نہیں، ہر وہ شخص جو سوچنا اور جاننا چاہتا ہے اسی قسم کے عذاب سے گزرتا ہے۔ میرے حالات اس نوجوان کی نسبت قدرے بہتر تھے۔ میرے لیے اس زمانے کی فکریں کوئی ایسی سیریس نہیں تھیں جیسی اس نوجوان کے لیے ہیں۔ کھاتے پیتے گھر سے تعلق تھا۔ کسی

چیز کی کمی والدہ نے زندگی بھر نہ ہونے دی نہ ہی کوئی ایسی ذمہ داری تھی جس کا بوجھ کسی اور راستے کی طرف لے جاتا۔ لیکن اس سب کے باوجود یہ تصور کرنا بھی ایک عجیب طرح کا عذاب تھا کہ خدا کا وجود ایک دھوکہ بھی ہوسکتا ہے۔ اسلام کی کہانیاں محض کہانیاں بھی ہوسکتی ہیں، پیغمبر اسلام کا یہ دعویٰ غلط بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے جبرئیل کو ایک خاص پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا تھا۔ خاص طور پر پاکستانی معاشرے میں اور یقیناہندوستان میں بھی ایسا ہی ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا آغاز ہی مذہب اور اس سے جڑی داستانوں سے ہوتا ہے اور مرتے دم تک کفن پر لکھے گئے کلمے اور پڑھی جانے والی نماز جنازہ تک مذہب ہر گھڑی انسان کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے۔ ایسے میں اگر اچانک کوئی ایسا انکشاف ہو جائے تو اس نوجوان کی طرح ہر کسی کی زندگی میں اچانک ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا اور یہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں جو ایک ہنسنے کھیلنے اور خوش رہنے والا نوجوان تھا۔ غصیلا اور چڑچڑا ہو گیا۔ زندگی میں ہر طرح کی کشش ہونے کے باوجود کسی چیز کی کمی محسوس ہونا شروع ہو گئی۔ بہت عرصہ اسی نوجوان کی طرح ذہنی انتشار میں گذرا اور اس انتشار کو کم کرنے کے لیے کتابوں میں پناہ لی۔ لیکن جوں جوں کتابیں پڑھتا گیا ذہن مزید کلئیر ہوتا گیا۔ بہت سی نئی باتیں سمجھ آنا شروع ہو گئیں۔ اگر مذاہب جھوٹے ہیں تو ان کا وجود کیوں ہے؟ مذاہب کے آنے سے انسان کو کیا کیا فائدے اور کیا کیا نقصانات ہوئے ہیں؟ نبیوں، رسولوں اور مذہبی رہنماوں کو آخر ضرورت کیا تھی کہ وہ اپنی زندگیاں ایک ایسی چیز کے لیے وقف کر دیں جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ ان سب سوالون کے جواب مسلسل مطالعے اور جستجو کے بعد آخر مل ہی گئے اور ان تحریروں کا مقصد بھی اس سفر میں آپ کی مدد کرنا ہے تاکہ جو وقت میں نے بے کار الجھنوں میں پڑ کر گزارا وہ آپ کو نہ گزارنا پڑے۔ آپ تک اپنے دل کی بات کھول کر پہنچادوں تاکہ آپ اپنا فیصلہ خود کر سکیں۔

میں نے جب مذہب کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور پہلی بار اس خیال کو دل میں جگہ دی کہ جن باتوں کو ہم ابدی سچائیاں مانتے ہیں وہ جھوٹ بھی ہوسکتی ہیں تو مجھے بھی اس نوجوان کی طرح بہت سی مشکلات پیش آئی تھیں۔ یہ تحریر پڑھنے والے بہت سے لوگ زندگی کی اسی منزل سے گزر رہے ہوں گے۔ اس منزل پر انسان یقین بھی کرنا چاہتا ہے اور شک سے بھی جان نہیں چھڑا سکتا۔ جب اپنے شک کی تصدیق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خوف کی زنجیریں پاؤں میں پڑی محسوس ہوتی ہیں۔ ہمیں جس طریقے سے پیدا ہوتے ہی مذہب کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اصل میں وہی ہمیں مذہب کے بارے میں شک کرنے سے باز رکھتا ہے۔ اور جو لوگ ذرا بہادری کا مظاہرہ کر کے ان خیالوں کو جھٹک دیتے ہیں وہ بھی کسی جگہ ڈر کے مارے ضرور ٹھٹھکتے ہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ اگر مذہب پر یہ پابندی لگا دی جائے کہ جب تک بچہ اٹھارہ سال کی عمر کو نہ پہنچ جائے اسے مذہب کے بارے میں تعلیم دیے جانے کی اجازت نہ ہو تو آپ دیکھیں گے

کہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ کر کوئی بھی مذہب کو قبول کرنے کو تیار نہ ہو گا۔ برطانیہ کے ایک مشہور رائٹر اور ایتھیسٹ رچرڈ ڈاکنز کا مطالبہ ہے کہ جس طرح پیدا ہوتے ہی کسی بچے پر یہ مہر نہیں لگائی جا سکتی کہ وہ پارٹی، کنزرویٹیو یا لبرل ڈیموکریٹ بچہ ہے۔(یہ تینوں برطانیہ کی تین بڑی سیاسی جماعتیں ہیں) اسی طرح ماں باپ کو یہ حق بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بچے کو پیدا ہوتے ہی ہندو، مسلمان،، عیسائی یہودی کا ٹھپہ لگا دیں جب کہ وہ بچہ خود سے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ رچرڈ ڈاکنز اس عمل کو چائلڈ ابیوز سے تعبیر کرتے ہیں اور سوچا جائے تو ہے بھی ایسا ہی۔ خود اسلام میں حکم ہے کہ بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھاؤ اور دس سال کا ہو کر اگر نماز پڑھنے سے انکار کرے تو اسے مار پیٹ کر نماز پڑھواؤ۔ کیوں؟ اس لیے کہ مقصد بچے کے کچے ذہن میں مذہب کا خوف اور اسے سے منسوب الٹے سیدھے عقائد بٹھانا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی ہمارے ماں باپ نے کم و بیش یہی کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب مذہب کی حقانیت پر شک کرنے کی بات آتی ہے تو پتہ پانی ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں میرے لیے بھی یہ مرحلہ بہت دشوار تھا لیکن پھر میں نے ایک ترکیب سوچی جس پر آپ بھی عمل کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ کو بھی اسے مدد حاصل ہو گی۔ روزانہ ایک آدھ گھنٹے کے لیے مذہب سے چھٹی لیجیے۔ فرض کر لیجیے کہ آپ کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور آپ اپنے لیے کسی عقیدے کا انتخاب کرنے نکلے ہیں۔ اس کیفیت میں اسلامی کتب پڑھیے اور کوشش کیجیے کہ انہیں مکمل طور پر غیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکیں۔ آپ کو لگے گا کہ مذاہب کے زیادہ تر عقائد صرف غیر عقلی ہی نہیں زیادہ تر صورتوں میں احمقانہ ہیں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ کہ آدم اور اس کے بعد حوا کی تخلیق کی کہانی، ہابیل اور قابیل کی کہانی اور ایک بھائی کے ہاتھوں دوسرے کا قتل، موسیٰ کا پہاڑ پر چڑھ کر خدا اسے ہمکلام ہونا اور بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے پکے پکائے کھانے اترنا، ابراہیم کا اپنے بچے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کی کوشش کرنا، لوط کا اپنی قوم کو فرشتوں کے بدلے اپنی بیٹیاں پیش کرنا، لوط کی بیٹیوں کا اپنے باپ کو شراب پلا کر اسے ہمبستری کرنا، یونس کا مچھلی کے پیٹ میں رہنا، نوح کا طوفان میں کشتی بنا کر دنیا کے ہر جاندار کے ایک ایک جوڑے کو لے کر نکلنا، سلیمان کا جانوروں کی بولیاں سمجھنا، ذوالقرنین کا سورج ڈوبے اور سورج طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچنا، عیسیٰ کا ایک کنواری لڑکی کے بطن سے پیدا ہونا۔ پنگھوڑے میں باتیں کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، کھجور کے درخت کا پیغمبر اسلام کی جدائی میں رونا، آدم کا نوے فٹ قد کا ہونا، پیغمبروں کی عمریں ہزاروں سال ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور ان جیسی درجنوں دوسرے محیر العقول داستانیں کیا قابل اعتبار ہیں؟ اگر آپ مسلمان ہیں اور مسلمان بن کر سوچ رہے ہیں تو آپ کے اندر کا مسلمان آپ کو خود سے جھوٹ بولنے پر آمادہ رکھے گا لیکن اگر آپ ایک

لمحے کے لیے بھی آنکھوں پر بندھی عقیدے کی پٹی اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کے سامنے ایک نئی دنیا کا دروازہ کھل جائے گا۔ مذہب کو دیکھنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جو آپ کی اس کیفیت میں آپ کا مددگار ہو گا۔

انسان کی زندگی زیادہ سے زیادہ سو سوا سو سال تک ہو سکتی ہے۔ اسی لیے انسان کے لیے ہزاروں سال پر محیط انسانی تاریخ کا احاطہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ عیسیٰ سے پہلے قدیم یونانی خداؤں کو بھی اسی طرح مانا جاتا تھا جیسے آج بھگوان، اللہ اور دیگر خداوں کو مانا جاتا ہے؟ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ اپالو اور زیوس کی الوہیت پر ایمان نہ لانے کی سزا بھی اسی طرح کی دردناک موت تھی جیسی آج کے پاکستان میں "گستاخان رسول" کو دی جاتی ہے۔ آج وہ اپالو اور زیوس محض افسانوی کردار بن گئے ہیں لیکن چونکہ ہم آج کے زمانے میں پیدا ہوئے ہمارے لیے اس دہشت اور خوف کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے جو زیوس کے منکریں کا مقدر ہوتا تھا۔ کیا آپ انوبس، انات، آتیچ، باہل، شاپسو، اینکی، زیوس، افروڈائٹ، گوان ین، یم، اوتزومے یا ان جیسے ہزاروں خداؤں میں سے کسی کو مانتے ہیں؟ ان خداوں کے منکروں پر بھی اہل ایمان اسی طرح تشدد اور بہیمیت کے پہاڑ توڑتے تھے جیسے آج اسلام ترک کرنے والوں پر توڑے جاتے ہیں۔ انہیں بھی اسی طرح بے رحمانہ انداز میں خدا کے نام پر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا جیسے آج احمدیوں کو شیعوں کو اور دیگر فرقوں کے مسلمانوں کو کاٹا جاتا ہے۔ دنیا کے سبھی خداؤں کے نام پر اسی طرح ظلم و ستم کو جائز سمجھا اور کہا جاتا رہا ہے جیسے پیغمبر اسلام کے ہاتھوں قریش مکہ اور یہودیوں کے قتل عام کو اسلام کی خدمت اور اللہ کے پیغام کی سربلندی کی جدوجہد کا نام دیا جاتا ہے۔ جن خداوں کی آج سے پانچ یا دس ہزار سال پہلے لاکھوں لوگ عبادت کرتے تھے آج کوئی بھی ان کی عبادت کرنے والا باقی نہیں اسی طرح آج کے خدا کا تصور بھی ایک وقت میں افسانوں کا حصہ بن جائے گا۔

جس طرح اسلام نے عیسائیت اور عیسائیت نے یہودیت سے کہانیاں لے کر ایک نیا مذہب کھڑا کیا اسی طرح یہودیت نے بھی زمانہ قدیم کے رسوم و رواج کو اپنا کر ایک نیا عقیدہ تیار کیا تھا۔ کیا حضرت محمد سے پہلے عرب میں حج کی رسم نہیں ہوتی تھی؟ کیا اسلام سے پہلے کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی نہیں ہوتی تھی؟ کیا ظہور اسلام سے پہلے حج کو جانے والے اسی طرح شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے تھے جیسے اب مارتے ہیں؟ کعبہ میں جڑا حجر اسود کیا ہے؟ قدیم عربوں کا خیال اور دعویٰ تھا کہ یہ جنت سے بھیجا گیا پتھر ہے۔ اسی دعوے کو اسلام نے بھی آگے بڑھایا اور خود پیغمبر اسلام طواف کے دوران اس پتھر کو چوما کرتے تھے۔ میں نے کئی مسلمانوں کو دعوے کرتے سنا ہے کہ سائنسی تجزیے سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ پتھر اس دنیا کا نہیں۔ یقیناً اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ پتھر زمین کا نہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہو

جاتا کہ یہ پتھر جنت سے اللہ تعالی نے پھینکا ہے کہ اسے کعبے میں لگاؤ۔ یہ پتھر ہے کیا؟ محض ایک شہاب ثاقب کا ٹکڑا۔ اس جیسے ہزاروں ٹکڑے آج بھی ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں آ کر گرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آج کا انسان اس پتھر کو دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ یہ کسی شہابیے کا ٹکڑا ہے۔ زمانہ قدیم کے عربوں بلکہ خود اسلام کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ شہابیے کیا ہوتے ہیں اور ان کے ٹکڑے وقتاً فوقتاً زمین پر کیوں گرتے رہتے ہیں اس کا قدیم زمانے کے عربوں کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں تھا۔ اسی لیے یہ پتھر جنت کا پتھر کہلایا اور آج بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان اس پتھر کو چومنے کی خواہش میں کعبے کے قریب جانے کی کوشش کرتے اور وہاں ڈیوٹی پر کھڑے سپاہی کے ٹھڈے کھاتے ہیں۔ اور تو اور ہمیں بتایا گیا کہ آسمان پر جو ستارہ ٹوٹ کر گرتا دکھائی دیتا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان ساتویں آسمان پر جا کر اللہ تعالی اور فرشتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو چھپ کر سننے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتے اس پر انگارے پھینکتے ہیں اور وہ واپس نیچے اتر آتا ہے؛ کیا زبردست وضاحت ہے شہاب ثاقب کے گرنے کی۔

کہانی صرف اتنی ہے کہ خود کو مذہب سے چند لمحوں کے لیے الگ کر کے سوچنے کی کوشش کیجیے، سب کھل جائے گا۔ کیا آپ ایک شہابیے کے ٹکڑے کو دیکھنے کی آرزو میں اپنی زندگی بھر کی کمائی لٹانے کے لیے پیدا ہوئے تھے؟ کیا آپ اتنے ہی عقلمند ہیں کہ زندگی بھر رو رو کر اس سرزمین پر جانے کی آرزو کریں اور جب آرزو پوری نہ ہو سکے تو خود کو الزام دیں کہ میں ہی اتنا گناہگار تھا کہ میرے پیارے نبی نے مجھے حاضری کے قابل نہیں سمجھا؟ ذرا سوچیے۔

بہت سے دوست دن رات مسیجز بھیجتے ہیں کہ اگلی قسط لکھ کر جلدی پوسٹ کروں۔ لکھنے کے لیے جس ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آج موجود تو نہیں لیکن کوشش کرتا ہوں۔

میں بار بار اپنے نوٹس میں یہ بات دہرا چکا ہوں کہ بچپن سے میرے دل میں ایک اچھا انسان بننے کی خواہش موجود تھی۔ ہمیشہ کوشش کرتا کہ سب کے کام آؤں، کوئی مجھ سے خفا نہ ہو۔ اگر کسی کو خفا کر بیٹھوں تو فوراً معافی مانگوں وغیرہ وغیرہ۔ اچھا انسان بننے کی اس خواہش کی تکمیل کا ایک راستہ مجھے پیغمبر اسلام کے نقش قدم پر چلنا لگتا تھا۔ جو پہلی احادیث میری نظر سے گذریں، وہ شاید تیسری یا چوتھی جماعت کی اسلامیات کی کتاب میں تھیں۔ ایک میں لکھا تھا کہ رسول اکرم کی ذات میں ہر مسلمان کے لیے زندگی گذارنے کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ میں نے تبھی سے یہ تہیہ کر لیا کہ ہر کام میں رسول کی پیروی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب بچوں سے ان کے حسن سلوک کا ذکر پڑھتا تو دل مچل اٹھتا کہ کاش میں بھی ان کے زمانے میں پیدا ہوا ہوتا اور ان کی شفقت سے بہرہ مند ہوتا۔ زندگی بڑی اچھی طرح گذر رہی تھی۔

کوئی تضاد ایسا نہیں تھا جو مجھے پریشان کرتا۔ لیکن جب مذہب کے بارے میں سوالات نے سر اٹھانا شروع کیا تو ہر نیا دن ایک نیا سوال لے کر طلوع ہوتا۔ کچھ سوالوں کے جواب تلاش کرنا آسان تھے اور کچھ کے انتہائی دشوار۔ وسائل کی کمی کتابوں کی عدم دستیابی اور اس طرح کے بہت سے دوسرے مسائل ہمیشہ پاؤں کی زنجیر بنتے۔ کہتے ہیں ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے یہی سمجھیے کہ مجھے مل گیا۔ یہ خدا وہ تو نہیں جس سے بچپن میں میرا تعارف ہوا تھا کیونکہ اس خدا کی ایک ماں بھی ہے اور اس کا نام ہے موت۔ موت کے خوف ہی نے خدا کے تصور کو جنم دیا اور اب خدا کا ڈر کروڑوں لوگوں کے لیے ایک جنون بن کر رہ گیا ہے۔

ایک اور بات جسے گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے واضح کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا بیشتر احوال ہم تک صرف ایک کتاب کے ذریعے پہنچا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے سیرت الرسول اور اس کے مصنف ابن اسحاق ہیں۔ ابن اسحاق کی کتاب تو امتداد زمانہ کی نذر ہو گئی لیکن ان کی موت کے فوراً بعد ابن ہشام نامی ایک شخص نے اس کتاب کے بچے کھچے حصوں کو یکجا کیا اور پیغمبر اسلام کی سوانح کو رہتی دنیا کے لیے محفوظ کر لیا۔ احادیث کی جو کتابیں اسلام کا ایک بہت ہی اہم اور لازمی جزو بن کر رہ گئی ہیں، یہ پیغمبر اسلام کی وفات کے لگ بھگ دو سو سال بعد لکھی گئیں۔ سیرت الرسول میں نبی کے زندگی کے بیشمار پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا تھا اور اسی کے مطالعے کے دوران ایک نام میری دلچسپی کا محور بن گیا۔ یہ نام تھا نضر بن حارث کا جو قریش کے ایک اہم آدمی تھے۔ سیرت النبی کے مصنف کے بقول نضر بن حارث قریش کے شیاطین میں سے ایک تھا۔ نضر بن حارث پیغمبر اسلام کے دعوے کو شروع ہی سے جھوٹ خیال کرتے تھے اور انہوں نے بار بار پیغمبر اسلام کے دعوائے نبوت کو چیلنج کیا۔ جب بھی قریش کے لوگ محمد بن عبد اللہ کے نئے مذہب اور اس کے مکہ کے معاشرے پر ممکنہ اثرات کے بارے میں بات کرنے بیٹھتے تو نضر بن حارث ہمیشہ وہاں موجود ہوتے اور زور و شور سے محمد کی مخالفت کرتے۔ قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو لالچ دے کر نیا مذہب ایجاد کرنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانے دھمکیاں بھی دیں لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ اہل قریش کے ساتھ محمد کی ملاقاتوں میں نضر بن حارث بار بار کہتے کہ جو کہانیاں محمد سناتا ہے میں ان سے کہیں بہتر کہانیاں سنا سکتا ہوں۔ ثبوت کے طور پر وہ پرانی کہانیوں کو نظم کی شکل میں سنایا بھی کرتے تھے کیونکہ وہ بھی صاحب علم تھے دور دراز کا سفر کر چکے تھے اور بہت سی قدیم داستانیں انہیں ازبر تھیں۔ اسی علم کی بنیاد پر وہ پیغمبر اسلام کی کہانیوں کو بھی چیلنج کرتے تھے کہ یہ ادھر ادھر سے سنی ہوئی کہانیاں تمہیں سنا کر خود کو نبی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ قریش والے النضر بن حارث کی بات پر یقین رکھتے تھے اور محمد کے ہاتھوں پریشان

تھے۔ کئی مواقع پر نضر بن حارث نے پیغمبر اسلام کو کھری کھری سنائیں لیکن اس دشمنی کا عروج سورہ کہف کی کہانی میں ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نضر بن حارث کو مکہ والوں نے مدینہ کے کچھ یہودیوں کے پاس بھیجا جو پرانی آسمانی کتابوں پر عبور رکھتے تھے ان کے ساتھ قریش کا ایک اور اہم سردار عقبہ بن المعیط بھی تھا۔ انہیں یہ ذمہ داری دی گئی تھی کہ یہ یہودی علما سے محمد کے دعوے کا توڑ معلوم کریں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں نے جب یہودی علما سے محمد کا ماجرا کہہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اس سے تین سوال پوچھو۔ اگر اس نے ان تینوں کے جواب دے دیئے تو سمجھو کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور اگر نہ دے سکا تو سمجھو کہ اس کا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ یہ تین سوال کچھ یوں تھے۔

(1) جو نوجوان زمانہ قدیم میں غائب ہو گئے تھے ان کا احوال کیا ہے (کون تھے کتنے تھے کہاں سے آئے تھے کہاں گئے وغیرہ)؟

(2) جس عالی قدر شخص نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اس کی کہانی کیا ہے؟

(3) روح کیا ہوتی ہے؟

نضر بن حارث اور عقبہ بن المعیظ ان سوالوں سے لیس واپس مکہ پہنچے تو پیغمبر اسلام کو قریش کی میٹنگ میں طلب کیا گیا اور یہ تین سوال ان کے سامنے رکھے گئے۔ پیغمبر اسلام نے کہا کہ وہ اپنے خدا سے جبرئیل کے ذریعے یہ سوال پوچھیں گے اور اگلے روز میٹنگ میں ان کے جواب پیش کریں گے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اسلام نے انشااللہ نہیں کہا تھا۔

سیرت النبی میں درج ہے کہ پیغمبر اسلام اگلے روز میٹنگ میں نہیں گئے۔ بلکہ دو ہفتے تک قریش کے طعنوں کے باوجود ان کے اجلاس میں پیش ہو کر ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے۔ اس تاخیر کی وجہ سیرت النبی کے مصنف کے نزدیک یہ ہے کہ اس دوران وحی موقوف ہو گئی تھی، یعنی جبرئیل غائب ہو گئے تھے کیونکہ حضرت محمد انشااللہ کہنا بھول گئے تھے۔ خیر دو ہفتے بعد جب پیغمبر اسلام میٹنگ میں پیش ہوئے تو انہوں نے قرآن کی ایک نئی سورہ پیش کی، اس سورہ کو ہم آج سورہ کہف کے نام سے جانتے ہیں۔

سورہ کہف میں پیغمبر اسلام نے قریش کی طرف سے پیش کیے گئے سوالات کا جواب دیا تھا لیکن مجلس میں موجود لوگ ان جوابات سے مطمئن نہ ہوئے اور محمد بن عبد اللہ کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا۔ اس واقعے کے بعد پیغمبر اسلام نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی ٹھان لی۔

قریش نے جس بنیاد پر ان جوابات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ بہت دلچسپ ہیں۔ قریش نے مشرق ومغرب جانے والے جس شخص کا پتہ پوچھا تھا وہ سکندر اعظم تھا جسے دنیا کا فاتح بھی مانا جاتا ہے، سکندر کا ایک تاریخی نام ذوالقرنین بھی ہے۔ قریش کے نزدیک محمد نے جس ذوالقرنین کی کہانی سنائی تھی وہ سکندر اعظم نہیں بلکہ کوئی نبی تھا۔ (سورہ کہف میں یہ ذکر بھی ہے کہ ذوالقرنین چلتا چلتا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سورج غروب ہوتا ہے اس نے دیکھا کہ یہ ایک کیچڑ بھرے گدلے تالاب میں ڈوبتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک بھی پہنچا۔ قرآن کی حقانیت پر اٹھنے والے بے شمار اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج تو کہیں ڈوبتا ہی نہیں اور دنیا گول ہے ایسے میں قرآن کی اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام اور ان کے خدا کو زمین کے گول ہونے کا پتہ ہی نہیں تھا)۔

قریش کے دوسرے سوال کا جواب پیغمبر اسلام نے سورہ کہف میں موجود اصحاب کہف کی کہانی کی صورت میں دیا۔ اس جواب کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں یہ تک نہیں بتایا گیا کہ وہ کون تھے حتی کہ یہ کہ ان کی تعداد کیا تھی۔ قرآن میں تعداد کے حوالے سے سوال کا جواب بہت مشکوک ہے۔ آپ بھی دیکھیں؛

"لوگ کہیں گے وہ تین تھے، اور چوتھا ان کا کتا، وہ کہیں گے وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا، وہ ان دیکھی کے اندازے لگائیں گے اور کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا، کہہ دو (اے محمد) کہ میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے چند کے سوا کوئی ان کے بارے میں نہیں جانتا۔" آپ نے دیکھا کہ کس خوبصورتی سے سوال کو ٹال دیا گیا۔ قریش کا کہنا تھا کہ اگر محمد کا دعویٰ درست ہے تو وہ اصحاب کہف کی تعداد کیوں نہیں بتا سکے۔ اور جیسا کہ خود ان کی آیات میں لکھا ہے کہ خدا ان کی تعداد سے خوب واقف ہے تو خدا نے ایک ہی بار اپنے نبی کو وہ تعداد بتا کر قصہ ختم کیوں نہ کر دی۔ خدا نے البتہ اتنا ضرور کر دیا کہ اصل کہانی کے برعکس ان کے ساتھ ایک کتا بھی روانہ کر دیا اور مزے کی بات یہ کہ کتا یوں تو اسلام مین نہایت پلید جانور مانا جاتا ہے اصحاب کہف کا کتا ایک برگزیدہ کتے کا درجہ رکھتا ہے، اور جواب میں دو ہفتے کی تاخیر کا سبب تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں؛ محمد صاحب انشاللہ کہنا بھول گئے تھے۔

سورہ کہف کی بات مختصر کرتا ہوں۔ محمد صاحب کے دیئے گئے جوابات قریش کے لوگوں نے مسترد کر دیئے اور نضر بن حارث کے لیے ان کے دل میں نفرت ہمیشہ کے لیے پختہ ہو گئی۔ یاد رہے کہ سورہ کہف پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گا کہ تیسرے سوال کا جواب پیغمبر اسلام نے بالکل گول کر دیا اور وحی میں تعطل کی وجہ بھی سورہ الکہف ہی میں یہ کہہ کر گویا چپکے سے کہہ دی کہ جب بھی کوئی بات کہو تو انشااللہ ضرور کہا کرو۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس موقع پر امام حسن کے ایک کتے کا ذکر بھی آیا تھا جس کی پلیدی کے باعث جبرئیل اتنا عرصہ دور رہا لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت مجھے نہیں مل سکا اور یوں بھی سورہ کہف کے نزول کے وقت علی اور فاطمہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، سو وہ قیاس یقیناً غلط ہے۔

جب بدر کا میدان سجا اور قریش کا سامان تجارت لوٹ کر، بہت سوں کو قتل کر کے باقیوں کو یرغمال بنالیا گیا تو اس میں نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط بھی موجود تھے۔ قید کیے گئے لوگوں کو تاوان لے کر رہا کیا گیا لیکن "سیرت الرسول" ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ بدر سے مدینہ واپسی کے دوران عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ ان دونوں کے علاوہ قید کیے گئے تمام لوگوں کو تاوان لے کر رہا کر دیا گیا تھا۔ یہی دونوں کیوں سزا کے قابل ٹھہرے فیصلہ آپ خود کیجیے۔

یہی کتاب ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ نضر بن حارث کا سر اڑانے والا کوئی اور نہیں رسول اسلام کا چہیتا بھائی علی تھا۔ حضرت علی کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ سترہ سال رہی ہو گی جب انہوں نے اپنے ہاتھ سے محمد صاحب کے دیرینہ دشمن کو زندگی کی قید سے آزاد کیا۔ میرے لیے اس سارے قصے میں جو سب سے بڑا سبق تھا وہ یہی تھا کہ نبوت کے دعوے کی سچائی یا جھوٹ سے قطع نظر، اگر پیغمبر اسلام جنہیں ہمارے سامنے ایک معصوم اور غلطی سے پاک ذات بنا کر پیش کیا جاتا ہے اگر کسی سے خفا ہوتے تو پھر سر اڑانے سے کم پر راضی نہ ہوا کرتے۔ تاریخ کا مطالعہ کیجیے آپ کو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جنہوں نے پیغمبر اسلام کو خفا کیا اور ان کا سر سلامت رہا۔ (ایسے لوگوں میں سے کچھ تو سراسر خوش قسمت تھے جبکہ کچھ ایسے تھے جنہیں بہت غصہ دکھانا خود پیغمبر اسلام کے لیے نقصان دہ ہو سکتا تھا)۔

ہمیں سورہ کہف کی شان نزول جان کر یہ تو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کو مکی زندگی میں حد درجہ تذلیل بھی دیکھنا پڑی اور صاف ظاہر ہے کہ تذلیل برداشت کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں لیکن ذرا ٹھہریئے یہاں ہم کسی عام آدمی کی بات نہیں کر رہے بلکہ یہاں ایک ایسی ہستی کی بات ہو رہی ہے جسے تمام دنیاؤں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا، جس کی سخاوت، نرم خوئی اور صبر و برداشت کی ایک دنیا آج بھی گرویدہ ہے۔

تاریخ اسلام کے تفصیلی مطالعے سے ایک بات مجھ پر پوری طرح کھل گئی کہ پیغمبر اسلام اپنے دشمنوں کو آسانی سے بخشنے والے نہیں تھے۔ ان کی نرم خوئی اور برداشت کی، تقریباً سبھی کہانیاں اس وقت کی ہیں جب وہ مکہ میں تھے اور دشمن ان سے طاقتور تھا اور جوں ہی وہ مدینہ پہنچے اور مسلمانوں کو طاقت ملی انہوں نے اپنے پرانے دشمنوں کو چن چن کر مار دیا۔ اور جن کو بخش دیا وہ ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ پیغمبر اسلام کی جو تصویر ہمیں روزمرہ کی تعلیمات میں دکھائی جاتی ہے وہ ایک مجسم عدل و احسان شخصیت کی ہے لیکن مجھے لگا کہ شاید ایسا نہیں تھا۔

میں نے اسکول کے زمانے میں رسول اسلام کی عفو و درگزر کی جس صفت کا ذکر پڑھا تھا اس میں دو واقعات خصوصاً نمایاں تھے؛ ایک ابو جہل کا پیغمبر اسلام کی پشت پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالنے کے باوجود پیغمبر کا خاموشی سے سہہ لینا، دوسرا ایک عورت کا محمد صاحب کے راستے میں کوڑا کرکٹ پھینکنا اور رسول کی اس پر شفقت اور تیسرا طائف میں بدسلوکی کے باوجود اللہ سے سفارش کرنا کہ طائف کے لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس نہ دے۔ اب ان تینوں واقعات کا انجام بھی ملاحظہ کیجیے۔ جو تذکرہ مجھے مل سکا اس کے مطابق جب پیغمبر اسلام نے اس کے کوڑا نہ پھینکنے پر اس کا پتہ کیا اور اس کی عیادت کی تو وہ مسلمان ہو گئی۔ اس عورت کا نام کیا تھا؟ اس کی عمر کیا تھی؟ اس قسم کے سوالوں کے جوابات مجھے کہیں نہیں مل سکے لیکن امر ابن ہشام جسے رسول اسلام طنز سے ابو جہل کہا کرتے تھے اور یہی نام آج تک مسلمان استعمال کرتے آ رہے ہیں جنگ بدر کے دوران قتل کر دیا گیا۔

طائف کے لوگوں کا انجام طائف کے محاصرے کی کہانی میں موجود ہے جہاں کئی ماہ تک شہر کا محاصرہ کر کے کھانے پینے کی اشیا، طائف کے لوگوں کے انگور کے باغات اور ان کے جانور قبضے میں کر لیے گئے۔ جب شہر کے لوگوں نے پیغام بھیجا کہ ہم شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے ہمیں صرف اپنے خداؤں کی عبادت جاری رکھنے کی اجازت دے دی جائے تو پیغمبر اسلام نے صاف انکار کر دیا۔ اور انہیں غیر مشروط طور پر شہر کو مسلمانوں کے حوالے یا مرنے کے لیے تیار ہونے کو کہا گیا۔ طائف کے ایک بڑے قبیلے بنو حزوان کے سربراہ مالک کو لالچ دیا گیا کہ اگر وہ اپنے شہر کے لوگوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مل جائے تو اسے اور اس کے خاندان کے لوگوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا اور انہیں اپنی جائداد رکھنے کی بھی اجازت دے دی جائے گی۔ یوں طائف کے لوگوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ اپنا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں جنھوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ان کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ جب مکہ فتح کیا گیا تو رسول اکرم نے لوگوں کو عام معافی دے دی اور کسی کو سزا نہیں دی گئی حتیٰ کہ ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا گیا جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، لیکن ہمیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ابوسفیان پیغمبر

اسلام کی ایک بیوی میمونہ بنت حارث کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ ہمیں یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ جب مکہ فتح ہوا تو پیغمبر اسلام نے دس افراد کے ناموں کی فہرست اپنے سپاہیوں کو دی کہ یہ لوگ اگر کعبہ کے غلاف میں بھی پناہ لیں تو بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان دس لوگوں میں سے ایک نام رسول کے ایک پرانے ساتھی عبداللہ ابن سعد کا بھی تھا لیکن اس کی کہانی بیان کرنے کا یہاں محل نہیں۔ اگر کسی پڑھنے والے کو دلچسپی ہو تو بتایئے گا میں ایک مضمون اس پر بھی تحریر کر دوں گا۔

دوسری طرف مدینہ میں رسول اسلام کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو کعب بن اشرف، ابورفیع، ابن سنینہ، اسما بنت مروان اور ایک سو بیس سال عمر کا ایک بوڑھا ابو افک ان کے غصے کی بھینٹ چڑھنے والے سینکڑوں ناموں میں سے چند ہیں۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ عمر کے ساتھ مزاج میں ٹھہراؤ آجاتا ہے، لوگ اپنے غصے پر قابو پانا سیکھ لیتے ہیں، نسبتاً نرم مزاج ہو جاتے ہیں لیکن پیغمبر اسلام کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ وہ مکہ میں قیام کے دوران تو بہت حلیم مزاج اور درگزر کرنے والے شخص تھے لیکن جب ہاتھ میں طاقت آئی تو عفوودرگزر کی کہانیاں قصہ پارینہ بن گئیں؟

آخر میں ایک واقعہ درج کرتا ہوں جو بہت کم مسلمانوں نے سن یا پڑھ رکھا ہو گا۔ عرینہ کے دو باشندے مدینہ آئے۔ انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی تو رسول اللہ نے انہیں کہا کہ وہ اونٹوں کے باڑے میں رہیں اور اونٹنی کا دودھ اور پیشاب پئیں تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اس جگہ رہنے چلے گئے جہاں اونٹ رکھے جاتے تھے اور کچھ ہی وقت میں بھلے چنگے ہو گئے۔ ان دو آدمیوں نے باڑے کے گڈریے کو قتل کر دیا اور اس کے اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ کو پتہ چلا تو انہوں نے ان دونوں کی تلاش میں لوگ روانہ کیے جو دوپہر کے وقت انہیں تلاش کر کے لے آئے اور رسول کیؐ خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ اور پاوں کاٹ دیئے جائیں اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سوئیاں پھیر کر اندھا کر دیا جائے۔ ایسا کرنے کے بعد حکم دیا کہ انہیں صحرا میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ دونوں کو تپتے صحرا میں پھینک دیا گیا۔ یہ لوگ پانی مانگتے رہے لیکن کسی نے انہیں پانی نہیں دیا اور وہ تڑپ تڑپ کر وہیں مر گئے۔ (سیرت از ابن اسحاق اور صحیح بخاری، حصہ دوم حدیث نمبر 577)

مجھے ہمیشہ سے محسوس ہوتا تھا کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے یا قتل پر سر قلم کرنے کی سزائیں بہت وحشیانہ ہیں لیکن اس واقعے میں بات محض سر قلم کرنے یا ہاتھ یا پاؤں کاٹنے تک محدود نہ رہی، دونوں اشخاص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، انہیں اندھا کیا اور پھر صحرا میں پھینک دیا گیا۔ کیا اسلام میں قتل کی یہی سزا ہے؟ تمام دنیاوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے نبی سے اس شقاوت قلبی کی توقع کی جاسکتی ہے؟ میں تو نہیں کر سکتا تھا لیکن پھر میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کر لیا۔

میں نے جب سے اپنی داستان لکھنا شروع کی ہے؛ آپ میں سے بہت سے دوستوں نے بہت ہتک آمیز اور نفرت بھرے انداز میں میری بات کو ٹھکرایا ہے، بہت سے دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے کھلے دل سے میری بات کو مانتے ہوئے دلیل سے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں اور میری دین اسلام کی سمجھ ناقص ہے۔ کچھ دوست ایسے بھی ہیں جو ایک طرح سے اس سفر میں میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ یہ بھی میری طرح مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور مذہب ان کے رگ و پے میں بھی رچا بسا ہے لیکن سوالات انہیں بھی میری طرح پریشان کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اپنا جواب پا چکے ہیں اور کچھ اب بھی تنکوں کا سہارا لے کر کوئی ایسا جواز ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اپنے آباواجداد کے عقیدوں سے چمٹے رہیں۔ دو تین دوست ایسے بھی ہیں جو نہ صرف میری کیفیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ وہ اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے سوال بھی مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں کہ میں نے ان کی نسبت مذہب کا زیادہ مطالعہ کر رکھا ہے شاید میں ان کی مدد کر سکوں۔ ایسے ہی ایک دوست نے یہ پیغام بھیجا ہے ان کا نام ظاہر ہے، نہیں لکھ سکتا ان کا سوال حرف بحرف نقل کر رہا ہوں:

"بھائی اب تو حالت خراب ہو گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ پہلے کھانا کھانے سے پہلے دعا پڑھتا تھا، رات کو سونے سے پہلے دعا، صبح اٹھ کر دعا، قبرستان سے گذرنے کی دعا، یہاں تک کہ سگریٹ پینے سے پہلے بھی بسم اللہ پڑھتا تھا کہ نقصان کم ہو گا۔ اب یہ سوال دل میں اٹھتا ہے کہ یہ سب کام کن کلمات سے شروع کروں۔ چلیں یہ تو کچھ اپنی آجکل کی آپ بیتی تھی۔ میں آج پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ آخر کیا وجہ تھی کہ محمد کو وحی اور نبوت کا دعوی کرنا پڑا، یہ ساری گیم آخر شروع کیسے ہوئی، اس کی وجوہات کیا تھیں اور اگر یہ واقعی کوئی گیم تھی تو اتنی کامیاب کیسے ہو گئی؟"

اب میں اس کے جواب کی طرف آتا ہوں۔

میرے محترم دوست! میرا مقصد آپ کو کسی مشکل میں گرفتار کرنا ہرگز نہیں تھا اور میری اس تحریر سے اگر آپ کے دل و دماغ میں کوئی ہلچل ہوئی ہے تو اس کا مطلب میں یہی لیتا ہوں کہ آپ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے بڑوں کے پیچھے چلنے والوں میں سے نہیں بلکہ ایک ذہین آدمی ہیں اور ذہین لوگوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اگر کوئی عقیدہ بھی رکھیں تو اس کے پس پردہ بھی ایک عقلی و فکری جستجو شامل رہے آپ کا سوال بہت اہم ہے اور میرے لیے بھی مدتوں پریشانی کا باعث رہا۔ آج سے کوئی پندرہ برس پہلے پاکستان کے ایک بڑے سفارت کار اور استاد کی بنائی ہوئی ایک فلم "لونگ اسلام" دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے طرز زندگی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ فلم ایک مسلمان فلم ساز کی بنائی ہوئی تھی سو اس میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے معمولات اور طرز زندگی میں اختلاف پر

روشنی ڈالنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی بلکہ ایک طرح سے اسلام کو گلوریفائی کیا گیا تھا۔ میں نے اس فلم کو کسی اور نگاہ سے دیکھا۔

مجھے ابتدا ہی سے اس سوال سے گہری دلچسپی رہی ہے کہ ہندوستان میں جہاں حجاج بن یوسف جیسے طاقتور حکمران کی فوجیں محمد بن قاسم کی سربراہی میں قتل و غارت تو کر گئیں لیکن لوگوں کے دلوں کو تسخیر نہ کر سکیں، وہاں صوفی بزرگوں نے اسلام کو کیونکر اتنا پھیلا دیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ جو لوگ تلوار کی طاقت کے زور پر ایک مذہب قبول کرنے پر مزاحمت کرتے رہے وہ ان بزرگوں کے سامنے موم کی گڑیاؤں کی طرح پگھل گئے۔

اس سوال کا جواب مجھے کلچر یعنی ثقافت کی صورت میں ملا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت نے صوفیان کرام کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ جب اسلام محمد بن قاسم کی صورت میں یہاں پہنچا تو مقامی لوگوں کو اس میں کوئی کشش دکھائی نہ دی۔ صوفیائے کرام کے پھیلائے ہوئے اسلام اور محمد بن قاسم کے اسلام میں مجھے جو بنیادی فرق معلوم ہوا وہ ثقافت کا تھا۔ ہندوستان دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ایک تھا اور یہاں کے مقامی کلچر یا ثقافتیں آپس میں مختلف ہونے کے باوجود چند چیزوں میں بہت ملتی جلتی تھیں ان میں سر فہرست موسیقی تھی۔ ان کے سب سے بڑے مذہب ہندومت میں موسیقی اور ناچ دو بہت ہی بنیادی اجزا تھے۔ صوفی بزرگوں نے اسلام کو مقامی ثقافتوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اسلام میں موسیقی کو داخل کیا جس کی ابتدائی شکل قوالی کی تھی۔ ہندو مذہب میں کفر کا کوئی تصور موجود نہ تھا جبکہ عرب سے آنے والے مذہب اسلام میں توحید کا سوال مرکزی تھا۔ ہندومت میں رنگا رنگ دیویاں دیوتائیں اور اوتار خدا کے سامنے ایک عام آدمی کی سفارش کرنے کو موجود تھے لیکن عرب اسلام میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہ تھی۔ دوسری طرف مقامی رہن سہن میں جو بہت بڑے بڑے عیب موجود تھے ان میں سے ایک ذات پات کا نظام تھا جس نے کروڑوں لوگوں کو ہمیشہ پستی اور ذلالت کی گہرائیوں میں دفن رکھا۔ جونہی صوفیا نے اسلام کو مقامی ثقافتوں کے قریب لایا معاشرے کے وہ تمام پسے ہوئے طبقات جنہیں غلطی سے گیتا کے چند حروف سن لینے کی پاداش میں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالے جانے جیسی اذیت ناک سزا دی جاتی تھی، یکایک اس نئے مذہب کی طرف مائل ہونے لگا جو ان کے مذہب سے ملتا جلتا تھا لیکن اس میں بڑے چھوٹے، اعلیٰ ذات اور نیچ ذات کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ہندوستانی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسلمان بزرگ پسے ہوئے لوگوں کو جنہیں مقامی معاشرے میں نیچ سمجھا جاتا تھا اپنے برابر جگہ دیتے اور ان کی عزت نفس بحال کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہندوستانیوں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا۔

ہندوستان میں ہندومت کے زوال، سکھ ازم کی پیدائش اور اسلام کی ترویج میں یہی عوامل کارفرما ہے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر عوامل تھے بھی تو انہیں مرکزی حیثیت حاصل نہیں۔

اب ہم واپس آتے ہیں اپنے سوال کی جانب۔ میں کسی پچھلی قسط میں ذکر کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک پیغمبر اسلام نے جب نئے مذہب کی بنیاد ڈالی تو ان کا مقصد شاید ایک بالکل نیا مذہب قائم کرنا نہ تھا بلکہ وہ اسے یہودیت اور عیسائیت کا تسلسل ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں تاریخ سے ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ انہیں عیسائیوں سے کہیں زیادہ دلچسپی یہودیوں سے تھی کیونکہ جزیرہ نما عرب میں یہودی قابل لحاظ مال و دولت اور زمین کے مالک تھے۔ مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اسلام نے یہودیوں کو خوش کرنے کی بہت کوشش کی اور اپنا راستہ صرف اسی وقت الگ کیا جب یہودیوں کی طرف سے مایوس ہو گئے۔

اب رہی یہ بات کہ اسلام کی ابتدا میں حضرت محمد کے کیا ارادے تھے تو میں نے جس قدر بھی اسلام، قرآن اور سیرت النبی کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان سب سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پیغمبر اسلام پہلے پہل مکہ اور اس کے گردونواح میں اسلام پھیلانے تک ہی محدود تھے لیکن جب مدینہ میں جا کر انہوں نے طاقت حاصل کر لی اور اس طاقت کے بل پر مکہ بھی فتح کر لیا تو ان کے عزائم بدل گئے اور اب ان کی نظر پورے جزیرہ نما عرب کی طرف ہو گئی۔ اس موقع پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کا مذہب پورے جزیرہ نما عرب کا مذہب ہو گا۔

جب پیغمبر اسلام کی وفات ہونے والی تھی تو انہوں نے اپنے پیروکاروں کے لیے جو حکم جاری کیا اس کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ ابن عباس نے بتایا کہ رسول اکرم نے تین چیزوں کا حکم دیا؛ ایک یہ کہ تمام کفار کو خطہ عرب سے بے دخل کیا جائے، غیر ممالک کے وفود کی عزت کی جائے اور انہیں تحائف دیئے جائیں (جیسے میں کیا کرتا تھا) اور تیسری بات ابن عباس کو یاد نہ رہی۔ (صحیح بخاری کتاب 59 حدیث 716)

قرآن کے پیغام کے مکہ اور ارد گرد کے علاقوں تک محدود ہونے کا ثبوت ہمیں خود قرآن میں موجود ملتا ہے۔ یہ آیات ہمیں صاف بتا رہی ہیں کہ نبی نے بار بار اپنی قوم کو بتایا کہ ہر قوم کے لیے پیغام ان کی زبان میں بھیجا جاتا ہے اور قرآن مکہ اور اس کے ارد گرد بسنے والوں کے لیے ان کی اپنی زبان عربی میں بھیجا گیا ہے ایک ایسے رسول کے ہاتھ جو ان کی اپنی زبان بولتا ہے تاکہ انہیں کھول کر سمجھا سکے۔ میں یہاں صرف آیات کا ترجمہ اور حوالہ نقل کر رہا ہوں انہیں پڑھ کر اپنا ذہن خود بنا لیں کہ قرآن لکھنے والے کے ذہن میں یہ خیال تھا یا نہیں کہ اسے اسلام پوری دنیا تک پہنچانا ہے۔

(سورہ الزخرف، آیت نمبر 3) "بے شک ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔"

(سورہ االانعام آیت نمبر 156-155)"ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پورا فضل نیکی والے پر اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور (مہر رحمت) شاید وہ لوگ اپنے رب کا ملنا یقین کریں۔ اور ایک یہ کتاب ہے (قرآن) کہ ہم نے اتاری برکت کی سو اس پر چلو اور بچتے رہو شاید تم پر رحم ہو۔ اس واسطے کہ تم یہ نہ کہو کہ کتاب غیروں پر اتری تھی ہم سے پہلے (یعنی اللہ تعالی نے موسیٰ کو مکمل کتاب دے کر بھیجا تھا لیکن وہ غیر زبان میں تھی اور کہیں تم یہ نہ کہو کہ تم اس کا پیغام سمجھ نہیں سکے سو ہم نے تمہارے لیے یہ کتاب بھیج دی۔"

(سورہ الشوریٰ آیت نمبر 7)"اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی کی تاکہ اپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ارد گرد رہتے ہین ڈر سنا سکیں اور آپ قیامت کے اس دن کا خوف دلائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہو گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں۔"

(سورہ الاانعام آیت نمبر 92)"اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی سچ بتاتی اپنے اگلوں کو ار تاکہ تو ڈرائے اصل بستی (مکہ) کو اور آس پاس والوں کو۔"

(سورہ ابراہیم آیت نمبر 4)"اور ہم نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جو اپنی قوم کی زبان نہ بولے تاکہ ان کے آگے ہر چیز کھول کر سمجھا سکے۔"

مجھے یقین ہے کہ پیغمبر اسلام اگر آج آکر اپنے مذہب کا پھیلاؤ دیکھتے اور اس کی رنگارنگیاں مختلف فرقوں اور علاقوں میں دیکھتے تو خود بھی حیران رہ جاتے۔

مجھے یاد ہے بچپن میں کبھی کھانا کھانے بیٹھتے تو بات بات پر ماں کی جھڑکیاں سننے کو ملتیں۔ اپنی پلیٹ خالی کرو۔ رزق زمین پر مت گراؤ، دیکھنا کہیں زمین پر گرے روٹی کے ٹکڑے پر پاؤں نہ پڑ جائے، رزق کی توہین کرنے سے رزق میں کمی ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح رمضان کے مہینے میں لیکچر ملتا۔ روزہ رکھو تاکہ تمہیں احساس ہو سکے کہ غریب بھوکے پیٹ کیسا محسوس کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ اس نے تمہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب کیا دنیا میں کروڑوں لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر زندہ ہیں؛ ایسے جملے سن سن کر کان پک گئے تھے لیکن امی کبھی انہیں دہرانے سے چوکتی نہیں تھیں۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ مجھے وہ قصہ سنانے بیٹھ گئیں جس میں کسی شخص نے ایک پتھر توڑا تو دیکھا اس کے اندر ایک کیڑا موجود تھا جس کے منہ کے آگے ایک سبز پتہ رکھا ہوا تھا۔"دیکھا وہ رازق کس طرح پتھر میں کیڑے کو بھی رزق مہیا کرتا ہے، اس لیے کہ اس نے ہمارے رزق کی ذمہ داری لے رکھی ہے"، امی کی باتیں جاری تھیں لیکن میرا

ذہن کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ میں نے اپنی کہانی کی ابتدا میں کہیں ایک لڑکے کا ذکر کیا تھا جو ہمارا ہم عمر تھا لیکن ہمارے اسکول میں چپراسی کا کام کیا کرتا تھا۔ اس غریب کو کتنا رزق ملتا تھا میں کئی بار اپنی نظروں سے دیکھ چکا تھا۔ جب ہم آدھی چھٹی کے وقت ٹافیاں خرید رہے ہوتے تو وہ دور کھڑا ہمیں کینٹین کے کاونٹر پر جمع دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں صاف بتاتی تھیں کہ جو ایک روپیہ ہم ٹافیوں پر خرچ کر رہے ہیں اس سے وہ روٹی خرید سکنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ امی کے پاس اس بات کا جواب تو نہیں تھا کہ کیڑے کو پتھر میں رزق پہنچانے والے خدا کو فٹ پاتھوں پر رینگتے کوڑھ کے مارے بھکاری کیوں دکھائی نہیں دیتے لیکن یہ سوال ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ جب بڑا ہوا اور لوگوں سے بات کرنے کی ہمت پیدا ہوئی تو ایک مولانا سے یہی بات پوچھی۔ موصوف نے ساری بات ہی پھیر دی۔ ارے میاں یہ سب لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں، اللہ تعالی تو قرآن میں فرماتا ہے جو جتنی کوشش کرے گا اسے اتنا ہی ملے گا۔ میں ابھی اس ذہنی بلوغت کو نہیں پہنچا تھا کہ مولانا سے مزید الجھ سکتا لیکن اس دن ایک بات میرے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ گئی اور وہ یہ تھی کہ مسلمان (یا کسی بھی مذہب کے ماننے والے) اپنے خدا کے بیان میں غلطی کی کوئی نہ کوئی تاویل گھڑ لیتے ہیں۔ یہ تاویلیں بعض اوقات خاصی معقول بھی ہوتی ہیں لیکن زیادہ تر اس قدر احمقانہ اور بچکانہ ہوتی ہیں کہ سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ اگر آپ حدیث میں کسی خرابی کی طرف اشارہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ بعض احادیث کمزور ہیں۔ اگر آپ سیرت النبی میں لکھی کسی بات کا حوالہ دیں گے تو کہا جائے یہ کتابیں تو انسانوں نے لکھی ہیں وغیرہ۔ مسلمانوں کے تاویلات گھڑنے کا یہ سبق لے کر مجھے یہی پتہ چلا کہ قرآن میں کسی اونچ نیچ کا جواب کوئی مسلمان نہیں دے پائے گا۔ وہ تاویلیں گھڑنے کی کوشش تو کریں گے لیکن اس میں گنجائش بہت کم رہ جائے گی۔ جب میں نے قرآن تفصیل سے پڑھا تو کچھ باتیں جو اس میں درج تھیں مجھے چونکا گئیں۔ ذوالقرنین کے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچنے کی کہانی میں پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن جس چیز نے مجھے بہت حیران کیا وہ اللہ کا یہ دعویٰ تھا کہ اسے ہر چیز کا علم ہے اور یہ کہ جس چیز کا علم خدا کے پاس ہے انسان کے پاس ہو ہی نہیں سکتا۔ میرے لیے یہ بات اچنبھے کا باعث تھی کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میری طرح ہر انسان کی فطرت میں تجسس کا عنصر پایا جاتا ہے جو اسے معاملات کی تہہ تک پہنچنے پر اکساتا رہتا ہے ایسے میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان نئے علوم اور نئی دنیائیں دریافت نہ کرے۔ سورہ لقمان کی آیت نمبر 34 میں لکھا ہے؛ بے شک صرف اللہ جانتا ہے قیامت کب آئے گی، وہی بارش برساتا ہے کسی کو یہ علم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا نہ کسی شخص کو یہ علم ہے کہ اس کی موت کہاں واقع ہو گی۔ اسی طرح سورہ الرعد آیت نمبر 8 میں درج ہے؛ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے اور رحم جس قدر سکڑتے اور جس قدر بڑھتے ہیں اور ہر چیز اس کے ہاں مقرر حد کے ساتھ ہے۔ جب کسی عالم سے یہ پوچھا جائے

کہ جناب پیغمبر اسلام کے زمانہ میں تو ٹھیک ہے کہ صرف خدا ہی بتا سکتا تھا کہ کسی کے ہاں بیٹا ہو گا یا بیٹی لیکن آج کل تو دو چار سو روپے کا الٹرا ساونڈ ٹیسٹ بتا دیتا ہے کہ ہونے والے بچے کی جنس کیا ہے، یہ دعویٰ تو غلط ہو گیا کہ صرف اللہ ہی کو بچے کی جنس کا علم ہے تو بہت عجیب تاویلات سننے کو ملیں گی۔ ایک صاحب نے فرمایا تم آیت کی روح کو نہیں سمجھ سکے اللہ تعالی فرما رہا ہے کہ صرف مجھے معلوم ہے کہ جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہے، وہ پیدا ہو کر کیسا نکلے گا وہ نیک ہو گا یا بد زندگی میں اچھائی کرے گا یا برائی وغیرہ۔ مولانا صاحب کا دیا ہوا یہ ٹوئسٹ میری سمجھ میں تو نہیں آیا لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ باتیں صرف ایمان والوں کو سمجھ آسکتی ہیں۔ ایمان والوں کو کیوں سمجھ آسکتی ہیں اور مجھے کیوں نہیں تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے ایمان والے پہلے کتاب کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں پھر پڑھتے ہیں کہ کتاب میں لکھا کیا ہے اور یہ کام ہم جہلا کے بس کا ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالی کے نام سے قرآن میں کیے گئے دعوے ہزاروں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں کہ پہلے ہی غلط ثابت ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے مسلمان دوست اصرار کرتے ہیں کہ قرآن کا ایک ایک حرف دائمی سچ ہے۔ قرآن میں جو بہت سے "دائمی سچ" لکھے ہیں ہیں ان میں سے ایک یہودیوں کے متعلق بھی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں بتاتا ہے کہ یہودی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اب عجیب بات یہ ہے کہ یہودی عقیدے میں ان کی کتاب تورات سے لے کر تالمود تک کسی بھی جگہ اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ حضرت عزیر کی خدا سے کسی قسم کی رشتہ داری ہے۔ انجیل میں بھی اس قسم کی کوئی بات درج نہیں۔ اگر عیسائیت کی ابتدا میں عیسائیوں او ریہودیوں کے درمیان کشمکش کو سامنے رکھا جائے تو یہودیوں کا یہ شرک سب سے پہلے عیسائیوں کو بے نقاب کرنا چاہیے تھا لیکن نہ صرف انجیل اس معاملے میں چپ ہے بلکہ حضرت عیسی نے بھی کبھی یہودیوں پر شرک کا الزام نہیں لگایا۔ ادھر سورہ التوبہ کی آیت نمبر 30 میں یہ اللہ تعالی خود یہ الزام یہودیوں پر بڑے وثوق سے لگا رہا ہے کہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

ابتدائی طور پر جب قرآن کے اس دعوے کو چیلنج کیا گیا تو عرب علما نے اس کا جواب یہ نکالا کہ یمن کے کچھ یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ذرا آیت کے مذکورہ حصے کو ایک نظر دیکھتے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہاں کم از کم مجھے تو بالکل دکھائی نہیں دیتا کہ کچھ یہودی عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اس آیت کے مطابق تو سب یہودی یا ان کا بیشتر حصہ یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کو یہودیوں کے عقائد کا درست علم نہیں تھا؟ اگر تھا تو اللہ نے قرآن میں غلط بیانی کیوں کی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ محمد صاحب کو عیسائیوں کے خلاف تو نظریہ تثلیث کا ہتھوڑا مل گیا تھا یہودیوں کے خلاف عزیر والی کلہاڑی انہوں نے خود تیار کر لی۔ اب ذرا آیئے اس

دعوے کی طرف کہ یمن کے کچھ یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ یہودی تاریخ(Encylopedia Judaica) کے مطابق یمن میں بسنے والے یہودیوں کو حضرت عزیز نے اسرائیل جانے کو کہا تو وہ مکر گئے جس پر حضرت عزیر نے انہیں لعنت ملامت کی اور وہ ان سے اس قدر خفا ہوئے کہ انہوں نے کسی بچے کا نام عزیر نہ رکھنے کا عہد کر لیا۔ اب ذرا غور کیجیے قرآن کہتا ہے کہ وہ عزیر کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے اور اس دعوے کا کوئی معمولی ثبوت بھی کہیں موجود نہیں تو کیا ہم اس دعوے کو درست مان سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے مان سکتے ہیں لیکن اسی صورت میں جب پہلے قرآن کی سچائی پر ایمان لائیں اور پھر اسے پڑھیں (اور ہاں تالمود کے حوالے سے ایک بات یاد آگئی۔ تالمود میں ایک جگہ لکھا تھا؛ جس نے ایک روح کو بچایا اس نے کل جہان کی روحوں کو بچایا اور جس نے ایک روح کو ختم کیا اس نے تمام دنیا کی روحوں کو قتل کیا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے یہ جملہ کچھ مانوس سا لگا)۔

جیسا کہ میں یہودیوں کے باب میں پہلے ذکر کر چکا ہوں محمد صاحب کی خواہش تھی کہ یہودی اور عیسائی انہیں اپنا نبی مان لیں اور قرآن کی مکی سورتوں میں آپ کو جا بجا یہودیوں اور عیسائیوں میں اچھے لوگوں کی موجودگی کا ذکر ملے گا اور ان کی کتابوں کی توصیف ملے گی۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا کہ بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ مختصراً یہ قرآن میں موجود بہت سے دعوے یکسر بے بنیاد ہیں اور اگر انہیں توجہ سے پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے حالات کے مطابق پیغمبر اسلام بھی اپنے پیغام کو ایڈجسٹ کرتے رہتے تھے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ کسی ثبوت کے بغیر عیسائیوں اور یہودیوں پر اپنی کتابیں تبدیل کرنے کا الزام جڑ دیا گیا ہے حالانکہ خود قرآن میں بھی یہ بات اس طرح نہیں کہی گئی۔ قرآن کی آیت پر جایا جائے تو اس میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ کچھ اور معنی نکل آئیں۔ عیسائیت اور یہودیت کے حوالے سے مسلمانوں کا یہ دعوی بھی یکسر احمقانہ ہے کہ ان کی کتابوں میں پیغمبر اسلام کے آنے کی پیشن گوئی موجود تھی۔ یہاں بھی بات لمبی کرنے سے گریز کروں گا اگر کوئی مسلمان دوست یہ ثابت کر سکتا ہے کہ محمد صاحب کی آمد کی خبر واقعی انجیل یا تورات میں موجود تھی تو مجھے ضرور بتائیے مجھے کہیں نہیں ملی۔

میری والدہ ایک کشادہ دل خاتون تھیں۔ ان کا تعلق تو ایک بریلوی خاندان سے تھا لیکن وہ محرم کی مجالس میں بھی جاتیں، سات یا شاید دس بیبیوں کی کہانی بھی سنتیں، اور کونڈوں کی نیاز بھی دیتیں۔ مجھے یاد ہے عاشورہ کے روز وہ ہم بچوں کو اپنے ساتھ امام بارگاہ لے جاتیں جہاں دوسرے بچوں کی دیکھا دیکھی میں بھی سینے پر ہلکی ہلکی چپتیں رسید کرتا رہتا۔ ادھر گھر میں گیارہویں کا ختم بھی ہوتا۔ ہر جمعرات کو کھانے پر دعا پڑھ کر اسے غریبوں میں تقسیم بھی کرواتیں۔

غرضیکہ مذہب اسلام کی تمام قسمیں انہیں قبول تھیں۔ پیغمبر اسلام کا ذکر ہوتا یا علی کا، ابو بکر کی بات ہوتی یا نظام الدین اولیا کی، حضرت عائشہ کا ذکر ہوتا یا حضرت عثمان کا وہ سب کی تکریم کرتیں اور ہمیں بھی یہی درس دیا کرتیں۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ گھر کے کچھ مردوں کی گفتگو کے دوران جنگ جمل کا سرسری انداز میں ذکر ہوا۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑا انکشاف تھا کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی فوجوں کے درمیان رسول اسلام کی وفات کے بعد باقاعدہ جنگ ہوئی تھی۔ میں نے سکول میں تو یہ پڑھا تھا کہ حضرت علی بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے اور رسول پاک کے عزیز چچازاد بھائی تھے۔ یہ حضرت علی ہی تھے جنہیں ہجرت کی رات نبی اپنے بستر پر سلا کر گئے تھے۔ میں نے سکول میں یہ بھی پڑھا تھا کہ حضرت عائشہ رسول پاک کی سب سے چہیتی بیوی تھیں۔ رسول پاک نے حضرت عائشہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ عورتوں میں ایک افضل مقام رکھتی ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہوا کہ نبی کے دو اس قدر عزیز اور قریبی رشتہ دار نہ صرف آپس میں ناراض ہوئے بلکہ باقاعدہ جنگ کی جس میں سینکڑوں مسلمان دونوں اطراف سے مارے گئے۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ کس فریق کے حق میں لڑنے والے شہید کا مرتبہ پائیں گے کیونکہ دونوں طرف مسلمان تھے اور دونوں اسلام کی خاطر لڑ رہے تھے۔

بہت سی کتابیں پڑھیں اور بہت سے لوگوں سے پوچھا کہ ایسا کیونکر ہو گیا؛ کچھ نے کہا غلط فہمی ہو گئی تھی ورنہ یہ تو آپس میں بہت محبت رکھتے تھے۔ کچھ نے کہا حضرت عائشہ اللہ کے نبی کے عزیز دوست عثمان غنی کے قتل کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتی تھیں لیکن حضرت علی کی طرف سے ان لوگوں کو تحفظ مل رہا تھا۔ کچھ نے کہا حضرت عائشہ علی کے خلاف کینہ رکھتی تھیں اور خود نبی نے اپنی زندگی ہی میں کہہ دیا تھا کہ فتنہ خود ان کے اپنے گھر سے اٹھے گا۔ کچھ تو ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے کہا کہ جنگ جمل تو کبھی ہوئی ہی نہیں، ایک چھوٹی سی غلط فہمی تھی جو حضرت علی اور حضرت عائشہ کی ملاقات میں دور ہو گئی۔

میں نے جب اس سوال پر تحقیق کی تو کوشش یہی کی کہ پورے انصاف اور تحقیق کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کروں۔ تحقیق میں یہ بہت ضروری ہے کہ واقعات کی صحت کو اسی وقت تسلیم کیا جائے جب آپ کے سامنے آنے والے واقعات کی تصدیق کا کوئی خود مختار ذریعہ بھی موجود ہو۔ بہر کیف پتہ یہ چلا کہ حضرت عائشہ اور حضرت علی کے بیچ کی کدورت کے بیج بہت پہلے بوئے جا چکے تھے جنگ جمل محض اس دیرینہ کدورت کا ایک نتیجہ تھا۔ ذرا غور کیجیے؛ رسول اسلام اللہ اور اس کے پسندیدہ دین کی سربلندی کے لیے دن رات کفار سے جہاد میں مصروف ہیں۔ ان کے ایک طرف ابو بکر ہیں تو دوسری طرف علی۔ ایک طرف عثمان ہیں تو دوسری طرف طلحہ بن

عبید اللہ۔ اور جب سین بدلتا ہے تو ایک طرف ابو بکر کی بیٹی حضرت عائشہ ہیں اور ان کے پہلو میں طلحہ اور دوسری طرف حضرت علی ہیں اور ان کے ساتھ درجنوں صحابہ کرام۔ زیادہ تر مسلمان اسے غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن ذرا رکیے ۔ایک طرف نبی کا چچازاد بھائی دوسری طرف نبی کی بیوی کیا ان لوگوں میں غلط فہمیاں اتنی آسانی سے پیدا ہو سکتی تھیں؟ کیا یہ لوگ اتنے ہی سادہ تھے کہ نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی سازشی لوگ ان پر اس قدر حاوی ہو جاتے کہ یہ آپس میں جنگ پر آمادہ ہو جاتے؟ پیغمبر اسلام کی بیویاں امہات المومنین یعنی مومنوں یعنی مسلمانوں کی مائیں کہلاتی ہیں یہ کسی اور کا نہیں خدا کا حکم ہے کہ یہ عورتیں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور دوسری طرف دیکھیں تو حضرت علی کے بارے میں خود پیغمبر اسلام حجتہ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر واضح انداز میں اعلان کر کے گئے ہیں کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے؛ یعنی ایک طرف میری والدہ ہیں جو نبی کے فرمان کی رو سے میرے لیے لائق توقیر ہیں اور دوسری طرف علی جو میرے مولا ہیں اور یہ دونوں آپس میں یوں جھگڑ رہے ہیں کہ سینکڑوں مسلمان اپنے خون میں نہا گئے ہیں۔ میں اگر وہاں موجود ہوں تو مجھے کس کا ساتھ دینا چاہیے، کس کی طرف سے لڑنا چاہیے؟ ان سوالوں نے مجھے ہر مسلمان کی طرح پریشان کیا اور جب جستجو کی تو یہ معلوم ہوا۔

کسی بھی ایسے انسان کے لیے جو اسلام پر یقین رکھتا ہو یہ ہضم کرنا یقیناً نہایت مشکل ہو گا کہ ایک طرف حضرت عائشہ ہیں جو رسول اسلام کی چہیتی ترین بیوی تھیں اور دوسری طرف حضرت علی جن کے بارے میں پیغمبر اسلام کا کہنا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ میرے لیے ایک مسلمان بچے کی حیثیت سے پرورش پانے کے بعد یہ سوال واقعی بہت ذہنی خلفشار کا باعث بنا کہ نبی کی چہیتی بیوی اور ان کے چہیتے کزن اور داماد کے درمیان کسے قصوروار ٹھہراوں۔ اس جھگڑے کے بارے میں مسلمان علما کے لکھے ہوئے کتابچے پڑھے تو معلوم ہوا کہ ان تحریروں میں محض بات پر پردہ ڈالنے اور اس ساری کہانی کو غیروں کی سازش قرار دے کر بھلا دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ جن علما کی تحریروں کی میں بات کر رہا ہوں ان کا تعلق اہلسنت کی بریلوی شاخ سے تھا (جس میں میں پیدا ہوا تھا اور فطری طور پر میرا جھکاؤ بھی انہی کی طرف تھا، بالکل اسی طرح جس طرح ہر مذہب کے ماننے والے اپنے ماں باپ کی بتائی ہوئی باتوں پر لکیر کے فقیر کی طرح عمل کیا کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے حق کا راستہ پا لیا ہے)۔ اس کے بعد باری تھی شیعہ لوگوں کی؛ جب ان کے ہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک تو عائشہ ایک طرف، عائشہ کے والد بھی منافقین کے سردار تھے۔ ان کے موقف کے مطابق تو حضرت ابو بکر پیغمبر اسلام کے "یار غار" محض اس وجہ سے بن گئے کہ نبی کریم مکہ سے ہجرت کرنے والے تھے اور ابو بکر صاحب قریش کی خاطر نبی کی جاسوسی کیا کرتے تھے۔

ایسے میں جب وہ نبی کی رخصتی کے وقت اچانک نمودار ہو گئے اور پوچھا یارسول اللہ کدھر کی تیاری ہے تو نبی کو ان کی مخبری سے بچنے کے لیے انہیں بھی ساتھ لے جانا پڑ گیا۔ شیعہ علما سے یہ دعویٰ بھی سننے کو ملا کہ حضرت عائشہ کی شادی نبی اسلام سے کرنے کے پیچھے بھی ان کے والد کے مقاصد تھے اور انہی مقاصد کی آبیاری اور حصول کی خاطر حضرت عائشہ ہر گھڑی نبی کریم کو حضرت علی کے خلاف بھڑکایا کرتی تھیں۔

اسلام کا یہ نیا ورژن دیکھ میں تو دم بخود رہ گیا۔ جن چار یاروں کی دوستی کے قصیدے پڑھتے پڑھتے یہاں تک پہنچا تھا ان کے بارے میں یہ دعویٰ سننے کو ملا کہ وہ تینوں آپس میں مل کر حضرت علی کو رسول پاک کی جانشینی کے منصب سے محروم کرنا چاہتے تھے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

جب یہ قصہ سامنے آیا تو کسی حد تک دل میں بیٹھا خوف بھی دور ہونے لگا۔ معلوم ہوا کہ شیعہ فرقے کی ایسی شاخیں بھی موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ نبوت اصل میں حضرت علی پر اترنا تھی، جبرئیل کی غلطی سے محمد صاحب کے گلے پڑ گئی۔ پتہ چلا کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کا بھیس بدل کر اصل میں خدائے ذوالجلال دنیا میں آیا تھا۔ ایک ہی مذہب کی اتنی بہت سی رنگ برنگی شکلیں دیکھ کر محسوس ہوا کہا گر یہ سب لوگ جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد خیالات رکھتے ہیں خود کو مسلمان کہلوا سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل اسلام کھوج لگانے سے ہی مل سکتا ہے گھر بیٹھے بٹھائے نہیں۔

جس جواب کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا وہ تو ایک طرف رہا یہاں نت نئے سوالات پھن پھیلا کر سامنے آ کھڑے ہوئے، اس کے باوجود تہیہ کیا کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کے تنازعہ کے بارے میں خود سے تحقیق کر کے اصل بات تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ تاریخ اسلام کو کھولا تو گویا ایک نئی دنیا کھل کر سامنے آگئی۔ آپ نے وہ واقعہ تو سنا ہی ہو گا جہاں حضرت عائشہ ایک سفر کے دوران قافلے سے پیچھے رہ گئی تھیں خیر ٹھہریئے اگر نہیں سنا تو میں سنائے دیتا ہوں۔

احادیث میں بیان ہے کہ ایک سفر میں پڑاؤ کے دوران حضرت عائشہ رفع حاجت کی خاطر کہیں گئی ہوئی تھیں کہ قافلہ ان کی غیر موجودگی کا احساس کیے بغیر سفر پر روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ بیابان میں اکیلی رہ گئیں، کوئی آدمی وہاں سے گذرا تو اس نے ام المومنین کو پہچان لیا اور انہیں اپنے ساتھ بٹھا کر قافلے سے جا ملایا۔ چونکہ اس دوران ایک رات گذر چکی تھی اس لیے قافلے کے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ لوگ انگلیاں اٹھانے لگے اور جب یہ بات پیغمبر اسلام تک پہنچی تو ان کے دل میں بھی وہم نے سر اٹھایا۔ وہ حضرت عائشہ سے خفا ہو گئے اور انہیں ان کے والد کے گھر بھجوا دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کئی روز تک حضرت عائشہ اپنے والد کے گھر پڑی روتی رہیں اور ادھر پیغمبر اسلام ان کی مبینہ

بے وفائی کے صدمے سے اداس رہے۔ وہ تو بھلا ہو جبرئیل کا کہ اس نے کچھ دن بعد آکر قرآن کی وہ آیت نبی کو سکھائی جس کے مطابق زنا صرف اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب چار عاقل و بالغ گواہ سوئی میں دھاگہ ڈالنے کے موافق جنسی عمل ہوتا دیکھیں۔ یہ آیت لیے نبی کریم حضرت عائشہ کے پاس پہنچے اور انہیں منا کر واپس لے آئے۔ (اسی واقعے کی بنیاد پر حضرت عائشہ اس بات پر فخر کرتی بھی پائی گئی ہیں کہ میں وہ عورت ہوں جس کی پاکیزگی کی قرآن نے گواہی دی ہے)۔ جن دنوں میں پیغمبر اسلام حضرت عائشہ سے دور اور شک میں مبتلا تھے تو بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے بارہا نبی سے عرض کی کہ آپ کو عورتوں کی کیا کمی ہے آپ اس بی بی کو طلاق دے دیجیے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ کے کانوں تک بھی پہنچی اور حضرت علی کے اس مشورے کو انہوں نے اپنے خلاف عداوت کا مظہر سمجھا۔ (بس اسی وقت سے دونوں کے درمیان ایک عجیب مخاصمت کا آغاز ہو گیا اور یہ مخاصمت بالآخر جنگ جمل کی صورت میں اسلام کے چہرے پر ایک اور بدنما داغ بن کر سج گئی۔)

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی اور حضرت علی کی بیوی حضرت فاطمہ خلیفہ وقت ابو بکر صدیق کے پاس گئیں جو اتفاق سے حضرت عائشہ کے والد بھی تھے۔ حضرت فاطمہ نے خلیفہ سے اپنے والد کی جائداد (باغ فدک) طلب کی تو حضرت ابو بکر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ نبیوں کی کوئی وراثت نہیں ہوتی۔ حضرت فاطمہ اس بات پر بہت خفا ہوئیں اور بخاری شریف کے مطابق مرتے دم تک حضرت ابو بکر سے خفا رہیں بلکہ بخاری شریف میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ "غضبناک" ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سنی مسلمانوں کے نزدیک قرآن کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام کتاب صحیح بخاری میں حضرت فاطمہ کی "غضبناکی" والی حدیث کے ساتھ ہی یہ حدیث بھی مرقوم ہے کہ نبی اسلام نے فرمایا "جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا"۔ گویا خلیفہ اول حضرت ابو بکر سے خدا بھی خفا تھا۔ حضرت فاطمہ کے بارے میں تاریخ میں یہ بھی درج ہے کہ وہ نبی کے ساتھیوں سے اس قدر خفا تھیں کہ انہوں نے حضرت علی کو تاکید کی کہ مجھے رات کی تاریکی میں کہیں دفنا دینا، میں نہیں چاہتی کہ ان میں سے کوئی میرے جنازے میں شریک ہو اور ایسا ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی تدفین کی جگہ آج بھی کسی کو معلوم نہیں۔

حضرت علی کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ نبی کریم کی وفات کے بعد کئی روز ان کے گھر تک محدود رہے، جبکہ حضرت ابو بکر اور دیگر خلفا خلافت کے جھگڑوں میں پڑے ہوئے تھے۔ تاریخ ہی سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اسلام کے پیارے دوست ان کے جنازے کے موقع پر موجود نہیں تھے، وغیرہ لیکن یہ غیر متعلقہ باتیں ہیں ان پر

پھر کبھی بات ہو سکتی ہے۔ فی الوقت اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت علی کے درمیان مخاصمت کا آغاز اسی دن سے ہو گیا تھا جس دن انہوں نے پیغمبر اسلام کو عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ دیا۔ اور یہ مخاصمت مرتے دم تک قائم رہی۔ آج اہل سنت مسلمانان اختلافات پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن جنگ جمل کو تاریخ کے اوراق سے کھرچنے سے قاصر ہیں، اس لیے دشمنان اسلام کی سازشوں کی شکل دے کر اپنی تاریخ کے اس انتہائی سنجیدہ سوال کے جواب سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اغیار کی سازشوں کا یہ پراپیگنڈا آج بھی دنیا بھر کے مسلمانوں میں زندہ ہے آج بھی وہ امریکہ، برطانیہ، بھارت اور باقی دنیا کو اپنے خلاف سازشوں میں ملوث ہونے کے طعنے دیتے ہیں؛ کہیں اغیار کی سازشوں کے یہ الزامات ہمیشہ کی طرح اپنے اندر کی خرابیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش تو نہیں؟

میں ملحد کیسے بنا؟

فراز الٰہی

آج کل کچھ نیم چڑھے مومنین ملحدین پر جو الزامات لگارہے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راہ الحاد چننے میں لوگوں کے ذاتی حالات، مذہب کی جانب سے لگائی جانے والی پابندیاں یا مغربی طرز زندگی کی کشش کا کردار بنیادی ہے۔ میرے خیال میں یہ گھٹیا بات کسی بھی باشعور انسان کی تذلیل کے مترادف ہے۔ الحاد کا راستہ چننا پاکستان جیسے قلعہ اسلام میں کسی طور بھی سہل یا منافع بخش نہیں۔ یہ فیصلہ کوئی بھی ذی ہوش فرد بہت سوچ سمجھ کر، اور تحقیق کے ساتھ کرتا ہے کہ الحاد کی کسی تعلیم میں دینی تعلیم کی طرح تقلید کی شرط نہیں۔ تو سوچا کہ اپنے ذاتی سفر الحاد کو یہاں شیئر کر کے بتاؤں کہ یہ راہ محض شوقیہ یا ہرگز بہ امر مجبوری نہیں چنی جاتی۔ اس میں بڑی تحقیق، بڑی جستجو اور بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر پاکستانی ملحد جو پیدائشی مسلمان رہے ہوتے ہیں، وہ تو تصور خدا کی حقیقت کو پانے کی اور حقیقی قربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی علمی و مذہبی تحقیق شروع کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ حقیقت کے سفر میں خدا نامی اسٹاپ کی گنجائش کہیں نہیں ہے، لہٰذا تلاش حق کے یہ مسافر مذہب کی تاریک راہوں سے ہٹ جاتے ہیں۔

میں پاکستان کے ایک خاندان سادات، آل رسول ہاشمی، خاتم الانبیاء، سید الظالمین و خاوند نو امہات المومنین و مالک تیئس لونڈیاں کی اولاد باصفا میں سے ہوں۔ آل انڈیا احرار لیگ کے ایک نامور سیدزادے لیڈر کا پوتا ہوں، اور رضوی و نقوی والدین کی نجیب الطرفین شجرہ بردار اولاد ہوں۔ نقشبندی طریقت پر پابند خاندان میں میری پیدائش ہوئی؛ اور اسی روایت میں ناظرہ، درس نظامی اور حفظ قرآن پنجاب کے ایک معروف دینی ادارے سے کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ماڈرن تعلیم بھی فیصل آباد کے ایک بڑے اور جدید تعلیمی ادارے سے بھی حاصل کی۔ کُند ذہن تھا، اس لیے مطالعہ اور تحقیق کا شوق بھی رکھا۔ colliers کی اکتیس جلدوں پر مشتمل انسائکلوپیڈیا بھی atom سے zygote تک پڑھا اور قصص النبیاء بھی پڑھی۔ قدرت اللہ شہاب کے نائینٹی کی عقیدت میں دھنا جانے والا سر ڈاکٹر اسرار صاحب کی محافل میں بھی جھکایا۔ مودودی صاحب کی خلافت و ملوکیت سے دل کو گرمایا اور پھر گلفام ہاشمی صاحب کی زبانی غازی عباس کی شہادت سن کر بہنے والے آنسوؤں سے وہ آگ بجھائی۔ مولانا قاسم نانوتوی کی آب حیات بھی تفصیلاً پڑھی اور کشف المحجوب سے بھی

آ گہی کے نئے اسرار و رموز سیکھے۔ دعوت اسلامی کے شاہد عطاری عرف شاہد قادری کے پیچھے تکبیرات بھی کہیں اور جنید جمشید کے کانسرٹس میں گلا بھی خوب پھاڑا۔ یہ سب اگر آپ کو مجموعہ تضادات لگے تو یاد رکھیں، یہ نوے کی دہائی کا پاکستان تھا جہاں بقول محمد حنیف؛ میلاد، مشاعرہ اور مجرا ایک ہی محلے میں ہوتے تھے۔

اٹھارہ سال کی عمر میں بغرض تعلیم امریکہ گیا۔ امریکہ کی سب سے بڑی Jesuit یونیورسٹی سے تاریخ اور تقابل ادیان میں بیچلرز کیا، تھیسس مشرقی مذاہب پر لکھا۔ اس سب کے دوران نوکری بھی کی، دوستیاں بھی، پڑھائی بھی۔ لیکن مجال ہے جو بچپن کی تربیت پر ذرا برابر بھی آنچ آئی ہو؛ پنجگانہ نماز، بعد از فجر تلاوت قرآن بغرض حافظہ، اور دیگر اسلامی شعائر اپنائے رکھے۔ ویگاس بھی گیا، گوریوں سے مراسم بھی رہے پر الحاد سے نہ صرف دور رہا بلکہ ہر موقع پر ملحدین سے بحث و مباحثہ بھی کرتا رہا۔ ڈائناسارز کے وجود کو قصص النبیاء کی جھوٹی تاویلیں دے کر غیر مسلموں اور نیم خواندہ ملحدوں پر اسلام کی دھاک بٹھاتا رہا۔

سنہ ۲۰۰٦ میں اپنے انہی بحث مباحثوں اور جھوٹی تاویلوں سے تین مسیحی دوستوں کو مشرف بہ اسلام بھی کر لیا۔ الحمد اللہ۔ اس واقعہ کے فوراً بعد کسی حاسد نے جادو کروا دیا اور میں معوذتین کا باوضو ورد نہ کرنے کی وجہ سے پکڑ میں آ گیا۔ بیٹھے بٹھائے ایک دن کارل سیگن کی کاسموس ڈاکیومینٹری دیکھ لی۔ بس، پھر کچھ نہ پوچھیں؛ اس سامری نے اپنے دھیمے مگر پر خلوص لہجے اور ناقابل تردید دلیلوں سے، کائنات کے عوامل کی وضاحت سے، طبیعات اور کیمیا کے جادو سے میرے ایمان کی چولیں ہِلا کے رَکھ دیں۔ ہانپتا کانپتا میں تیرہویں قسط "who speaks for Earth" دیکھ کر ذہن میں محفوظ قرآن کی آیات کو آنکھوں کے آگے آنے والے سوالات کا جواب دینے کے لیے ٹٹولنے لگا، لیکن کہیں خالق علیٰ کُلِ شیٍٔ قدیر plate tectonics سے بننے والے پہاڑوں کو بقلم خود بھاگتی زمین میں میخوں کی طرح گاڑتا نظر آیا، تو کبھی Cambrian explosion اور Permian-Triassic Extinction جیسے مواقع پر لب بستہ دکھائی دیا۔ ابھی گھبرا کر حضرت یونس کی دعا کا ذکر شروع ہی کیا تھا کہ سامنے رابرٹ انگرسول کی The Works of Robert Ingersoll کے کچھ والیم نظر آ گئے۔ انہوں نے رہی سہی کسر نکال دی۔ پھر جیسے گورے کہتے ہیں، rest is history.

اس سب میں یاد رہے کہ سماجی، معاشی، اخلاقی یا کسی بھی اور طریقے سے میری زندگی میں کوئی بڑی ٹریجڈی، کوئی حادثہ یا ناانصافی نہیں ہوئی کہ میں خدا کو انڈین فلموں کے ناراض ہیرو کی طرح للکارنے لگ جاتا۔ الٹا مذہب اور اس کی اندھی تقلید سے تو مجھے بہت فائدہ رہا ہے۔ اور صرف اسلام نہیں، قدیم سمیرین مذاہب سے لے کر ہندو مت، یہودیت، عیسائیت، حتیٰ کہ کسی حد تک بدھ مت بھی صرف اور صرف اپنی اپنی دکان جھوٹ اور جہالت کے تھڑوں پر چمکاتے نظر آئے۔

تخلیق کائنات اور دیگر عوامل سے خدا کی غیر حاضری بھی رسول پاک سے میری عقیدت کم نہ کر سکی۔ نماز پر بھی قائم رہا۔ سوچا شاید آقا کی تعلیمات کو مسخ کیا گیا ہے۔ اسی کنفیوژن میں پاکستان واپس آیا۔ کچھ دیر دعوت اسلامی کے ایک بڑے مرکز میں بعد از فجر چھوٹے چھوٹے لیکچر دے کر اپنے دل مضطرب کو دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگا کہ یہی دین برحق وراہ نجات ہے۔ اب وہیں پر خیال آیا کہ تاریخ اسلام اور پیغمبر اسلام کے حالاتِ زندگی کا تفصیلاً مطالعہ کرنا چاہیے۔ سو حدیث فاضل کے ساتھ ساتھ ابن کثیر، المسعودی، طبری، ابن خلدون، ابن اسحاق، اور دیگر مورخین اسلام کا بھی مطالعہ شروع کیا۔ اب لڑکھڑانے لگے ستون اور باقی اجزائے ایمان۔ سید الکونین اپنی بہو سے نین مٹکا کرتے نظر آئے، تو کبھی خلیفہ اول مخالفین کو اپنی دیوی کی شرمگاہ چاٹنے کی گالی دیتے دکھائی دیئے۔ شیر خدا اور بابِ شہر علم مدینہ میں نہتے بنو قریظہ والوں کی گردنوں پر ذوالفقار چلا رہے تھے تو ادھر آنحضور اپنی بین العالمین رحمت کنعانہ بن ربیع کے لاشے پر روتی امی صفیہ میں گھسا رہے تھے کہ اسلام امن کا دین ہے۔ کبھی ہماری اور آقا کی پسندیدہ امی صفوان بن معطل کے ساتھ نکلتی دکھائی دیں تو کبھی یہی امی ابو ہریرہ جیسے نامحرم کو دوران حیض نبی پاک کی جنسی بھوک مٹانے کے طریقے بیان کرتی سنائی دیں۔ اور کبھی امی حفصہ رسول کو اپنی غیر موجودگی میں ماریہ قبطیہ پر چڑھا دیکھ کر روتی نظر آئیں۔

سوال تو سوال ہیں، لاکھ ایمان و تقلید کے بند باندھو، جنت میں گھسے شیطان کی طرح رکتے نہیں۔ کیا وجہ تھی کہ کعبے کے متولی عبد المطلب کی بہو عام آبادی سے دور ایک الگ تھلگ مکان میں حاملہ حالت میں اکیلی رہ رہی تھی؟ کسی ایک محدث سے کوڑا پھینکنے والی بڑھیا کا پتہ کیوں نہیں لگ سکا؟ فتح مکہ کے موقع پر مزاحمت نہ کرنے کے باوجود بھی بارہ نہتے کفار کیوں قتل ہوے؟ رحمت العالمین کی عفوو درگزر بنو مصطلق کے نہتے شہریوں پر کیوں نہ نازل ہو سکی؟ آقا خندق کی کھدائی میں تو پیٹ پر پتھر باندھے دکھائی دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی پندرہ سال کے عرصے میں نو بیویاں اور تیئیس لونڈیاں رکھنے کی استطاعت بھی رکھتے ہیں؟ خود بیواؤں سے شادیوں پر شادیاں اور اپنی بیوائیں دوسروں پر حرام کر گئے؟ عیسیٰ نامی کسی شخص کے وجود کا تذکرہ تک اس دور کے رومی یا فارسی کسی ایک مورخ نے نہیں کیا اور عیسائیوں کے مصری مذہب کے ہورس دیوتا سے گھڑے ہوئے کُنواری کے بیٹے کی نبوت کی گواہی دیتے رہے۔ ساری تورات اور کچھ Eastern Orthodox عیسائیت کا چربہ اپنی مرگی کے دوروں سے فراغت پر لکھوا کر کہہ دیا خدا حفاظت کرے گا! اور پھر جب بکری صفحے کھا گئی تو پھر صُمٌ بُکمٌ عمٌ فُھُم؟ جو اللہ اپنے کعبے کو مسمار اور نذر آتش ہونے سے نہ بچا سکا، وہ قسمیں کھا رہا ہے زمانے کی؟

توبھائی صاحب، یہ سب سے زیادہ رائج طریقہ ہے پاکستان اور پوری دنیامیں ملحدین کی تعداد میں exponential اضافے کا۔ ہمیں آپ کی طرح بکریوں کے ریوڑ پیدا کر کر اپنی تعداد میں اضافہ نہیں کرنا پڑتا۔ جو سوچ لے، اپنے آپ سے سچا ہو اور اپنے اندر ہمت رکھتا ہو، اسے الحاد کی روشنی دین کی اندھی تقلید سے بہت جلد نجات دلا دیتی ہے۔ نہ ماننا ایک الگ بات ہے۔ کسی کو خاندانی بائیکاٹ کا ڈر تو کوئی دم درود والی بیوی کے بم بارود والی بیوی بننے کے احتمال سے مومن۔

حساب ترک تعلق تمام میں نے کیا

سید امجد حسین

مسلمان اس بات کا بہت پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام کی مقبولیت روز و شب بڑھتی جا رہی ہے، پوری دنیا میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے جا رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس تعداد میں لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں، اس سے کہیں بڑی تعداد میں لوگ اسلام کو الوداع کہہ رہے ہیں، لیکن ان کا ذکر مسلمانوں کی میڈیا کبھی نہیں کرتی اور جن کچھ لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے، ان کے منھ پر دہی جمی ہوئی ہے۔ نتیجتاً عام مسلمانوں حقائق کی بے خبری کے سبب اپنے ہی اندھیرے خول میں شب و روز دھنستا جا رہا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں، تصویر کا دوسرا رخ کیا ہے؟ اس رپورٹ کے آخر میں حوالے کے طور پر وہ سارے لنک دیے جا رہے ہیں جہاں سے یہ معلومات حاصل کی گئی ہیں، تاکہ ہمارے سادہ فہم اور معصوم مومنین مجھ پر یہ الزام نہ لگا سکیں کہ میں نے اپنی طرف سے یہ اعداد و شمار گڑھے ہیں۔

- پاکستانی نژاد امریکی مسلم ڈاکٹر الیاس بایونس کے مطابق امریکہ میں پچھتر فی صد نو مسلموں نے صرف تین برسوں کے اندر اسلام چھوڑ دیا۔
- روس میں دو ملین مسلمانوں نے اسلام کو "اللہ حافظ" کہہ کر عیسائیت کو گلے لگالیا۔ اس کے برعکس جنھوں نے اسلام قبول کیا ان کی تعداد صرف ڈھائی ہزار ہے۔
- افریقہ، جہاں مسلمانوں کی آبادی کبھی ایک بلین کے قریب ہوا کرتی تھی، وہ گھٹ کر ۳۱۶ ہو چکی ہے۔ ایک سروے کے مطابق ہر گھنٹے ۱۶۰۰۰، ۶۶۷، ہر روز اور ہر سال چھ ملین مسلمان دین اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔
- مصر میں اسلام سے عیسائیت قبول کرنے والوں کی تعداد کئی ملین پہنچ چکی ہے۔ انھوں نے اپنے ملک کے قانون ارتداد کے خوف سے اپنا نیا مذہب مخفی رکھا ہوا ہے۔ انھوں نے مصر سے باہر دو ادارے " Freed by Christ" اور "Way TV" قائم کیے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آواز پوری دنیا تک پہنچتی ہے۔

- ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد دنیا کے کئی اسلامی اداروں اور مساجد کے علما، خطبا اور اسکالرس کی ہے جنھوں نے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لیا ہے۔ (لنک نیچے دیا جارہا ہے)
- برطانیہ میں اب تک دو لاکھ مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔
- گذشتہ پانچ سالوں کے درمیان کئی ملین ایرانیوں نے اپنا آبائی مذہب اسلام چھوڑ کر عیسائیت میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔
- ملیشیا میں ڈھائی لاکھ مسلمانوں نے عیسائیت قبول کر لی۔
- ہزاروں کشمیری مسلمانوں نے عیسائیت قبول کر لی۔
- فرانس میں ہر سال پندرہ ہزار مسلمان عیسائیت کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اس تعدا میں دس ہزار کیتھولک اور پانچ ہزار پروٹسٹنٹ مسلک کی طرف مائل ہیں۔
- ہزاروں بنگلہ دیشی، نارتھ امریکی، کشمیری، ہندوستانی مسلمان، سنٹرل ایشیا کے مسلمان مذہب اسلام ترک کر کے عیسائیت کو گلے چکے ہیں۔
- ترکی میں ہر سال پینتس ہزار مسلمان عیسائیت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔
- اسرائیلی اور فلسطینی علاقوں میں رہنے والے سینکڑوں مسلمان عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔

دنیا کے دوسرے خطوں کا بھی یہی حال ہے جہاں سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکار بڑی تیزی سے الحاد کی جانب مائل ہو رہے ہیں۔Atheist Alliance Internationalنام کے ایک ادارے نے تقریباً ہر ملک کا آن لائن سروے کر کے اس کی ڈیموگرافک معلومات پیش کی۔ مندرجہ ذیل ڈیموگرافی "جہان ملاحدہ" کی واضح تصویر پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس ڈیموگرافی میں ملحدوں کے علاوہ، غیر مذہبی، ہیومنسٹ، اگنوسٹک، فری تھنکر، ریشنلسٹ، سیکولرسٹ اور دیگر کا تناسب بھی پیش کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہب کے علاوہ دوسرے مکاتیب فکر میں سب سے پسندیدہ مکتب فکر الحاد ہی ہے۔ اس ڈیموگرافک سروے میں مذہبی پس منظر کے ساتھ ساتھ عمر، جنس اور تعلیم کی سطح پر تمام مکاتیب فکر کی قبولیت کی شرح بھی واضح کر دی گئی ہے۔
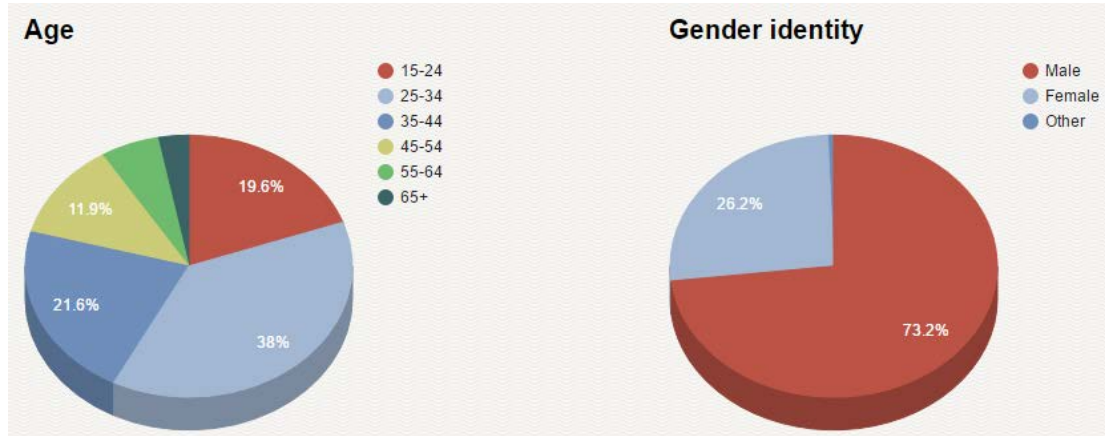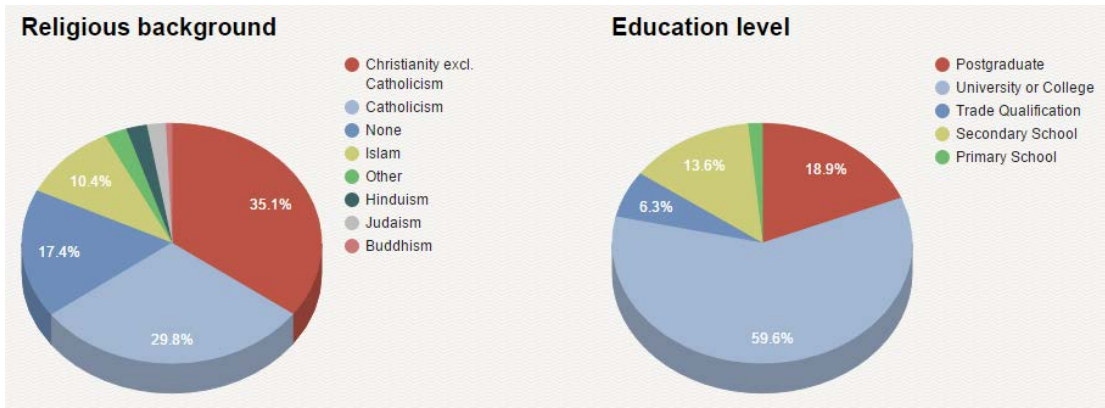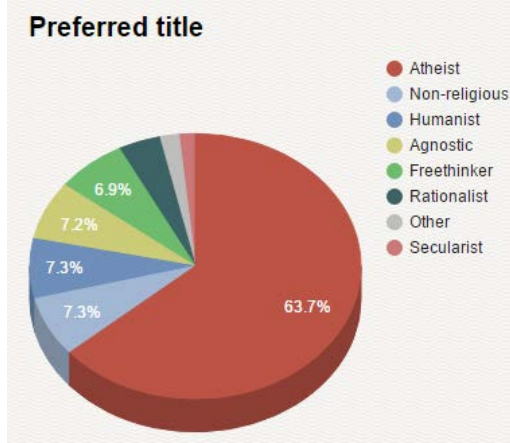
اس سروے کی تفصیلی رپورٹ آپ درج ذیل ویب سائٹ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں:

/http://www.atheistcensus.com

اس کے علاوہ اوپر میں نے مختلف ممالک میں اسلام چھوڑنے والوں کے جو اعداد و شمار درج کیے ہیں، ان کی صداقت کے لیے آپ درج ذیل لنکس کلک کر سکتے ہیں:

http://wikiislam.net/wiki/People_Who_Left_Islam

https://en.wikipedia.org/wiki/List_of_converts_to_Christianity_from_Islam

https://en.wikipedia.org/wiki/List_of_former_Muslims

واپسی کا سفر

ہم یہاں مختلف ویب سائٹ میں شائع اعداد و شمار کی بنیاد پر صرف کچھ ایسے معروف ناموں کی تفصیل پیش کر رہے ہیں جنھوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر پہلے اسلام قبول کیا لیکن کچھ عرصہ بعد ہی وہ اس سے بیزار ہو کر یا تو دوبارہ اپنے آبائی مذہب میں لوٹ گئے، یا انھوں نے کوئی دوسرا مذہب قبول کر لیا، یا پھر وہ تمام مذاہب ترک کر کے حلقہ بگوش الحاد ہو گئے۔ ایک بار پھر ذہن نشین کرا دوں کہ درج ذیل فہرست صرف ان ناموں پر مشتمل ہے جو کسی نہ کسی شعبۂ حیات میں اپنی کارکردگی کی بنا پر معروف ہیں۔

Bukka Raya – I	وجے نگر سلطنت کا بادشاہ جس نے ہندو مت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا لیکن بعد میں وہ اپنے آبائی مذہب کی جانب لوٹ گیا۔
Chander Mohan	ہریانہ (انڈیا) کے سابق ڈپٹی وزیر اعلیٰ جنھوں نے شادی کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن طلاق کے بعد چھوڑ دیا۔
Harilal Mohandas Gandhi	مہاتما گاندھی کے بیٹے، جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام عبد اللہ گاندھی رکھ لیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ ہندو مت کی جانب لوٹ گئے۔
Harihara-I	وجے نگر سلطنت کا بادشاہ جس نے اسلام قبول کیا لیکن پھر ہندو مت کی طرف واپسی ہو گئی۔
Broery	انڈونیشی گلوکار جس نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا لیکن دوبارہ اپنے آبائی مذہب کی جانب لوٹ گیا۔
Jean-Bedel Bokassa	سنٹرل افریقہ کا شہنشاہ جس نے رومن کیتھولک عقیدے کو ترک کر کے اسلام قبول کیا لیکن بعد میں اسلام ترک کر کے وہ اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ گیا۔

Maria Huberdina Hertogh	ایک ڈچ انڈونیشی بچی، جسے دوسری جنگ عظیم (۱۹۴۳) کے دوران ملیشی مسلمانوں نے اغوا کر کے اسے جبراً مسلمان بنالیا تھا لیکن بعد ازاں عدالتی فیصلے کے مطابق اسے اس کے کیتھولک والدین کو سونپنا پڑا۔
Jacob Frank	اٹھارویں صدی عیسوی کا ایک یہودی مذہبی رہنما جس کا دعویٰ تھا کہ وہ خود ساختہ یہودی مسیح Sabbatai Zevi کا اوتار ہے۔ فرینک نے ۱۷۵۷ میں عوامی سطح پر اسلام قبول کیا لیکن ۱۷۵۹ میں اس نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی۔
Bob Denard	ایک فرانسیسی سپاہی جس نے رومن کیتھولک مذہب کو ترک کر کے یہودیت قبول کی، پھر اسلام قبول کیا لیکن بعد میں وہ اسلام ترک کر کے اس نے اپنے آبائی مذہب میں لوٹ گیا۔
Marina Nemat	عیسائی خاندان میں پیدا ہوئی۔ ایران میں رہنے والی اس خاتون نے جب رضا شاہ پہلوی کی جمہوری حکومت کے خلاف آیت اللہ خمینی کی اسلامی تحریک کی مخالفت کی تو اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ بعد میں اس نے موت کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن رہائی کے بعد اس نے کنیڈا میں سکونت اختیار کر لی جہاں اس نے اسلام سے جان چھڑا کر عیسائیت دوبارہ قبول کر لی۔
George Weah	ایک لائبرین (Liberian) فٹ بال کھلاڑی جس نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا لیکن دوبارہ اپنے مذہب میں واپس ہو گیا۔
Mathieu Kerekou	بینن (Benin) کا صدر جس نے اسلام قبول کیا لیکن کچھ عرصہ بعد اپنے آبائی مذہب عیسائیت میں واپس ہو گیا۔
Daveed Gartenstein Ross	انسداد دہشت گردی کا ایک امریکی اسکالر اور تجزیہ نگار۔ پہلے اس نے یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا، بعد میں اس نے عیسائیت قبول کر لی۔
Ruffa Gutierrez	ایک فلپائنی اداکارہ، ماڈل اور سابق ملکۂ حسن جس نے اسلام قبول کیا لیکن بعد میں اپنے آبائی مذہب عیسائیت میں واپس ہو گئی۔
Jabalah ibn al-Aiham	ساتویں صدی عیسوی میں شام اور اردن کا آخری غساسنۃ حکمراں جس نے غلبۂ اسلام کے بعد 638 عیسوی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن بعد میں اس نے عیسائیت قبول کر لی اور اناطولیہ میں رہائش پذیر ہو گیا جہاں اس کی موت 645 عیسوی میں ہوئی۔
Skanderbeg	البانیہ کا بادشاہ اور فوجی رہنما۔ اس نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا لیکن دوبارہ عیسائی ہو گیا۔

Kabir	پندرہویں صدی کے ایک صوفی شاعر اور کبیر پنتھی فرقہ کے بانی۔ ایک ہندو بیوہ کے یہاں پیدا ہوئے لیکن ایک بے اولاد مسلم جوڑے نے پرورش کی۔ کبیر نے بعد میں دونوں مذاہب یعنی ہندومت اور اسلام دونوں کو ترک کر دیا۔

ہم مصحفی سب کفر تو مشہور ہو چکے

اگرچہ ترک اسلام کرکے دوسرے مذاہب کو قبول کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے اور ان میں لاکھوں ایسے معزز اور نامور نام شامل ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں، لیکن درج ذیل فہرست صرف ان نامور سابق مسلمانوں پر مشتمل ہے، جنھوں نے ترک اسلام کرکے دہریت یا الحاد اختیار کر لیا۔ اگرچہ یہ تعداد بھی لاکھوں میں ہے لیکن کچھ تو اپنے محدود وسائل اور کچھ تنگیٔ صفحات کی بنا پر ہم ان تمام ناموں کو فہرست میں شامل کرنے سے قاصر ہیں۔ اس چھوٹی سے فہرست میں شامل ان نامور سابق مسلمانوں کی ترجیحات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ترک اسلام کرنے والے عام مسلمانوں کی فہرست کتنی طویل ہوگی۔

نام	مختصر تعارف
Waleed Al-Husseini	فلسطینی فلسفی، مضمون نگار، قلم کار، بلاگر اور Council of Ex-Muslim in France کے شریک بانی۔
Abdullah al-Qasemi	عرب دنیا کے سب سے متنازعہ فیہ دانشور جن پر کئی قاتلانہ حملے ہوئے۔
Salman Rushdie	ہندوستانی نژاد برطانوی ناول نگار جن کے ناول "شیطانی آیات" پر آیت اللہ خمینی نے ان کا سر قلم کرنے کا فتویٰ جاری کیا۔
Aliaa Magda Elmahdy	مصری انٹرنیٹ کا سرگرم کارکن اور حقوق نسواں کا علمبردار۔
Ahmed Harqan	حقوق انسانی کا مصری سرگرم کارکن اور بے باک ملحد۔
Kareem Amer	مصری بلاگر۔
Hamed Abdel-Samad	مصری سیاسی تجزیہ نگار، مورخ اور مصنف۔
Ayaan Hirsi Ali	صومالیہ نژاد ڈچ فیمنسٹ، قلم کار اور سیاست داں۔

نام	مختصر تعارف
Ismael Adham	مصری قلم کار اور فلسفی۔
Aziz Nesin	معروف ترکی مزاح نگار اور تقریباً ایک سو سے زیادہ کتابوں کے مصنف۔
Aroj Ali Matubbar	خود آموز بنگلہ دیشی پروفیسر۔
Kacem El Ghazzali	مراکشی سوئیز قلم کار۔
Zackie Achmat	انسداد ایڈز کے لیے ایک جنوبی افریقی سرگرم کارکن۔
Humayun Azad	بنگلہ دیشی مصنف، شاعر، اسکالر اور ماہر لسانیات۔
Faik Konica	البانوی نقاد اور ایک سیاسی ہستی جن کی تحریریں البانیہ کے عصری کلچر پر گہرا تاثر مرتب کرتی رہیں۔
Turan Dursun	ترکی قلم کار۔ کبھی مفتی بھی رہ چکے ہیں اور بعد میں انھوں نے اسلام کے تنقیدی مطالعے پر مبنی کئی کتابیں بھی لکھیں۔
Valon Behrami	سوئیز پروفیشنل فٹ بالر۔
Ehsan Jami	ڈچ سیاست داں اور Dutch Central Committe for Ex-Muslim کے بانی۔
Enver Hoxha	کمیونسٹ ڈکٹیٹر جس نے البانیہ کو پہلا ایتھسٹ اسٹیٹ اعلان کیا۔
Asad Abu Khalil	کیلی فورنیا اسٹیٹ یونیورسٹی میں پولیٹکل سائنس کے لبنانی پروفیسر۔ وہ خود کو Atheist Secularist بتاتے ہیں۔
Al-Ma'arri	نابینا عرب فلسفی، شاعر اور قلم کار۔
Afshin Ellian	ایرانی پروفیسر۔
Ramiz Alia	البانیہ کے سابق صدر اور کمیونسٹ لیڈر۔
Hassan Bahara	مراکشی ڈچ قلم کار۔
Hafid Bouazza	مراکشی ڈچ قلم کار۔
Ismail Kadare	عالمگیر سطح پر معروف البانوی قلم کار۔
Maryam Namazie	ایرانی کمیونسٹ، سیاسی کارکن اور Council of Ex-Muslims of Britain کی سربراہ۔

مختصر تعارف	نام
پاکستانی نژاد برطانوی مصنف۔	Anwar Shaikh
ہندوستانی اداکارہ۔	Zohra Sehgal
انیسویں صدی کے آذربائیجانی ڈرامہ نگار اور فلسفی۔	Mirza Fatali Akhundov
بنگلہ دیشی مصنفہ، فیمنسٹ، حقوق انسانی کی سرگرم کارکن اور سیکولر ہیومنسٹ۔	Taslima Nasreen
بنگلہ دیشی ہیومنسٹ اور حقوق انسانی کے سرگرم کارکن۔	Sharif Ahmed
کینیا کے سرکاری اکانومسٹ اور امریکہ کے سابق صدر بارک اوباما کے والد۔	Barack Obama, Sr
ایک بے باک ملحد اور فیتھ فریڈم ویب سائٹ کے مالک۔	Ali Sina
Atheist & Agnostic Alliance, Pakistan کی بانی۔	Fauzia Ilyas
پاکستانی نژاد امریکی، مزاح نگار اور اداکار۔	Kumail Nanjiani
اسرائیلی سیاست داں۔	Ayman Odeh
ایرانی اسکالر، مصنف اور Institute for the Secularization of Islamic Society کے بانی۔	Ibn Warraq
ترک اسلام کر کے مقبول گلوکار بنے، مصری حکومت نے انھیں جیل میں رکھ کر سخت سزائیں دیں۔	Sheikh Imam
قلم کار اور عالمگیر سطح پر معروف حقوق نسواں کی علمبردار۔	Parvin Darbi
عربی نژاد امریکی ماہر نفسیات۔	Wafa Sultan
افغانی قلم کار اور حقوق ہم جنس کے سرگرم کارکن۔	Nemat Sadat

ان نامور لوگوں میں ترک اسلام کر کے لاادری (Agnostic) اور صوفی بننے والوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ اس کے علاوہ کئی معروف لوگوں نے اسلام چھوڑ کر نئے مذہب کی داغ بیل بھی ڈالی جس میں مغل بادشاہ اکبر کے علاوہ ریاض احمد گوہر شاہی، عارفین محمد، باب، بہاءاللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اسلام ترک کرنے کے بعد خود کو ذہنی طور پر کھلا چھوڑ دیا ہے اور اپنی شناخت صرف ''لا مذہب'' تک محدود رکھنے پر قناعت کی ہے۔

اب کے کچھ ایسی سجی محفلِ یاراں جاناں

ملحدوں کے حقوق اور ان کے تحفظ کے لیے مختلف ممالک میں کئی آزاد انجمنیں بھی قائم ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کچھ انجمنوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

Country	**Organisations' Name**
Austria	Council of Ex-Muslims of Austria
Belgium	Movement of Ex-Muslims of Belgium
France	Council of Ex-Muslims of France
Germany	Central Council of Ex-Muslims
Iran	Iranian Atheists
Pakistan	Atheist & Agnostic Alliance Pakistan
Morocco	Council of Ex-Muslims of Morocco
Netherlands	Central Committe of Ex-Muslims
New Zealand	Council of Ex-Muslims of New Zealand
North America	Ex-Muslims of North America
Scandinavia	Council of Ex-Muslims of Scandinavia
Singapore	Council of Ex-Muslims of Singapore
United Kingdom	Council of Ex-Muslims of Britain, Ex-Muslims North Meetup Group, Ex-Muslims of Scotland, Faith to Faithless
United States	Former Muslims United

ملتی نہیں پناہ ہمیں جس زمین پر

اس وقت دنیا میں پاکستان، ایران، افغانستان اور سعودی عرب میں توہین مذہب پر موت کی سزا دی جاتی ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک میں توہین مذہب کے قوانین کو ختم کر دیا گیا ہے یا وہ فعال نہیں ہیں۔ اگرچہ دنیا کے بیشتر اسلامی

ممالک میں بھی مذہبی شعائر اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی پر موت کی سزا نہیں ہے، بلکہ چند سال قید اور جرمانے کی سزا دی جاتی ہے، لیکن مسلمانوں کا اجڈ ہجوم یا کسی خود ساختہ تنظیم کے کرائے کے قاتل یہ کام انجام دے جاتے ہیں۔ پاکستان میں احمدیوں اور غیر مسلموں کے علاوہ لبرل اور سیکولر لوگوں کی زندگیاں انھی وحشی لوگوں کے رحم و کرم پر ٹکی ہوئی ہیں۔ اس کی تصدیق اقوام متحدہ نے بھی کی ہے کہ مسلم ممالک میں ملحد خطرے کی چار دیواری کے اندر سانسیں لینے پر مجبور ہیں۔

واضح رہے کہ مسلمانوں کے نزدیک ''تنقید'' کا مطلب ''توہین'' ہے۔ اگرچہ کچھ مسلمان بظاہر اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انھیں تنقید پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن اسلام کے مقدسین کی توہین نہ کی جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خواہ کتنے ہی مہذب اور علمی انداز میں اسلامی تصورات پر تنقید کی جائے، وہ ان کے نزدیک ''توہین'' ہی ہے۔ واضح رہے کہ تنقید اور توہین کی درجہ بندی صرف سوشل میڈیا کے مسلمان کرتے ہیں (ان کی مجبوری یہ ہے کہ ملحدین ان کی دسترس سے باہر ہیں)، لیکن معاشرے میں یہ تکلف بھی نہیں برتا جاتا۔ ان کے نزدیک اسلام کے خلاف ایک لفظ بھی ''بغاوت'' اور ''توہین'' کے زمرے میں آتا ہے۔ جہاں تک ''توہین'' کا معاملہ ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس قوم کے لوگ اس کی دہائی دیتے ہیں جن کے پیغمبر نے اپنے زمانے میں کھلے عام اہل مکہ کے مذہب اور خداؤں کی صرف توہین ہی نہیں کی تھی بلکہ انھیں توڑا بھی تھا۔ ذاتی رنجشوں کی بنا پر محسن انسانیت نے ابوالحکم کا نام بگاڑ کر ابوجہل کر دیا اور ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹنے کی پیشن گوئی بھی کر ڈالی۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ قوم ملحدین کو تنقید اور توہین کا فرق سمجھا رہی ہے جو گوہر شاہی اور غلام مرزا قادیانی پر شب و روز غلیظ گالیاں برساتی ہو، ہندوؤں کے خداؤں اور ان کے عقائد کا مذاق اڑاتی ہو، بامیان کی مورتی کو مسمار کرتی ہو، یہودیوں اور عیسائیوں کو آٹھوں پہر منبر و محراب سے کوستی ہو۔

بہرحال، یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس وقت تقریباً تمام مسلم ممالک میں ملحدوں کی جان کو خطرہ درپیش ہے، چنانچہ وہ کھلی فضا میں سانس نہیں لے پا رہے ہیں اور اپنی شناخت چھپانے پر مجبور ہیں۔ جس کسی شخص نے مذہبی جبر و استحصال پر کھل کر اپنی آواز بلند کی، اسے یا تو قتل کر دیا جاتا ہے یا پھر اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ سلمان تاثیر اور تسلیمہ نسرین کی مثالیں سامنے کی ہیں جنھوں نے مذہب کی ''توہین'' نہیں بلکہ اس پر تنقید کی تھی۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ ابھی سارے جزیرے غرقاب نہیں ہوئے ہیں۔ مہذب دنیا کے کئی ایسے خطے ہیں جو اپنی باہیں پھیلائے ان لوگوں کو خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں جنھیں اپنے ملک کے مذہبی جنونیوں سے واقعی خطرہ لاحق ہے۔ کئی

ایسے دارالامان ہیں جو ان لوگوں کو اپنی پناہ میں لینے کو تیار ہیں جنھیں ان کا وطن تحفظ دینے سے قاصر ہے۔ یہاں ہم اس ضمن میں کچھ لنک شیئر کر رہے ہیں تا کہ بوقت ضرورت کام آ سکے۔ ان لنکس میں آپ کو مکمل تفصیلات مل جائیں گی۔

Resettling from outside of Canada:

http://www.cic.gc.ca/english/refugees/outside/index.asp

Seeking asylum as a refugee within Canada:

http://www.cic.gc.ca/english/refugees/inside/index.asp

U.S. Citizenship and Immigration Services – Refugees:

http://www.uscis.gov/humanitarian/refugees-asylum/refugees

Asylum Overview: How Refugees Get to the United States (Infographic):

http://www.humanrightsfirst.org/resource/asylum-overview-how-refugees-get-united-states

Seeking asylum status from within the US:

http://www.uscis.gov/humanitarian/refugees-asylum/asylum

Asylum Overview: How Refugees Get to the United States

www.humanrightsfirst.org/resource/asylum-overview-how-refugees-get-united-states

Know your rights! The Universal Declaration of Human Rights:

http://www.un.org/en/documents/udhr/

Know your rights! The Universal Declaration of Human Rights:

http://www.un.org/en/documents/udhr/

کب کافر کے اسلام کیا

سید امجد حسین

”میں ایک ملحد ہوں اور اس کے لیے خدا کا شکر گزار ہوں۔“ (جارج برنارڈ شا)

ستیاناس ہو ان شیخی خورے مسلمانوں کا جنہوں نے اپنی علمیت اور قابلیت جھاڑنے کے لیے صحاح ستہ، تاریخی اسلامی کے مصادر، اور سیرت نبوی کی قدیم ترین کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر ڈالا۔ اور اس عظیم علم کو ٹکے ٹکے کے لوگوں تک پہنچا دیا، یہ تو علما کرام کا کام تھا کہ کون سی بات عوام الناس کو بتانی ہے اور کون سی چھپانی ہے۔

شیخ الہند محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انور کشمیری، یہ سب شیخ الحدیث تھے۔ ان کے دماغ میں نہ آئی کہ صحاح ستہ کا اردو ترجمہ ہی کرا جاتے، مولانا اشرف علی تھانوی، ایک ہزار کتابیں لکھیں، لیکن مجال ہے کہ ایسی غلطی کی ہو، بس اردو میں تو قوم کے لیے ایک "بہشتی زیور" ہی کافی تھا۔

بھلا یہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی بھلا کیا کم قابل تھے، کیا یہ سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد کا ترجمہ نہیں کر سکتے تھے؟ لیکن نہیں! انہوں نے اردو میں پوری چھ جلدوں پر مشتمل "سیرت النبی" نامی کتاب لکھنے کی زحمت گوارا کر لی لیکن مجال ہے جو ترجمہ کرنے کا نام بھی لیا ہو، سمجھدار لوگ تھے پرانے زمانے کے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ علم اس طرح گلی گلی خوار ہوتا پھرے، یہ تو نبی کی میراث ہے جس کے وارث صرف علماء ہی ہو سکتے تھے۔

اب لے لو مزے مترجم بننے کے، جو باتیں نہیں بھی بتانے کی تھی وہ اب آسیہ بی بی جیسی عسین (عیسائی) عورت کو بھی معلوم ہیں، کہتی تھی ”مجھے پتا ہے تمہارے نبی نے کیا گل کھلائے ہیں“ وہ تو شکر کرو کہ ضیاء الحق توہین رسالت اور توہین مذہب کے قوانین سخت کر گیا۔ ورنہ توبہ توبہ؛ تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔ اگر علم صرف علماء کے پاس رہتا تو کیا یہ دن دیکھنے پڑتے؟

اب تو نیٹ پر لونڈے لپاڑے بھی بڑے بڑے مفتیوں کے کان کترنے پر آ گئے ہیں۔ اور سونے پر سہاگا ان جھاڑو پیٹے نیٹ پر اسلام کی تبلیغ کے شوقین، دنیا بھر کے نکھے لونڈوں نے پھیر دیا جنہوں نے ان کتابوں کو اٹھا کر اسکین کیا اور اسلام کی تبلیغ کے شوق میں نیٹ پر ڈل دیا کہ دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ پتہ نہیں ان کی آخرت سنوری یا نہیں سنوری

لیکن کل پرسوں گلی میں جھاڑو پھیرنے والے بھنگی سے بحث ہو گئی، کہتا تھا کہ اسکول کی کتابوں میں نبی پر کچرا پھینکنے والی جو روایت ہے جو جھوٹی ہے۔ ہائے ہائے میں یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے کیوں نہ اٹھ گیا۔ کمبختو! اسلام کی تبلیغ تو صرف علماہی کرسکتے ہیں، تمہاری ان "چوولوں" نے گھر گھر میں دہریے پیدا کر دیئے ہیں۔

دل خون کے آنسو روتا ہے قسم سے علم کی اس قدر "بے قدری" دیکھ کر۔

ہائے اوے میرے نبی کے دین کا اردو میں ترجمہ کرنے والو! تھواڈا ککھ نہ رہ جاوے۔ تھوانوں بی بی عائشہ، صفیہ تے زینب دی بد دعاواں لگن۔

کچھ اس سروے کے بارے میں:

(1) خاطر نشان رہے کہ یہ سروے ہے، مردم شماری نہیں۔

(2) اگرچہ ملحدین پر مشتمل اس طرح کے سروے علی سینا، ابن وراق اور دیگر ویب سائٹس بھی کرتے رہے ہیں، لیکن زیر نظر سروے کا ہدف ساؤتھ ایشیا، ان میں بھی بطور خاص پاکستانی ملحدین ہے۔

(3) یہ سروے فیس بک کے "پاکستانی فری تھنکرز گروپ" اور بعد میں "ساؤتھ ایشین فری تھنکرز گروپ" کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

(4) یہ سروے کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کسی ملک کی سیاست سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق ہے۔

(5) یہ سروے مکمل طور پر رضاکارانہ ہے۔

(6) ہماری معلومات کے مطابق اردو میں پہلی بار اس طرح کا سروے منظر عام پر آرہا ہے۔

(7) اس سروے میں 16 سال سے لے کر 80 سال کی عمر تک کے ملحدین کو شامل کیا گیا ہے۔

(8) اس سروے میں کثرت سے عورتیں بھی برضا شامل ہوئیں اور اظہار خیال کیا۔

(9) زیر نظر سروے میں اسلام کے ہر فرقے اور مکتبہ فکر کا بیک گراؤنڈ رکھنے والے ملحدین شامل ہیں۔

(10) سروے میں جہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ ملحدین کثرت سے موجود ہیں، وہیں کم تعلیم یافتہ حضرات کی نمائندی بھی موجود ہے۔

(11) معاشرے کے ہر معاشی طبقے کو اس سروے میں شامل کرنے کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔

(12) اس سروے کے لیے ہم نے ملحدین سے ان کا پرسنل کوائف طلب کرنے کے علاوہ ان سے دو سوال کیے تھے جن پر انھوں نے اظہار خیال کیا:

(الف)وہ کون سا سبب / اسباب تھے جو ترک اسلام کا محرک بنا؟

(ب)ترک اسلام کے بعد آپ میں کیا تبدیلی آئی؟

(13)ملحدین کے جوابات من و عن شامل کیے گئے ہیں، اگرچہ املا اور جملوں کے دروبست میں جہاں غلطی یا کمی محسوس کی گئی، انھیں درست کیا گیا ہے۔

(14)ملحدین کے تعلق سے مذہبی معاشرت میں موجود منافرت کے تناظر میں ان کے تحفظ کے لیے ان کی اصل شناخت کو حتی المقدور خفیہ رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن کچھ ملحدین اپنی مرضی سے اپنی اصل شناخت کے ساتھ بھی اس سروے میں موجود ہیں۔

(15)یہ سروے کسی مذہب یا کسی مذہبی شخصیت کو گزند پہنچانے یا "توہین" کرنے کی نیت سے ہرگز نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسی اظہار رائے کی آزادی اور انسانی حقوق کو بروے کار لایا گیا ہے جن پر دوسروں کے مقابلے میں مذہبی حضرات اپنا حق زیادہ جماتے ہیں۔

(16)اس سروے کا لب لباب محض یہ ہے کہ جو مذہب ہمیں برداشت کرنے کو تیار نہیں، ہم اس کو برداشت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

تم پھوٹ کے پھیلوگے مگر کوڑھ کی صورت
ہم زخم کی مانند تر و تازہ رہیں گے

اگر عربی زبان سے ناواقفیت ہوتی تو شاید پرویزیت کے چنگل میں پھنسا رہتا

ایاز نظامی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	اترک اسلام
42 سال	مرد	فاضل درس نظامی	پاکستان	پاکستان	بے روزگار	2002

فرقوں کی بحث میں پڑ کر درس نظامی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ درس نظامی پڑھنے کے دوران بہت سے شکوک و شبہات نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اندازہ ہوا کہ احادیث میں بہت بڑے پیمانے پر گڑبڑ ہوئی ہے، اور نظریہ ٔضرورت کے تحت احادیث گھڑی گئی ہیں، اور اس طرح مجموعہ ٔاحادیث میں شامل ہو چکی ہیں کہ انھیں ممتاز کرنا ممکن نہیں۔ احادیث کو حقیقت جان کر پرویزیت میں پناہ ڈھونڈنی چاہی، اگر عربی زبان سے ناواقفیت ہوتی تو شاید پرویزیت کے چنگل میں پھنسا رہتا۔ احادیث کے اثر سے نکل کر نئے سرے اور نئی سوچ کے ساتھ غیر جانب دار ہو کر قرآن کا مطالعہ کیا تو جو خرابیاں احادیث میں نظر آ رہی تھیں، وہی قرآن میں بھی نظر آئیں۔ اس طرح قرآن سے بھی ایمان اٹھ گیا۔ مجھے ذاتی طور پر علامہ نیاز فتح پوری کی تحریروں سے بہت فائدہ ہوا۔ ان کی تحریروں نے فلسفہ ٔانسانیت سمجھانے میں بہت مدد فراہم کی، مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے نجات دلائی، غور و فکر کے نئے زاویے سمجھائے۔

میری اپنی فیملی یعنی بیوی بچوں کو میرے ذہنی رویے کے بارے میں بخوبی علم ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ فیملی کے بقیہ افراد مجھے الحاد کے ساتھ ہرگز قبول نہیں کریں گے، اس لیے انھیں میرے ملحد ہونے کا علم تو نہیں، البتہ وہ مجھے ایک بے عمل عالم دین کے طور پر جانتے ہیں۔

میں جنرل مشرف کی طرح کمانڈو ہوں، ڈرتا ورتا کسی سے نہیں

غلام رسول

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	؟	پاکستان	برطانیہ	سرکاری داماد	22 سال کی عمر

ایک زمانے میں مردان شوگر ملز سے ”قند“ نامی ادبی رسالہ شائع ہوا کرتا تھا، اس کے ڈرامہ نمبر میں ایک غیر مذہبی کا مذہبی سے مکالمہ تھا۔ اس غیر مذہبی کے مکالموں نے میرے دین کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں، اس کے بعد جب تھوڑا سا شعور آیا تو کائنات کی تفصیلات کو جانا اور مذہبی کہانیوں سے دماغ اٹھ گیا۔ جب تک کائنات سات زمین اور سات آسمانوں تک محدود تھی، تب تک ٹھیک تھا لیکن جوں ہی کہکشاؤں، بلیک ہولز، کوئیزاز، پلزارز اور اس قسم کی تفصیلات کے متعلق پڑھا تو یقین نہیں آیا کہ اگر واقعی کسی خدا نے اس کائنات کو بنایا ہے تو اس کے خالق کو میری نمازوں اور روزوں کی اس قدر فکر کیوں ہے، ضرور کوئی گڑبڑ ہے، بعد میں رہی سہی کسر مارکسزم نے پوری کر دی۔

میں جنرل مشرف کی طرح کمانڈو ہوں، ڈرتا ورتا کسی سے نہیں۔ میرے سب رشتہ داروں کو پتہ ہے کہ یہ بندہ گمراہ ہو چکا ہے۔ میرے باپ کو بھی میرے خیالات کا پتہ تھا۔ ایک بار اس نے خود ہی بتایا کہ مسجد کے امام صاحب نے جب پوچھا کہ آپ کو کتنے بیٹے ہیں، تو اس نے جواب دیا کہ چار ہیں لیکن آپ تین ہی سمجھیں۔ اگر کسی کو میرے خیالات سے مسئلہ ہے تو میں اسے منہ ہی نہیں لگاتا، لہٰذا مجھے الحاد کے سلسلے میں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

پھر سانحۂ پشاور برپا ہوا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا

سید امجد حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
55 سال	مرد	ماسٹر ڈگری	ہندوستان	ہندوستان	میڈیا	2012

میں کسی زمانے میں غالی قسم کا مبلغ اسلام ہوا کرتا تھا۔ چونکہ صحافت سے وابستہ ہوں، اس لیے ہر واقعہ اور حادثے پر اسلامی نظریات کا ملمع چڑھا کر پیش کرنے کی عادت تھی۔ میری طبیعت میں اس وقت اعتدال آیا جب اپنے والد کے مشورے پر ان کی چھوٹی سی ذاتی لائبریری میں موجود اسلام کے کچھ اہم ماخذ کی جانب رجوع ہوا۔ تفسیر ابن کثیر، سیرت حلبیہ، صحاح ستہ، طبقات ابن سعد، غنیۃ الطالبین، احیا العلوم، تفہیم القرآن وغیرہ جیسی کتابوں سے میری

یہیں ملاقات ہوئی اور میں ایک قدم پیچھے ہو کر apologist بن گیا۔ لیکن بعد میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس نے میری فکر، رجحان، ذہنی رویے اور ترجیحات و تحفظات کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

پتہ نہیں کب اور کیسے میری نظر مکی صاحب کے ایک مضمون پر پڑی، نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں دل کو لگتی باتیں تھیں۔ اب مجھے یاد نہیں رہا کہ اس مضمون کا عنوان کیا تھا۔ خیر، اس کے بعد میں ان کی مزید تحریروں کی تلاش میں "جرأت تحقیق" تک پہنچ گیا جہاں پورا خزانہ میرا منتظر تھا۔ اسی دوران مجھے اپنے پرچے کے لیے نعت گوئی پر ایک ایسا مضمون چاہیے تھا جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ غیر جانب دار بھی ہو، اس ضمن میں میرے پاس کچھ سوالات بھی تھے۔ میرے دہلی کے ایک دوست نے غلام رسول صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا تعارف یوں کرایا، "آدمی کافی پڑھا لکھا اور ذہین ہے اور شاید اسی وجہ سے وہ ملحد ہے۔" میں نے غلام رسول صاحب کو ایک میسیج کیا اور نعت گوئی پر ان سے ایک مضمون لکھنے کی درخواست کی۔ انھوں نے مجھے "پاکستانی فری تھنکرز" میں ایڈ کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے سوالات یہاں پوسٹ کر دوں تاکہ احباب اس پر اظہار خیال کر سکیں۔ اگرچہ اس پوسٹ پر نعمان سعید اور سمرہ خان کے علاوہ کسی نے کوئی خاص بات نہیں کی، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ موضوع کافی خشک تھا، لیکن اس بہانے یہ ہوا کہ مجھے اس گروپ کے بقیہ مشمولات پر نظر دوڑانے کا موقع مل گیا۔ یہ دنیا مجھے عجیب لگی جو اس سے مختلف تھی جہاں میں اب تک جیتا چلا آیا تھا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں یہ کھلاپن میں نے کبھی نہیں دیکھا، وہاں کئی چیزوں سے آپ کو سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں، اظہار رائے کی نادیدہ پابندیاں بھی آڑے آجاتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس سوشل میڈیا میں آپ کی شخصیت اور شناخت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے، اہم ہوتی ہے آپ کی سوچ اور آپ کے افکار۔ دو اجنبی ایک دوسرے کو جانے بغیر ایک دوسرے مکالمہ کرتے ہیں، دوستی کرتے ہیں، جھگڑے کرتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں اور کبھی کبھی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔ یہاں آپ کو اپنے خیالات اور افکار پر رنگ و روغن چڑھا کر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ براہ راست دل سے نکلی ہوئی بات کمنٹس کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ میں اس گروپ کے اکثر لوگوں کو ذاتی طور پر نہیں جانتا، لیکن یہ سارے لوگ مجھے اپنے لگتے ہیں، ان سے بھی زیادہ اپنے جو روزمرہ کی مادی زندگی میں آپ کے آس پاس ہوتے ہیں۔

اس گروپ میں آنے کے باوجود کافی دنوں تک میں خاموش قاری کی حیثیت سے لوگوں کو پڑھتا رہا، پرکھتا رہا۔ ایک ایک پوسٹ نے مجھے دس دس کتابیں کھنگالنے پر مجبور کیا، ایک غیر محسوس طریقے سے میرے دائرۂ مطالعہ اور زاویۂ نظر دونوں میں وسعت آتی گئی۔ پھر سانحۂ پشاور برپا ہوا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اگرچہ روزانہ ہم اسلامی دہشت گردی

کی خبریں پوری دنیا سے سنتے رہتے ہیں، لیکن یہ سانحہ مجھے بہالے گیا۔ آج بھی ان معصوم بچوں کے خون آلود چہروں پر مجھے اپنے نواسوں کے چہرے چپکے نظر آتے ہیں جن کے زیر ناف بال ٹٹول ٹٹول کر قتل کیا گیا تھا۔ مجھے ان اسلامی غنڈوں سے نفرت تو ہوئی جنھوں نے اپنے اس ''کارنامہ'' کو بنو قریظہ کے واقعہ سے جوڑ کر اس کی جواز جوئی کی لیکن مجھے ان لوگوں سے گھن محسوس ہوئی جو بظاہر اس سانحہ کی مذمت تو کر رہے تھے لیکن اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے کے لیے وہ اس کے منبع وماخذ یعنی سانحۂ بنو قریظہ کی وکالت بھی کر رہے تھے۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو اسلامی دہشت گردی کو کمک پہنچا رہے ہیں اور دہشت گردوں کی بلا واسطہ حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ اسلام کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ان سنپولوں کے لیے بھی خاصی نفرت پاتا ہوں، شاید یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ان کے لیے میرا لہجہ سخت ہو جاتا ہے، کیوں کہ میں انھیں کسی قسم کی رعایت دینے کے حق میں نہیں ہوں۔

میرے فیس بک کی وال اور ان باکس گالیوں سے بھری ہیں، ''قرآن اور اس کے مصنفین'' اور "اعجاز القرآن: ایک تنقیدی مطالعہ" کی ریلیز کے بعد اس میں شدت آگئی ہے، لیکن دراصل یہ بیوقوف نہیں جانتے کہ وہ مجھے مزید لکھنے کے لیے تحریک دے رہے ہیں۔ گالیوں کے علاوہ مجھے دھمکیاں بھی ملتی رہتی ہیں کہ اب میری خیر نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اول تو میں ان گیڈر بھبکیوں سے نہیں ڈرتا، دوم یہ کہ ان مادہ پرستوں کو معلوم نہیں کہ جب انسان کو کوئی بڑا مقصد مل جاتا ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتا۔ جب تک زندہ ہوں، اس کا ایک ایک سکنڈ مذہب کے عقوبت خانے کے قیدیوں کو روشنی تک لانے کے لیے وقف کرتا رہوں گا۔

ایک زمانے میں، میں بھی اذانیں دیا کرتا تھا

اسلام مرزا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
59 سال	مرد	ایم ایس سی	پاکستان	برطانیہ	ہاسپیٹلیٹی	؟

بچپن میں ماموں کے ساتھ جمعہ پڑھنے جاتا تھا۔ مولوی صاحب خطبہ دیتے ہوئے مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔ چار ساڑھے چار سال کی عمر میں، میں نے ماموں سے کہا کہ میں عالم بننا چاہتا ہوں۔ والدین سے مشورے کے بعد ماموں مجھے مولوی صاحب کے پاس لے گئے۔ اگلے دن سے مسجد میں میری تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ قرآنی لفظوں سے شناسائی، ادائیگی اور پھر ضرب، ضربا اور ضربو کی گردان۔

ایک دن ظہر کی اذان کا وقت ہو رہا تھا لیکن موذن نہیں آیا تو مولوی صاحب نے کہا کہ اذان دوں۔ میری اذاں تو جیسی تیسی ہو گی لیکن مولوی صاحب نے خوب سراہا۔ اور بعد میں نمازیوں کے سامنے میری تعریف کی اوریوں میں موذن کی موجودگی میں بھی اذانیں دینا شروع ہو گیا۔ میرے شوق کو دیکھتے ہوئے والدین کو مجھے اسکول بھیجنے کا فیصلہ کرنے میں دقت ہو رہی تھی جس کی وجہ سے میں نے وقت پر اسکول شروع نہیں کیا۔ والدین بچوں پر اپنا فیصلہ تھوپنے کے عادی نہیں تھے چنانچہ اگلے سال انہوں نے مشورہ دیا کہ کیونکہ میں بہت ذہین ہوں اس لیے مجھے دونوں طرح کی تعلیم ساتھ ساتھ حاصل کرنی چاہیے۔ اس طرح میری عربی کی تعلیم روزانہ دو گھنٹے تک محدود ہو گئی۔ تعلیم کے ساتھ میرے اندر پڑھنے لکھنے کا بھی شوق پیدا ہو گیا تھا۔

انگریزی ادب کی ترجمہ شدہ کتابیں بہت اچھی لگتی تھیں کیونکہ ان کی زبان سادہ اور میرے لیے زیادہ قابل فہم ہوتی تھی۔ چھٹی جماعت کے آخری دنوں ڈیل کارنیگی کی ایک کتاب کا ترجمہ زندگی کا راستہ کے عنوان سے پڑھنے کو ملی۔ کہانی اور افسانے سے ہٹ کر یہ میری پہلی کتاب تھی۔ کتاب کے ایک باب کا موضوع بچوں کے بلوغت تک پہنچتے جسمانی، ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے والے احساس گناہ کے بارے میں تھا۔ پورا باب انتہائی دلچسپ مگر حاصل مطالعہ یہ کہ فطرت نے آپ کے بدن میں ایک نئی چیز پیدا کرنا شروع کر دی ہے جس کا بدن سے خارج ہونا بھی فطری ہی ہے۔ آپ اگر خود یا کسی دوسرے شخص کی مدد سے نہیں کریں گے تو فطرت اپنا راستہ نکال کے اسے حالت خواب میں خارج کر دے گی۔ اب ان تینوں صورتوں میں احساس گناہ کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے میرے گناہ اور ثواب کے تصور کو ادھیڑ کر رکھ دیا اور اچھائی اور برائی کے تصور کو جنم دیا۔ کوئی عمل اچھا یا برا کیوں ہے؟ داہنے ہاتھ سے کھانے میں کیا اچھائی ہے؟ بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع کیوں کیا جاتا ہے؟ دایاں پاؤں پہلے اور بایاں کیوں نہیں؟ الغرض ایسے بہت سے سوال جن کا جواب یہی ہوتا کہ حضور نے ایسا کرنے کو کہا، حضور کو ویسا کرتے دیکھا گیا یا پھر حضور نے کسی کو کچھ کرتے دیکھ کر اسے پسند فرمایا۔ لیکن حضور نے ایسا کیوں کہا یا ایسا کیوں کیا اس کا جواب مولوی صاحب کے پاس بھی نہیں تھا۔ والدین ہمارے کسی بھی سوال پر ڈانٹ کے ذریعے ہمارا منہ بند نہیں کراتے تھے۔ یہ ''کیوں'' میری والدہ سے مجھے تربیت میں ملی ہے۔ والدہ سے جب اس ''کیوں'' کا پوچھا تو انہوں نے کہا انہیں زیادہ علم نہیں اس لیے میں چوہدری صاحب سے پوچھ لوں۔ چوہدری صاحب ہم تیس بچوں کے پانچ سال کے لیے نگران استاد تھے اور ہم میں سے ہر بچہ اپنے ذاتی یا علمی مسائل پر ان سے بلا جھجک بات کر سکتا تھا۔ سوال کے جواب میں چوہدری صاحب نے فرمایا کہ دین میں بہت سی خرافات شامل کر دی گئی ہیں جن کا اسلام سے

کوئی تعلق نہیں۔ اور حضور کوئی پہلے شخص نہیں تھے کہ جنہوں نے دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا داڑھی رکھی۔ اب ان چیزوں کا اچھائی برائی یا گناہ ثواب سے کیا تعلق۔ میرے پوچھنے پر کہ ان سب باتوں کا منبع تو احادیث، روایات ہی ہیں تو فرمایا کہ وہ بھی خرافات ہی ہیں۔ انہوں نے کچھ مثالیں بھی دیں۔

دین میں خرافات؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ آج سوچتا ہوں چوہدری صاحب نے آدھے گھنٹے پر محیط اس گفتگو میں در اصل میرے اسلام کے ساتھ ٹائم بم باندھ دیا تھا۔

یہاں سے میرے میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو والے والے اسلام کی ابتدا ہوئی۔ یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور نے کوئی بے تکی بات کی ہو۔ حدیث ذباب اس کی ایک مثال ہے۔ یہ حدیث صرف اسی وقت فائدہ مند ہے جب چائے کی دوسری پیالی میسر نہ ہو۔ اگر چائے کی دوسری پیالی میسر ہو تو یہ حدیث ضعیف یا دوسرے لفظوں میں خرافات نظر آنے لگتی ہے۔ دینی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا لیکن ذہن میں نئے نئے سوالات جنم لے رہے تھے۔ قوی حدیث اور ضعیف حدیث۔ یعنی قوی حدیث تو وہ ہے جو قرآن سے میل کھا رہی ہو اور اسے سب مسلمان مانتے ہوں لیکن ضعیف حدیثیں جن پر ائما اور علماء متفق نہیں اور نہ ہی انہیں سچ مانا جاسکتا ہے، لیکن پھر بھی انہیں حدیث کیوں مانا جائے؟ اگر تقدس کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو ضعیف کا مطلب خرافات ہے۔

دوسری طرف جب نویں جماعت میں پہنچا تو ایک اور جھٹکا میرا منتظر تھا۔ سائنس روم کو اندر سے دیکھنے کا پہلا موقع تھا۔ کلاس شروع ہوئی تو ہم سب بچوں کی توجہ لیکچر کی بجائے کونے میں کھڑے انسانی ڈھانچے کی طرف تھی۔ سلمانی صاحب نے لیکچر روک کر کہا کہ ٹھیک ہے پہلے تم لوگ اپنے نئے دوست سے مل لو۔ جب دوبارہ بیٹھے تو پوچھنے لگے کہ کیا ہم لوگ بتا سکتے ہیں کہ اس شخص کا مذہب کیا ہو گا؟ اب ظاہر ہے کہ ہم لوگ کیا جواب دیتے۔ تو کہنے لگے کہ یہ شخص ایک ہیومنسٹ تھا یعنی کہ انسان دوست۔ ہیومن ازم کے موضوع پر گفتگو ہمارے لئے نئی مگر اچھی اور دلچسپ تھی۔ مزید جاننے میں دلچسپی مجھے ذاتی طور سلمانی صاحب کے قریب لے گئی۔ جس سے مختلف نظریات کو جاننے کا موقع ملا۔ بعد میں پتا چلا کہ موصوف ایتھیسٹ ہیں۔

اب میں ایف۔ ایس۔ سی میں تھا۔ بیالوجی کی کلاس شروع ہوئی۔ پروفیسر رانا صاحب نے تعارف کے بعد بیالوجی کی ڈھائی کلو وزنی کتاب اٹھائی اور ایک عدد دھماکہ کر دیا "اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے میرا اس پر پورا ایمان ہے۔ آپ لوگوں کے لیے ایمان لانا مشکل ہو تو بے شک امتحان کی خاطر پڑھتے رہیں لیکن میری کلاس میں سائنس کے علاوہ کوئی گفتگو نہیں ہو گی"۔ ان کی اس بات کی سمجھ اس وقت آئی جب انہوں نے ارتقا کے بارے میں پڑھانا شروع کیا۔ بابا

آدم ہماری آنکھوں کے سامنے سے فارغ ہو رہے تھے۔ رانا صاحب انتہائی ذہین اور حس مزاح رکھنے والے انسان تھے۔ ارتقا اور نیچرل سلیکشن کو وہ جس طرح موجودہ معاشرے تک لے کر آئے س کا انکار ممکن نہیں تھا۔ مذہب اور سائنس کا کھلم کھلا تضاد۔ اس وقت تک اسلامی سائنس ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی کہ دونوں کو صحیح ثابت کر سکے۔ پروفیسر رانا صاحب کے علاوہ پروفیسر غنا صاحب میرے انگریزی کے استاد تھے جنہوں نے تعصب اور تقدس سے بالا تر ہو کر معاملات کو دیکھنا اور سمجھنا سکھایا۔ دونوں صاحبان اتھیسٹ تھے۔

دوسری طرف قرآن و حدیث اور مولوی صاحب سے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ قرآنی عربی کو بڑی حد تک سمجھنے پر قادر ہو چکا تھا۔ سوچنے کی عادت کی وجہ سے اب ذہن میں قرآن پر بھی سوال اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب جہاں تک ممکن ہو تا مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ میں مولوی صاحب کا نام آج بھی پورے احترام سے لیتا ہوں کیونکہ انہوں نے کبھی بھی ڈانٹ کر میرا منہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سوالات تو بہت تھے لیکن صرف چند ایک کے بارے میں مختصر بات ضروری ہے۔

قرآن کے ہر طالب علم کو جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں۔

قرآن میں ربط کا فقدان۔ یہ ہمیں کس نے بتایا کہ قرآن میں ربط کا فقدان کیوں ہے؟

محکمات اور متشابہات۔ کیا کسی نے حضور سے پوچھا کہ کون سی آیت محکم ہے اور کونسی متشابہ؟

ناسخ اور منسوخ۔ کیا ہدایت کی کتاب ایسی ہی ہوتی ہے کہ کچھ پتہ نہ چلے کہ صحیح ہدایت کیا ہے؟

آیات کا سیاق وسباق۔ کیا حضور نے ایسا فرمایا کہ فلاں آیت کو فلاں آیت سے ملا کر پڑھا جائے؟

آیات کا شان نزول۔ فلاں آیت کا شان نزول فلاں واقعہ ہے۔ اگر فلاں واقعہ نہ ہوتا تو کیا متعلقہ آیت نازل ہوتی؟ یا پھر آیت نازل کرنے کے لئے کسی واقعہ کا ہونا طے شدہ امر تھا؟ پردے جیسا اہم حکم کسی واقعہ کا محتاج کیوں؟

حضرت ابراہیم سے اپنا پہلا ذاتی گھر بنوا کر اسے آباد کیوں نہیں کیا؟ اگر آل اسماعیل نے اسے آباد کیا تھا تو اس میں بت کیسے پہنچے؟ شروع دن سے ہی نماز کا رخ مکہ میں اپنے گھر کی طرف کیوں نہیں رکھا؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ۔ اس آیت کے اسلوب سے حج کی طرح روزے کا تواتر بھی عیاں ہے۔ مگر اس آیت کا نزول دو ہجری میں کیوں؟ روایت ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے حضور یوم عاشور کا روزہ خود بھی رکھتے اور رکھنے کی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ وہ روزہ کس کے کہنے پر رکھا گیا اور کس کے کہنے پر منسوخ کیا گیا؟

جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ سوچنے پر مجبور کیا وہ ہے۔ یسئلونک یسئلونک عن الخمر والمیسر یسئلونک عن الجبال یسئلونک عن الروح

الغرض ایسی کئی ایک آیات ہیں جہاں یسئلونک کا کوئی دوٹوک جواب کسی میں بھی نہیں۔ کیا یہ آیات سوالات کی وجہ سے نازل ہوئیں؟ اگر سوالات نہ ہوتے تو آیا یہ آیات نازل ہوتیں؟ اگر ان آیات نے نازل ہونا ہی تھا تو کیا یہ سوالات خدائی منصوبے میں شامل تھے؟ جوں جوں غور کرتا مجھے یہی لگتا تھا کہ یہ اسلوب خدائی ہو ہی نہیں سکتا اور سوال کا جواب دینے کے لئے ایک آدھ دن کا وقت اس لئے لیا جاتا تھا کہ جواب کو من جانب اللہ ثابت کیا جاسکے۔

قرآن کی تعلیم تو اسی ایمان کے ساتھ شروع ہوئی تھی کہ اللہ نے حضور کو جو بات بھی بتائی اسے من و عن انہی الفاظ کے ساتھ آیات کی صورت قرآن میں شامل کر دیتے تھے لیکن اب میری تقدس کی عینک اتر چکی تھی اور سوچ بے باک ہو چکی تھی۔

سورہ تحریم کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسا لگا کہ حضور پر ایک عدد آیت چغلی نازل فرمائی گئی تھی۔ کیا یہ حرکت اللہ کے شایان شان ہے کہ وہ حضور کی بیویوں میں دلچسپی لے اور حضور کے لیے مخبری کرے؟ ساتھ میں حضور کی بیویوں کو دھمکی بھی لگائے؟ اور پھر کسی کو یہ بتایا جائے کہ وہ شہد تھا جو انہوں نے اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تھا اور کسی کو یہ بتایا جائے کہ وہ ماریہ تھیں جنہیں انہوں نے اپنے اوپر حرام قرار دے دیا تھا۔

کہانی لمبی ہے لیکن قصہ مختصر، ایف۔ ایس۔ سی کے ابتدائی مہینوں تک میں صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ کبھی کبھی حضور کی زیارت کے شوق میں تہجد بھی پڑھ لیتا تھا۔ مودودی صاحب سے بہت متاثر تھا اور اسی چکر میں میرے ہاتھوں ڈاکٹر فرید پراچہ کو بلا کر کالج میں جمیعت کی تنظیم سازی کا گناہ بھی سرزد ہوا۔ فرسٹ ایئر کے آخر (1974) تک میں بالکل مطمئن ہو چکا تھا کہ اگر کوئی خدا ہے تو پھر بھی کسی بھی مذہب کا اس سے لینا دینا نہیں۔ میرے لئے خدا کے ہونے یا نا ہونے کی بحث بھی بیکار ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس کے ہونے یا نا ہونے سے میری زندگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میری زندگی میں خدا کی مداخلت کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

میرا بدلنا ایک تدریجی عمل تھا۔ نماز ایک دم نہیں چھوڑی مگر اس میں کچھ عرصہ پہلے سے خاصی حد تک بے قاعدگی آچکی تھی۔ دوستوں اور گھر والوں کو بھی میرے بدلتے ہوئے خیالات کا بخوبی اندازہ تھا۔ گھر کا ماحول ویسے بھی کٹر مذہبی نہیں تھا۔ رمضان میں پوچھا جاتا کہ جس نے روزہ رکھنا ہے یا نہیں رکھنا ہے بتادے تا کہ جگایا جائے یا پھر دوپہر کے لیے کھانا رکھ دیا جائے۔ بڑی بہن اور ہم تین بھائی ہی روزے کے سختی سے پابند تھے۔ بعد میں روزہ نہ رکھنے (جس کی وجہ

میں نے بتادی تھی) کے باوجود بھی سب کے لیے سحری کے وقت بازار سے دہی لینے میں ہی جایا کرتا تھا۔ عالم دین بننے کا ارادہ ترک کرنے اور مسجد جانا بند کرنے کے باوجود بھی پاکستان چھوڑنے تک گاہے بگاہے مولوی صاحب کے گھر جاکے ملاقات کرنا میرا معمول تھا۔ دوستوں کے ساتھ بھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی کیونکہ سبھی دوست کتابیں پڑھنے والے تھے اور بحث مباحثہ میں پڑنے کی بجائے تبادلۂ خیالات میں دلچسپی رکھتے تھے اور ہیں۔ بہن بھائیوں کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ نہیں بنا۔ کیا خدا پر میرا ایمان ہے؟ میں 1975 کے بعد سے اس سوال کا جواب کبھی بھی ہاں یا ناں میں نہیں دیتا۔ بلکہ اپنا ایمان مفصل بیان کرتا ہوں کہ میرا خدا کے نہ ہونے پر دل کی گہرائیوں سے ایمان ہے۔ مگر میں اپنے آپ کو نہ تو ملحد یا دہریہ کہنا پسند کرتا تھا نہ ہی کرتا ہوں اور نہ ہی کہلوانا۔ کوئی اپنے آپ کو کہے یا کہلوائے اس کی مرضی۔ اس کی وجہ پر پھر کبھی بات ہوگی۔ مذہب چھوڑنے کے بعد مجھ میں کیا تبدیلی آئی؟ یہ بتانا شاید اپنی طرف سے کی گئی کسی پوسٹ میں ممکن نہ ہوتا۔ میرے فیصلے میرے ضمیر کے محتاج تھے، نہ کہ کسی مفتی کے۔ یونیورسٹی پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد 1976 میں باقاعدگی سے خون کا عطیہ دینے کا فیصلہ کیا تو کسی مولوی کے ذریعے حلال حرام کا فیصلہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ آنکھوں سے شروع ہو کر پورا جسم عطیہ کرنے کے لیے مجھے کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔ انسانی، سماجی حوالے سے اور بھی بہت کچھ ہے، جس کی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ مجھے مذہب چھوڑنے کے بعد مذہب سے نفرت ہے لیکن کسی بھی مذہب کے ماننے والوں سے نہیں۔ کیونکہ ایک زمانے میں، میں بھی اذانیں دیا کرتا تھا۔

میں پہلے اسلام کی محبت میں جھوٹ بول لیتی تھی

سدرہ منہاس

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
37 سال	عورت	پی ایچ ڈی (جنیٹک انجینئرنگ)	پاکستان	برطانیہ	تحقیق	2011

میری شروع سے ہی اسلام سے بہت گہری وابستگی تھی اور میں قران اور حدیث کے ایک ایک لفظ کو من و عن سچ تسلیم کیا کرتی تھی ہماری فیملی کا تعلق دیوبندی فرقے سے تھا، لہٰذا تبلیغ کے ساتھ محبت ورثے میں ملی تھی، میں باقاعدگی کے ساتھ تبلیغ پر جایا کرتی تھی۔ جب میں UK میں آئی تو یہاں پر بھی تبلیغیوں کے ساتھ اچھی خاصی وابستگی رہی۔ ذاکر

نائک اور طارق جمیل میرے پسندیدہ مبلغ ہوا کرتے تھے جن کی تقریریں میں اپنے ipod میں بھی رکھتی ہوتی تھی اور باقاعدگی سے سنا کرتی تھی۔۔پی-ایچ ڈی کے تقریباً ڈھائی سال میں نے لیب میں کسی کو اسلام کے خلاف بولنے نہیں دیا۔ رچرڈ ڈاکنز کی شہرہ آفاق کتاب The God Delusion کو تو میری ایمانی لہریں بہا کر ہی لے گئیں۔ مصیبت تب شروع ہوئی جب میں نے اپنا تھیسس لکھنا شروع کیا۔ میرا سپروائیزر ایک پرفیکشنسٹ قسم کا آدمی تھا اور پراوڈ ایتھیسٹ۔ تھیسس کے دوران میں ایک مدینہ یونیورسٹی کے ڈین کی تحریر کردہ تفسیر پڑھ رہی تھی۔ میں نے انجانے میں تھیسس کی نظر سے ہی تفسیر پڑھنا شروع کر دیا۔ سائنٹفک رائٹنگ میں کوئی غیر مبہم بات نہیں ہونی چاہیے اور ذو معنی فقرہ نہیں لکھنا چاہیے۔ ایسی کوئی بات نہیں لکھنی جس کے متعلق شواہد موجود نہ ہوں۔ جب میں نے اس مخصوص نظر سے قران کی آیتوں کا جائزہ لیا تو مجھے پتہ چلا کے یہ تو علم کہلانے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ساری سائنس ہی ان سے کشید کر لی جائے۔ ایک جینٹکس کی طالبہ ہونے کے ناطے ارتقا میرے لیے ایک زندہ حقیقت تھی جس کو رد کرنا اپنے سائنس کے علم کو ردی میں پھینکنے کے مترادف تھا- اسلام میں نوع انسانی کے آغاز، یونس کا مچھلی پیٹ میں رہنا، سلیمان کا جنوں اور انسانون پر یکساں حکومت کرنا، عیسی کو بغیر باپ کے پیدا کرنا، اور دیگر اس طرح کی بے شمار مضحکہ خیز کہانیاں ہیں جنھیں پڑھ کر ہنسی چھوٹ جائے اور یہ دیومالائی کہانیاں میرے لیے ہی نہیں کسی بھی باشعور انسان کو قران کی اصل 'حقیقت' سے آگاہ کرنے کے لیے کافی ہیں اس سے میرے اندر خدشات نے جنم لینا شروع کر دیا اور تب اچانک میرے ہاتھ علامہ اقبال کی 'Reconstruction of Religious Thought In Islam' لگ گئی، جس میں علامہ صاحب نے کھل کر کہا کہ جنت اور دوزخ کوئی مادی وجود نہیں رکھتی۔ بس رفتہ رفتہ میرے ذہن کی گرہیں کھلتی گئیں اور میں مزید اس سفر میں آگے بڑھتی گئی۔ مجھ پر جب یہ انکشاف ہوا کہ قران میں خدا نے کتنی بڑی بڑی بونگیاں ماری ہیں تو میرا ذہن یہ تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ ایک خدا جس نے یہ کائنات بنائی ہو اس کو خود ہی اس کائنات کا علم نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے۔ کافی عرصہ میری سوئی اس بات پر اٹکی رہی ہے کہ اس زمیں اور کائنات کا آخر کوئی تو بنانے والا ہوگا۔ یہ خود بخود آخر کیسے وجود میں آسکتی ہے۔ جب میں نے اس کا جواب تلاش کیا تو مجھے اسٹیفن ہاکنگ کی کتاب 'The Grand Design' پڑھنے کا اتفاق ہوا جس سے مجھے تقریباً کائنات کا آغاز کیسے ہوا، ہمارے زمیں زندگی کے لیے انتہائی موزوں کیوں ہے، ہماری زمین کو گولڈیلاک زون میں کس نے بھیجا وغیرہ وغیرہ جیسے سوالات کا جواب مل گیا۔ پھر اچانک ہی ایک دن میرے کسی فرینڈ کا کمنٹ 'ارتقائے فہم و دانش' گروپ میں کمنٹ نظر آیا۔ اپنے تجسس کی وجہ سے میں نے یہ گروپ جوائن کر لیا۔ پہلے پہلے مجھے لگتا تھا کہ شاید میں تنہا پاکستانی ہوں جو ایسے الٹا سیدھا سوچتی ہوں اور قران پر شک کرتی ہوں۔ لیکن ارتقائے فہم

ودانش میں آکر یہ احساس ختم ہو گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں اپنوں میں آگئی ہوں۔ اس گروپ کی تحریروں نے رہی سہی کسر بھی نکال دی، اور یوں میں اسلام کے طلسم کدوں سے نکل آئی۔ جب میں اس دنیا کی اس عظیم حقیقت سے نا آشنا تھی اور اسلام کی غلام تھی تو مجھے رات کو اکثر ڈراؤنے خواب آیا کرتے تھے۔ جیسے مجھے کوئی قبر میں اتار رہا ہے اور میرے ارد گرد زہریلے سانپ پھنکارتے پھر رہے ہیں میں اکثر ڈر کر راتوں کو اٹھ جاتی تھی۔ سردیوں میں بھی اکثر میرا جسم پسینے سے شرابور ہوا ہوتا تھا۔ (تبلیغی بہنوں سے جب میں یہ سب شئیر کرتی تو وہ بہت خوش ہوتیں کہ میں تو خدا کی مقرب بندوں میں سے ہوں اور میرے اوپر خدا کی خاصی مہربانی ہے اور میرے ایمان کی بلندی کی ایک نشانی ہے) میرے ذہن پر ہر وقت قبر کا عذاب سوار رہتا تھا جس سے بچنے اور اپنے خدا کو راضی رکھنے کے لیے میں بہت کچھ کیا کرتی تھی۔ صوم وصلوۃ کے علاوہ میں ہر ہفتے صلوۃ التسبیح پڑھتی، نوافل ادا کرتی اور قران خوانی کا باقاعدہ اہتمام کرتی۔ تبلیغی جماعت آجاتی تو اپنے گھر سے روزانہ اچھا اچھا کھانا پکا کر بھیجتی کہ کسی طرح میرا خدا مجھ سے راضی ہو جائے اور مجھے ڈراؤنے خواب آنا بند ہو جائیں۔ لیکن یہ ڈراونے خواب آنا تب بند ہوئے جس دن میری آنکھوں سے عقیدت کی پٹی اتر گئی۔ وہ دن میرے لیے ایک نئی زندگی کا سورج لے کر طلوع ہوا۔ اس دن کے بعد نہ تو مجھے کسی قسم کا خوف رہا اور نہ لالچ۔ میں پہلے اسلام کی محبت میں جھوٹ بول لیتی تھی (کہ خدا آخر بخش ہی دے گا) لیکن الحاد میں آکر مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ پہلے میں ایک دہری زندگی گذار رہی تھی جس میں میری میرے ساتھ ہی ہر وقت جنگ رہتی تھی، فطرت کی رنگینیوں سے نفرت کرتے کرتے طبعیت میں عجیب سی بوریت پیدا ہو گئی تھی۔ جب بھی اس موضوع پر کسی سے بات کرتی تو ہر کوئی اللہ سے زیادہ سے زیادہ رجوع کرنے کا مشورہ دیتا، لیکن جس دن سے میں نے اسلام کو لات ماری ہے میری تو زندگی ہی بدل گئی۔ یہ زندگی اتنی حسین و جمیل بھی ہو سکتی ہے، یقین ہی نہیں ہوتا۔ اب دوسرے لوگوں کی آنکھوں سے اس عقیدت کی پٹی کو اتارنا میرا مشن بن چکا ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ یہ سب زہریلے بچھو جیسے مسلمان بھائی اور بہنیں بھی اس مختصر سی زندگی کا لطف اندوز ہوں اور نامعلوم خوف اور منافقت میں لتھڑی زندگی سے آزاد ہو جائیں۔

میرے گھر والوں کو پتہ نہیں ہے کہ میں ترک اسلام کر چکی ہوں، البتہ میرے شوہر کو معلوم ہے، وہ بھی میرے ہی جیسے ہیں۔

میری ممی نے اسے کفر کی پہلی سیڑھی قرار دیا

حاجی مست علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
45 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	امریکہ	ذاتی کاروبار	1995

زندگی کے ابتدائی سال کبھی پاکستان اور کبھی امریکہ میں گذرے لیکن پچھلے چھبیس ستائیس سال سے کبھی پاکستان جانا نہیں ہوا۔ امریکہ میں میرے زیادہ تر دوست عیسائی اور یہودی ہوتے تھے۔ ہمارے گھر کے پیچھے ایک چرچ تھا جہاں ہم بچے روزانہ باسکٹ بال وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ شاید میرے ایک دو دوستوں کے علاوہ کسی کو پتہ تک نہیں تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میری ممی کو بھی میرے عیسائی یا یہودی دوستوں سے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن میرے ڈیڈ اور میرے دو چچا یا میرے ماموں جب بھی آتے تو انھیں میرے دوستوں سے ضرور پرابلم ہوتی تھی۔ ممی حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان میں ہائی اسکول کی ہیڈ مسٹرس ہو کرتی تھیں، کئی بار مجھے ان کے ساتھ پاکستان جانا پڑتا تھا۔ وہاں ہمارے ہاں ایک عیسائی فیملی پشتوں سے کام کرتی تھی، لیکن انھیں کچن میں گھسنے یا برتنوں کو ہاتھ لگانے پر پابندی تھی۔ ان کے دو بچے میری عمر کے تھے جن کے ساتھ کھیلنا میری عمر کا تقاضا تھا لیکن اس سے میرے سارے گھر والے ناخوش تھے۔ خیر، میری ممی کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہم مستقل طور پر امریکہ میں ہی رہنے لگے۔ ممی کو تاریخ میں دلچسپی تھی اور انھیں کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، جو مجھے وراثت میں مل گیا۔ ان کے خیال میں غیر مسلم مورخوں نے تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا، چنانچہ مجھے بھی تفتیشی مطالعہ میں دلچسپی ہوئی۔ شروع میں تو میں دوستوں سے بحث و مباحثہ کے دوران اسلام کا اصولی دفاع کیا کرتا تھا، اسلام پھیلانے کے چکر میں اپنے دوستوں سے ان کے عقائد پر سوالات اٹھاتا رہتا تھا جس کی وجہ سے مجھے کاؤنٹر سوالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انٹرنیٹ بھی ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا، اس لیے مسلمانوں کی کتابوں سے مطالعہ کرنے کے سبب اپالوجسٹ بن گیا۔ اسکول میں سائنس نے علیحدہ سے حقیقت پسندی کے انجکشن لگانے شروع کر دیے تھے اور دوسری طرف حدیثوں نے عقل کی مت مار رکھی تھی، بہرحال اللہ کے انجانے خوف کی وجہ سے میں بیس سال کی عمر میں قرآنسٹ بن چکا تھا۔ میری ممی نے اسے کفر کی پہلی سیڑھی قرار دیا جو دو تین سال بعد سچ ثابت ہوئی۔

میرا شمارہ رندوں میں ہوتا تھا

عثمان قاضی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
35 سال	مرد	ایم اے (اردو ادب)	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	2013

اسلام چھوڑنے کی وجوہات کا تعین میرے لیے مشکل ہے۔ مزاج میں تشکیک اور آزادہ روی تھی، اور مطالعہ کا از حد شوق، لہٰذا فکر کی رو کے ساتھ ہی چلتا رہا ہوں۔ مزید بڑی وجوہات میں اول، ادب و شاعری سے لگاؤ اور ادب و شعر کی محفلیں ہیں۔ مذہب پر چوٹ کرنے کا سبھاؤ میر وغالب کی شاعری سے پیدا ہوا، بے باکی اور جرأت رندانہ یہیں سے سیکھی، مذہب پرست دوستوں کو جلانے کے لیے ایسے اشعار بڑا الہک کر پڑھتا جن میں مذہب پر تنقید ہوتی۔ پھر ایسے اشعار ہی طبیعت پر وارد ہوتے چلے گئے، روز محفلیں جمتیں، بحث و مباحثے ہوتے، چند دوست ہمارے درمیاں "واعظ اور ناصح" کہلاتے اور چند "رند"، میرا شمارہ رندوں میں ہوتا تھا۔ جب جذبات زیادہ گرم ہوتے تو ایک ناصح دوست مجھ سے اکثر کہتا: "تم اسلام چھوڑ ہی کیوں نہیں دیتے؟" لیکن اس وقت تک میرے پاس ایسا کرنے کا کوئی تسلی بخش جواز نہیں تھا۔

دوسری وجہ خدا کا تصور ہے جسے سمجھنے کے لیے میں نے مذہب، فلسفہ اور تاریخ کو بڑی دل جوئی سے پڑھا جس سے خدا کا تصور ذہن میں پوری طرح الٹ گیا اور یوں مذہب کے ساتھ باندھنے والی بنیادی کڑی ہی ٹوٹ گئی۔

تیسری بڑی وجہ فیس بک پر ملحدین سے ربط قائم ہونا ہے۔ اسلامی مصادر کے متن کو لے کر گو مجھے زیادہ آزردگی نہیں رہی، اسلام کے چند احکامات اور تاریخی واقعات سے رنجش محسوس ہوتی لیکن مستشرقین کی رد میں لکھی گئی اسلامی کتابوں سے کوئی جواز مل جاتا لیکن فیس بک پر ایسی تنقید سے زیادہ سامنا ہوا جس سے کئی اور پہلو بھی سامنے آتے تھے جو بالآخر مذہب چھوڑنے میں معاون ہوئے۔

مذہب چھوڑنے کے فیصلے سے باقاعدہ کسی کو آگاہ نہیں کیا، البتہ قریبی دوست اپنے تئیں واقف ہیں، ان کا رد عمل بھی کوئی خاص نہیں، کیوں میری طبیعت کی آزاد خیالی سے سبھی آگاہ رہے ہیں۔

میں قرآن میں سائنس فٹ کرتی رہی

شناخان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
31 سال	عورت	ایم بی بی ایس، ایم آر سی ایس، ماسٹرز میڈیکل ایجوکیشن	پاکستان	برطانیہ	ڈاکٹر	2012

میڈیکل کالج میں تبلیغی لڑکیوں سے تعلق ہوا، کچھ عرصہ متاثر رہی، پھر ان کی کتابوں اور احادیث پر سوال اٹھانے شروع کر دیے۔ آہستہ آہستہ ان کی کتابیں چھوڑ کر دوبارہ سادہ اسلام پر آ گئی۔ طلاق کے بعد ڈپریشن کے علاج کے لیے دوبارہ مذہب سے رابطہ کیا، احادیث سے تبلیغ کے دنوں میں ہی چھوٹ چکی تھی، ان میں دلچسپی دوبارہ پیدا ہوئی اور تقریباً سال ڈیڑھ سال قرآن کو تفصیل سے پڑھا اور قرانسٹ بن گئی۔ میں قرآن میں سائنس فٹ کرتی رہی۔ ایک دن ایک دوست نے میری دلچسپی دیکھ کر برائن کوکس کی سیریز دیکھنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس شخص کی بدقسمتی دیکھو کہ یہ سب کچھ جان کر بھی وہ ایتھسٹ ہے۔ میں نے پہلی بار اتھیسٹ کا لفظ یہیں سنا اور دل میں خیال اٹھنا شروع ہو گیا کہ کہیں میں قرآن میں زبردستی سائنس فٹ کر کے بددیانتی کی مرتکب تو نہیں ہو رہی ہوں۔ دوبارہ قرآن پڑھنا شروع کیا اور ساری دھند چھٹ گئی۔

الحاد کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ زندگی کا رخ مکمل طور پر بدل گیا۔ ڈپریشن ختم، زندگی مثبت ہو گئی۔ جھوٹی امید و آس سے جان چھوٹی۔ اسی زندگی کو حقیقت تسلیم کر کے میرے کیرئیر پر بھی کافی مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

گھر والوں کو علم نہیں ہے۔ ان کے رد عمل کے ڈر کی وجہ سے میلاد، ختم، قرآن خوانی وغیرہ چلتی رہتی ہے۔ بہت بار ہلکے پھلکے سوالات اٹھاتی ہوں، زیادہ بحث نہیں کرتی، شاید اسی وجہ سے والد صاحب قرانسٹ بن گئے ہیں۔ دو ہی قریبی دوست ہیں، ایک کو ملحد کر چکی ہوں، دوسری نے انتہائی سخت رد عمل دیا، اس لیے اس سے دوستی برقرار رکھنے کے لیے اس سے کبھی اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں کی، برطانیہ کے ہسپتال میں سارے ضروری کاغذات کے مذہب کے خانے میں خود کو ایتھسٹ ہی لکھتی ہوں۔

جب خود کو دھوکہ دیتے دیتے تھک گیا تو بالآخر ہمت ہار دی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
41 سال	مرد	پی ایچ ڈی (اکنامکس)	پاکستان	آسٹریلیا	انوسٹمنٹ بینکنگ	2000

اسلام ترک کرنے کی کوئی ایک وجہ نہیں تھی، برسوں پر محیط ایک طویل سفر تھا۔ میں اپالوجسٹ (apologist) ہوا کرتا تھا، پھر جب خود کو دھوکہ دیتے دیتے تھک گیا تو بالآخر ہمت ہار دی۔

میرے اور میری شریک حیات کے ملحد ہونے کے بارے میں دونوں کے والدین کو ایک ساتھ پتہ چلا، کافی تو تکرار ہوئی، بحث و مباحثے ہوئے، بلکہ اب تک ہوتے ہیں لیکن والدین کے حفظ مراتب کو دھیان میں رکھتے ہوئے زیادہ تر ہم ان کی باتیں خاموشی سے سن لیتے ہیں۔

خوف ہی مذہب کی بنیاد ہے

زرتاشیہ خانم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
31 سال	عورت	ایم ایس سی، بی ایڈ، ایم ایڈ	پاکستان	پاکستان	خاتون خانہ	2013

ڈیرن براؤن (Derren Brown) کے تجربے Fear and Faith نے میرا راستہ صاف کر دیا تھا، کیوں کہ ایک ماہر نفسیات ہونے کے ناطے جنات، بھوت یا کسی مافوق الفطرت ہستی پر یقین نہیں تھا۔ اسی وقت مجھے مذہب کا مرکزی نقطہ سمجھ میں آیا کہ خوف ہی مذہب کی بنیاد ہے جس کے بغیر یہ عمارت گر جاتی ہے۔

گھر والوں کو واضح طور پر اپنے بارے میں بتا دیا تھا لیکن کوئی خاص ردعمل نظر نہیں آیا، کیوں کہ وہ صوفی نظریہ رکھتے ہیں، البتہ والدہ تھوڑا گھبرا گئی تھیں کہ کہیں مجھے کوئی مار نہ دے۔

جب ایک دوست نے حضرت حسن کی بے تحاشا شادیوں کا ذکر کیا

دل آرام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
24 سال	عورت	طالب علم	پاکستان	پاکستان	طالب علم	چار برس قبل

پہلے چھ برس تو ہلکی سی خلش پیدا ہوئی، جب ایک دوست نے حضرت حسن کی بے تحاشا شادیوں کا ذکر کیا، پھر روایات و احادیث پڑھیں، قرآن پڑھا، غامدی صاحب کو سننا شروع کیا، یوں لگا جیسے سب ''شوگر کوٹنگ'' ہے اور میں خود کو دھوکہ دے رہی ہوں۔ سائنس میں دلچسپی ہے، اس لیے وہاں بھی اسلامی نقطۂ نظر میں مجھے جھول نظر آئے۔ یہ بات عجیب لگی کہ اتنا عظیم خالق بنیادی سائنسی دریافتوں مثلاً ارتقا، کائنات اور ہم جنس پرستی کے بارے میں اتنا کورا کیسے ہو سکتا ہے؟ لونڈی کلچر غیر انسانی لگا اور اسلام میں عورت کی کمتر حیثیت عجیب لگی۔ پھر پاکستانی فری تھنکرس گروپ میں ایاز نظامی اور غلام رسول کو پڑھا، ان کے دیے گئے حوالوں کی کراس چیکنگ کی، حتیٰ کہ ان کی رائے کو رد کر کے اپنی رائے بنانے کی کوشش کی جو ان سے زیادہ مختلف نہیں نکلی۔ یہاں سے آگے سیدھی اور ہموار سڑک جاتی تھی۔

میرے ترک اسلام کے بارے میں صرف بھائی کو معلوم ہے اور وہ بھی میرے ہی جیسا ہے۔ والد سیکولر خیالات کے ہیں، ان کو یہ تو معلوم نہیں کہ میں اسلام چھوڑ چکی ہوں لیکن انھیں اس بات کا احساس ضرور ہے کہ میں کافی حد تک سیکولر ہوں۔ البتہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور میں بھی ان کی دیکھا دیکھی پڑھ لیتی ہوں۔

موت سے بھی کوئی ''روحانی'' ڈر نہیں (یعنی بعد میں قبر یا جہنم وغیرہ کا سلسلہ)

دانیال تیموری

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	؟	پاکستان	؟	؟	؟

ابتدا اسلام اور انسانیت کے ٹکراؤ سے ہوئی۔ غلامی کا مسئلہ ہضم نہیں ہوا۔ غیر مسلموں سے سلوک ناانصافی پر مبنی ہے اور مرتد کی سزا غیر عقلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر انتہا قرآن اور سائنس کے ٹکراؤ پر ہوئی، جس کے بعد شکوک و شبہات کے تلاطم جنم لے چکے تھے لیکن اس کے باوجود کئی سال تک اسلام نہیں چھوڑا جا سکا، حتیٰ کہ متبادل نظام ''الحاد'' پر نظر پڑی جس کا مطالعہ مکمل ہونے کے بعد اسلام ترک کرنا آسان ہو گیا۔

اسلام ترک کرنے کے بعد کے تاثرات: زندگی کو وہ اطمینان اور سکون نصیب ہوا کہ جس کا تصور بھی مومنانہ زندگی میں موجود نہ تھا۔ سوچتا رہتا ہوں کہ اس تبدیلی کو کیسے بیان کروں۔

(1) پہلے کسی "دوسری ذات" (یعنی اللہ) پر بھروسا کرنا پڑتا تھا، جہاں ہمہ وقت شکوک رہتے تھے کہ وہ راضی ہوا یا نہیں۔ ہر وقت اس سے گڑگڑا کر دعائیں مانگنی پڑتی تھیں اور اطمینان پھر بھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ جب تک آپ خود کو کسی اور کے رحم و کرم پر سمجھتے ہیں، اس وقت تک آپ کو کبھی سچا اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔

آج الحاد قبول کرنے کے بعد پہلی بار سچا اطمنان نصیب ہوا ہے، کیونکہ آج میں حقیقی معنوں میں صرف "اپنی ذات" پر "بھروسہ" کرنے کی آزادی سے فیضیاب ہوا ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں رہی کہ میں کسی اور کے در پر پڑا رہوں، بلکہ میں اپنی قسمت، اپنی خوشیوں اپنے زندگی کا خود حقیقی معنوں میں خود مالک ہوں۔

(2) خود پر بھروسہ کرنے کے بعد یہ کہنا شاید فضول ہو کہ میرے خوف دور ہو چکے ہیں۔ نہ قبر کا کوئی ڈر رہا ہے، نہ جہنم کا، نہ اللہ کے عذاب کا، نہ کوڑے برساتے فرشتوں کا۔

(3) مومنین موت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تو موت سے بھی کوئی "روحانی" ڈر نہیں (یعنی بعد میں قبر یا جہنم وغیرہ کا سلسلہ)۔ مادی طور پر انسانی نفسیات کے مطابق یقیناً خواہش ہے کہ موت ایک خوشی سے بھری ہنستی کھیلتی زندگی انجوائے کرنے کے بعد ہو، اور اس عمر میں ہو کہ جس سے قریبی رشتے داروں کو جدائی زیادہ شاق نہ گذرے بلکہ وہ بھی ذہنی طور پر قبول کرنے کو تیار ہوں یہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ ہر انسانی زندگی کو کچھ عرصے بعد ختم ہونا ہے اور نئی زندگیوں نے جنم لینا ہے۔

(4) دن میں 5 بار نماز پڑھنے کا خوف ایک بہت بڑا ذہنی بوجھ ہے۔ یہ ایک ٹینشن ہے جو زندگی کے معیار کو تباہ کر رہی ہے اور آپ کی زندگی کو بُرے طریقے سے بدمزہ کر رہی ہے۔ اس سے نجات حاصل کرتے ہی آپ کے زندگی کی کوالٹی کہیں بہتر ہو جائے گی۔

(5) چیزوں کو سوچنے، سمجھنے اور پرکھنے کا معیار بدل گیا، وہ وسعت نظری و وسعت قلبی نصیب ہوئی جو مسلمان رہتے ہوئے ممکن ہی نہ تھی۔ حتیٰ کہ جانوروں سے بھی پہلی بار حقیقی پیار کا احساس ہوا اور زندگی میں پہلی مرتبہ کتوں جیسے وفادار جانوروں کو دل کھول کر پیار کیا اور ان کے پیار کو بھی محسوس کیا۔

(6) جانوروں کے بعد "انسانی رنگ و نسل و مذہب و قومیت" کے تمام کے تمام تعصبات بھی پہلی مرتبہ حقیقی معنوں میں دور ہوئے۔

المختصر، میں پہلی بار کامیاب ہوا جب کہہ سکوں کہ میرے لیے "انسانیت" سب سے بڑا دھرم بنا، انسانیت سب سے بڑی قومیت بنی، انسانیت سب سے بڑی رنگ و نسل بنی۔ میں نے پہلی بار خود کو حقیقی انسان بنتا پایا۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک خوش کن احساس ہے۔

میں اتھلے پانی میں زیادہ دیر تک نہیں تیر سکتا

محمد علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	انجینئرنگ، ایم بی اے	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	40 سال کی عمر

تقریباً چالیس سال کی عمر میں آرگنائیزڈ ریلیجن سے گلو خلاصی ہو گئی لیکن خدا کے بارے میں غیر یقینی تھی۔ غالباً یہ وہی عمر ہے جس میں محمد صاحب کو بھی خدا اور بعد از مرگ سزا و جزا کے عدم وجود کا یقین ہوا تھا۔ میری پیغمبر اسلام کے ساتھ شاید یہ واحد مماثلت ہے۔ گھر والوں کو بتایا؟ جی سب کو معلوم ہے۔ بیگم ملحد اور بچے آزاد خیال ہیں۔ قوی امید ہے کہ وقت آنے پہ ملحد ہو جائیں گے۔ والدین اور بہن بھائی اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ البتہ والدہ گاہے بگاہے محتاط رہنے کی تلقین کرتی رہتی ہیں۔ اسلام کیوں چھوڑا؟ لمبی کہانی ہے۔ آپ کے قیمتی وقت کی قدر سد راہ ہے، اس لیے مختصر کرتا ہوں۔ والد صاحب مودودی صاحب کے گرویدہ تھے، البتہ والدہ نے مذہب کو کبھی زیادہ سیریس نہیں لیا۔ خیر، ہوش سنبھالا تو مودودی صاحب کی کتابیں، جماعت اسلامی کا ماہانہ رسالہ اور اردو ڈائجسٹ کے علاوہ گھر میں پڑھنے کو کچھ نہ ملا اور کچی پکی عمر میں ہم ان سے متاثر ہو گئے۔ میں بیس برس کی عمر میں یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت کے ہراول دستے کا سپہ سالار تھا۔ میاں طفیل، قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی پاکستان کے موجودہ امیر سراج الحق سے صاحب سلامت رہی۔ وہ عجیب پر آشوب زمانہ تھا جب جماعت اسلامی جنرل ضیا کی گود میں بیٹھی تھی اور چونکہ جنرل ضیا نے طلبہ تنظیموں پہ پابندی عائد کر دی تھی اس لیے جمعیت جی جان سے ضیا کے خلاف احتجاج کر رہی تھی۔ اس لیے متعدد بار جیل کی ہوا بھی کھائی تاہم کوڑے وغیرہ کھانے کی نوبت نہیں آئی کیوں کہ تشدد جنرل صاحب نے بائیں بازو، خصوصاً پیپلز پارٹی کے

لیے مخصوص کیا ہوا تھا۔ یوں ہم سستے چھوٹ گئے۔ یہ سلسلہ کوئی دو، تین برس تک چلا، لیکن اس کے بعد داڑھیوں اور نمازیوں سے جی اوب گیا۔ آپ ضرور جاننا چاہیں گے کہ ایسا کیوں ہوا۔ بصد افسوس اس کا کوئی معقول جواب میرے پاس نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ میں پارہ صفت ہوں۔ اتھلے پانی میں زیادہ دیر تک نہیں تیر سکتا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات جو مجھے یاد ہے وہ یہ کہ اس دور میں پہلی بار کسی دوست کے ساتھ گنگارام ہسپتال جانے اور اس کے بعد گنگارام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا اتفاق ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرے ذہن نے بتدریج یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ جنت میں صرف کلمہ گو جائیں گے۔ یوں بہت غیر محسوس طور پہ میرے لیے عقائد کی اہمیت کم ہوتی گئی اور اعمال مقدم ہوتے چلے گئے۔

اس کے کچھ ماہ بعد میں نے جمعیت سے استعفی دے دیا اور لٹریچر پڑھنا شروع کر دیا اور یوں کہیے کہ بس اس میں غرق ہو گیا۔ چارلس ڈکنز سے شروع کیا تو تھامس ہارڈی سے لے کر ٹالسٹائی، مارک ٹوئین، دستووسکی، مارگریٹ مشل، موپساں، چیخوف، این رینڈ، کافکا، غالب، میر، فیض، گارشیا مارکیز، میلان کنڈیرا، اور نہ جانے کون کون، غرض چل سو چل۔ اب سوچتا ہوں تو اس نتیجے پہ پہنچتا ہوں کہ ادب نے میرے لیے اس راستے پہ چلنا بہت آسان کر دیا جس کی آخری منزل الحاد تھی۔ تاہم یہ وضاحت ضروری ہے کہ ابھی میں الحاد سے کوسوں دور تھا۔ جمعیت چھوڑنے کے بعد اگلی دو دہائیاں کتابوں، فلموں اور ڈراموں کی نظر ہو گئیں۔ خوب انجوائے کیا، مذہب کہیں پس منظر میں چلا گیا لیکن اس سے واجبی سا تعلق بہر حال قائم رہا۔ اپنے طور پہ یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ خدا ہے یا نہیں، یہ تو معلوم نہیں تاہم، نبی، پیغمبر، رسول وغیرہ اچھے لوگ تھے جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں سماجی اصلاح کی کوشش کی۔ اس مفروضے کا دھڑن تختہ بالآخر ارتقائے فہم و دانش نے کیا۔ چند برس قبل، ایک شام حسب معمول ساغر و مینا کے ساتھ محفل یاراں گرم تھی جس میں کسی نے اس پیج کا ذکر کیا۔ اگلے روز میں وہاں پہنچا اور چند روز وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ اس کے بعد فیس بک کو خدا حافظ کہا اور حدیث اور تاریخ کو کھنگالنا شروع کیا، جوں جوں پڑھتا گیا، اسلام کے خوشنما پنکھ جھڑتے گئے۔ جب بنو قریظہ کے واقعے پہ پہنچا تو سکتے میں آ گیا۔ نیند اڑ گئی، آنکھ لگتی تو ذہن سینما اسکرین بن جاتا اور میں دیکھتا کہ محمد صاحب ایک گڑھے کے کنارے براجمان ہیں، علی کے ہاتھ میں تلوار ہے جس سے خون ٹپک رہا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے لوگوں کو قتل کر کے گڑھے میں پھینکتے جا رہے ہیں۔ دماغ شکل ہو گیا۔ بار بار اپنے کو دلاسہ دیتا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، کسی اور کتاب میں دیکھتے ہیں لیکن ہر بار ناکام ہوتا۔ آخر کار، اتمام حجت کے لیے قرآن کھولا، تو اس کو الم سے لے کر والناس تک لغو، بے ربط، مبہم اور اخلاقیات سے متصادم پایا۔ سو یوں ہمارا کام تمام ہوا۔

ایک پہاڑی پر آستانہ بنا کر رہتا تھا

ابرار حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	مرد	پی ایچ ڈی، اسلامک اسٹڈیز	افغانستان	جرمنی	ویب سلوشنز	2006

میں اہل تشیع فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور ترک مذہب کرنے سے پہلے ایک کٹر مذہبی انسان ہوا کرتا تھا۔ مذہبی شعائر پر سختی سے کاربند تھا۔ ایک وقت تھا جب میں پہاڑوں پر راتوں کو عبادت کیا کرتا تھا۔ جنات وغیرہ کے لیے چلے کاٹتا اور لوگوں کو تعویذ اور گردنامے دیا کرتا تھا۔ میں نے تقریباً ترک دنیا کرر کھا تھا اور ایک پہاڑی پر آستانہ بنا کر وہیں رہتا تھا۔ گھر بچوں کی ذمہ داری سے دور اور رشتہ داروں اور احباب سے لاتعلق۔ ایک عجیب سا احساس تھا کہ شاید میں دوسروں سے افضل ہوں اور اس کی تائید کے لیے میرے پاس مریدوں کی کمی بھی نہیں تھی۔

پھر کچھ یوں ہوا کہ ایک بے کیفی کی حالت میرے پورے وجود میں چھا گئی اور مذہب بیزاری کے جراثیم میرے اندر کلبلانے لگے۔ اس حالت سے نکلنے کے بعد میں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور اس بیزاری سے دور رہنے کے لیے میں نے اسلام اور دیگر مذاہب پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی جدوجہد شروع کر دی، ایک امید تھی کہ شاید میں اس طرح مذہب کی طرف لوٹ آؤں۔ لیکن جس دن میں نے اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اسی دن میں نے Deism نظریہ کو اپنالیا اور بالکل لادین ہو گیا۔ آج میں ایک Proud Deist ہوں۔ اب میرا ماننا ہے کہ کسی بھی مذہب کی تہہ تک جب کوئی انسان پہنچ جاتا ہے تو وہ اس مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے، کیوں کہ حقیقتیں تہہ آب چھپی ہوتی ہیں اور سطح پر نظارہ کرنے والے عام انسانوں پر آشکار نہیں ہوتیں۔

اسلام سنسر شپ کی کیوں حمایت کرتا ہے

گمنام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
45 سال	مرد	ماسٹرز	پاکستان	دبئی	انجینئر	2014

میں یہ تو نہیں کہتا کہ ملحد بہت ذہین لوگ ہوتے ہیں لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ باقی لوگوں سے الگ طرح سے سوچتے ہیں۔ مختلف چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں جنھوں نے میری سوچ کو بدلنے میں مدد دی۔ جب پیغمبر اسلام کے خاکے بنے اور پوری دنیا میں مسلمانوں کاری ایکشن دیکھا جس میں پوری دنیا میں مسلمانوں نے پچاس مسلمانوں کو ہلاک کر دیا اور اپنی ہی املاک کو آگ لگادی، میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی مسلمان اپنے نبی سے اتنی محبت کرتے ہیں یا کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ پھر نیٹ پر سرچ شروع کی، جو ویب سائٹ یا یوٹیوب کی ویڈیو اسلام کی حقیقت کو بیان کرتی وہ پاکستان میں بلاک ملتی۔ مجھے اندازہ ہونا شروع ہو گیا کہ ریاست خود نہیں چاہتی کہ عوام کو پتہ چلے کہ اسلام کی اصل حقیقت کیا ہے تاکہ عوام جاہل ہی رہیں۔ پاکستانی ریاست اور اسٹیبلشمنٹ عوام کے ساتھ ہمیشہ جھوٹ ہی بولتی آئی ہے اس کی سب سے بڑی مثال اکہتر کی جنگ ہے جس میں ایک طرف ہتھیار ڈالے جارہے تھے اور دوسری طرف عوام کو فتح کی خوش خبری سنائی جارہی تھی۔

خیر بات کافی طویل ہو رہی ہے۔ سب سے بڑا واقعہ جس کے بعد میں نے مذہب کو خیر باد کر دیا، وہ پشاور حملہ تھا جس کو حدیث کی مدد سے جسٹیفائی کیا گیا تھا۔ پھر حدیث اور قران کو خود پڑھنا شروع کیا تو پتہ چلا کہ سارا اسلام ہی قتل و غارت کو جسٹیفائی کرتا ہے۔ اب میں اتنا دور جا چکا ہوں کہ واپسی ممکن نہیں ہے۔ مذہب کی حقیقت جاننے کے بعد جس طرح تمام گتھیاں سلجھ گئی ہوں یا ایک پہیلی جس کی کڑی سے کڑی جڑ گئی ہو اور ایک بڑی تصویر سامنے آگئی ہو۔ اب سب کچھ سمجھ آنا شروع ہو گیا ہے کہ ہو کیا رہا ہے۔ اب تقریباً تمام ہی سوالوں کے جواب مل گئے ہیں جس کے لیے میں پاکستانی فری تھنکر گروپ اور جرأت تحقیق کی ویب سائٹ کا شکر گذار ہوں۔ خاص طور پر ارتقا کے حوالے سے میں بات کروں گا۔ یہ ایک اتنی بڑی حقیقت ہے جس کو جھٹلانا اپنے آپ کو بیوقوف بنانے والی بات ہو گی۔ میں نے جتنی بھی کمنٹریز دیکھی ہیں یا سائنس کی کتابیں یا میگزین پڑھے ہیں ان میں اکثر دلیل کا آغاز ارتقا سے ہوتا ہے۔ اگر ارتقا کو جھٹلا دیا جائے تو جنیاتی سائنس کی پوری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ اب سمجھ آگئی ہے پاکستان میں سائنس کا کلچر کیوں نہیں ہے، کیوں کہ سائنس سوال اٹھاتی ہے۔ اب سمجھ آگئی ہے کہ پاکستان میں انٹرنیٹ اتنا مہنگا اور عام آدمی سے دور کیوں کیا جارہا ہے کیوں کہ اس کو حقیقت نہ پتا چل جائے۔ اب سمجھ آگئی ہے کہ پاکستان بائیولوجی کی کتابوں میں ارتقا کو کیوں نہیں پڑھایا جاتا۔ اب سمجھ آگئی ہے پاکستان میں پڑھے لکھے لوگ جن کو مذہب کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے، ان کا مذاق کیوں اڑایا جاتا ہے ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ پڑھ پڑھ کر دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب سمجھ آگئی ہے کہ مولوی لوگ

سیکس ایجوکیشن کے خلاف کیوں ہیں۔اب سمجھ آگئی ہے پاکستان کے ہر نصاب کی کتاب اسلامیات کی کتاب کیوں بنتی جارہی ہے۔

اب سمجھ آگئی ہے اسلام نے کئی فطری چیزوں پر پابندی لگا کر معاشرے کے اندر غیر اخلاقی اور منافقانہ رویوں کو ہوا کس طرح دی ہے۔اب سمجھ آگئی ہے، سورہ رحمان میں جو جنّت کا نقشہ کھینچا ہے کیا اس کو دیکھ کر نہیں اندازہ ہوتا یہ صرف عربوں کے ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ قالین، تخت، تکیے، پھل، میوے، پرندوں کا گوشت؛ یہ کسی غریب انسان کے منہ میں پانی لا سکتی ہیں لیکن کیلی فورنیا میں رہنے والے کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں ہے۔اب سمجھ آگئی ہے اسلام سنسر شپ کی کیوں حمایت کرتا ہے، کیونکہ اسلام کی تاریخ ہی ایسی ہے جس پر کوئی فخر نہیں کر سکتا۔ میں اکثر انگریزی فلموں میں ان کے پیغمبر کا مذاق اڑتے دیکھتا تھا، سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں، کیا ان کے دل میں کوئی عزت نہیں ہے ؟اب معلوم ہوا ہے کہ ساری دنیا کا مذہب سے جان چھڑائے عرصہ ہو گیا۔یہ تو صرف پاکستان یا دوسرے چند ممالک ہیں جہاں عوام کو جاہل رکھ کر اور سنسر شپ کی پابندیوں سے مذہب پر قائم رکھا ہوا ہے۔انٹرنیٹ پر آنے سے پہلے میں نے کسی سے الحاد کا نام بھی نہیں سنا تھا، بلکہ مولوی ان کا نام بھی نہیں لیتے۔ایسے لوگوں کو وہ قادیانی، پرویزی یا منکر حدیث کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں، لیکن فیس بک کے آنے سے الحاد کی تحریک پاکستان میں چل پڑی ہے۔مولویوں کو سب معلوم ہے، لیکن وہ اس کا ذکر کسی خطبے میں نہیں کرتے کیوں کہ اس طرح وہ خود ہی اس حقیقت کی تشہیر کا باعث بنیں گے۔وہ زیادہ سے زیادہ اسے یہودی ہندو یا قادیانی سازش کا نام دے دیتے ہیں۔میں اکثر سوچتا تھا کہ پوری انسانی تاریخ میں جتنی ترقی پچھلی صدی میں ہوئی ہے اتنی کبھی نہیں ہوئی، آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟ وجہ صاف ظاہر ہے جب سے دنیا نے مذہب سے جان چھڑائی ہے، اس کی سوچ کسی مثبت کام میں استعمال ہونا شروع ہو گئی ہے۔

میں اسلام کو تمام کا تمام برا نہیں سمجھتا

قمر خیام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
60 سال	مرد	ایم ایس سی (انجینئرنگ)	پاکستان	امریکہ	انجینئر	1990

میں نے اسلام کو نہیں چھوڑا اور اپنے آپ کو ملحد نہیں سمجھتا، البتہ اسلام اور دیگر مذاہب سے بہت سے مسائل پر متفق نہیں ہوں۔ یہ حالت 1990 کی دہائی کے وسط سے ہے جب میری عمر تقریباً 35-36 سال کی تھی۔ آپ مجھے زیادہ سے زیادہ اگنوسٹک کہہ سکتے ہیں۔

میرے بچے اور کچھ دوست میری سوچ سے پوری طرح واقف ہیں۔ اہلیہ کو میرے world view کا اندازہ ہے اور کبھی کبھی اس وجہ سے تلخی ہو جاتی ہے لیکن عموماً انہیں میرے عقائد سے کوئی مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ان کے عقائد سے کوئی مسئلہ ہے۔ والدہ اور دیگر عزیزوں سے مذہب پر صرف سطحی باتیں ہوتی ہیں، خاص طور پر والدہ کے سامنے مذہب پر زیادہ تنقید سے گریز کرتا ہوں تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔

میری دلچسپی سائنس میں ہے، مذہب میں نہیں۔ مذہب میں روحانیت اور صوفی ازم زیادہ اپیل کرتے ہیں جبکہ mainstream اسلام بالکل سطحی اور سادہ لوح ذہن کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔ سائنس جتنی زیادہ سمجھ آئی اتنا ہی مذہب زیادہ سطحی معلوم ہوا۔ فزکس میں دلچسپی تھی، لہٰذا کائنات کیسے کام کرتی ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ معلوم ہوا کہ کائنات کے تقریباً تمام مظاہر کی فزکس بخوبی توجیہہ کرتی ہے۔ نفسیات کو پڑھا تو سمجھ آئی کہ mainstream مذہب صرف لوگوں کے جذبات کو exploit کرتا ہے۔ مذہب کی عمارت خوف اور لالچ کے بنیادی جذبات پر کھڑی ہے۔ حیاتیات کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ خوف اور لالچ انسان میں جبلی ہوتے ہیں۔ ارتقا کا نظریہ ان جذبات کی (اور زندگی کے باقی تمام پہلوؤں کی) بخوبی توجیہہ دیتا ہے، چنانچہ جنت اور دوزخ کے تصورات بھی انتہائی سطحی ثابت ہوئے۔ علامہ اقبال کے خطبات Reconstruction of Religious Thought in Islam کو پڑھا تو معلوم ہوا کے علامہ کو بھی یہ تصورات پریشان کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے انیسویں صدی کی سائنس کو استعمال کرتے ہوئے اسلام کی نظریاتی بنیادیں استوار کرنا چاہیں۔ چونکہ مجھے سائنس کی تھوڑی بہت سمجھ ہے اس لیے علامہ کی تمام وضاحتیں بودی معلوم ہوئیں اور یہ بھی احساس ہوا کہ علامہ جیسی ہستی کو بھی کو فلسفے کا تو بخوبی علم تھا لیکن سائنس کا علم صرف سطحی تھا، خاص طور پر ان کی جنت اور جہنم کو منطقی جامہ پہنانے کی کوشش مجھے بہت بھونڈی لگی اور یوں لگا کہ وہ کسی خوف کی وجہ سے کھل کر یہ کہنے سے احتراز کر رہے ہیں کہ وہ جنت اور جہنم پر یقین نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ علامہ زندگی (یعنی حیاتیات) اور شعور کو بری طرح سے کنفیوز کر رہے تھے (کم از کم مجھے یہی سمجھ آیا۔ عین ممکن ہے کہ میں علامہ کے دلائل نہ سمجھ پایا ہوں) ان کے شعور کے بارے میں دلائل بھی متاثر کن نہیں لگے، اپنا کنفیوژن دور کرنے کے لیے میں نے سائنس کو مزید پڑھنا شروع کیا۔ نیورولوجی کو پڑھا تو میری آنکھیں کھلیں اور شعور لاشعور، freewill اور اس قسم کے مشکل مسائل سمجھ میں آنے

لگے۔confirmation bias سمجھ میں آیا تو یہ عقدہ کھلا کہ مذہب کی تصدیق تمام کی تمامconfirmation biasہی ہے۔ حدیث کو پڑھا تو یقین ہو گیا کہ زیادہ تر حدیثیں جھوٹ ہیں اور بعد میں گھڑی گئی ہیں۔ شروع شروع میں عیسائی دوستوں سے مذہب پر بحث کرتا تھا تو عیسائیت کے خلاف میری سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی تھی کہ بائبل (New Testament) ناقابل اعتبار ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ کے زمانے کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ حدیث کی تاریخ پڑھی تو یہ عقدہ کھلا کہ حدیث پر بھی اصولاً یہی اعتراض لاگو ہوتا ہے۔ اس زمانے میں قران سے سائنس نکالنے کا فیشن نیا نیا شروع ہوا تھا اور قرانی ایمبریالوجی پر پمفلٹ ہر مسجد میں بانٹے جاتے تھے۔ انہیں پڑھا تو ان کی تمام توضیحات انتہائی سطحی اور بھونڈی معلوم ہوئیں۔ میرا خیال تھا کہ شاید کچھ لوگوں نے سائنس سے لاعلمی کی وجہ سے یہ اوٹ پٹانگ پمفلٹ بنا دیے ہیں چنانچہ مذہب اور سائنس پر دیگر علماء کی کتابیں پڑھیں۔ مذہبی علما پر جو تھوڑا بہت اعتماد تھا وہ بھی جاتا رہا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے اور نامی علما منطق کے بنیادی اصولوں سے ناواقف ہیں اور سائنس سے ان کی واقفیت خطرناک حد تک کم ہے۔ اس کے باوجود لوگ ان علما کی ہر بات کو پتھر پر لکیر سمجھتے ہیں اور انہی کی دلائل کو گھما پھرا کر پیش کیا جاتا ہے کچھ احباب کے ساتھ قرآن اسٹڈی کرنے کا پروگرام بنایا جس میں ہر ماہ کسی موضوع پر قرانی آیات کے معانی اور مفہوم پر بحث ہوتی تھی۔ اس میں بہت جلد یہ واضح ہو گیا کہ بہت سے تعلیم یافتہ شخص دانستہ طور پر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے کتراتے ہیں۔ ہمیں بہت سے لوگوں نے لعنت ملامت کی کہ تم جیسے عام انسان کو کسی عالم کی مدد کے بغیر قران کیسے سمجھ میں آئے گا۔ کچھ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اس اسٹڈی سرکل کو اس ڈر سے چھوڑ گئے کہ نادانستگی میں اگر وہ قرآن کا کچھ غلط مطلب نکال بیٹھے تو تمام عمر کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی اور وہ سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ میں سوچتا ہی رہ گیا کہ اگر اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ جنہوں نے مغربی ممالک سے ایڈوانسڈ ڈگریاں لے رکھی ہیں قرآن کی تفسیر کے حوالے سے اتنے خوفزدہ ہیں تو ایک عام قاری کس کھیت کی مولی ہے۔ کچھ ماہ بعد یہ اسٹڈی سرکل بند ہو گیا کیونکہ ہم جس مسجد میں بیٹھ کر یہ ڈسکشن کرتے تھے وہاں کے خطیب صاحب نے ہمیں اس قصور میں وہاں سے نکال دیا کہ ہم جن تفاسیر سے استفادہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے، ان میں سے ایک کسی قادیانی عالم کی لکھی ہوئی تھی۔ اب اسے اتفاق ہی سمجھیے کہ وہ تفسیر مجھے باقی سب تفاسیر سے زیادہ معقول لگی۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہمیں ابن کثیر کے بعد کسی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے، پرویز صاحب کی تفاسیر پڑھنے کا اتفاق ہوا تو شروع شروع میں ان کی بات دل کو لگی۔ ان کا منطقی انداز اور اسلام کا ماڈرن امیج باقی علما کے کٹرپن کے مقابلے میں ایک تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوا۔ ان کی بہت سی تصانیف پڑھ ڈالیں۔ مجھے ان کا فارسی اور عربی پر عبور اور فارسی شعروں کا برمحل استعمال بہت پسند آیا- لیکن آہستہ آہستہ محسوس ہونا شروع ہوا کہ

پرویز صاحب حدیث کو تو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن قران کی ہر منفی بات کو شوگر کوٹ کر کے اس سے کوئی مثبت پہلو نکال لیتے ہیں۔ مجھے یہ انداز بد دیانت لگا۔ یوں دھیرے دھیرے پرویز صاحب بھی دل سے اتر گئے عیسائی دوستوں اور creationist حضرات سے بحث و مباحثے کی وجہ سے میں ان کے تمام بودے دلائل سے واقف تھا۔ جب قران سے سائنس نکالنے کی وبا پھیلی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ذاکر نائک اور ہارون یحیٰی کی قبیل کے لوگ انہی ہتھکنڈوں سے قران سے سائنس نکال رہے تھے جن سے چالیس پچاس سال پہلے creationist عیسائی نکال چکے تھے۔ مجھے اس بد دیانتی اور سراسر جھوٹ سے نفرت سی ہونے لگی جس کا ارتکاب ان حضرات کے پیروکار کر رہے تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ ان کی باتوں کو حرف بحرف سچ مان بیٹھے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ بہت سے تعلیم یافتہ حضرات اپنے دل میں یہ جانتے ہیں کہ قران اور سائنس کے حوالے سے جو کچھ کہا جا رہا ہے اور جو زمین آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں وہ سب مبالغہ آرائی ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگ صرف اس وجہ سے اس جھوٹ کا پرچار کر رہے ہیں کہ ان کی دانست میں اس طرح اسلام پھیل رہا ہے۔ میرا مشاہدہ البتہ یہ ہے کہ ان بودے دلائل کی وجہ سے ہماری پوری نئی نسل منطقی سوچ سے عاری ہو چکی ہے اور خود سے سوچنے اور دلیل دینے کی صلاحیت ناپید ہو رہی ہے میں اسلام کو تمام کا تمام برا نہیں سمجھتا اور نہ ہی حضور کو evil incarnate سمجھتا ہوں۔ حضور کو ایک بہت بڑا سیاسی، مذہبی اور معاشرتی لیڈر تسلیم کرتا ہوں جنہوں نے ایک قبائلی کلچر کو ایک نئی سوچ دی اور انہیں ایک قوم کا تصور دے کر اس قابل بنا دیا کہ وہ صدیوں تک پوری دنیا پر چھائی رہے۔ دنیا میں بہت کم لیڈر اتنے effective ہوئے ہیں جتنے کہ حضور۔ اگرچہ اسلام میں غلام اور لونڈی کے تصورات قابل نفریں ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام (کم از کم اپنے عروج کے زمانے میں) دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ عملی اور pragmatic رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حضور کے ethical lapses مجھے بے حد پریشان کرتے ہیں اور جب مسلمان پوری دیانت داری سے ان lapses کا دفاع کرتے ہیں تو مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔ چنانچہ میں mainstream اسلام سے کافی دور ہو چکا ہوں اگرچہ اسلام کی خوبیوں کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔ میرا شعار دیانت داری اور محبت ہے۔ مذہبی حضرات سے اختلافات کے باوجود ان سے نفرت نہیں کرتا۔

اسلام میں نے نہیں چھوڑا بلکہ اسلام مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا

عابد پارس

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
44 سال	مرد	میٹرک	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	1994

میرا خاندان خصوصاً میرے والد مرحوم میرے فکری ارتقا سے مسلسل واقف رہے اور میری عقلیت پسندی کو اچھی نظر سے دیکھتے بھی تھے۔ میرا دوست شفیق احمد تو میرے اس فکری ارتقا میں میرا شریکِ سفر بھی رہا اور پھر کچھ اور دوست بھی جیسے فیاض احمد، عامر زبیر اور آصف مرحوم بھی مشرف باالحاد ہوگئے اور کچھ پرانے دوست قطع تعلق کر گئے. میرے والد صاحب جو کہ ایک روشن خیال میرے اچھے دوست بھی تھے، نے میرے ترک اسلام پر رد عمل دیتے ہوئے کہا کہ "ایجیاں گلاں کتنئے باہر نا کر دیئی ایہہ مذہبی لوک بڑے چھین چو دہوندے نے ٹھڈھ وچ چھری مار کے راہ وچ ای سٹ دین گے۔" جس کے بعد میں کافی محتاط رہا، ماسوائے اکا دکا چھوٹے موٹے واقعات کے، اہل علاقہ، رشتہ داروں اور حلقۂ احباب نے بھی میری طرح خاموشی ہی اختیار کی۔ نماز عیدین کے سوائے (میں اب بھی نماز عید کے لیے عید گاہ جاتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ عید ایک مذہبی عبادت کی بجائے ایک ثقافتی تہوار ہے) مسجد میں گئے ہوئے مجھے 5 سال ہوگئے تھے۔ یہ نومبر 1997 کی ایک جمعرات کی صبح کی بات ہے کہ پارک میں صبح کی سیر کے دوران میٹرک (1987) کے کلاس فیلو سے ملاقات ہوگئ۔ چہل قدمی کے دوران ام المومنین عائشہ کی بوقت شادی عمر پر بات ہوتی رہی اور دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے ہم ایک دوسرے سے رخصت ہوئے لیکن شاید اس دوران کسی دوسرے بندے نے گفتگو سن لی (جس کا بعد میں پتہ چل گیا تھا) اگلے دن محلے کی جامع مسجد میں جمع کے خطبہ سے پہلے میری طرف سے لکھے گئے ایک گستاخانہ خط (جو میں نے لکھا ہی نہیں تھا) کو پڑھ کر سنایا اور اسے مفتی اعظم عبد اللہ قادری کے پاس فتویٰ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ ایک مہینہ کی ہاہاکار کے بعد میرے والد صاحب کی مداخلت اور پاکستان سنی فورس کے ضلعی صدر ہونے کے دوران مفتی صاحب سے میری ذاتی شناسائی کام آئی۔ عدم شواہد اور ہینڈ رائٹنگ میچ نہ کرنے سے اسی مسجد میں جمع کے خطبہ کے دوران ہی اسی خطیب نے مجھ پر لگائے گئے الزام واپس لیتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ کسی نے سازش کی ہے. اور اس طرح میرے شہر میں ایک اور غازی علم دین شہید پیدا ہونے سے رہ گیا۔

یقین مانیے اسلام میں نے نہیں چھوڑا بلکہ اسلام مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا اور میں اس کا منہ تکتا رہ گیا۔ میں نے کبھی اسے وہابیت کی سیر کروائی اور کبھی اس کی کلائی پر غازی عباس کے علم کے نیچے امام ضامن باندھا، کبھی اس کو مدرسہ دیوبند کے زیر اہتمام مہینے مہینے کے چلے لگوائے اور کبھی ربوہ میں موجود مسجد اقصیٰ کے میناروں تلے مسیح موعود کے واسطے بھی دیے لیکن وہ ہمیشہ میری عقل و خرد سے نالاں رہا، سوالات اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے ایک ڈیڑھ سال تو اس کا

منت ترلا تفہیم القرآن والوں سے کروانے کے بعد بلاغ القرآن اور مفہوم القرآن والوں سے بھی کر دیا، بالآخر اس نے کہا کہ یا مجھے رکھ لو یا عقل و خرد اور فلسفہ و سائنس کو، کیونکہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ میں نے جب اسلام کے سامنے عقل و خرد کی تعریف کی تو وہ برا مان گیا اور مجھے یہ کہہ کر کہ صرف دنیا میں اکیلا میں ہی نہیں ہوں اور مذاہب بھی ہیں چھوڑ کر چلا گیا۔

اسلام کی میرے ساتھ بے وفائی کے بعد میں 1993 کے اواخر میں گھر میں دوستوں کے ساتھ شمالی علاقاجات کی سیر پر جانے کا کہہ کر (مبلغ تین ہزار پر ایجنٹ سے ویزہ لگوانے کے بعد)ہندوستان بھی گیا اور پرانی و نئی دلی اور امرتسر کے مندروں اور گردواروں کے دورے بھی کیے لیکن انہیں بھی عقل سے خار تھی، لہٰذا لاحاصل واپسی ہوئی اور صرف جی بی روڈ، شاہدہ ہوٹل اور اندرانائٹ کلب کی شراب وشباب کی یادیں ہی میرے ساتھ واپس آئیں۔ دلچسپ صورت حال اس وقت سامنے آئی جب میں 1994 اپریل میں ریگل چوک لاہور میں واقع کیتھولک چرچ کے پاسٹر (غالباً اس کا نام آصف دانیال تھا) سے اپنے ایک عیسائی دوست کی وساطت سے ملا۔ میرے اس استفسار پر کہ اسلام تو مجھے عقل کی مخالفت کی وجہ سے چھوڑ چکا ہے تو کیا عیسائیت مجھے عقل سمیت قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ اس صاف گو اور ایمان دار پاسٹر نے مذہب کے خلاف خود ہی گواہی دے دی اور کہا کہ ”ایک کنویں سے نکل کر دوسرے کنویں میں کودنے کا کیا فائدہ بس انسانیت کی بھلائی کا سوچوں اور زندگی انجوائے کرو“۔

1994 تک کا سفر صرف دہریت کا ہی سفر ہے جو مذہبی توہمات و اعتقادات پر تعقل کے تصرف کی وجہ سے طے ہوا تھا لیکن اس کو مضبوط مادی بنیادیں مارکسزم نے فراہم کیں۔ پاک ٹی ہاؤس کی طرح میرے شہر میں بھی دو ہوٹل علمی اور ادبی نوجوانوں کی بیٹھک تھے ایک گڈھ (بیل گاڑی) ہوٹل اور دوسرا نقیبی ہوٹل۔ میرے شہر میں عقلیت پسندی (میں عقلیت پسندوں میں ملحدوں، سیکولرسٹوں اور کمیونسٹوں کو بھی شمار کرتا ہوں) کے احیا کے لیے پروفیسر احسان الٰہی ناوک کا کلیدی کردار ہے جو کہ ایک سوشلسٹ (مارکسسٹ نہیں) ہیں۔ گو کہ میں کبھی بھی ان کی شاگردی میں نہیں رہا لیکن ان کی خدمات کو ان کے شاگردوں سے زیادہ سراہا ہے۔ خیر گڈھ ہوٹل پر ناوک صاحب کے شاگرد اور پرانے لیفٹسٹ بیٹھتے تھے اور نقیبی ہوٹل پر سیکولر اور روشن خیالی کے نظریات رکھنے والے نوجوان اور شاعری اور ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ۔ ادھر انقلاب اور مارکسزم پر یا سیاست پر گفتگو ہوتی تھی اور اِدھر برٹنڈرسل اور ویل ڈیورانٹ کے فلسفہ اور تاریخ پر۔ ایک دو متصوفانہ خیال کے لوگ بھی خاموشی کا مراقبہ کیے بیٹھے رہتے تھے (جمیل، شیخ اسماعیل اور افضل)۔ سبط حسن اور جلالپوری صاحب کو دونوں حلقوں میں ہی پڑھا جاتا تھا اور ان سب کے آپس میں

دوستانہ تعلقات بھی تھے۔ میں نے شفیق اور فیاض کے ساتھ بیٹھنا توبقیبی ہوٹل پر شروع کیا لیکن سبط حسن کی "ماضی کے مزار" اور جلالپوری کی "اقبال کا علم الکلام"، "روح عصر" اور ویل ڈیورانٹ کی "انسانی تہذیب کا ارتقا" پڑھنے کے بعد گڈھ ہوٹل پر زیادہ بیٹھنے لگ گیا۔ ہر روز رات گئے تک بحث و مباحثے چلتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی کچھ "بندے کے پتر "مذہبی علما بھی چسکی لینے آجایا کرتے تھے۔ اس کے بعد میں نے روایات تمدن قدیم، خرد نامہ جلالپوری، موسیٰ سے مارکس تک کا مطالعہ کیا اور پھر اینگلز کی کتاب "خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز" اور روسی مصنفین کی کتاب "انسان بڑا کیسے بنا" وغیرہ نے تاریخ کی مادی تعبیر (انسان اور اس کے معاشروں کی بھی اور فطرت کی بھی) (اسی اثنا میں مجھے کمیونسٹ مینی فیسٹو پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا۔) میرے سامنے کھول کر رکھ دی اور یہ سلسلہ 2005 تک جاری رہا۔ کمیونسٹ ایک تنظیم بھی چلا رہے تھے اور اب بھی ہے "طبقاتی جدوجہد" کے نام سے، لیکن مجھے شمولیت کے دعوت نہیں دیتے تھے کیونکہ انہیں بولنے والے نہیں بلکہ سننے والے لوگ چاہیے تھے۔

بار بار میرے معاشقے منظر عام پر آنے کی وجہ سے 1998 نومبر میں مجھے شادی کے لیے اپنے والد صاحب اور خصوصاً اپنی والدہ کے آنسوؤں کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ میں نے اپنے کمیونسٹ اور الحادی نظریات سے اپنی گریجویٹ بیوی کو آگاہ کیا، پہلے تو وہ سکتے میں آگئی اور دل ہی دل میں پریشان رہنے لگی۔ ایک دن اس نے رات تاخیر سے آنے پر دھمکی دی کہ یا مجھے چھوڑ دو یا اپنے دوستوں کو۔ میں نے کہا کہ میرے دوستوں سے بھی اچھی طرح مل لو اور اور میرے نظریات کو بھی ایک بار جان لو پھر الگ ہونا چاہو تو تمھاری مرضی۔ شادی کے سولہ سال بعد 2014 میں اس کا یہ حال تھا کہ میرے دوست شفیق کی شادی کے بعد جب اس کی بیوی نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہنا تو میری بیوی اسے یہ کہہ کر سمجھا رہی تھی کہ جو عورت کسی کمیونسٹ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی وہ کہیں بھی خوش نہیں رہ سکتی۔

اب بھی سبز گنبد دیکھ کر پرانے محبوب کی یاد آتی تو ہے مگر...

خان صاحب

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	ایم بی اے	افغانستان	کابل	انجینئر	؟

میری پیدائش کابل کے ایک روشن فکر گھرانے میں ایک تاریک وقت اور زمان میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب روس افغانستان سے نکل چکا تھا اور کابل خانہ جنگی کی طرف جا رہا تھا۔ کبھی شہر میں لڑائی تو کبھی دیہی علاقوں میں، اور میرا

باپ کبھی یہاں اور کبھی وہاں محفوظ جگہ ہمیں لے جاتا اور آخر ایک دن تنگ آ کر یونہی پاکستان کی طرف چل نکلا اور ہمیں بھی لے کے چلا آیا۔

یہاں پشاور میں پہلے ہی سے کافی افغان آباد تھے، حتیٰ کہ کچھ علاقوں میں تو پاکستانی تھے ہی نہیں۔ اب افغان مہاجرین میں دو طرح کے لوگ تھے، ایک وہ جو خود کو سابق الاولین کہتے تھے، یعنی وہ جو روس کے خلاف جہاد کے لیے ٹریننگ اور اسلحہ کے لیے پاکستان آئے تھے اور دوسرے وہ جو ان کے جہاد سے بھاگ کر پاکستان آئے تھے۔

جہادیوں کے لیے امریکہ او عرب ملکوں سے کافی اسلحہ آتا تھا جو پاکستانی حکومت کے پاس چلا جاتا۔ پاکستانی کارندے نیا اسلحہ اپنے پاس رکھتے اور اپنا پرانا اسلحہ مجاہدین میں تقسیم کر دیتے۔ ان وقتوں میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوا کرتی تھی۔ جس کا جی چاہتا، ۷ یا ۸ آدمیوں کا گینگ بنا کر آسانی سے اسلحہ لے سکتا تھا اور افغانستان جا کر ڈاکٹر نجیب کی حکومت کے خلاف لڑ سکتا تھا۔

اور ہم ان لوگوں میں سے تھے جو ان مجاہدین کے جہاد کی وجہ سے پاکستان بھاگ آئے تھے، ہماری وہ عزت نہ تھی جو ہم سے پہلے آئے ہوئے لوگوں کی تھی کیونکہ وہ روس کے خلاف جہاد کرنے کے لیے پاکستان آئے تھے۔

میں ۵ یا ۶ سال کا ہوا تو افغانی اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ وہاں چند سال پڑھنے کے بعد ہم ایک ایسے علاقہ میں منتقل ہو گئے جہاں کوئی بھی افغان نہیں تھا اور نہ ہی کوئی افغانی سکول، لہٰذا میرا داخلہ بھی ایک پاکستانی اسکول میں کرایا گیا۔ اسکول کے ساتھ ایک مسجد او مدرسہ ٹائپ جگہ میں حفظ اور قرآن کا ترجمہ بھی شروع کیا۔ دماغ کچھ تیز تھا، اسکول میں فرسٹ آنے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی حفظ اور تلاوت میں بھی پہلی پوزیشن لی۔ شاگردوں کو انعامات دینے کے لیے دور دراز علاقوں سے قاری اور عالم آئے تھے۔

پہلی پوزیشن لینے سے ہماری عزت اور وقار اس علاقہ میں بڑھ گئی، اب کوئی ہمیں مہاجر کہہ کر نہیں پکارتا تھا۔ باپ کو بھی کافی لوگوں نے مبارکباد دی۔ ایک چیز جو میں نے نوٹ کی کہ اسکول میں ٹاپ کرنے کی وجہ سے اتنی عزت نہیں ملی جو حفظ اور قرات میں اوّل آنے سے ملی تھی۔ لہٰذا میں دینی علوم پر اور بھی توجہ دینے لگا۔ تاریخ انبیا، سیرت نبی، خلفاء کی فتوحات بہت مزے سے پڑھتا تھا۔ جوں جوں پڑھتا گیا، ذہن میں طرح طرح کے سوالات بھی اٹھنے لگے تھے، جیسے کہ یہ سب پیامبر صرف ایک ہی علاقے یعنی اردن اسرائیل اور فلسطینی علاقوں میں کیوں پیدا ہوئے اور ملکہ سبا کی کہانی بھی یمن سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ علی، عائشہ، زبیر اور طلحہ کی لڑائیاں اور بہت سے ایسے اور سوالات۔

اب جب میں جوان ہو رہا تھا تو کبھی یہ احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ پاکستان ہمارا ملک نہیں ہے کہ یہ صبح جو اسکول میں صف اول میں کھڑے ہو کر پاک سرزمین شاد باد کا ترانہ پڑھنے اور پاکستانی کے کرکٹ ورلڈ جیتنے کے نوافل پڑھنے والا لڑکا مہاجر ہے۔ لیکن یہ پاکستان ہمارا نہیں تھا۔ یہ پاکستان، افغانستان میں جہاد کے لیے تو لامحدود اسلحہ دیتا تھا لیکن تعلیم کے لیے محدود سیٹیں تھیں۔

اب کابل میں حالات بہتر ہونے لگے تھے تو گرمیوں کی چھٹیوں میں کابل آنے لگے، اور پھر کئی سال کی مہاجرت کو ترک کر کے کابل میں مستقل طور پر رہنے لگے۔ تعلیمی پس منظر تو بہت مضبوط تھا، لہٰذا کچھ کورسز اور مادری زبان کو لکھائی سیکھ کر افغانستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ اب یہاں بیالوجی میں نظریۂ ارتقا پڑھنے کو ملا۔ مصر سے پی ایچ ڈی کر کے آئے ہوئے استاد سے اسلامی ثقافت کے مضمون کو بھی پڑھنے کا موقع ملا، جن کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا تھا۔ میں اکثر ان سے سوال کرتا اور وہ میرے سوالوں سے کافی تنگ تھے۔ مجھے ان کے جوابات کبھی بھی تسلی بخش نہیں لگے۔ نظریۂ ارتقا کے موضوع پر میرا اکثر استادوں سے جھگڑا ہو جاتا، کیونکہ مجھے نظریۂ ارتقا بہت منطقی لگتا تھا۔ آخر کار یہی بات سمجھ آئی کہ مجھے اپنے استادوں کو چھوڑ کر اپنا راستہ خود ہی تلاش کرنا ہو گا۔

پہلا سوال: میں حنفی کیوں ہوں، وہابی کیوں نہیں، مکہ اور مدینہ کے امام مسجد تو وہابی ہیں۔

اب چاروں مکتبہ فکر کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ کبھی ابو حنیفہ کی بات میں دم لگتا تو کبھی شافعی کی اور کبھی احمد بن حنبل کی۔ پھر میں نے خود سے سوال کیا، کہ میں سنی کیوں؟ شیعہ کیوں نہیں؟ تو شیعوں کی کتابیں پڑھنے لگا۔ شیعہ پاسخ میدھد ایک ایرانی کتاب نے سب کچھ واضح کیا۔ کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔ چار زبانیں پڑھ سکتا تھا جس سے بہت کچھ پڑھنے میں آسانی تھی۔

خلفاء کی تاریخ تو پہلے بھی پڑھی تھی لیکن سنی کتابوں میں۔ اب شیعہ مسلک کی کتب پڑھ کر سمجھ آگیا کہ جسے تو صدیق سمجھ رہا تھا وہ تو غاصب نکلا (من کنت مولا فھذا علی مولا) باغ فدک کا قبضہ۔ جسے فاروق اعظم سمجھ رہا تھا، وہ ایک دم خونخوار نکلا جس نے فاطمہ کو مارا۔ جسے تو باحیا سمجھ رہا تھا، وہ تو بے حیا نکلا۔ اور سب سے اہم جسے تو امی عائشہ سمجھ رہا تھا، وہ تو فاحشہ نکلی (افیر کی وجہ سے)۔

سوری، پر ایسا ہی لگتا تھا۔ کبھی ایک راستہ صیح لگتا تو کبھی دوسرا۔ نماز کبھی وہابیوں کی طرح پڑھتا اور افطار فقہ جعفریہ کے ٹائم پر کرتا تھا۔ کبھی ہاتھ بند تو کبھی کھلے ہاتھ نماز پڑھتا تھا۔ سوچا آخر کب تک ایسا چلے گا۔ کہیں اسلام میں ہی تو مسئلہ نہیں؟ انیس سال جس دین کو جان سے پیارا سمجھا، اس میں کوئی گڑبڑ تو نہیں؟ آخر ہاتھ بائبل کی طرف بڑھ گیا اور

اسے پڑھنے لگا۔ باب پیدائیش کے ساتھ ہی مزہ آنے لگا، تاریخ کے ایک مضمون جیسا مزے کا تھا لیکن لاجیک نہیں تھی کہانیوں میں۔ پھر آہستہ آہستہ احساس ہوا؛ اب یہ تو قرآن کی کاپی ہے۔ صرف کہانیاں آگے اور پیچھے ہیں، کچھ تفصیل کم کچھ زیادہ ہے۔ ساتھ میں ایولوشن کے خلاف بھی دلائل ڈھونڈ رہا تھا۔ ہارون یحیی کی کتابیں ہاتھ لگ گئیں۔ لیکن جتنا ایولوشن (ارتقا) کے خلاف پڑھتا تھا وہ مجھے اپنی طرف کھینچتا تھا۔

خیر بائبل پڑھنے کے بعد بھگوت گیتا بھی ترجمہ کے ساتھ پڑھی۔ کچھ بدھ مت کے بارے میں بھی پڑھا جو سب مذاہب سے لوجیکل لگا۔ آخر میں الحاد کے بارے میں پڑھا اور لوجیکل لگا۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ الحاد کی طرف جارہا ہوں۔ کچھ دوستوں کے ساتھ شیئر کی یہ باتیں تو پتہ چلا کہ "نہ من تنہا در این میخانہ مستم"۔

۱۹ سے ۲۰ سال کا ہو گیا تھا۔ اس سال یونیورسٹی کی پڑھائی نہیں کی بلکہ پورا سال یہی دین کے پیچھے پڑا رہا اور نتیجتاً اس سال یونیورسٹی میں فیل ہو گیا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ زندگی کے امتحان میں تو پاس ہو گیا۔ کب تک اس کشمکش میں جیتا رہتا۔ کب تک ۱۴۰۰ سال پرانی سوچ کو اس نئے دور میں منطبق کرتا رہتا۔ کب تک یہ سوچتا رہتا کہ خدا نے صرف مجھے ہی ہدایت دی ہے۔ اس بات کو چھ سال گذر گئے ہیں۔ اس درمیان میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور گریجویشن مکمل کر لیا، فی الحال میں ماسٹرز کر رہا ہوں۔

اب بھی سبز گنبد دیکھ کر پرانے محبوب کی یاد آتی تو ہے مگر اب میں آزاد ہوں؛

کسی کا غلام نہیں

اب باتیں ہوتی ہیں سائنس کی

معجزوں کی نہیں

اب انسانیت سے محبت ہے

کسی سے نفرت نہیں

مذہب کے نام پر، دین کے نام پر

مدرسے سے آیت اللہ بن کے نکلا تو اسلام چھوڑ چکا تھا

محمد بخش

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
43 سال	مرد	گریجویٹ (وفاق المدارس الشیعہ)	پاکستان	پاکستان	عربی ٹیچر	2014

میری فیملی کٹر مذہبی تھی والد صاحب صاحب امام مسجد تھے اور اہل حدیث فرقے سے تھے۔ مڈل پاس کیا تو والد صاحب ایک اہل حدیث مدرسہ میں چھوڑ آئے۔ پیغمبر اسلام سے محبت بہت گہری تھی، نبی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، ایسا سوچنا بھی میرے لیے ناممکن تھا۔ اہل حدیث مدارس میں ابتدا ہی سے کتب احادیث پڑھائے جاتے ہیں۔ میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث تھی کہ رسول کہتے ہیں حسنین سرداران جنت ہیں لیکن حسین امیر المومنین یزید بن معاویہ کی اسلامی سلطنت کے باغی ہیں۔ اس چیز نے شیعہ سنی مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر ابھارا آخر کار درجہ رابعہ کے بعد ایک شیعہ مدرسہ میں چلا گیا لیکن آبائی فرقہ چھوڑنے کے بعد نئے نئے سوالات نے جنم لینا شروع کر دیا، جیسا کہ امام زمانہ کے پاس کون سے والا قرآن ہے؟ اللہ نے کچھ انسانوں کو معصوم پیدا کیا، کچھ کو غیر معصوم پھر عدالت تو نہ رہی؟ آدم معصوم تھا اس نے گناہ کس طرح کیا؟

اور بھی کافی سوال ہیں لیکن کمنٹ طویل ہو جائے گا، الغرض مدرسے سے آیت اللہ بن کے نکلا تو اسلام چھوڑ چکا تھا لیکن میں خود اس کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ گھر والوں کے سامنے، دوستوں کے سامنے اس طرح کے سوالات کرتا رہتا تھا لیکن اساتذہ سے کچھ نہ بول پایا، وجہ یہ حدیث تھی "یا علی لا یحبک الا طاهر الولادۃ ولا یبغضک الا خبیث الولادۃ" میرا سوال میرے لیے ماں کی گالی بن جاتا، اس لیے اندر اندر ہی کڑھتا رہا ایک مرتبہ حادثاتی طور پر راجہ داہر کا موضوع سرچ کرتے ہوئے جرأت تحقیق پر آ پہنچا۔ کافر تو پہلے ہی تھا جرات تحقیق کے سبب ہمت کفر ملی۔

I am atheist and have been one since the age of about 11

عامر زیدی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
80 سال	مرد	پی ایچ ڈی	پاکستان	امریکہ	ریٹائرڈ	23 سال کی عمر

While she was in school, my 3 years older sister was very good in math and science. She was particularly impressed by proofs in geometry. I looked up to her and tried to emulate her. Whenever our elders described the horrors of the Qaiamat , day of judgement, and hell, we used to exchange glances that expressed disbelief. I never practiced Islam. Never said salat and did not even know how to say those Arabic verses. I did fake the ritual on Id-Ul-Fitar when i joined my father and siblings in a mosque. Once I left for study abroad, I met Muslims from other countries as well as many foreigners. I had no problem eating and drinking as the foreigners did but was too busy thinking about religion. I retired in 2000 and then took the time to read English translation of Quran and also read most of the Bible. This is when I took a position on religious faith and clearly decided .that I am atheist and have been one since the age of about 11

مذہب کا ڈھکوسلہ جاننے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی بھی ضرورت نہیں ہے

ماریہ حیدر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	عورت	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	؟	12 سال قبل

طبعاً جاسوس ہوں، لٹریچر کی طالبہ تھی، چنانچہ بیشتر اساتذہ بناڈرے سچ بولتے تھے۔ کوئی ایسا ٹرننگ پوائنٹ نہیں ہے جس کا ذکر کروں۔ اس آگہی کا سفر کب شروع ہوا اور کب تک جاری رہے گا، اس کا علم نہیں۔ مذہب کا ڈھکوسلہ جاننے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی بھی ضرورت نہیں ہے، اگر صرف کامن سینس کا بھی استعمال کیا جائے تو انسان مذہب بیزار یا ملحد بن جاتا ہے۔ گھر والوں کو علم ہے لیکن امی کے لیے نماز، قرآن، روزہ وغیرہ کا اہتمام کرتی رہتی ہوں۔

کبھی میں سینے سے بم باندھ کر دشمن کے ٹینک کے نیچے لیٹ جانے کا منصوبہ بناتا تھا

نامعلوم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	؟	پاکستان	پاکستان	؟	؟

اپنے بارے میں باتیں کرنا مجھے فیض صاحب کی طرح "بور" کام لگتا ہے۔ میرے فکری سفر کا ماجرا ہر گز انوکھا نہیں ہے اور شاید یہ تحریر پڑھنے کے بعد آپ بھی اس کے بور ہونے کے تاثر میں میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔ زندگی میں البتہ اور پہلوؤں سے بہت عجیب و غریب تقریباً داستانی ادوار سے گذرا ہوں مگر ان کا زیر نظر موضوع سے براہ راست واسطہ کم ہے۔ میرا تعلق ایک درمیانے طبقے کے پڑھے لکھے گھرانے سے ہے۔ ہم خاندانی مولوی لوگ ہیں۔ میرے رشتے کے پردادا، مشہور "وہابی" عالم گزرے ہیں۔ اہل حدیث کے ہاں اگر عشق رسول اور علمیت کے نام پر اگر کچھ ہے تو بس انہی کا کام ہے، باقی سب ابن تیمیہ اور غزالی کے افکار کی جگالی ہے۔ میرے دادا جوانی میں، یتیمی کی پیدا کردہ الجھنوں کے سبب، خاندانی فرقے سے بغاوت کر کے بریلوی ہو گئے تھے۔ میری اصل پڑھی لکھی شاعر ادیب دادی کے ایک قدرتی آفت میں انتقال کے بعد اپنے سے آدھی عمر کی عورت سے (سنت رسول کی پیروی میں) شادی کر لی اور غالباً "ابھی تو میں جوان ہوں" کا ثبوت دینے کے لیے ہماری سوتیلی دادی کی گود اور کوکھ حتی المقدور خالی نہ چھوڑی۔ کثیر العیال اور ملازمت پیشہ ہونے کی وجہ سے اولاد کی تعلیم و تربیت بس واجبی سی ہی کی۔ والد صاحب قبلہ البتہ ذہین اور تخلیقی ذہن کے مالک تھے چنانچہ ایک جانب تبلیغ کے چلوں، قوالی کی محفلوں، مسیحی مبلغین کے جلسوں اور بہائی مراکز کے خطبوں کا تجربہ کرتے رہے اور دوسری جانب فنون لطیفہ کی سرگرمیوں کے جویا بھی ٹھہرے۔ میرے نانا، سند یافتہ حکیم ہونے کے علاوہ سلطنت برطانیہ کی جانب سے افریقہ میں ایک اعلیٰ انتظامی منصب پر بھی مامور تھے۔ قیام کینیا کے دوران انہوں نے وہاں ایک عدد عقد ثانی بھی ایک نسبتاً پڑھی لکھی خاتون سے رچالیا تھا جو میری اصل نانی کی نسبت زیادہ طرح دار بھی رہی ہوں گی۔ انتقال و تدفین بھی کینیا میں ہوئی اور میرے سواہلی بولنے والے ماموں اور خالائیں دنیا بھر میں قیام پزیر ہیں۔ میری والدہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھیں اور اپنے والد کے طویل غیاب کے وقفوں کے سبب زندہ باپ کی یتیم بچی کے طور پر پروان چڑھیں۔ نہایت مذہبی، آٹھ وقت کی نمازی خاتون ہیں۔ ان حالات میں جب میں نے شعور کی آنکھ کھولی تو گھر میں دیگر مسلمان درمیانے طبقے کے گھروں کی طرح اسلامی ماحول پایا۔ والد صاحب نے شروع سے کتب بینی کی

حوصلہ افزائی کی۔ پھر میں ہمارے شہر کے سب سے اچھے اسکول میں داخل ہوا جو اتفاق سے جماعت اسلامی کے زیر ملکیت تھا۔

چنانچہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یک گونہ آزاد خیال والد، حد درجے مذہبی والدہ اور افکار مودودی سے مملو سکول میں پڑھنے سے اور کچھ نہیں تو اسلام کی حقانیت کس درجہ رگ وپے میں بس چکی ہو گی، سو کچھ مدت نسیم حجازی کے مسلمان ہیرو کی پیروی میں فتوحات کے منصوبے بناتا، تو کبھی عنایت اللہ صاحب کی "بدر سے باٹا پور تک" سے متاثر ہو کر سینے سے بم باندھ کر دشمن کے ٹینک کے نیچے لیٹ جانے کا۔ اسکول میں دینی علوم سے شغف کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، چنانچہ میں صف دوم کے مقرر اور صف اول کے کوئز ماسٹر کے طور پر جانا جانے لگا۔ یوسفی صاحب کے تجربے میں ترمیم کے ساتھ، میری صحت اور صحبت دونوں خراب رہتی تھیں۔ یقین کیجیے کہ مسلسل چھ سال تک مجھے ہر سال ٹائیفاید کے ہاتھوں دو دو ماہ بستر پر پڑے رہنا پڑتا تھا، اور صحبت کے لیے کتابوں کے سوا کچھ میسر نہ آتا۔ میرے ایک ماموں جوانی میں تلاش حق میں سرگرداں رہے تھے چنانچہ اہل حدیث کے مجلے، دیوبندیوں کے الابقاء، بریلویوں کے ضیاے حرم، اور اہل تشیع کے رضاکار کے پرچے، بخاری و مسلم کی جلدیں اور سیرت النبی و سیر صحابہ ان کے کمرے میں انبار در انبار پڑی رہتی تھیں۔ ایک کم عمر و ناتجربہ کار شخص کے طور پر کبھی اہل حدیث سچے دکھائی دیتے تو کبھی حنفی۔ کچھ مدت تشیع نے بھی قائل کیے رکھا۔ والدہ شاید دل میں مطمئن تھیں کہ بچہ فضول کاموں کی بجائے دینی کتب میں غرق رہتا ہے، حالانکہ وہ خود سنی سنائی والی مسلمان ہیں اور اعمال قرانی اور مسنون دعاؤں کے سوا شاید ہی کوئی مذہبی کتاب پڑھنے کی انہیں کبھی فرصت ملی ہو۔ بہشتی زیور کا مطالعہ بھی چھپ چھپا کر کیا، چونکہ اس کے موضوعات "صرف بالغان کے لیے" تصور کیے جاتے تھے۔ احادیث، فقہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے لاینحل تضادات سامنے آنا شروع ہو گئے۔ غالباً آٹھویں میں تھا کہ ایک روز کشف ذات کے ایک لمحے میں سمجھ آیا کہ یہ دین وغیرہ سب بکواس ہے، مگر اتنے بڑے انکشاف کو سہارنے کی استعداد کہاں تھی؟ چنانچہ فشار جذبات کے تحت دوبارہ شدید بیمار پڑ گیا۔ انہی ایام میں ماموں کی الماری کے نچلے خانوں میں، احتیاط سے موم جاموں میں لپٹے ہوئے "طلوع اسلام" کی کئی سالوں کی فائل پر نظر پڑی۔ کھول کر دیکھا تو میرے تمام خلجان کے جوابات ان میں موجود تھے۔ احادیث کے طومار کا رد اور قرآنیات کا بحر ذخار سامنے کھلا پڑا تھا۔ فوراً اپنے کفریہ خیالات سے توبہ کی اور "اصلی" اسلام کی جانب لوٹ آیا۔ میں محلے کی میلاد کی محفلوں، تبلیغی سہ روزوں اور محرم کی مجالس میں یکساں شوق سے شرکت کرتا تھا مگر ان کا سبب سماجی تھا ورنہ اندر سے میں اس "عجمی اسلام" سے پاک خالص "نظام ربوبیت" کا پیرو ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھ، آس پاس کے ساتھیوں کو بھی اس پیغام حق سے روشناس کروانے میں بھی

مصروف رہتا تھا۔ کالج میں پہنچا تو ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتب نے اس عقیدے کو مزید پختہ کر دیا۔ آخر ایک نوجوان کو اس سے بڑھ کر کیا چاہیے تھا؟ دین فطرت کا ادراک، اللہ + سوشلزم = اسلام کا شعور چنانچہ ہر دو عالم مٹھی میں محسوس ہوتے تھے۔ جماعت اسلامی کے اسکول میں پڑھنے کے دو فوائد ہوے۔ ایک تو یہ کہ عربی زبان کی بنیادی قواعد اور صرف و نحو سیکھ لی، دوسرے مودودی کی طرز کے تجزیہ ٔاسلام سے آگہی ہوئی جس میں کچھ محدودات کے اندر اندر منطق و عقلی دلائل کو کچھ اہمیت دی جاتی ہے۔ بے چاروں کو خبر نہ تھی کہ تجزیات و منطق کی زمین ڈھلان اور پھسلوان ہے اور ایک بار اس پر رفتار پکڑلی جاے تو خوف اور لالچ کی موہوم تحدیدات موم کی دیواریں ثابت ہوتی ہیں۔

لڑکپن کی مطالعے کی عادت کی بدولت تجسس کا مادہ طبیعت میں بدرجہ اتم پیدا ہو گیا تھا جب زندگی کا ایک انتہائی اہم واقعہ پیش آیا. اور وہ یہ کہ یونیورسٹی کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے، بڑے شہر منتقل ہونا پڑا۔ اسلامی نظام کا جو تصور تب تک میرے ذہن میں تھا وہ جس قبائلی اور نیم دیہی سماجی ڈھانچے پر استوار تھا، یہ ایک صنعتی شہر ہونے کے ناطے اس سے یکسر مختلف تھا۔ ایک نئ دنیا سامنے تھی جس کی اقدار، طرز حیات، رفتار سب کچھ مختلف تھا اور بھانت بھانت کے نظریات، پس منظر اور ثقافتی ورثے کے حامل لوگ اس شہر بے کراں میں بھرے پڑے تھے۔ وہاں پہلی بار صحیح معنوں میں مارکسزم باقاعدہ سمجھنے کا موقع ملا تو ایک بار پھر کچھ بالکل نئے آفاق سامنے روشن ہو گئے۔ مگر مجھے مارکس کی جدلیاتی مادیت اور ''نظام ربوبیت''میں کوئی تضاد دکھائی نہ دیا۔ خوش قسمتی سے میرے مارکسزم کے اتالیق اکثر فلسطینی عرب تھے جن کی آنکھوں پر قرآن وحدیث کی زبان کے تقدس کا اضافی پردہ موجود نہ تھا اور عربی کے مادری زبان ہونے کے سبب اس زبان سے وابستہ جعلی تقدس اور پراسراریت ان کے لیے وجود نہ رکھتی۔ جب ان کے الحاد کو ان کی جہالت پر محمول کرتے ہوے میں نے انہیں قرآن کے ''اصل'' مطالب بزبان پرویز سمجھانے کی کوشش کی تو وہ کھکھلا کر ہنس پڑے اور عربی جاننے کے باوجود جو پراسراریت کا چشمہ میں نے لگا رکھا تھا، جس میں سے میں بزعم خود، قرآن کے اصل معانی دیکھ رہا تھا، ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا اور احساس ہوا کہ پرویز صاحب تفسیر بالراے سے ایک قدم آگے بڑھ کر ترجمہ بالراے کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ کچھ سال پہلے، بیرون ملک سے واپسی کے بعد پرویز صاحب کے سابق حلقہ بگوشوں کی ان کے افکار پر علمی تنقید پڑھنے کو ملی تو قرانی نظام کا تصوراتی محل مزید ڈھے گیا۔

محض اتفاق سے کراچی جماعت المسلمین کی شائع کردہ ایک کتاب ''تعلیم الاسلام''(غالباً یہی نام ہے) ہاتھ لگی جو برق صاحب کی ''دو اسلام''کا جواب تھی۔ اسے پڑھ کر قائل ہونا پڑا کہ جن بنیادوں پر پرویز صاحب اور دیگر اہل قران احادیث کا انکار کرتے ہیں، وہی اسقام قرآن میں بھی بھرے پڑے ہیں۔ ویسی ہی خلاف حقیقت خرافات، ویسے ہی بعید

از علم بیانات۔ چنانچہ "یہ آخری کافر بھی مدینے سے نکالا" کے مصداق آخری بھرم بھی کھل گیا۔مارکسزم کے تضادات بھی اس دوران کھل کر سامنے آ گئے تھے مگر اس ذکر سے فی الحال صرف نظر کرتا ہوں چونکہ اس کا بھی اس گفتگو سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ خیر، ایک مختصر مدت کے لیے مجھ پر لا ادریت (اگنوسٹسزم) کا غلبہ بھی رہا مگر آہستہ آہستہ اس سے بھی بڑی حد تک شفا ہوئی، اگرچہ کچھ جراثیم شاید اب بھی زندہ ہیں جو شاید کوانٹم فزکس کے ادھ کچرے جزوی علم کا اثر ہیں۔ البتہ طرز فکر میں ایک انقلابی تبدیلی کوئی دو سال قبل رونما ہوئی جس کے لیے میں "جرأت تحقیق" کا احسان مند رہوں گا۔ ہر خدا اور ہر بت سے گلو خلاصی کے باوصف میں پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کے حوالے سے اس خوش گمانی میں مبتلا رہا کہ یہ اپنے دور کے، انسانیت کا درد رکھنے والے مصلح تھے جنھوں نے ایک اجڈ اور پسماندہ قبائلی سماج کو سدھارنے کے لئے مصلحتاً وحی وغیرہ کا کھیل رچایا۔ "جرأت تحقیق" نے تاریخی حوالوں سے واضح کر دیا کہ یہ سارا گورکھ دھندا محض اقتدار کی ہوس، ناآسودہ جنسی خواہشات، قبائلی تعصب اور کچھ نفسیاتی امراض کے ملغوبے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب تو بزبان فیض، اپنا حال یوں عرض کرتا ہوں "نہیں رہا حرم دل میں اک صنم باطل.. ترے خیال کے لات و منات کی سوگند"۔ میں نے کبھی منبر پر چڑھ کر اپنے عقائد سے برأت کا اعلان نہیں کیا، مگر اس پاس کے لوگ واقف ہیں۔ بیوی بھی لا ادری ہے۔ والد صاحب بھی اب تقریباً ملحد ہیں۔ والدہ صاحبہ نے "نہ پوچھوں، نہ بتاؤ" کا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ حسن معاشرت کے سبب میری سماجی زندگی پر الحاد کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔

والد نے مجھے جائیداد سے عاق کر دیا

اختر رسول مجتبیٰ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	مرد	ایم اے	پاکستان	جرمنی	جرمن شیفرڈ بریڈنگ	2011

میری پیدائش ایک احمدی گھرانے میں ہوئی والد صاحب مناظر تھے گھر کا ماحول کافی مذہبی ہونے کے سبب بچپن سے دینی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ مجھے پیدا ہوتے ہی والد صاحب نے جماعت کے لیے وقف کیا ہوا تھا، مگر مذکورہ تعلیمات سلیکٹو پڑھائی جاتیں، مجھے ڈکٹیشن لینے سے نفرت تھی، میرا جھکاؤ شاعری کے مطالعہ کی طرف تھا مگر والد صاحب اسے خرافات جانتے تھے، سو زمانہ طالبِ علمی میں چھپ کر اس شوق کی تشنگی دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

عبید اللہ علیم صاحب سے ملاقات کے بعد میر و غالب کا تعارف ہوا۔ حضرت غالب کو سمجھنے کے لیے کالج میں اردو کے پروفیسر الطاف حسین نجمی صاحب مرحوم کی خدمات حاصل کی گئیں، حالانکہ میں ابھی نویں جماعت کا طالب علم تھا، میر و غالب کو سمجھنا کیا شروع کیا؛ گویا ذہن میں سوالات کا دفتر کھل گیا روح کیا ہے؟ مرنے کے بعد روح کہاں جاتی ہے؟ اگر عالم ارواح میں تو عالم ارواح کا مقام کہاں ہے؟ جنت دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کے بارے سوالات؟ دعا کی حقیقت وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ بہت سے سوالات تھے جن کا بوجھ ذہن ناتواں نے برداشت کیا۔ مختصراً یہ کہ میری جانب سے پہلی بغاوت کی جرات 1994 میں میٹرک کے نتائج آنے کے بعد جامعتہ الاحمدیہ میں نہ جانے کی صورت وقوع پذیر ہوئی۔

تعلیم کے ساتھ ایک میجر عشق بھی جاری رہا، جس کا نتیجہ والد صاحب کی مخالفت کے باوجود شادی کی صورت بر آمد ہوا۔ والد صاحب نے خاندانی دباؤ میں آکر ہمارا بیاہ تو مکمل دینی رسومات کے سائے میں کروا دیا مگر جائیداد سے عاق کر دیا گیا سو از عاجز زمیندار سے کرایہ دار ہو گیا۔

بہر حال میرے ایک دوست خالد چودھری جو کہ پی آئی اے میں اکاونٹ آفیسر تھے، انہوں نے میرے الحادی جرثومے کو مزید تقویت دی۔ اسی دوران 2004 میں میرے والدین اور بہن بھائی انگلینڈ روانہ ہو گئے، جاتے ہوئے والد صاحب کی واحد لائبریری میرے اصرار پر میرے حصہ میں آئی۔

وہیں سے میں نے تاریخ طبری، طبقات ابن سعد اور بخاری و مسلم، تفسیر کبیر کے علاوہ دیگر کتب کو تفصیل سے پڑھنا شروع کر دیا، پڑھنے کے بعد میری عقل حیران ٹکٹکی باندھے سرخ تاریخ اسلام کو دیکھتی رہ گئی کہ یہ لوگ کیسے خود کو سلامتی کا مذہب کہتے ہیں، یہاں تو جہاد کے نام پر قتال، لوٹ مار اور عورت کی تجارت کا مرکب نظر آ رہا ہے۔

اسی دوران کچھ فلسفہ پڑھنے کا شوق بیدار ہوا تو اردو بازار لاہور سے پرانی کتب میں سے برٹرینڈ رسل کے اردو تراجم میں مضامین کی ایک کتاب میرے ہاتھ لگ گئی۔ رسل سے اس حد تک متاثر ہوا کہ لاہور کا شاید کوئی مشہور کتب خانہ ہو، جہاں خاکسار نے اس کی اردو تراجم کی کتب نہ ڈھونڈی ہوں، جو ملیں خرید لیں۔ رسل کے علاوہ افلاطون، ارسطو، ایپیقوریس، ڈیکارٹ، نطشے، ہیگل، کارل مارکس، ول ڈیورنٹ، کارل سیگاں اور کرنل انگرسول وغیرہ کا مطالعہ بھی رہا۔ اس کے علاوہ کچھ تاریخ مذاہب کے بارے میں بھی مطالعہ کیا گیا۔ اردو میں میری دلچسپی رکھنے والی کتب نہ ہونے کے برابر تھیں، سو میری زوجہ محترمہ جو کہ ایم اے انگلش ہیں، انہوں نے انگلش کتب کو سمجھنے میں میری کافی راہنمائی کی، کیونکہ ان کے ساتھ عموماً مذہبی بحث ہوا کرتی تھی، اب تو وہ بھی میرے الحادی سفر میں میرے ساتھ ہیں۔

اسلام ترک کرنے کے بعد میں خود کو آزاد اور مطمئن محسوس کر رہا ہوں، اب مجھے کسی خدا کی جنت یا دوزخ کا خوب نہیں بلکہ میں اچھا عمل کرنے پر اس لیے مجبور ہوں کہ میرے نزدیک اگر میرا عمل برا ہو گا تو میں نے اس برائی کی روایت کی بنیاد رکھی ہے، جس کی لپیٹ میں اگر میں نہیں تو میری اولاد یا نسل میں سے کوئی ضرور آئے گا۔ اس کے برعکس اگر میں بھلائی کے عمل کو فروغ دوں گا تو اس معاشرے کی بہتری میں اپنا حصہ ڈالوں گا اور اس روایت سے ہماری آنے والی نسلیں بھی مستفید ہوں گی۔

اس کے علاوہ میں عورت اور مرد کے حقوق کو مساوی سمجھنا شروع ہو گیا ہوں، خواہ وہ جائیداد کی تقسیم ہو، ازدواجی اخلاقیات ہوں یا معاشرتی اقدار ہوں؛ جتنے حقوق مجھے ہیں اتنے ہی عورت کے بھی ہونے چاہئیں اور اس کا آغاز میں اپنے گھر سے کر چکا ہوں۔ میں خدا کے وجود کو دھوکا سمجھتا ہوں اور اگر میں اس دھوکے پر ایمان لے آؤں تو یقیناً مجھے دنیا میں مزید بہت سے دھوکوں پر سمجھوتہ کرنا بھی ضروری ہو گا، سو اب اس حوالے سے میں مطمئن ہوں کہ میں دھوکے کی زندگی سے آزاد ہو چکا ہوں۔ مذہب ایک ہیجانی کیفیت ہے اور میں اب اس ہیجان سے آزاد ہو کر شعوری زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہوں جس کا احساس میرے لیے نہایت پُر مسرت ہے جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت جون ایلیا کا مصرعہ ہے، "الفاظ جذبوں کا حق مار لیتے ہیں۔"

تلاوت اور نماز کے دوران سیکسی خیالات آتے تھے

عزیز ابدال

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
59 سال	مرد	ایم اے، بی ایڈ	پاکستان	پاکستان	تدریس	؟

جب میں کوئی آٹھ برس کا تھا تو نماز سکھانے کے لیے کھڑا کر دیا گیا اور سجدے میں میرے ایک رشتہ دار مولوی نے چٹکی رکھی جو مجھے سجدے کے وقت چاٹنی ہوتی تھی۔ سجدے وقت مجھے عجیب لگا کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے میں نماز تو اللہ کے لیے پڑھ رہا ہوں وہاں سے مجھے کچھ ملنا چاہئے یا کوئی آواز آنی چاہئے، تو یہ پہلا ملحدانہ سوال میرے ذہن میں آیا تھا، اس کے بعد ایسے کئی سوالوں سے میرا واسطہ رہا، لیکن ڈر کی وجہ سے سوالات کے جوابات نہ مل سکے۔ وقت گذرتا گیا، بلوغت شروع ہوئی تو اور پریشانیاں بڑھتی گئیں، تلاوت اور نماز کے دوران سیکسی خیالات آتے تھے جن سے چھٹکارا ممکن

نہ تھا، کچھ بھی کر لو یہ خیالات جاتے ہی نہ تھے، پھر سوچتا تھا کہ ایسا کیوں ہے کہ اللہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت ایسے گندے خیالات آتے ہیں؟ اپنے رشتہ دار مولوی کو بھی سیکس کا شوقین پایا کہ ایک گورا چٹا لڑکا قرآن پڑھنے ان کے پاس آتا اگر میں ان کے کمرے میں ہوتا تو وہ کسی بہانے کمرے سے باہر نکال دیتے اور موصوف کمرہ بند کر کے اسے قرآن پڑھاتے۔ اسی طرح انسانی رویوں کو دیکھتا اور سب ایک جیسے لگتے، ہر لڑکے میں سیکس ہے ہر لڑکی میں ہے، عام لوگ تو نا سمجھی میں دین پر عمل نہیں کرتے لیکن سمجھدار اور دین سے آشنا لوگ کیوں بے عمل ہیں؟ اگر ایک خدا ہے، ایک اسلام ہے، ایک قرآن ہے تو یہ چار آئمہ کیوں؟ میں ایک سوچنے والا انسان بن گیا، اور پھر باقی کسر ایک مقامی ملحد کی لکھی ہوئی کتاب پڑھی اور ایک فلسفی شاید طارقؔ صاحب کی ایک کتاب فکری مغالطے پڑھی جس سے میرے چاروں طبق روشن ہو گئے؟ حالانکہ میں کچھ دینی کتب بھی پڑھ لیں تھیں، اور ساتھ ساتھ مودودی کی "تفہیم القرآن" مولانا شفیع صاحب کی تفسیر کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اپنے بچوں پر میں نے کام شروع کیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوا، بیگم چار آنے رہ گئی ہے روزہ نماز وغیرہ تو نہیں کرتی بس اذان کے وقت سر کو کسی بھی چیز سے ڈھانپ لیتی ہے۔ دو سالوں سے فیس بک سے واسطہ ہوا، شروع میں دیکھتا تھا کہ کاش کوئی میری طبیعت کا مل جائے جس سے بات کر کے ذہن ہلکا ہو، ہوتے ہوتے ایک دن اسی کوشش میں مولوی استرا صاحب کا پیج ملا اور پڑھ کے میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور میرے اچھے دن شروع ہو گئے۔ ویسے میں کافی نابلد تھا فیس بک کے استعمال سے، لیکن اب کافی سیکھ گیا ہوں۔ شروع میں سید امجد حسین صاحب اور غلام رسول صاحب مجھے درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے، کوئی لائک بھی نہیں ملتا تھا، اب کبھی کبھار امجد حسین صاحب کوئی بات لائک کر لیتے ہیں جو میری خوشی کا باعث ہو جاتا ہے۔

اب میں سیکھ رہا ہوں، اب میں بڑی بڑی ہستیوں کی پوسٹ پڑھتا ہوں، جو آج کے سچے پیغمبر ہیں، اور سچ کا راستہ سب کو دکھا رہے ہیں۔ ان خواتین کا بھی شکریہ جو اس سچ کو انسانوں کے ذہنوں میں امرت کی طرح گھول رہی ہیں، اور میں بہت خوش ہوں کہ میں سچے پیغمبروں کا ماننے والا ہوں جو کسی لالچ کا جھانسا نہیں دیتے، نہ اپنی پرستش کرنے کو کہتے ہیں نہ عذاب سے ڈراتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس چھوٹی سی زندگی کو خوشی خوشی گزاریں، سارے احباب بہت ہی اچھا کام انسانیت کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔

افسوس میں قرآن کو بچا نہ سکا

بابر زماں خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
34 سال	مرد	ایم اے	پاکستان	استنبول	کاروبار	2016

چند احباب کو اشاروں کنایوں میں اپنے تجسس اور اسلام پر مبنی اعتراضات کے متعلق جب بتایا تو کافی شدید رد عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ دو دوست، جو مجھ سے بہت زیادہ قریب تھے، ساتھ چھوڑ گئے جن کی کمی مجھے آج بھی ستاتی ہے۔ سوچتا ہوں کہ اگر میں غلط تھا تو وہ مجھے دلائل سے رام کرتے۔ ایک دوست کے شدید رد عمل پر حیرت اس لیے ہوئی کہ وہ خود اول درجہ کا بدقماش تھا لیکن یہاں مسلمانی جاگ گئی۔ کچھ احباب ایسے بھی ہیں جو مجھے غور سے سنتے بھی ہیں اور گمراہی سے بچنے کی تلقین بھی کرتے رہتے ہیں۔ گھر والوں کو بھی اپنے ملحد ہونے کے بارے میں بتانے کی ہمت نہیں کر پایا، کہ جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔

سلمان تاثیر کے قتل اور پھر ممتاز قادری کی پھانسی کے بعد عوامی رد عمل دیکھ کر یہ سوال سب سے پہلے ذہن میں اٹھا کہ اگر وہ عشق رسول میں ایسا کر بیٹھا تھا تو آخری دم تک پھانسی سے بچنے کی کوشش کیوں کرتا رہا؟ میں عدالتی فیصلے انٹرنیٹ پر پڑھے تو علم ہوا کہ مرحوم نے اپیلوں کے جتنے حقوق تھے، سب استعمال کیے اور آخری وقت تک رحم کی بھیک مانگتا رہا۔ مجھے یہ سوال لائبریری لے گیا جہاں میں نے غازی علم دین کا قصہ کھنگالا تو معلوم ہوا، وہ بھی رہائی کی دہائیاں دیتا ہوا پھانسی پر چڑھا تھا۔ یہاں سے میرے اندر بغاوت اور پڑھنے کا تجسس پیدا ہوا۔ دن رات پڑھا، حدیث سے متنفر مجھے آغاز میں حضرت عائشہ کی کم عمری کی شادی اور بنو قریظہ کے واقعہ اور لونڈیوں کے سوال نے کیا۔ چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر قرآن کو بچانا ہے تو حدیث سے جان چھڑانی ہو گی لیکن افسوس میں قرآن کو بچا نہ سکا۔

قرآن کا تنقیدی مطالعہ شروع کیا تو میں نے از خود ایک معیار مقرر کیا، کہ قرآن اگر کلام خدا ہے تو لازماً اس کے جو دعوے ہیں (سائنسی اور دیگر)، ضروری ہے کہ قرآن سے پہلے نہ کیے گئے ہوں۔ اس سلسلے میں میرا زعم تب ٹوٹا جب میں نے ایمبریالوجی کی تاریخ پڑھی، علمائے یونان کا مطالعہ کیا۔ قرآن کے دعوے کے مقابلے میں مجھے بیسیوں کتابیں ایسی ملیں جو قرآن سے بھی صدیوں پرانی اور حرف بہ حرف ویسی کی ویسی تھیں۔ قرآنی دعوے میں مجھے کوئی انفرادیت نظر نہ آئی، پھر مثل کلام کے معاملے میں جو دعویٰ تھا، وہ یوں رد ہوا کہ یہاں تو غالب کے کلام کی نقل بنانا مشکل ہے، اقبال سا کوئی نہیں چہ جائیکہ آسمانی کتاب کا دعویٰ۔

سائنسی مضامین میں مجھے لگا کہ کہیں کہیں قرآنی پیشن گوئیاں درست نظر آئیں لیکن یہ صرف ایمان اور کلام رب العالمین ہونے کے لیے کافی نہ تھیں۔ میں نے بیسیوں ایسی کتاب پڑھی ہیں جن میں ایسی پیشن گوئیاں درج ہیں لیکن کیا میں اس معیار پر ان سبھی کو کلام خدا مان لیتا؟

میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، میں یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھا کہ قرآن کلام خدا نہیں ہے۔ میرے مطالعہ میں اس پیج اور جرأت تحقیق کی کتب نے بھی اضافہ کیا، ایک ملحد دوست کی قربت بھی کام آئی، سوشل میڈیا پر ہونے والے مباحثے بھی نظر سے گذرے۔ مجھے دس دن ایک ایسے کرب کے ساتھ گذارنے پڑے جسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، لیکن رفتہ رفتہ میں پر سکون ہوتا چلا گیا۔

آخری دھکا فیس بُک نے لگایا

محمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
33 سال	مرد	بی ایس سی	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	؟

واضح رہے کہ میں ملحد نہیں لاادری یعنی اگناسٹک ہوں۔

کوئی چیز یعنی عادت یا نشہ ایکدم سے نہیں چھوڑا جاتا۔ اسی طرح ایکدم سے اسلام بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے اسلام کب، کس عمر میں اسلام چھوڑا بلکہ یہ بتدریج چھوٹتا چلا گیا۔

گھر میں زیادہ افراد نہیں، صرف بوڑھی والدہ رہتی ہیں، انہیں خبر نہیں۔ بھائیوں کو معلوم ہے؛ وہ ملحد نہیں مگر دین بیزار ہیں۔ میں راسخ العقیدہ مسلمان کبھی نہیں رہا۔ لڑکپن ہی سے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھا مگر اس کے باوجود بھی صرف اسلام کو صحیح مذہب اور اپنے فرقے کو درست سمجھتا تھا- جوانی کے آغاز میں سبط حسن صاحب کی چند کتابیں پڑھیں، ایمان ڈگمگا گیا۔

مذہب کے نام پر قتل و غارت، بڑے بڑے عالم دین کے کردار اور رفتار، پیامبر حضرات وغیرہ کے اپنے نفس کی غلامی کرنا، نے مجھے اسلام سے پہلے ہی متنفّر کر دیا تھا۔ آخری دھکا فیس بُک نے لگایا۔ اسلام چھوڑنے کے بعد کئی ہفتوں تک ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا رہا مگر پھر پر سکون ہوتا چلا گیا۔

مذہب کی حقیقت کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں

اویس علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	؟

جس طرح مسلمان یورپ میں کامیاب ہونے اور پیسے کی خاطر اپنے سے بڑی عمر کی عورتوں، طلاق یافتہ یا بیوہ سے شادی کرتے ہیں، اسی طرح محمد نے بھی کیا۔ محمد بھی یتیم تھے۔ ان کے چچا دادا ان سے بکریاں چرواتے رہتے تھے۔ پچیس سال تک کسی عورت نے ان سے شادی نہیں کی، آجا کر ایک بیوہ نے ترس کھایا اور بکریاں چرانے سے جان چھڑوا کر اپنے کاروبار میں شامل کیا۔ محمد کو دولت مل گی خدیجہ کو نوجوان مرد۔ (ورنہ ایک حدیث پڑھی میں ہے کہ محمد ایک صحابی کو کہتے ہیں کہ تم شادی شدہ عورت کی بجائے کنواری سے شادی کرتے تاکہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے)۔

خدیجہ کی دولت آنے کے بعد محمد نے خیالی اللہ کا ڈھونگ رچایا اور اپنی فیملی والوں سے بکریاں چروانے کا بدلہ لیا۔ ان کا بت بیچنے کا کاربار تباہ کر دیا، ان کے بت گرا کر خود ایک بڑا بت بنایا جس کا نام خانہ کعبہ رکھا۔ اگر محمد کو اللہ پہ یقین ہوتا تو کبھی موت سے ڈر کر رات کے اندھیرے میں مکہ سے مدینہ نہ بھاگتے۔ مدینہ جا کر غنڈوں کی ایک گینگ بنائی جس نے ابوسفیان کے قافلے پہ حملہ کر کے ان سے مال لوٹا اور عورتوں کو لونڈیاں بنائیں۔ اب ان غنڈوں کو دولت اور لونڈیاں ملیں۔ اس طرح انھیں دوسروں کو لوٹنے کی لت پڑ گی۔ محمد نے ہر عورت کو اپنے لیے حلال کر رکھا تھا، خواہ وہ ان کی بہو ہو یا دوست کی چھ سالہ بچی؛ لیکن سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ محمد جب مرے تو اپنی بیویوں پہ کسی اور کے ساتھ شادی نہ کرنے کی پابندی لگا کر انھیں زندہ در گور کر گئے۔

مذہب کی حقیقت کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں، اگر بندہ آنکھوں سے ایمان کی پٹی ہٹا کر یہ سوچے کہ مسلمان کو درود و نماز، ہندو کو گیتا و رامائن، عیسائی کو بائبل جبکہ ملحد کو مذہب چھوڑ کر کیسے سکون ملتا ہے۔

"پی کے" کا ریموٹ گم ہو جاتا ہے اور میری صحت

سمیرا احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	مرد	ایف ایس سی	پاکستان	امریکہ	ذاتی کاروبار	2014

ٹوٹل پی کے فلم کی طرح؛ اس کا ریموٹ گم ہو جاتا ہے اور میری صحت۔ باقی سب ویسا ہی۔

اسلام چھوڑنے کے بعد اس کائنات کا نظام سمجھنے میں آسانی ہوئی، خود اعتمادی آتی گئی۔

اب کوئی دکھ پریشانی نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگی، کیوں کہ جان گیا ہوں کہ اس دنیا میں کیا کیا کرشمے ہوتے ہیں، ہر انسان یا جاندار کے ساتھ۔

سوچتا ہوں کہ اس لا محدود کائنات کا خالق ایسی کتاب لکھے گا اور پھر اس پر اتنا فخر کرے گا؟

آزاد حنان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	2015

میں شروع سے ہی ایک کٹر مذہبی رہا ہوں۔ بہت متقی ہوا کرتا تھا انتہائی خشوع سے عبادت کرتا تھا۔ کبھی کبھار جب کوئی کافرانہ سوال ذہن میں آتا تو استغفر اللہ پڑھ کر جان بخش دیا کرتا تھا۔ سوال تو بہت تھے لیکن ان میں ایک سوال یہ تھا کہ اللہ کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلائے گا، مطلب ہزار سال نہیں لاکھ، کروڑ، عرب، کھرب سال نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلے گا اور قصور صرف اتنا کہ یہ کافر کسی غیر مسلم کے گھر میں پیدا کر دیا گیا تھا۔ اسلام کی یہ بات مجھے کبھی ہضم نہیں ہوئی۔

میرا ایک کلاس فیلو جو کہ بہت ذہین لڑکا تھا، اکثر رفیع رضا صاحب کی شاعری شیئر کرتا تھا۔ ایک دن رفیع رضا صاحب فیس بک پر میرے سامنے آئے تو میں نے ریکویسٹ بھیجی۔ ریکویسٹ کیا منظور ہوئی، میں تو عجیب دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی الحاد کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ شروع شروع میں تو اپنی اصلی آئی ڈی پر ملحدوں سے بحث بھی کی بلکہ رفیع رضا سے بھی بحث ہوئی۔ لیکن ہر مسئلے پر میں خود کو لاجواب پایا۔ پھر سوچ بچار شروع ہوا۔ الحاد میں ایک عجیب سی کشش پائی۔ عجیب سا آزادی کا احساس۔ میں نے کوئی مطالعہ نہیں کیا بلکہ فیس بک نے ہی میرے اسلام کا کھاتہ بند کر دیا۔ اب مطالعے کی بہت جستجو ہو رہی ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے تو قرآن کا ترجمہ پڑھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اس

لامحدود کائنات کا خالق ایسی کتاب لکھے گا اور پھر اس پر اتنا فخر کرے گا؟ سوچ کر ہی ہنسی آجاتی ہے۔ قرآن میں کافی سائنسی غلطیاں مجھے صاف دکھنے لگیں۔ تقدیر کے مسئلہ نے مجھے بہت پریشان رکھا۔ الحاد کی قبولیت میں تقدیر کے مسئلہ نے میرا کام آسان کر دیا۔ بس اب ہر طرف خوشی ہی خوشی ہے، آزادی ہی آزادی، مجھے پہلے سے زیادہ انسانوں سے پیار کرنا آ گیا۔

میری بیوی کو معلوم ہے کہ میں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ باقی گھر والوں کو اتنا معلوم ہے کہ میں نے نماز، تلاوت اور دعائیں وغیرہ چھوڑ دی ہیں۔ بیوی نے شروع میں بہت مخالفت کی، لیکن آہستہ آہستہ اب وہ مجھے سمجھنے لگی ہے، اس کو میری زیادہ تر باتیں اب ٹھیک لگتی ہیں لیکن خود باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہے اور مجھ سے ریکویسٹ کرتی رہتی ہے کہ گھر والوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنے کا ڈرامہ کر لیا کرو۔

محمد، بیوقوف بنا گیا لوگوں کو

عائشہ عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	عورت	ایم اے (انگریزی)	پاکستان	پاکستان	لیکچرار	1993

مجھ سے ایک سوال کیا گیا جس کے باعث مذہب چھوڑنے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ خدا کو کیوں مانتی ہو؟ میرے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہیں تھا کہ میرے ماں باپ مانتے ہیں اس لیے۔ پھر کچھ پڑھے لکھے لوگوں کی باتوں پر غور کرنا شروع کیا۔ میرے خالو روزنامہ پاکستان کے کالم نگار تھے۔ انہیں کہتے سنا: بڑا شاطر آدمی تھا محمد، بیوقوف بنا گیا لوگوں کو۔ اس کے علاوہ امی ان دنوں پی ایچ ڈی کر رہی تھیں۔ ان کے ایک پروفیسر اکثر ہمارے گھر آتے اور گھنٹوں ادبی گفتگو ہوتی۔ وہ گھر سے روزہ رکھ کے آتے اور کہتے ایک کپ چائے پلا دیں۔ کم عمری میں شادی ہوئی۔ تب تک یہ اندازہ نہیں تھا کہ مذہب کا کتنا گہرا اثر زندگی پر مرتب ہو سکتا ہے۔ شوہر مذہبی ہیں۔ پانچ وقت نماز باقاعدگی سے پڑھاتے ہیں۔ بہت سی پابندیاں ہیں۔ مجھے ہر وقت کے مطالعہ کی عادت ہے۔ اسی میں بیشتر وقت گذرتا ہے۔

امی، ایک چھوٹا بھائی اور بڑی دو بیٹیاں واقف ہیں کہ میں نے مذہب چھوڑ دیا ہے۔ ماں بھی اگنوسٹک ہیں۔ بھائی بھی ہم خیال ہے۔ اس لیے مشکل نہیں پیش آئی۔

اللہ دوسری داڑھ کا روزہ بھی قبول کرلیتا ہے

شاہد فراز

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
45سال	مرد	ماسٹرس	پاکستان	مغربی ممالک	انجینئر	؟

ابھی اسلام ترک تو نہیں کیا لیکن اس سے کوسوں دور ضرور ہو چکا ہوں۔ والدہ پنج وقتہ نمازی، تہجد گذار اور آخری عمر تک باقاعدگی سے روزہ دار تھیں، جب کہ والد لبرل، تعلیم یافتہ اور ایک بڑے عہدے پر فائز کرشماتی شخصیت کے حامل تھے۔ آج بھی یاد ہے کہ امی ہمیں رمضان میں سحری میں اٹھا کر روزے رکھواتی تھیں اور والد صاحب دوپہر میں ہمیں ایک داڑھ سے کھانے کی تلقین کرتے، کہتے تھے کہ اللہ دوسری داڑھ کا روزہ بھی قبول کرلیتا ہے۔ والد صاحب کی اسلام کے بارے میں معلومات غضب کی تھیں اور ساتھ ساتھ انھوں نے عیسائیت کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ وہ ہمیں وقتاً فوقتاً مذہب کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ جمعہ یا عیدین کی نماز کے علاوہ مسجد جانے کا اتفاق بہت کم ہی ہوتا تھا، بقول والد صاحب، مسجد کے مولوی کا علم مجھ سے کم ہے تو ایسے انسان کے پیچھے میں کیسے نماز پڑھ سکتا ہوں۔

غالباً 2010 میں غلام رسول صاحب نے ایک گروپ کا آغاز کیا تھا، میری خوش قسمتی کے سرفنگ کرتے کرتے اس گروپ تک پہنچ گیا۔ غلام رسول صاحب نے ان تمام باتوں کی تصدیق کر دی جو میرے والد نے بچپن میں ہمیں بتائی تھیں۔ انٹرنیٹ ایج کی وجہ سے ان تمام حقائق کی تصدیق اور وہ تمام بیہودہ باتیں جو ملا چھپاتا رہا تھا، اب کھل کر سامنے آ گئیں تھیں۔

ان تمام چیزوں نے اسلام کا پول کھول دیا اور مجھے اسلام سے بہت دور کر دیا۔ ان تمام باتوں کی حقانیت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو گا کہ میری بیگم جو شروع میں صوم صلوۃ کی پابند تھیں اور میرے خیالات سے نالاں تھیں، اب وہ بھی میری طرح ہو چکی ہیں۔

میری خوش قسمتی تھی کہ بچپن میں والد صاحب نے اسلام سے مجھے دور رکھا اور بڑے ہو کر پہلے تو ملک سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا اور پھر رہی سہی کسر غلام رسول اور اس فری تھنکر گروپ نے پوری کر دی، لہٰذا کچھ زیادہ تبدیلی نہیں آئی، البتہ کچھ دوستوں نے مجھ سے ملنا جلنا کم کر دیا لیکن دوسرے ہم خیال دوستوں نے اس تبدیلی کو بھی خاص محسوس نہیں ہونے دیا۔

ایک چیز کا اضافہ کر دوں کہ چونکہ اب تک یہ حقیقت مجھ پر پوری طرح آشکار نہیں ہوئی کہ یہ کائنات خود بہ خود بن گئی یا اپنے آپ ہی چل رہی ہے، لہٰذا میں اب تک اللہ / خدا / بھگوان کا منکر نہیں ہوا، لیکن یہ میرا پکا یقین ہے کہ جو بھی وہ ذات یا entity ہے، وہ ان تمام مذہبی جھوٹے خداؤں سے سوا ہے۔

The Muslim Allah seemed too small and local

شجاعت

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	بی ایس سی	پاکستان	پاکستان	؟	21 سال کی عمر

I was born in Wahabi Muslim family. Islam was however was not followed too . rigorously. Went through turmoil years in senior high school. Did some time with tableeghi jamaat in Rawalpindi. Became regular at Zakaria mosque, going there every Thursday mostly on bicycle with friends, at time through rain and cold. Became interested in science, thinking it an alternate way to understand God. I was fortunate to have access to great libraries at college, American center and British Council. When I studied a little bit of astrophysics and cosmology, I was in a shock. Human seem to little for the whole universe to have as its purpose. The Muslim Allah seemed too small and local. Then came the painful time when I remained torn between the two alternates. I still wanted to believe but the mind refused to accept the religious view of the universe, so little by little I stopped being religious. I became an open atheist in 1998, when I met another atheist at the University. I have been incredibly honest and borderline stupid whide expressing my lack of respect for religion, even when in Pakistan. I lost all my friends and relatives don't want to have anything to do with me. My family

does not agree with me, but they did not abandon me. I have been living abroad since 2006, and my kids are growing as atheists

دوست نے کہا تم اسلام کے خلاف جا رہے ہو

محمد معراج بٹ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	ایم بی اے	پاکستان	پاکستان	سیلز منیجر	1998

ہمارے محلے میں سخت مذہبی ماحول نہیں تھا، بریلوی اور شیعہ کے علاوہ دوسرے فرقے کے اکا دکا ہی لوگ تھے۔ والد بریلوی سنی اور ننھیال کٹر شیعہ۔ والد لبرل انسان تھے، ہمیشہ انسان پرور رہے، گھر میں یہ سوچ ہی نہیں تھی کہ فرقے یا مذہب کی بنیاد پر کسی سے نفرت کی جاسکتی ہے۔ ہاں، ہمارے محلے میں عیسائی کافی بڑی تعداد میں تھے لیکن بہر حال مسلمانوں سے کافی کم تھے۔ ان کے مسلمانوں سے کم تعلقات تھے لیکن ہم مذہب کی بنیاد پر ان سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ بس اسے آپ مذہب کا غیر شعوری اثر سمجھ لیجیے کہ ان سے تعلقات نہیں تھے۔ ایسے ماحول میں جوان ہوا، دوستوں کا ایک ٹولہ تھا جہاں شعائر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ جوانی میں معاشی تقسیم اور غربت نے خدا اور مذہب کے وجود پر سوال اٹھائے، پھر بس چل پڑے اور راستہ بنتا گیا۔ مذہب جس دن مکمل طور پر دل سے نکلا، اس دن میں نے غربت پر بحث کرتے ہوئے مذہب پر تنقید کی، دوست نے کہا کہ تم اسلام کے خلاف جا رہے ہو، مجھے یاد ہے کہ اس وقت میں نے جواباً کہا تھا کہ میں ایسے کسی مذہب کو نہیں مانتا جو انسانی استحصال کو جائز گردانتا ہو۔

آج میرے دوست، محلے والے، رشتہ دار، بیوی، بچے، سسرال والے سبھی جانتے ہیں کہ میں ایک ملحد ہوں اور میں ہر نئے ملنے والے کو باقاعدہ ایک منصوبہ بندی سے الحاد کی طرف لانے کی کوشش کرتا ہوں یعنی سخت باتوں کو نرم انداز میں پیش کرکے اسے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ میرے

بھائی کو چھوڑ کر باقی کئی رشتہ دار، دوست اور دوسرے ملنے والے، حتیٰ کہ ماں، ماموں، بہنیں، بہنوئی، بیوی، سالے، سالیاں وغیرہ اب محض رسماً مسلمان رہ گئے ہیں۔

سب اپنی مستی میں مگن ہیں، حالانکہ سب پکے مسلمان ہیں

منیب احمد ساحل

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
31 سال	مرد	ماسٹرز	پاکستان	پاکستان	صحافت	تین سال قبل

میرا گھرانا مکمل مذہبی ہے۔ والد مرحوم مسجد کے پیش امام تھے، پکے جہادی، لشکر طیبہ کے نائب امیر تھے، مولانا سلیم اختر انصاری۔ پندرہ سال قبل جب میں سولہ سال کا تھا تو مجھے جہاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ والد مرحوم نے پرویز کی کتابیں دے دی تھیں، پھر ان کا تو انتقال ہو گیا مگر سفر نیا شروع ہو گیا۔ فیس بک پر ملحدین کی ناک میں دم کرتے تھے (گٹر گروپ والوں کی طرح نہیں بلکہ دلائل سے اپنی مرضی سے قرآن کے ترجمے کر کر کے)، ہم حدیثوں پر تنقید کرتے تھے۔ ایک دن کینٹ اسٹیشن سے آگے ریلوے کی پٹریوں پر بیٹھے شراب پی رہے تھے (واضح رہے کہ شراب قرانسٹوں میں حلال ہے) تو نشے میں میرے ساتھی شہزادہ خرم نے جو کہ ملحد ہو چکا تھا، کہا، یار کبھی قرآن پر تنقید کر کے دیکھو۔ میں نے کہا مطلب؟ اس نے آیت دہرائی تبت ید ابی لہب۔ میں چونک گیا، میں نے موبائل فون سے کائنات پر مبنی ویڈیو دیکھی اور تبت ید ابی لہب دہرایا۔

عرصے سے قرانسٹ تھا تو سب کی نظروں میں ویسے ہی کافر تھا، دوسرا الملحد کی بجائے کمیونسٹ کا لفظ استعمال کرتا ہوں اپنے لئے، بہت سے سوالوں سے جان چھٹ جاتی ہے، ردعمل کسی کا کچھ نہیں، سب اپنی مستی میں مگن ہیں، حالانکہ سب پکے مسلمان ہیں۔

مجھے حیوان سے انسان بنا دیا

جان علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	ہائی اسکول	پاکستان	سوئیڈن	ٹیکسی کال آفس	نو سال قبل

میری مذہب سے دوری کی وجہ زیادہ تر علما حضرات کے بیانات جو زیادہ تر اماموں کے اقوالوں اور معجزات پر مبنی تھی۔ پہلے میں بہت سخت یعنی کٹر شیعہ تھا، اپنے ہی فرقے کو سچا اور خدا کے نزدیک بہترین اور اعلی سمجھتا تھا۔ میں پہلے اماموں کے ان اقوال سے بہت متاثر تھا جیسے کہ جب حضرت محمد معراج پر گئے تو پہنچتے ہی دیکھا کہ حضرت علی ان سے پہلے پہنچ گئے ہیں۔ مجھے حضرت محمد اور علی جنھوں نے بنو قریظہ پر حملے کیے تھے، بہت پریشان کیا کہ اگر حملہ بھی کرتے تو ان لوگوں کو ملک بدر کرتے یا انہیں قیدی وغیرہ بنا لیتے، کھیتوں وغیرہ پر لگا لیتے لیکن اس طرح مردوں کے سر قلم کرنا؟ میں نے اپنے محلے کے علما حضرات سے بھی پوچھا کہ ایسا کیوں کیا، تو انہوں نے خدا کے فرمان، یہودی کسی کے دوست نہیں ہو سکتے وغیرہ جیسے دلائل دیتے جس سے تسلی نہیں ہوتی تھی، یا زیادہ سے زیادہ وہ کہتے کہ اگر انہیں ملک بدر بھی کر دیا جاتا تو صبح روز وہ پھر طاقت پکڑتے اور مسلمانوں پر حملہ کرتے، مجھے پھر بھی تسلی نہیں ہوتی۔ مجھے خانہ کعبہ میں جو بت رکھے تھے، انہیں توڑنے کے واقعہ نے بھی کافی پریشان کیا اور حضرت علی کا کسی ویران جگہ سے گذرنا اور وہاں پڑی انسانی ہڈیوں سے باتیں کرنا، امام علی امام حسین کو قرآن سے ثابت کرنا، قصہ مختصر مجھے سب سے زیادہ ان روایات نے سوچنے پر مجبور کیا کہ جب آپ امام علی سے لے کر امام مہدی تک یقین نہیں رکھتے اور باتوں کو سچا نہیں مانتے تو آپ حلالی نہیں ہیں۔ یقین جانیے، پہلے میں ان سب چیزوں پر یقین کرتا تھا۔ لیکن مجھے دو تین ایسے دوست ملے کہ جنھوں نے میری سوچ اور زندگی بدل دی۔ ان دوستوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا اور گناہ و ثواب سے بہت خوبصورت طریقے سے آشنا کریا۔ پھر فیس بک کی دنیا نے بہت ہی زیادہ بہتر طریقے سے مجھے حیوان سے انسان بنا دیا۔ مجھے ارتقا فہم و دانش، جو پہلے ہوا کرتا تھا اور اب پاکستانی فری تھنکر گروپ کی پوسٹوں نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ میں جب مذہبی تھا تو میں نے قرآن کو کبھی نہیں پڑھا تھا لیکن جب دل میں شک نے جنم لیا تو میں نے قرآن کو تقریبا 5 مرتبہ عقیدے اور گناہ و ثواب کو کنارہ کر کے پڑھ لیا ترجمے کے ساتھ۔ قرآن جب پڑھا تو مجھے یقین ہوا کہ یہ کسی شخص نے لکھا ہوا ہے اپنے مفادات کی خاطر۔

ہم پانچ بھائی اور تین بہن ہیں۔ میرے بڑے بھائی اور چھوٹے اور میں خود ملحد ہوں، دو بھائی بھی نام کے مسلمان ہیں؛ نہ زروزہ رکھتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں۔ ماں کو گذرے 15 سال ہو گئے۔ باپ بھائیوں اور بہنوں کو سب پتہ ہے کہ ہم تینوں بھائی ملحد ہیں۔ مجھے درحقیقت پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کب ملحد ہو گیا۔ سفر ابھی بھی جاری ہے۔

اس کے بعد اس نامرد خدا سے نفرت ہو گئی

عمر خیام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	مرد	بی اے	پاکستان	پاکستان	معلم	2016

ترک اسلام کی وجہ اندھی تقلید، سوالات کے جوابات نہ دینا بلکہ جواب دینے کی بجائے لوگوں کو ڈرانا، اسلامی دہشت گردی جس کی بنیاد عربی خدا اور اس کے رسول نے ڈالی اور جس کو انسانیت 1400 برسوں سے سہہ رہی ہے۔

پکا مسلمان تھا، پانچ وقت کا نمازی، اللہ اور رسول پر مکمل یقین رکھنے والا لیکن گذشتہ سال فیس بک پر ایک ملحد دوست اویس علی سے بحث ہوئی، اس کے دلائل پر غور کیا تو اسے درست پایا۔ بعد ازاں ایاز نظامی، سید امجد حسین، پاکستانی فری تھنکرز اور ساؤتھ ایشین فری تھنکرز گروپ کا رکن بنا اور یہاں اسلامی تاریخ اور مذہب کا ایک نئے رخ سے مطالعہ کا آغاز عمل میں آیا جس کے بعد اسلام سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔

ایک واقعہ جس نے خاص طور پر متاثر کیا، وہ شام کی تباہی اور معصوم بچوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل عام تھا، کچھ دلخراش ویڈیوز دیکھے۔ جو ان بچوں کی بھی مدد نہ کر سکا، شاید وہ خود کہیں پی کر پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نامرد خدا سے نفرت ہو گئی اور اس بات کا ادراک ہو گیا کہ ان تمام فسادات کی وجہ اسلام اور دوسرے مذاہب ہیں۔

کلیئر ٹسڈل کی کتاب "قرآن کے ماخذ" اور جرات تحقیق پر موجود کتب کا مطالعہ کیا، اس کے بعد قرآن کی حقیقت مزید واضح ہوتی گئی کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے؛ چوری کا مال ہے۔

All Religions are fake

صوفیہ اشعر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	عورت	؟	پاکستان	کنیڈا	کنٹینٹ رائٹر	؟

Read Quran, Bible, Old Testament, Torah, Geeta. Interested in science found all religions are fake. Non religious meditation to increase focus. Left Islam in the teen age years.

میں حافظ قرآن ہوں

یزید حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
35 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	آسٹریلیا	؟	1998

میں حافظ قرآن ہوں۔ مدرسے میں اسلام کو قریب سے دیکھا ہے۔اوائل عمری میں ہی اسلام چھوڑنے کی چار بڑی وجوہات یہ ہیں؛(۱) ہمارے فرقے کی دوسرے فرقوں سے نفرت،(۲) محمد اور صحابہ کا لونڈیاں رکھنا،(۳) صحابہ کی آپس کی جنگیں(۴) اور اللہ کا غیر منطقی تصور۔

بیگم کو شادی سے پہلے بتا دیا تھا۔کچھ قریبی دوست جانتے ہیں۔گھر پر ہرگز نہیں بتاوں گا۔لمبی کہانی ہے۔

مذہب انسان کی اپنی ایجاد ہے

عامر حیدر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	مرد	بارہویں پاس	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	1988

مجھ کو مطالعہ کا شوق شروع سے تھا، کوئی ایسی کتاب نہیں جو میری دسترس میں ہو اور میں نے بچپن میں نہ پڑھی ہو، حتٰی کہ عصمت چغتائی کی ”لحاف“ بھی بارہ تیرہ سال کی عمر میں پڑھ ڈالی تھی۔ایک اسلامی کتاب پڑھی، جس میں ہر بات پر گناہ ثواب سے بہت ڈرایا گیا تھا، تو میں سوچتا تھا کہ یہ کیسا خدا ہے جو اتنا حساب کتاب مانگتا ہے؟ میرے سوالوں کا جواب بھی کسی نے نہیں دیا۔پھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب مجھے پڑھنے کو کوئی کتاب نہ ملتی تو میں قرآن کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیتا، مجھ کو وہ ایک انتہائی دلچسپ قصوں کی کتاب لگتی۔میرے ذہن میں خیال آتا کہ جب خدا ایک ہے تو اللہ کو اتنے

نبی بھیجنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ میں مذہب سے بددل ہونا شروع ہو گیا پھر آہستہ آہستہ جب میں دوسرے لوگوں کو پڑھا تو اندازہ ہوا کہ مذہب انسان کی اپنی ایجاد ہے ورنہ اتنے نبیوں کی اس دینا کو ضرورت نہیں تھی۔

میں شروع سے ہی اپنی مرضی کرنے کا عادی رہا ہوں اس لیے جب میرے گھر والوں کو میرے مذہب چھوڑنے کا پتہ بھی چلا تو ان کا خیال تھا کہ میں پاگل ہوں، خود ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ میں سوال بہت کرتا تھا اور بچپن میں اپنی ماں کی دیکھا دیکھی نماز پڑھتا، پانی پر دم کر کے پیتا اور کئی آیات بمعہ آیات الکرسی مجھ کو زبانی یاد تھیں۔

تب پتہ چلا کہ ماجرا کیا ہے

حافظ امداد علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	ایم کوم	پاکستان	پاکستان	پرائیوٹ نوکری	2015

پاکستانی فری تھنکرز گروپ کی وجہ سے حدیث اور باقی کتابوں کا تنقیدی جائزہ لینے کا موقع ملا۔ ہمیں مدرسے میں بتایا گیا تھا کہ حدیث کی کتاب علما کے علاوہ خود سے نہیں پڑھنی تب پتہ چلا ماجرا کیا ہے۔ گھر والوں کو بتانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، پورا مذہبی گھرانہ ہے۔

A big fan of "burqey wali sarkar"

فیضان علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	مرد	انٹر میڈیٹ	پاکستان	جرمنی	بے روزگار	2011

Once you realize that babies aren't brought down by angels... its all downhill from there. It just seemed impossible to believe in flying horses, talking stones, birds killing elephants and man created from mud. Also since I was an extremist

and an islamist, I was actually trying to prove how islam is the best and totally different from all the other religions but soon I realized that it wasn't! it was just the same like all the other religions. But all of this only made me distance myself from religion. The last nail in the coffin was the massacre of qurayza and marriage of ayesha. I studied in madrassas for 3 years and used to be a big fan of “burqey wali sarkar” and back then I justified everything with a simple "they were jews they deserved it" but I was 10 years old then! 5 years later when I read about the same things again (in 9th grade islamiat) it seemed impossible to justify them and I started to quickly recall all the horrible things I had read in the books of ibn taymiyyah and others. Thats when I finally left Islam

رہی سہی کسر فیس بک نے پوری کر دی

امیر حسن

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	مرد	بی اے	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2015

مجھے کبھی بھی اس بات کی سمجھ نہ آئی کہ قرآن نے غلامی کو ختم کیوں نہ کیا اور قرآن میں عورت کی گواہی کو آدھا اور وراثت میں بھی آدھا حصہ کے متعلق آیات کی موجودگی مجھے کھٹکتی رہی۔ یوٹیوب پہ شیخ احمد دیدات کی ویڈوز دیکھیں لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی، قصہ مختصر میں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح ان آیات کو جسٹی فائی کیا جا سکے لیکن ناکام رہا۔ رہی سہی کسر فیس بک نے پوری کر دی۔

سوائے پاپا کے سبھی گھر والوں کو پتہ ہے، پاپا کا ردعمل شدید ہو گا اس لئے بتانے سے ڈرتا ہوں۔ باقی گھر والوں نے کچھ دن 'سمجھانے' کی کوشش کی تھی، اب وہ بھی نہیں کرتے، البتہ امی ہر وقت کہتی رہتی ہیں کہ یہ بکواس باہر کسی کے سامنے نہ کرنا۔

The whole religion is inhuman and shit

شہنیلا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	عورت	ایم بی اے	پاکستان	کینیڈا	کاروبار	2015

Many reasons; I used to think Allah made this world for Muhammad, horribly gender discrimination in Islam, adoption, Islamic history related issues, Muhammad's marriage etc. Muslims fake believes that they will rule the world coz of their Allah. I read myself Quran and Hadith, then I realized that molvi is right, basically the whole religion is inhuman and shit.

After atheism, I feel so good. Morality is nothing to do with religion, it's your own set principles. I believe humanity and every alive thing.

آپ کی کمائی میں سود شامل ہے

شاہین انجم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
44 سال	مرد	بی کوم	پاکستان	کینیڈا	کاروبار	؟

کینیڈا میں ٹف ٹائم گذارنے کے بعد بینک میں اچھی جاب لگی تو کچھ رشتہ داروں نے یہ کہہ کر اپنا منہ موڑ لیا کہ ہم آپ کے گھر کا کھانا نہیں کھاسکتے، کیوں کہ آپ کی کمائی میں سود شامل ہے۔ یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیسا مذہب ہے جو رشتوں میں دراڑیں ڈالتا ہے۔ میں نے سوچا، اس مذہب کو پڑھتے ہیں، کیوں کہ پہلے اسے پڑھا نہیں تھا۔ پھر میں نے گوگل پر "Who Left Islam" لکھا تو کافی نام لسٹ میں تھے، ان میں ایاز نظامی کا نام اور ان کی ویب سائٹ realisticapproach.org، جو اب بند پڑی ہے، اس کا وزٹ کیا، سائٹ کیا تھی معلومات کا خزانہ تھا، اور اسلام کھلتا چلا گیا۔

صحابہ تو دونوں طرف تھے، حسین کی طرف اور یزید کی طرف بھی

التمش پاشا

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2014	سرکاری نوکری	کینیڈا	پاکستان	الیکٹرانکس انجینئر	مرد	33 سال

ترک اسلام کی وجہ یہ بنی کہ اس وقت پاکستان میں مختلف اسلامی گروپوں کی طرف سے بڑی تعداد میں پاکستان میں حملے کیے جارہے تھے اور سارے بڑے علما کی جانب سے مکمل خاموشی تھی۔ اگر کوئی بولا بھی، بطور خاص جماعت اسلامی کے سربراہ سید منور حسن نے کہا کہ ہم اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکتے کہ اس وقت صحیح راستے پر ہے اور کون غلط راستے پر۔ انھوں نے کہا کہ دہشت گرد بھی اپنے حملوں کا اسلامی جواز پیش کرتے ہیں، لہٰذا ہم یہ نہیں بتاسکتے کہ ان دہشت گردانہ حملوں میں مرنے والے دہشت گرد شہید ہیں یا مرنے والے عام شہری شہید ہیں۔ انھوں نے جنگ کربلا کا ذکر کیا اور کہا، صحابہ تو دونوں طرف تھے، حسین کی طرف اور یزید کی طرف بھی، اس لیے ہم کسی صحابی کو غلط نہیں کہہ سکتے۔

کچھ اسی طرح کے خیالات میں نے آفس میں ان سے سنا جو اسلام کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے جنگ جمل کا ذکر کیا جس کا اب تک فیصلہ نہیں ہوسکا کہ حق پر کون تھا؟

القصہ، میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کیسے ہوسکتا ہے، جب یہ اس موقع پر بھی کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا، جب ہزاروں انسانوں کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوں۔ یہیں سے اسلام کے مطالعہ کا آغاز ہوا۔

اسلام کو پرکھنے کے لیے سب سے پہلے میں نے اپنی تحقیق کا آغاز اسلام اور مسلمانوں ہی کی طرف سے اسلام کے سچا ہونے کے لیے پیش کیے جانے والے ٹھوس دلائل کی تلاش سے کیا۔ تین مہینوں کی مسلسل کوشش کے باوجود مجھے کوئی ایک بھی ٹھوس دلیل یا ثبوت نہ ملا بلکہ ہر جگہ اسی کی تکرار نظر آئی کہ بغیر کسی دلیل و ثبوت کے اسلام کو ماننا اصل ایمان ہے۔

تین مہینوں کے بعد میں نے اپنی تحقیق کا رخ بدل دیا اور اب میں نے غیر مسلموں کی آنکھ سے اسلام کے جھوٹا ہونے کے دلائل اور ثبوتوں کو پڑھنا شروع کیا اور بہت جلد مجھ پر یہ بات آشکار ہو گئی کہ اگر اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھ کر بھی ان دلائل و ثبوت کو پڑھا جائے تو بھی تقریباً 95 فیصد اسلام ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اس دوران میں نے کچھ مسلمانوں کے وہ دلائل پڑھے جن کی مدد سے انھوں نے عیسائیت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے پیش کیے تھے، ان میں بھی زیادہ تر دلائل درست پائے۔ لہٰذا میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سارے مذاہب بس کہانیاں ہی ہیں اور ہر مذہب، دوسرے مذہب کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے لیکن خود اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لیے اس کے پیروکاروں کے پاس ناکافی اور لچر دلائل ہیں جو اہل عقل و دانش کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ اسی دوران میں نے فلم PK دیکھی، جس نے میری بات کی تصدیق کر دی۔ اس وقت سے میں ملحد ہوں۔

ملحد ہونے کے بعد میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہوں۔ اب مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اگر کوئی نماز یا روزہ چھوڑ دیا تو ہزاروں سال تک چمڑی بدل بدل کر زندہ جلایا جاؤں گا۔

2009 میں خاکسار کو السر کی شکایت ہوئی تو مجھے کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ربوہ منتقل ہونا پڑا، وہیں میں نے اپنے ملحد ہونے کا اعلان کیا۔ پھر ہونا کیا تھا، شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، میرے 13 شیفرڈ کتوں کو کسی نے زہر ڈال دیا اور میرا فرٹلائیزر کا کاروبار تباہ کر دیا گیا۔ میں بہت تکلیف دہ حالت میں ربوہ کو خیر باد کہہ کر لاہور آ گیا۔ عزیز رشتہ داروں اور دوست احباب بھی علیحدہ ہو گئے۔ لاہور آنے کے بعد دوبارہ کاروبار کو مستحکم کیا، سندھ اور بلوچستان میں کچھ ہندو دوست تھے، فرٹلائیزر کا کاروبار ان تک ہی محدود رکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس معاشرے میں، میں ہی اکیلا ملحد ہوں۔ شدید تنہائی کا احساس جب حد سے بڑھنے لگا تو میری زوجہ محترمہ نے مشورہ دیا کہ آپ کوئی فیک آئی ڈی بنا کر فیس بک پر اپنے دوست تلاش کریں، شاید آپ کو کوئی ہم خیال مل جائے۔ میں نے اس مشورہ پر فوری عمل کیا تو مجھے تھوڑی بہت تگ و دو کے بعد ایک آدھ نہیں، کافی ہم خیال مل گئے۔ فیس بک پر سب سے پہلے چنگیز علمدار اور مقیم صاحب سے متاثر ہوا اور اس کے بعد آپ اور محترم سعد شانی صاحب کو پڑھنے کے بعد اپنی کم مائیگی پر بغلیں جھانکنے لگا کہ یہاں تو بہت عمدہ کام ہو رہا ہے اور بہت سے ذی علم لوگوں کے نزول کی محفل ہے، یقیناً آپ لوگوں کا کام قابل ستائش ہے۔

زندگی کے چوبیس سال زمین پر ٹکریں مار کر گذار دیں

محمد احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	انٹرمیڈیٹ	پاکستان	پاکستان	نوکری	تین سال قبل

قتل و غارت، چھوٹے چھوٹے بچوں کا قتل عام اور اس پر خدا خاموش تماشائی، کوئی غیبی مدد نہیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ خدا انسان کو اس طرح آزمائش میں کیوں ڈالتا ہے، اس کے پیچھے اس کی کیا مصلحت ہے۔ میں اپنے سامنے کسی کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تو وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے دعویدار کیسے دیکھ لیتا ہے؟

بس اسی طرح کے کچھ ملتے جلتے سوالات نے کتابیں کھنگالنے پر مجبور کیا؛ اور جب کتابیں پڑھیں تو پتہ چلا کہ زندگی کے چوبیس سال زمین پر ٹکریں مار کر گذار دیں۔ آگے تو نہ اللہ ہے، نہ خدا، بس بابا جی کا ٹھلو ہے۔

گھر والوں کو علم نہیں ہے، وہ بس یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ زندگی میں ناکامیوں کی وجہ سے اسلام سے دور ہو گیا ہے. حالات صحیح ہوں گے تو خود ہی صحیح ہو جائے گا۔

عورتوں کے کمتر حقوق نے مجھے اسلام کے خلاف پہلی تحریک دی

محمل پریزاد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
17 سال	عورت	انٹرمیڈیٹ	پاکستان	پاکستان	طالب علم	کچھ ماہ قبل

اسلام چھوڑنے کی توفیق پاکستانی فری تھنکرس گروپ نے عطا کی۔ میں ارتقا فہم و دانش سے اس گروپ کا تعاقب کر رہی ہوں۔ اسلام میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے کمتر حقوق نے مجھے اسلام کے خلاف پہلی تحریک دی۔ اس گروپ کے تمام ایڈمن کی شکرگذار ہوں جنھوں نے اسلام کی حقیقت جاننے میں میری رہنمائی کی، بطور خاص نعمان سعید، غلام رسول اور عظمٰی گل کی از حد ممنون ہوں۔

میرے جیسے گنہگاروں کو چاند نظر نہیں آتا

عثمان علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
29 سال	مرد	ایم کوم	پاکستان	پاکستان	نوکری	کچھ ماہ قبل

میں خود نہیں جانتا کہ میں مرتد ہوں، ملحد ہوں یا نافرمان اور باغی مسلمان؟ بس اسلام سے محبت اور اعتماد کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔

جو کچھ گھر، سرکاری سکول، مسجد اور حجرے میں سیکھا، وہی میرا اسلام تھا۔ سوال پوچھنے سے ڈر لگتا تھا اور ساری کتابوں سے الرجی تھی، اس لیے مذاہب کے بارے میں کم جانتا تھا۔ ہندو بنیا اور یہود و نصاریٰ سازشی ہیں۔ صرف ایک کلمے کی طاقت سے سارے برے مسلمان آخر میں جنت جائیں گے اور اچھے غیر مسلم ہمیشہ کے لیے دوزخ میں۔ اب کہانی شروع کرتے ہیں۔

میں اور میرے دوست جو مجھ سے تعلیم، کاروباری تجربے اور عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، کچھ سامان خریدنے شہر گیے تھے، ظہر و عصر کی نماز باجماعت پڑھی، مغرب کے نماز کا وقت آیا تو وضو والی جگہ گیا۔ حالت انتہائی خراب تھی، بجلی بھی غائب۔ سارا دن دھوپ میں گذارا تھا، گھر جانے کی جلدی تھی۔ میں نے عذر پیش کیا، جی میں عشا کے ساتھ قضا پڑھ لوں گا۔ اس نے مجھے ڈانٹا اور زبردستی وضو اور نماز کرائی۔ واپسی پر راستے میں گنہگار ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی ملا۔ میں سوچنے لگا اس کا اسلام اتنا سخت کیوں ہے؟ کچھ مہینے بعد میں صبح اٹھا تو اس کا رات کا بھیجا ہوا sms ملا کہ "کل روزہ ہے"۔ صبح سات بجے اس نے فون کیا اور ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تم نے روزہ کیوں نہیں رکھا؟ میں نے کہا، جی کل شام میں نے خود چاند دیکھنے کی کوشش کی پھر ہلال کمیٹی کے اعلان کا انتظار بھی کیا لیکن وہ میرے کسی دلیل کو نہیں مانتا تھا۔ بس جھگڑا اس بات پر ختم ہوا کہ میرے جیسے گنہگاروں کو چاند نظر نہیں آتا۔

اس دن سے احساس ہونے لگا کچھ تو مسئلہ ہے۔ بہت سارے مذاہب لیکن اسلام سچا۔ شیعہ اس لیے کافر کیوں کہ میں پیدائشی سنی ہو۔ اہل حدیث اور بریلوی اس لیے گمراہ کیوں کہ میرے دادا نانا دیوبندی تھے۔ اب چار عید اور دو رمضان لیکن میرے والا ٹھیک۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

اسلام کے بارے میں کم جانتا تھا اور یہ سب سے اچھا مذہب اور دین کامل ہے، باقی مذاہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ سارے برے اور غلط بھی ہیں۔ میں چار سال سے کاروبار اور نوکری دونوں کرتا ہوں، ہمیشہ سے below average student رہا ہوں، اس لیے کبھی نوکری چلی جاتی ہے اور کبھی کاروبار میں نقصان۔ روپے بہت پسند ہیں لیکن صرف اپنے۔ وعدہ نبھاتا ہوں، زبان کا پکا ہوں، وقت کا پابند ہوں، اپنی جیت کے لیے دوسروں کو ہرانا پسند نہیں کرتا،

کوشش کرتاہوں دونوں جیت جائیں، لیکن اس کے باوجود ان صحابہ کے پاؤں کے خاک کے برابر بھی نہیں ہوں جنہوں نے اقتدار کے لیے ایک دوسرے کی گردنیں اتاری تھیں۔ شادی شدہ ہوں، اس لیے حوروں کی لالچ میں نہیں پڑتا۔ کسی سے جزیہ لینے کا ارادہ نہیں، محنت کرتاہوں، مال غنیمت کا انتظار نہیں۔ اپنی بیوی کی عزت کرتاہوں، دوسری کی بیوی کو لونڈی بنانا ان کے شوہروں کو قتل کرنا اوران کے بچوں کو غلام بنانا اپنی توہین سمجھتاہوں۔ باپ ہوں، لیکن اپنے انا کے تسکین کے لئے بچوں کا امتحان نہیں لیتا۔ پہلے سے جنت کے ساتھ دوزخ اور ستر ماؤں والا پیار سمجھ سے بالاترہے۔ قابلیت پر یقین رکھتاہوں، قیامت کے دن اس بندے کا سفارش نہیں چاہتا جس نے 6 سال کی بچی پر رحم نہیں کیا؛ شادی کی بجائے سر پر ہاتھ رکھنا چاہیے تھا۔ جس نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا لیکن خود درجنوں غلام پالے ،یعنی اگر برائی کو ختم کرنا ہو تو پہلے اس کا خوب فائدہ اٹھائے بعد میں دوسروں کے لیے ممنوع قرار دے دے۔ عورتوں کو بے تحاشہ حقوق دینے تھے اس لیے گھر بیویوں اور لونڈیوں سے بھر دیا۔ جاتے جاتے اپنے بیویوں پر دوسری شادی حرام کردی جو ان کا حق بھی تھا اور ضرورت بھی، حالاں کہ ان میں کچھ جوان بیویاں بھی تھیں جن کو دوسری شادی کی ضرورت تھی۔ اپنے مشن اور فرض کے اتنے پکے تھے کہ اپنے زندگی میں حدیث کی کلیکشن کو کتابی شکل نہیں دی، یہ جانتے ہوئے کہ ان کی ایک ایک بات کی کیا اہمیت ہے مسلمانوں کے لئے، یہ کام بھی دوسروں کو کرنا پڑا۔

مسلمان دوستوں سے معافی چاہتاہوں لیکن جو عقیدہ عقل اور ضمیر نہیں مانتا تھا، چھوڑ دیا۔ ہماری ایک بیٹی ہے جب میں اس بچی کی پیروں کے نیچے دیکھتا ہوں تو چپل نظر آتے ہیں، لیکن بیس تیس سال بعد وہ جب شادی کرے گی، ایک دو سال بعد ماں بنے گی تب پیروں کے نیچے جنت آئے گی، فی الحال تو وہ ابھی ناقص العقل ہے، وراثت میں تھوڑا حصہ اور عدالت میں آدھی گواہی۔

اگر سب کو خدا نے پیدا کیا تو خود خدا کیسے وجود میں آیا؟

حاجی عبدالقیوم

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2009	پولس کانسٹبل	پاکستان	پاکستان	؟	مرد	؟

بچپن سے ذہن میں ایک سوال اٹھتا تھا کہ اگر سب کو خدا نے پیدا کیا تو خود خدا کیسے وجود میں آیا؟ پھر ایک ملحد دوست سے بحث و مباحثہ ہوا۔ میرے سامنے اصل حقائق مولوی بشیر استرا، غلام رسول، وسیم الطاف، لیون اسٹیلر،

ثاقب علی، سید اختر علی شاہ اور دیگر لوگوں کی گفتگو سے آئے، لیکن یہ سفر جاری ہے۔ میں تمام احباب کا شکر گذار ہوں جنھوں نے میرے اندر پرورش پا رہے ایک جھوٹے خوف کو ختم کرنے میں میری مدد کی۔ دراصل میں ایک دیہاتی آدمی ہوں اور ہمارے معاشرے میں ایسی سوچ کھل کر کبھی سامنے نہیں آپاتی، اگر فیس بک ہمارے درمیان نہ ہوتا۔

اس کا فیصلہ کیسے ہو کہ کون ہدایت یافتہ ہے؟

حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	ایم فل کمپیوٹر سائنس	پاکستان	پاکستان	فری لانسر	2014

شروع سے ہی ذہن میں سوال آتے تھے کہ یہ زمین کائنات کیسے بن گئی اور اگر اللہ نے بنائی تو اللہ کو کس نے بنایا۔ کسی مذہبی سے یا گھر والوں سے پوچھتا تھا تو وہ یہی کہتے تھے کہ یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ اللہ کہاں سے آیا، اس لیے بس من میں لے کر یہ سوال پھرتا رہا۔ پھر ہندو اور کرسچن لوگوں سے میل جول ہوا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہتے ہیں اور ہم اپنے آپ کو۔ اس کا فیصلہ کیسے ہو کہ کون ہدایت یافتہ ہے؟ بس اسی کشمکش میں ہی تھا کہ فیس بک پہ ایک گروپ ریشنلسٹ سوسائٹی آف پاکستان میں جوائن ہو گیا۔ وہاں پوسٹس پڑھتے ہوئے اسلام کا دفاع کرنے لگا، لیکن میری کوئی بھی دلیل کام نہیں کرتی تھی۔ ملحدین کی ہر دلیل مجھے مزید سوچنے پہ مجبور کر دیتی تھی کہ کہیں میں ہی غلط تو نہیں۔ آہستہ آہستہ میں متاثر ہونے لگا۔ پھر حدیث اور اسلامی تاریخ وغیرہ پڑھیں تو ایسی ایسی باتیں ملیں جن کو پڑھ کر حقیقت آشکار ہوتی چلی گئی۔ بس اس کے بعد اسلام بھی ایسے ہی لگنے لگا جیسے پہلے باقی مذاہب لگتے تھے۔ ابھی اپنے بارے میں کسی کو نہیں بتایا، صرف بیوی کو بتایا، اس کا ردعمل یہ تھا کہ وہ بھی تقریباً چھوڑ چکی ہے۔

پہلے میں بہت اوباش تھا، پھر اچانک تبلیغی بن گیا

سیف اللہ خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
45 سال	مرد	انجینئرنگ	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	2016

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کے مصداق جتنا میں اسلام کے بارے جانتا گیا، اتنا ہی اس سے دوری بڑھتی گئی کیونکہ جتنا آپ ریزننگ اور عقل کا استعمال کریں گے، اسلام یا کوئی بھی مذہب اتنا ہی کھوکھلا ہوتا جائے گا۔

گھر والوں کا ردعمل یہ تھا کہ وہ میرے فیصلے سے ناخوش اور سمجھانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ ان کے خیال میں میرا مزاج غیر مستقل ہے اور میں ایک جگہ نہیں ٹھہرتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں مذہب کو لے کر بہت اتار چڑھاؤ سے گذرا ہوں۔ پہلے میں بہت اوباش تھا، پھر اچانک تبلیغی بن گیا، پھر مذہب سے متعلق مختلف نظریات پر غور و فکر شروع کر دی، اس کے بعد غلام احمد پرویز سے متاثر ہوا، اور نماز روزہ بھی چھوڑ دیا، بعد میں چند ملحد دوستوں کے ساتھ مباحثوں کے دوران حقیقت مجھ پر عیاں ہوئی اور میں ملحد بن گیا۔ لہٰذا، میرے گھر والوں کے خیال میں یہ بھی ایک فیز ہے جو گذر جائے گا، حفظ ماتقدم کے طور پر یہ نصیحت کی ہے کہ اپنے خیالات سر عام بیان نہ کروں جس سے ان کی محبت چھلکتی ہے۔

قتل وغارت گری اور بارہ شادیوں نے اندر کی کافرہ کو بیدار کر دیا

فرح

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	عورت	ماسٹرز (تاریخ)	پاکستان	پاکستان	ذاتی کاروبار	2001

خاندان اور احباب تقریباً سب ہی کو علم ہے کہ میں ترک اسلام کر چکی ہوں، کوئی شدید ردعمل دیکھنے کو نہیں ملا۔ سوائے امی کے، چھوٹی بہن، بہنوئی، شوہر سب کو تقریباً ملحد کر چکی ہوں۔ میرے اندر اسلام کے متعلق سوالات؛ جب میں نویں کلاس میں تھی، تب ہی اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔ خاص کر سرکار کی شادیاں اور بنو قریظہ کا قتل پھر اسلامک ہسٹری پڑھنے کو ملی اور اس کے بعد مذہب کے چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ قتل وغارت گری اور بارہ شادیوں نے اندر کی کافرہ کو بیدار کر دیا، جو اس قدر باغی ہوئی کہ سب مذاہب کی جھوٹ کی قلعی کھول کے رہی۔

I spitted on Quran and throw it away

انیشا مقبول

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2014	طالب علم	پاکستان	پاکستان	بی ایس آنرس	عورت	20 سال

I have so many reasons to left islam; I never believed in mythologies and the : god promises cause of the condition of poor. Quran never tells anything except the epic lores. When I thoroughly studied the politics of Mohammad, I was shocked to know his evil. I asked to my father (very conservative) and then many islamic ulemaas that what was the way of earning of Mohammad and they said nothing satisfied. Before that I thought Islam is the only and one religion of peace but that pushed me into atheism after i knew three rules of Islam before war. All was the ruins of a shitty religion. Then i studied Mohammad marital life. Then I knew he was a rapist who raped a nine years girl Ayesha, and he didn't abandoned slavery. Then I turned to Quran but it was full of question marks. Quran treat girls like cheap whores. That was the last nail in box. I spitted on Quran and throw it away. Now I'm feeling the true sense of freedom. I have no burdens on myself except to enjoy the colors of this world. Except to divide happiness, I have donated all my body parts to needy and donated my body for educational purposes after my death. I openly announced my atheism in my university, but not my family members knows about my decision. I had very strong debates with religious friend. I proved my points with the help of ancient civilizations that Islam adopted some mythologies from them. Quran does not

tell about the name of Pharaoh who fought against Moses. Then they threatened me. After that incident i became a lone ranger

وہ اسلام کو بہت ذلیل کر رہے تھے

سید مدثر حسین شاہ عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	بی ٹیک	پاکستان	متحدہ عرب امارات	نوکری	2007

اسلام چھوڑنے کی وجہ میرے والد کی روحانی تعلیم تھی جس میں والد دوئی کا انکار کرتے تھے۔ پھر جب اسلام کے ابتدائی دور کا مطالعہ کیا، بڑے بھائی نے بھی بہت سپورٹ کیا اس طرف آنے میں اور بہت کچھ سچ بتایا۔ سید ہونے کی وجہ سے محرم کے دنوں میں ہمارے گھر میں قرآن خوانی کرائی جاتی تھی۔ 2006 کے محرم کے ختم پر ابو خطیب کو بلایا جو ان کا دوست تھا۔ اس کا نام شاید سید احمد تھا اور وہ سلطان باہو کی کتابوں کا ترجمہ کیا کرتا تھا۔ اس نے تقریر کی تو میرے ذہن میں کچھ سوالات خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ پتہ نہیں کیوں۔ لیکن میں نے کسی سے نہیں کہا۔ ایک دفعہ بڑے بھائی کے ساتھ ایک محفل میں جانا ہوا جہاں سب بھائی کے دوست تھے۔ ان کی گپ شپ سن کر۔ مجھے بہت عجیب لگا کیونکہ وہ اسلام کو بہت ذلیل کر رہے تھے۔ پھر اچانک میرے ذہن میں وہی سوال اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے وہ سوال رکھے، ان کے جوابات نے مجھے ٹھنڈا کر کے رکھ دیا۔ پھر مطالعہ شروع کر دیا اور اگلے سال کے محرم تک میں مکمل طور پر مذہب چھوڑ چکا تھا۔

ایک دوست نے کہا کہ ایسا مت کرو ورنہ جنید حفیظ والا حال ہو گا

مشعل بردار

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	عورت	؟	پاکستان	پاکستان	نوکری	2013

میرا تعلق شیعہ گھرانے سے ہے۔ مجالس بھی پڑھا کرتی تھی۔ شیعہ متھالوجی کو میرا ذہن قبول نہیں کرتا تھا، میں دوسرے فرقوں کی جانب مائل ہوئی تو عقل کی بات وہاں بھی نظر نہیں آئی۔ پھر اتفاق یہ ہوا کہ بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی میں جنید حفیظ پہ بلاسفیمی کا الزام لگا۔ میں ان دنوں روشنی پیج کی پوسٹس سے متاثر ہو کے انہیں فیس بک پہ شئیر کرتی تھی، ایک دوست نے کہا کہ ایسا مت کرو ورنہ جنید حفیظ والا حال ہو گا۔ مجھے اس کی بات سمجھ آ گئی لیکن میرا سفر شروع ہو چکا تھا، سو میں نے قلمی نام سے آئی ڈی بنائی اور پھر گویا میرے سامنے انفارمیشن کے باب کھلتے گئے۔ ایاز نظامی صاحب کی تحریریں اور جرأت تحقیق، غلام رسول صاحب کے آرٹیکلز، کافر خان کے سوالات؛ ان سب سے میں نے استفادہ کیا۔ اس ساری کہانی کو ایک جملے میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "میہہ جاناں میں کون؟ سے سفر کا آغاز کیا جو انا الحق تک جا پہنچا ہے۔"

میرا گھرانہ کافی حد تک مذہبی ہے، وہ اس تبدیلی کو قبول نہیں کریں گے، اس لیے اب انھیں بتایا۔

ابھی میں ملحد نہیں، اگناسٹک ہوں

ظہیر عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	ایم فل لسانیات	پاکستان	پاکستان	تدریس	2014

سب سے پہلے یہ سوال اٹھا کہ صرف میں اور میرا مذہب ہی درست کیوں ہے جب کہ تقریباً سب کی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ دوسرا سوال یہ کہ ہر مذہب کا خدا، انسان کے جیسا، چھوٹی سوچ والا کیوں ہے۔ اتنی بڑی کائنات کا اگر کوئی خالق ہے تو وہ اتنا چھوٹا کیسے ہو سکتا ہے جیسے یہ مذاہب اور اس کے ماننے والے بتاتے ہیں۔ آگے پھر ایک لمبی داستان ہے۔ ابھی میں ملحد نہیں، اگناسٹک ہوں۔

گھر والوں کو اندازہ ہے کہ یہ مذہب چھوڑ چکا ہے مگر باقاعدہ طور پر نہیں بتایا۔ بس میرے افعال اور باتوں سے اندازہ ہے۔ سب ہدایت (ان کے مطابق) کی دعائیں کرتے ہیں۔

اچھے اور برے کی پہچان کے لیے کسی مذہب کی نہیں بلکہ مجھے اپنی عقل کی ضرورت ہے

ارسلان بلوچ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	ایم فل لسانیات	پاکستان	؟	بے روزگار	2012

میں اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ مذہبی تھا۔ کم عمری میں داڑھی تھی، صوم و صلوت کی پابندی بھی، ذکر الٰہی، قران شریف کی تلاوت اور تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت بھی لگایا۔ 16 سال کی عمر میں عمرہ بھی کیا۔ دل میں شکوک و شبہات تب پیدا ہوئے جب حدیث اور علما کی تصانیف پڑھیں اور پھر وقفہ وقفہ قرآن کو بھی ترجمہ سے پڑھنا شروع کیا۔ شروع شروع میں خود کو یہی سمجھا کر مطمئن کرتا تھا کہ اللہ کی ہر بات میں مصلحت ہوگی۔

پھر بعد میں محمد کی زندگی کو تھوڑا تفصیل سے پڑھا اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو بھی، تو اسلام سے نفرت ہونے لگی اور پھر مسلمانوں کے بھی دہرے معیار دیکھے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ انٹرنیٹ کا استعمال سیکھنے کے بعد مختلف تہذیبوں اور مذاہب کو بھی کھلے دل سے پڑھا اور پھر ان میں بھی صحیح چیزیں ہی نظر آئیں اور ساتھ ساتھ غلط چیزیں بھی۔ پھر خود سے ہی سوال کیا کے اگر مختلف مذاہب میں سے صحیح اور غلط کو میں خود معلوم کر سکتا ہو تو اچھے اور برے کی پہچان کے لیے کسی مذہب کی نہیں بلکہ مجھے اپنی عقل کی ضرورت ہے۔

شروع میں گھر والوں کو بتانا چاہا، لیکن کسی نے زیادہ سیریس نہیں لیا۔ پھر جب سوچا کہ بتانا خطرناک بھی ہو سکتا ہے تو انہیں خود ہی پتہ چل گیا۔ بہت ناراض اور غصہ بھی ہوئے۔ بڑے بھائی نے فون پر گالیاں بھی دیں، مگر اب سب ٹھیک ہے۔ میرے گھر والے کافی قدر لبرل ہیں۔

فزکس نے میری بڑی مدد کی

اسامہ رضا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
20 سال	مرد	بی ایس سی میتھس اور فزکس	پاکستان	؟	طالب علم	2014

اسلام دو سال قبل ترک کیا، میں نے گھر والوں کو بتایا تو نہیں لیکن انھیں پتہ چل چکا ہے۔

ہمارے ایک استاد تھے جنھوں نے ایک دن تمام طلبا کے سامنے ایک منطقی سوال اٹھایا، اسی سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے میں الحاد تک پہنچ گیا۔ اس میں فزکس نے میری بڑی مدد کی۔

جب آپ کو ہیرا مل جائے تو پتھر ہاتھ سے آپ ہی چھوٹ جاتا ہے

سلمان رضوی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
56 سال	مرد	ایم اے، اردو ایم اے، ہندو فلسفہ	شاہجہاں پور ہندوستان	ممبئی ہندوستان	ایڈ فلم اور سیریل میکر	2014

اسلام چھوڑنے پکڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، جب آپ کو ہیرا مل جائے تو پتھر ہاتھ سے آپ ہی چھوٹ جاتا ہے، یہ راز میں نے اوشو رجنیش سے سیکھا۔

یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے، اس لیے اس پر نہ تو میرے گھر والوں کو اعتراض ہے اور نہ میرے دوستوں کو۔ میں کسی سے ڈرتا ورتا نہیں ہوں۔

I didn't want my head beheaded

محمد حارث

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	مرد	بی ٹیک آنرس میکنیکل، بی ایس آنرس، ایل ایل بی	پاکستان	پاکستان	فری لانسنگ	2014

I studied philosophy, although environment of our institutions is much religious but somehow I managed myself to be curious. I asked too much questions to my teachers and read philosophy with great interest. My class fellows used to call me atheist but I refused every time because I thought there is an ultimate reality or we can't deny the existence of God. I graduated in 2013 but could not leave the religion. In 2014, Mr. Changaiz Alamdar gave me enough courage to declare myself atheist and I know there is no way back. My family and friends know I am not religious now, I don't offer prayer neither I fast during Ramzan. People know

I am philosopher and it is common attitude for being a philosopher in Pakistan I did not declare myself as an atheist in my family neither in my close friends. The reason was the same for not letting them know because I didn't want my head beheaded or create any other problem for myself or for my family

نبیوں کی شعبدہ بازیاں آج کے لوگ بھی کر سکتے ہیں

عاطف شاہ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	ایف اے	پاکستان	پاکستان	؟	؟

میں شروع سے ہی کوئی خاص مذہبی انسان نہیں تھا، لیکن اللہؑ اور رسول اور قرآن پر یقین ضرور تھا۔ کھانے پینے کا بہت شوقین تھا، اس لیے زندگی میں صرف دو یا تین بار ہی روزہ رکھ سکا۔ 2005 کی بات ہے میرا ایک دوست تھا، وہ فلسفہ کا طالب علم تھا اور ملحد تھا۔ اس سے ایک دفعہ مذہب کے متعلق بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ یہ سب پرانے زمانے کے دانشوروں اور نیک لوگوں نے انسانوں کو برائی سے بچانے کے لیے ایجاد کیے، اسی لیے ہر خطے کا ایک اپنا مذہب ہوتا ہے، جسے وہ بعد میں دوسرے خطوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بات میں وزن تھا، لیکن نبی تو عام انسانوں سے علیحدہ تھے، انھوں نے تو معجزات بھی دکھائے تھے؟ اس پر اس نے جواب دیا نبیوں نے شعبدہ بازیاں کر کے دکھائی

ہوں گی جو آج کے لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اس کی باتوں کو جھٹلانے کا، اور ویسے بھی اس کی باتوں نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دل میں سو قسم کے سوالات اٹھنے لگے کہ خدا ایک ہے تو اتنے سارے مذاہب کیوں؟ اگر قران ہی سچی کتاب ہے تو اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرتے وقت ہی کیوں نہ ایک کتاب دے دی؟ کیوں کبھی تورات، کبھی زبور، کبھی انجیل اور کبھی قران اتارتا رہا؟ اور ان ساری کتابوں کے باوجود بھی انسان تو نہیں سدھر سکا؟ 2013 میں فیس بک کا استعمال شروع کیا تو کسی طرح ملحدوں کے گروپس میں آ گیا، پھر ساری سچائی کھل کر سامنے آنے لگی. اور ان نیک لوگوں کے کارنامے بھی کھل کر سامنے آنے لگے۔

میرے گھر میں صرف میرے بھائی کو پتہ ہے۔ ویسے بھی میرے گھر میں میری ماں کے سوا کوئی مذہبی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ چند دوستوں کو پتہ ہے۔

پھر پتہ نہیں کب سب طرف اسلام نافذ ہو گیا

نگار جہاں

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	عورت	گریجویٹ	پاکستان	امریکہ	ملازمت	؟

بچپن آپا صفیہ کے گھر سپارے پڑھنے، اتوار کو ماں جی کے ساتھ چرچ جاتے اور تقریباً ہر روز سامنے والے لالہ جی کے گھر کی خواتین کو پوجا گھر میں عبادت کرتے دیکھتے گذرا۔ پھر پتہ نہیں کب سب طرف اسلام نافذ ہو گیا۔ ماں جی نے چرچ جانا چھوڑ دیا اور لالہ جی کے گھر میں پوجا گھر کی جگہ جاے نمازوں نے لے لی۔ میں مڈل سکول میں تھی کہ ماں جی کو اردو پڑھنے کا شوق ہوا اور ابا جی گھر میں اسلامی کتابیں لانے لگے، ماں جی پر اسلام کی دھاک بٹھانے کو۔ پڑھنے کا شوق مجھے بھی تھا اس لیے میں نے بھی وہ کتابیں پڑھیں۔ ناسمجھی کا دور تھا کچھ سمجھ آیا کچھ نہیں۔ اس زمانے میں گل بکاؤلی اور کوہ قاف کا جن، الف لیلیٰ چالیس چور جیسی بہت سی کہانیاں پڑھی تھیں۔ مذہبی کہانیاں خاص طور پر قصص ال انبیا بھی ویسی ہی لگیں۔ ابا جی سے پوچھا تو عقیدے ایمان اور دین کی عزت و احترام پر زوردار لیکچر ملا کہ بغیر سوال جواب کے ایمان کا درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ اس کے بعد ان سے کچھ اور پوچھنا بیکار تھا، اس لیے کتابوں سے پوچھنا شروع کیا اور وہ سب کچھ بھی پڑھ ڈالا جس کی سخت ممانعت تھی۔ دوبارہ چرچ گئی وہاں سے بائبل لے کر پڑھی۔ لالہ جی کے گھر سے گیتالی۔ سب سے

ایک ہی جواب ملا۔۔ سب انسانوں بلکہ صرف مردوں کی لکھی کہانیاں ہیں جو عورتوں کو اپنے تابع رکھنے کے لیے گڑھی گئی ہیں۔

فیصلہ اس دن ہوا جس دن ابا جی کو ماں جی سے یہ کہتے سنا کہ عورت پر شوہر کی تعظیم اس حد تک فرض ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں جا سکتی؛ اپنے ماں باپ کے گھر بھی نہیں۔ اور پھر اکیس بائیس سال کی عمر میں پہلی جاب ملنے پر میں نے ابا جی کو ان کے اللہ کی امان میں دیا اور ماں جی کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکل آئی، مذہب سے بھی۔

صحیح اور حتمی طور پر تو نہیں کہہ سکتی لیکن شک اور سوالات بہت شروع سے تھے۔ مکمل خیر باد شاید بھٹو کی پھانسی اور ضیا کی موت کے درمیانی وقت کیا۔ جن کی میری زندگی میں اہمیت نہیں، انھیں بتانے یا اطلاع دینے کی ضرورت نہیں سمجھی، ویسے تقریباً سب کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہے۔ معلوم صرف ان کو ہے جن کی میری زندگی میں اہمیت ہے۔

امی نے خوب پھینٹی لگائی

سیدہ ہما اقبال

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	عورت	بی ایس سی	پاکستان	متحدہ عرب امارات	پولس افسر دبئی	2014

فیس بک کے ایک گروپ میں میری ایک ملحد سے تلخ کلامی ہوئی تھی۔ میں نے اسے جان سے مارنے کی دھمکیاں دی تھیں۔ پھر اک بھلے شخص کو میری حالت پہ ترس آیا تو اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے دھمکیاں دینے سے پہلے اپنے مذہب کے متعلق پوری تحقیق کی ہے؟ کیا تم واقعی پر یقین ہو کہ تمہارا مذہب سچا ہے؟ کبھی مستند اسلامی کتب کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے؟ کبھی اپنے قرآن کو ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا ہے؟ جاؤ اور اپنے مذہب کا پہلے بغور مطالعہ کرو اس کے بعد آ کر علمی بحث کرو، علمی طریقے سے اختلاف کرو۔ مجھے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے مذہب کی مستند ترین سمجھی جانے والی کتابیں کون سی ہیں؟ میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ میں تحقیق کیسے کروں، کون سی کتب کا مطالعہ کروں؟ انہوں نے مسلمانوں کی مستند ترین سمجھی جانے والی کتب کے اسکرین شارٹ دیے اور کہا کہ ان کا مطالعہ کرو۔

بس اس دن سے میں نے طبقات ابن سعد کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اسلام سے میری بیزاری وہیں سے شروع ہوئی۔

ان دنوں میں ایاز نظامی کے بہت خلاف تھی، میں جاہل مسلمانوں کی طرح ان پر طنز کرنا گالم گلوچ کرنا مگر اس سب کے باوجود جب میں سوالی بن کر ان کے پاس گئی کہ مجھے طبقات ابن سعد کے لنکس درکار ہیں تو انہوں نے خوش دلی سے مجھے لنک دیے اور کہا کہ بیٹا اب لنکس لیے ہیں تو ان کا مطالعہ بھی کرنا، ان کتب کے مطالعہ کے بعد میں سیدہ ہما اقبال سے اب سابقہ رویے کی توقع نہیں رکھوں گا۔

اپنے گھر والوں کو دو سال پہلے ہی بتا چکی ہوں، امی نے خوب چھینٹی لگائی۔ ایک مہینہ تک مجھ سے بات چیت چھوڑے رکھی اور اپنے اللہ میاں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنی صفائیاں پیش کرتی رہیں کہ اللہ میاں میں نے اس کی ایسی تربیت ہر گز نہیں کی، میرے اللہ میں بے قصور ہوں میرا کوئی قصور نہیں مجھے اس کے کیے کی سزا مت دیجیے گا۔

شیعہ ہو کر الحاد کی طرف جانے کا راستہ بہت آسان ہے

عبد الہادی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	مرد	ایف اے	پاکستان	ہندوستان	تجارت	2007

میرے ٹیچر عرب کے باشندے تھے جو بیس سال کی عمر میں 1945 میں مدینہ سے ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگ آئے تھے۔ وہ شاعر تھے، شیعہ عالم تھے اور لاتعداد مریدین وعقیدت مندوں کے پیر تھے۔ ان کا چونکا دینے والا تعارف ان سے ایک گفتگو کے دوران ہوا۔ میں ان سے سبق پڑھ رہا تھا اور وہ ساتھ میں اپنے دوست سے واقعہ افک پر بات کر رہے تھے۔ جب بات یہاں پر پہنچی کہ نبی نے کہا کہ تم میں جو اہل ایمان ہے، وہ عائشہ کی پاکدامنی کی گواہی نہ دے تو میں جو اس وقت بارہ سال کا تھا، جھٹ سے بول پڑا کہ شاہ جی! پھر کیا بے ایمانوں سے نبی نے گواہی لینی تھی؟ اتنی سی بات پر انھوں نے مجھے زمین سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا لیا اور پھر تاحیات اپنا علم مجھ سے شیئر کرتے رہے۔ انھوں نے مجھے تعویذ اور دم کرنے کے گُر بتائے۔ شاہ جی کہتے تھے کہ مذہب جاہلوں کی نفسیات سے کھیلنے کا نام ہے، جو جتنا بڑا جاہل وہ اتنا بڑا عقیدت مند ہو گا۔ جن لوگوں کو معاملات کی سمجھ آجاتی ہے، وہ حالات و واقعات سن کر نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے مریدین اس کو شاہ جی کی کرامات سمجھتے تھے، حالاں کہ وہ واقعات کا منطقی انجام ہوتا تھا۔ مجھے اس وقت بڑی حیرت ہوئی تھی جب شاہ جی ایک بندے کو ٹانگ کے درد سے نجات دلانے کے لیے دم کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ شاہ جی درد تو مجھے بھی ہو رہا ہے، مجھے بھی دم کر دیجیے۔ انھوں نے کہا یہ دم عقیدت مندوں کے لیے ہے اور

آرام بھی صرف عقیدت مندوں کو ہی ملے گا۔ شاہ جی نے کہا کہ میں تو خود "بروفن" کی گولیاں کھاتا ہوں ٹانگ کی درد کے لیے۔ ایسی بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ پھر میں ان کے ساتھ مجلس سننے کے لیے بھی جاتا تھا۔ وہاں میں نے شیعہ ذاکرین کو ذاتی طور پر شاہ جی سے گفتگو کرتے دیکھا، جن میں طالب جوہری، گلفام حسین ہاشمی، غضنفر عباس تونسوی، محسن نقوی، تاج دین حیدر جیسے نام شامل ہیں۔ میرے استاد شاہ جی کہتے تھے کہ یہ چالاک لوگ ہیں اور مذہبیوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ شیعہ ہو کر الحاد سے جانے کا راستہ کافی آسان ہے اور اس کی وجہ شیعہ مسلک میں سوچنے اور تنقید کرنے کی آزادی ہے، کیوں کہ آپ ان میں جب ابو بکر، عمر، عثمان، عائشہ، معاویہ وغیرہ پر تنقید کرنے کے لیے اسلامی کتب، صحاح ستہ کا سہارا لیتے ہیں تو انھی کتب میں آپ کو پیغمبر اسلام، علی، حسن، حسین وغیرہ کے بالات و واقعات بھی مل جاتے ہیں۔ جب میں نے ابو بکر، عمر، عثمان وغیرہ کے تنقیدی فارمولے کو پیغمبر اسلام، علی وغیرہ پر لاگو کیا کہ پیغمبر اسلام نے بنو قریضہ کے نو سو لوگوں کو کیوں ذبح کیا؟ علی نے توہین رسالت کے جرم میں ایک انسان کو کیسے زندہ جلا دیا؟ نبی کی شادیاں، لونڈیاں، غلام، وحی کی بروقت ٹائمنگ، ناسخ و منسوخ اور اسی طرح کی دیگر سینکڑوں باتیں جب میں نے اپنے استاد سے شیئر کیں تو انھوں یہ کہہ کر کہ حقیقت ایسی ہی تلخ ہوتی ہے، مہر تصدیق ثبت کر دی۔ عقلمند دیگ کے چاول کا ایک دانہ ہی چیک کرتے ہیں اور دیگ کی پوری سچائی ان کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد میں نے زندگی عقلی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اگر میرا بیٹا چھت سے گر کر مر بھی گیا تو میں نے اسے اپنی لاپرواہی قرار دیا، نہ کہ ان دیکھی قوتوں کی کارستانی۔

شروع میں یہودی اور صیہونی سازش لگی

عــزیز ملر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	ناروے	کاروبار	2015

میں سنی مسلم گھرانے میں پیدا ہوا لیکن مذہبی لحاظ سے ایسی کوئی پابندی دیکھنے کو نہیں ملی۔ کبھی کسی اعتبار سے زور زبردستی نہیں کی گئی لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہی بات موجب ترک مذہب بنا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مذہب اور ان سے متصل شخصیات کی جو سنی سنائی باتیں اس وقت سامنے آتی تھیں، ان کی وجہ سے محبت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ اکثر اوقات تو نام سنتے ہی فرط جذبات میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔

خیر انٹرنیٹ سے روشناس ہوا اور گھر بیٹھے باہر کی دنیا کا پتہ چلنا شروع ہوا کہ دنیا میں اور کیا کیا ہو رہا ہے۔ 2009 میں سائنس کی طرف کچھ رجحان ہوا تو بہت سی ڈاکیو منٹریز دیکھیں، خاص طور پر کائنات اور اس کی ابتدا کے متعلق، زمین پر زندگی اور اس کی ابتدا سے متعلق، لیکن اس کا اثر مجھ پر یہ ہوتا تھا کہ میں انھیں دیکھ کر خوش ہوتا تھا کہ سائنس بھی خدا کی قدرت کو ہی آشکار کر رہی ہے۔ اس کے باوجود ایک خلش سی دل میں محسوس کرتا کہ آخر سائنس خدا کا اقرار کیوں نہیں کرتی؟ وہ ہمیشہ اپنا تجزیہ آپ کے سامنے چھوڑ کر فیصلہ آپ پر ہی کیوں چھوڑ دیتی ہے؟ خیر وقت گذرتا گیا لیکن میرے ایمان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑا لیکن ایک بات میں نے ضرور محسوس کی کہ آنکھیں بند کر کے سوچنے اور سمجھنے کے روایتی انداز میں تبدیلی آ رہی تھی۔ میرا ذہن اب ہر بات کو من و عن قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا، خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی؛ حتیٰ کہ میں ان باتوں پر کاؤنٹر سوال اٹھانے لگا تھا لیکن پھر بھی یہ سوالات اس قابل نہیں تھے کہ میرے ایمان پر فرق ڈال سکیں، اس کی وجہ جو مجھے اب سمجھ میں آتی ہے وہ یہ تھی کہ میرا تعلق بھی ان 90 فیصد مذہبیوں سے تھا جو اپنے مذہب کی اصل core سے بلد تھے۔

2013 میں فیس بک کے توسط سے کچھ فیس بک گروپس سے روشناس ہوا لیکن خاموش قاری کے طور پر۔ ان گروپس میں ایسی ایسی اسلامی تعلیمات کا ذکر ہوتا تھا جو اب سے پہلے میرے وہم و گمان تک میں نہیں تھا۔ شروع میں، میں نے ایسی باتوں کو یہودی اور صیہونی سازشیں سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا کہ یہ سب fabricated ہیں اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ میرے متجسس ذہن میں اب کسی چیز کی اصل تک پہنچنے کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اس لیے ان حقائق کو بھی پرکھنے کی ٹھانی، ان باتوں کی تصدیق ان حوالوں سے کی جو ان گروپس میں دی جا رہی تھیں اور میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ سب کی سب من و عن درست تھیں، بس فرق یہ تھا کہ اسلامی کتابوں میں ان باتوں کو شوگر کوٹ کیا گیا تھا۔ تقریباً ایک سال کے عرصے میں مجھے ایسی ایسی چیزیں پڑھنے کو ملیں کہ میرے ایمان کی دھجیاں اڑ گئیں اور مجھ پر یہ عیاں ہو گیا کہ اول تو کوئی خدا نہیں ہے، اگر کوئی ہے بھی تو اسلام سے اور اس کے پیروکاروں سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ایسا کوئی خدا سچا کیسے ہو سکتا ہے، جسے اپنی بات منوانے کے لیے اپنی مخلوق کے ہاتھوں اپنی ہی دوسری مخلوق کا قتل کروانا پڑے یا غلام بنوانا پڑے (توبہ 29)؟

مذہب چھوڑ دینے کے بعد تمام مذہبی خرافات سے اب میں دور ہوں۔ زندگی کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میرا پیدا ہونا میری شروعات تھی اور میرا مرنا اختتام، نہ یہ کوئی خوشی کی بات ہے اور نہ کسی خوف کا موجب۔ سب سے

اہم بات، جو بھی کرتا ہوں، اچھا کہہ لیں یا برا، اپنے آپ کو ذمہ دار جانتے ہوئے اور اس وثوق کے ساتھ کہ میں ایسا سوچنے اور کرنے کے لیے میں کسی مذہبی تعلیم کا محتاج نہیں۔

میں پہلے سمجھتی تھی کہ ملا جھوٹ بولتے ہیں لیکن......

ہانیہ حنان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
22 سال	عورت	ایم اے	پاکستان	پاکستان	طالب علم	؟

میں ملحد نہیں ہوں، میری تلاش ابھی جاری ہے۔ میں اسلام کے بہت سے ظالمانہ قانون کے سبب کنفیوژڈ ہوں، بطور خاص پاکستان جیسے ملک میں رہتے ہوئے اور ایک لڑکی ہونے کے ناطے مجھے اسلامی قوانین اور لوگوں کا منافقانہ رویہ میرے مستقبل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ محسوس ہوتا ہے۔

میں پہلے یہ سمجھتی تھی کہ یہ ملا جھوٹ بولتے ہیں، اسلام ایسا نہیں ہوگا لیکن جب میں نے قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھا تو سب وہی باتیں وہاں مجھے دکھائی دیں جو عورتوں کے بارے میں ہم شروع سے سنتے چلے آئے ہیں۔ اس ملک میں جینا بہت مشکل ہے، حتیٰ کہ ہمارے بنیادی حقوق تک یہاں میسر نہیں ہیں، تعلیم تک ہم بہت مشکل سے حاصل کرپاتے ہیں لیکن کیا یہ صرف میری کہانی ہے یا اس ملک میں رہنے والی ہر لڑکی کی داستان یہی ہے؟

تم ایک گورکھ دھندا ہو

زی سام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
18 سال	مرد	الیکٹرک انجینئرنگ	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2014

جب سے ہوش سنبھالا، ذہن میں طرح طرح کے سوالات اٹھتے رہتے تھے۔ ان دنوں ملاں فرقہ واریت کو خوب ہوا دے رہے تھے، لیکن میں سوچتا تھا کہ سب مسلمان برابر ہیں، فرقہ کی بنا پر کسی سے نفرت کرنا اچھا نہیں۔

مجھے مذہب سے خاصا لگاؤ تھا، کیوں کہ میری پرورش ایک مذہبی گھرانہ میں ہوئی تھی۔ میں نے قرآن مجید ناظرہ بچپن میں ہی پڑھ لیا تھا۔ میرے ذہن میں بچپن سے یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ اللہ کون ہے، کیا ہے اور کہاں ہے؟ مگر کبھی بھی میں تسلی بخش جواب نہ ڈھونڈ پایا۔ اس کے علاوہ مجھے موسیقی سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔ نصرت فتح علی خان کی قوالی "تم ایک گورکھ دھندا ہو" بڑے شوق سے سنتا تھا۔ پھر میں نے سنا کہ موسیقی حرام ہے، مجھے مولویوں سے نفرت سی ہو گئی۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ ملاں جاہل ہیں اور اسلام کو غلط صورت میں پیش کرتے ہیں۔ میں نے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کی کلاس لینی شروع کر دی۔

اس سے قبل میرا ایک ذاتی نظریہ بن چکا تھا کہ "سب انسان برابر ہیں، ہر کسی کو اس کا مذہب اتنا ہی عزیز ہوتا ہے جتنا ہمیں اسلام عزیز ہے، اور اللہ سب نیک انسانوں کو جنت میں داخل کرے گا۔" لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ کیا تو میں نے اسے اپنے نظریے کے بالکل برعکس پایا۔ قرآن میں قتل وغارتگری کی آیات دیکھ کر میں بددل سا ہو گیا۔ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ایسا مذہب کیوں کر حق ہو سکتا ہے جس کے قبول نہ کرنے پر جنگ اور فدیہ کا سامنا کرنے پڑے اور چھوڑنے پر قتل کیا جاتا ہو۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ ملاں حضرات بالکل اسلامی ہیں اور حقیقی اسلام ہی کی پیداوار ہیں۔ وہ وقت میرے لیے کسی دماغی عذاب سے کم نہیں تھا۔ اس کے بعد مجھے اسلام کی دیگر تعلیمات سے بھی نفرت سی ہوتی گئی۔ میں نے کسی نئے مذہب کی تلاش نہیں کی بلکہ میں نے فیصلہ کیا کہ چپ چاپ لبرل اور سیکولر نظریات کو اپنا لیتا ہوں اور ایسا ہی کیا۔

میرا سائنس میں خاصا لگاؤ تھا۔ جب کالج میں گیا تو وہاں سائنسی علوم میں کافی دلچسپی رہی۔ یہاں مجھے نظریہ ارتقا اور کائنات کی تخلیق کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اس متعلق میں نے چند کتابیں پڑھیں اور ڈاکیومنٹریز دیکھیں۔

پھر ایک دن میرا رابطہ اس فیس بک انڈر ورلڈ سے ہو گیا۔ یہاں میں نے اپنے جیسے بے شمار ہم خیال دوستوں کو پایا۔ میرا حوصلہ بڑھا کہ میں ایسا سوچنے والا اکیلا نہیں ہوں۔ بس میں ملحد ہو گیا۔

میرے گھر میں سالگرہ نہیں منائی جاتی تھی، میں نے اپنی سولہویں سالگرہ کالج کے دوستوں کے ساتھ دھوم دھام اور پُرجوش طریقے سے منائی۔

اب میرا ماننا ہے کہ اپنی خوشی اور دوسروں کی خوشی ہی حقیقی زندگی ہے۔ اس مختصر زندگی میں کچھ ایسا کر جاؤ کہ تمھارا نام رہتی دنیا تک باقی رہے۔ حیات بعد الموت اور جنت محض ایک جھانسا ہے۔

میرے ایک قریبی دوست کے کزن کا اس مولوی نے ریپ کیا

عارف کریم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
29 سال	مرد	ایف اے، ٹیکنیکل	پاکستان	ناروے	آئی ٹی کنسلٹنٹ	؟

میں احمدی تھا۔ شاید ۱۰ سال کا ہوں گا جب مسجد میں ایک قادیانی مولوی نے تربیتی کلاس کے دوران بچوں کی چھترول شروع کر دی۔ خود کرتا تو الگ بات تھی کہ یہ تو پاکستانی کلچر کا معمول ہے، مگر وہ خبیث دوسرے بچوں سے پٹوائی کرواتا تھا، مطلب صحیح اسلامی غنڈہ تھا۔ پھر اسی دوران میرے ایک قریبی دوست کے کزن کا اس نے ریپ کیا۔ معاملہ گھر والوں سے جماعت تک گیا مگر انہوں نے کوئی ایکشن نہ لیا۔ بھلا اسلام میں بچوں کے حقوق کہاں ہیں جو وہ اسے تحفظ و انصاف فراہم کرتے۔ بس تب سے مسجد و مذہب دونوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بعد میں عمر کے ساتھ ساتھ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے مکمل ترک کر دیا۔ یعنی پہلے اسلامی عمارات و مقامات کو ترک کیا اور بعد میں دین اسلام کو۔

They will disown and may kill me for being an apostate

احمد علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
37 سال	مرد	ایف اے، ٹیکنیکل	پاکستان	پاکستان	تدریس	26 سال کی عمر

The members of my family are unaware of the fact that I am an atheist. I have never revealed it to them because I know that if I do so, they will disown and may kill me for being an apostate

I started questioning the existence of God when I was at the primary school. The first question that arose in my mind, was "If God is the creator of everything then

who created Him?". My parents and teachers couldn't give me a satisfactory answer. In the subsequent years, I made a thorough study of Islam that convinced me of its baselessness. In 2005, a devastating earthquake hit our area. Thousands of people lost there lives and many others got injured. Most of them were children. The Molvies declared this natural calamity A SCOURGE OF GOD. At that point, I decided to leave Islam for good

سب گول مال ہے

قسیم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	ایف اے	پاکستان	ملیشیا	ملازمت	2015

پاکستانی فری تھنکرس گروپ کی تقریباً تمام اہم پوسٹ کو پڑھ کر حقیقت کا ادراک ہوا۔ ان پوسٹ کو کراس چیک کرنے کے لیے اسلام کی بنیادی کتابوں تک پہنچا، تو پتہ چلا کہ سب گول مال ہے۔ ابھی گھر والوں کو اس بارے میں نہیں بتایا ہے۔

پھر ہمارے علاقے میں انٹرنیٹ کی سہولت آئی

باسط علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
45 سال	مرد	میٹرک	پاکستان	پاکستان	کاروبار	2012

میرے والد ایک ملحد مارکسسٹ ہیں، بچپن ہی سے انہوں نے ذہن میں سوالات ڈال دیے تھے اور گھر میں زیادہ مذہبی ماحول بھی نہیں تھا۔ اس طرح اللہ کے بارے میں مذہب کے بارے میں اکثر سوچتا تھا، لیکن جو ڈر معاشرے اورا سکول سے دماغ میں قائم تھا، اس کی وجہ سے بہت عرصے تک مسلمان رہا۔ کئی بار سوچتا کہ کچھ نہیں ہے، سب جھوٹ ہے

لیکن پھر توبہ کرتا کیوں کہ مجھے مذہب کے بارے میں معلومات نہیں تھی، پھر ہمارے علاقے میں انٹرنیٹ کی سہولت آئی، جس سے مجھے جرأت تحقیق اور ارتقا فہم و دانش جیسے پیج مل گئے اور وہی سے مجھے حقیقت کا مکمل علم ہوگیا۔ ان فوروموں پر آنے کے بعد مجھے مذہب ترک کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

ایک بھائی ہے، وہ بھی مذہب کو نہیں مانتے لیکن کھل کر اظہار نہیں کرتے، میرے بچے بھی میری طرح سوچ رکھتے ہیں، میری وائف ایک ان پڑھ اور سادہ خاتون ہے، اسے ہمارے مذہب کے چھوڑنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ میری تبدیلی سے بہت خوش ہے۔

میں تقدیر پر یقین نہیں رکھتا

علی قاسم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	مرد	سی اے (جاری)	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2016

اسلام چھوڑنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں تقدیر پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اللہ نے ہمارے مقدر میں جہنم ہی لکھ دیا تو پھر میرا کچھ کرنا یا نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر چونکہ بچپن سے تقابل ادیان پر مشتمل کتابیں پڑھا کرتا تھا، چنانچہ یہ شک مزید طاقتور ہوتا گیا اور بالآخر ترک اسلام کر دیا۔

میرے گھر کے لوگ کافی مذہبی ہیں، اس لیے احتیاطاً انھیں اپنے بارے میں نہیں بتایا ہے۔

ایمان زیادہ ضروری ہے یا ایمانداری؟

خواجہ عاکف محمود

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
37 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	برطانیہ	الیکٹرک انجینئر	2012

2012 میں ہمارا ایک فیس بک فورم ہوتا تھا مسلم سکیپٹکس، جن کے ایڈمنز میں سے ایک میں بھی تھا۔ اہل ایمان، متشکک، اور ملحد ایک تناسب میں ایڈمن تھے۔ اک دن ایک سکیپٹک دوست نے سوال کیا: ایمان زیادہ ضروری ہے یا ایمانداری؟ میرا جواب تھا ایمانداری۔ بس اس کے بعد سے میں سکیپٹک ہی ہوں۔

یزید اور محمد میں کیا فرق تھا؟

ابراہیم اقبال

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	؟	پاکستان	امریکہ	تدریس	؟

اسلام سے متنفر ہونے کی وجہ اسلام کا عورتوں سے ذلت آمیز سلوک۔ ایک دن میں مفتی جعفر حسین صاحب کی کتاب "سیرت امیر المومنین" پڑھ رہا تھا جس میں اسلامی جنگ بنو قریظہ میں سارے مردوں کو قتل کرکے عورتوں اور بچوں کو اسیر کرنے کے واقعہ نے مجھے جھنجھوڑ دیا، میں نے واقعۂ کربلا پر سوچا جس کی وجہ سے میں نے ہمیشہ یزید اور اس کے باپ پر لعنت کی، مگر جنگ بنو قریظہ کا حال پڑھ کر میں نے سوچا یزید اور محمد میں کیا فرق تھا؟ یزید نے تو پھر بھی ایک سال بعد نبی زادیوں کو رہا کرکے عزت کے ساتھ ان کے وطن مدینہ بھیج دیا تھا۔ رہی سہی کسر "جرأت تحقیق" اور "پاکستانی فری تھنکرز" نے پوری کردی۔

قاتل بھی رشتہ دار نکلے

نوشین اعوان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	عورت	ایم بی بی ایس (جاری)	پاکستان	پاکستان	طالب علم	؟

شروع سے ہی مذہب کو اتنی اہمیت نہیں دی مگر تین سال پہلے میرے انکل کو جو دم درود کرتے تھے، دیوبندیوں نے گولی مار دی۔ قاتل بھی رشتہ دار نکلے، جو کچھ احمدی اور شیعہ حضرات کو بھی قتل کر چکے تھے۔ خود اسٹڈی کی تو حقیقت کے پاس ہوتی گئی۔

آخر معافی تلافی سے جان بخشی ہوئی

شانی خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	بی اے	پاکستان	پاکستان	بے روزگار	2013

خدا کی ذات پر عجیب عجیب خیالات آتے تھے کہ وہ کیا ہے کیوں ہے کس نے بنایا اسے؟ اس کے علاوہ رسول اللہ کی سیرت سے کچھ باتیں جو ان کی ذات سے دل کھٹا کر رہی تھیں۔ اس کے بعد "ارتقائے فہم و دانش" سے "جرأت تحقیق" تک رسائی ہوئی تو مذہب سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

میری منگیتر کو میرے خیالات کے بارے میں پتہ ہے اور وہ بھی دہریہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل رشتے داروں میں بات کچھ کھلی جس سے بہت تعلقات خراب ہوئے، آخر معافی تلافی سے جان بخشی ہوئی۔ ابھی کچھ قریبی دوست اور رشتے دار ہی جانتے ہیں۔

جس سے شادی ہو اسے بھی ملحد بنا دوں

ندا راجپوت

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	عورت	؟	پاکستان	چین	ڈاکٹر	2014

میرا گھرانہ اتنا مذہبی کبھی نہیں رہا لیکن پھر بھی مجھے سوال کرنے کی عادت تھی، مجھے چپ کرا دیا جاتا تھا۔ جیسے جیسے بڑی ہوئی تو عورت کو لے کے اسلام پر سوال کرنے لگی۔ خبریں پڑھتی تھی تو جہاد، خون خرابہ دیکھ کر مجھے تجسس ہوا کہ اسلام کو پڑھوں تاکہ اصلیت جان سکوں۔ فیس بک پر ایک گروپ تھا "پاکستان لبرل پارٹی"؛ وہ جوائن کیا۔ وہاں چنگیز

صاحب تھے، ان کی پوسٹ پڑھتی تھی اور حوالے سرچ کرتی تھی۔ ایسے پھر ایک دوست نے اس گروپ یعنی "پاکستانی فری تھنکرز" کا لنک دیا۔ باقی اپ سب کی کرپا ہوئی اور پڑھنے کو ملا تو میرے دلیل مضبوط ہوتے گئے، اتنا عرصہ نہیں لگا اسلام چھوڑنے میں۔ باقی نالج کی کمی تھی جو اس گروپ سے لیتی ہوں۔ مجھے ایک سال ہو گیا ہے اس گروپ میں، بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ میں کچھ عرصہ خاموش ریڈر رہی، اب کمنٹ کرتی ہوں۔

دوستوں کو علم ہے، بہنوں کو بھی، لیکن سب لبرل ہیں، کسی کو فرق نہیں پڑتا۔ میڈیکل کی ہی کتابیں پڑھیں، جس سے اسلامی میڈیکل کا پتہ چلا۔ اسلام چھوڑنے کے بعد تبدیلی یہ آئی کہ میں عبادت کی ٹینشن سے آزاد محسوس کرتی ہوں اور نسبتاً زیادہ ماں باپ کا خیال کرتی ہوں کہ یہ بس ادھر ہی ملنے ہیں۔ اپنی زندگی کو زیادہ بہتر بنا رہی ہوں۔ دو سال سے ملحد ہوں اور اب یہی مقصد ہے جس سے شادی ہو اسے بھی ملحد بنا دوں۔

اسلام کی زیادتیوں اور مظالم سے میں باغی ہو گیا

سہیل احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
18 سال	مرد	انٹر میڈیٹ	پاکستان	پاکستان	طالب علم	؟

میں سندھ کے علاقے تھر کے کسی گاؤں میں پیدا ہوا۔ والد محترم بہت اچھے انسان ہیں، وہ بیچارے زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن بیس سال کی عمر سے ریڈیو پر بی بی سی نیوز سن رہے ہیں اور پانچ وقت کی نماز پڑھ رہے ہیں، ملائیت کے خلاف ہیں۔ آج انھیں جتنا علم ہے، شاید وہ ہمارے گاؤں کے بڑے بڑے افسران کو بھی نہیں۔ میں دو سال پہلے تک کٹر وہابی تھا، پھر میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اسلام کی زیادتیوں اور مظالم سے میں باغی ہو گیا اور آج بھی میں اللہ کے بھیجے ہوئے پیمبروں کے بارے تحقیق کر رہا ہوں۔ ہاں، فیس بک پر میری جتنی پوسٹ ہیں، ان میں سے چند کو چھوڑ کر ساری میرے ذاتی تجربے پر مبنی ہیں۔

مسجد میں اعتکاف میں بیٹھ کر مشت زنی کرنی چاہی

وقاص احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	مرد	میٹرک	پاکستان	پاکستان	کاروبار	2016

میں حافظ قرآن ہوں۔ بچپن میں قرآن کی وجہ سے بہت مار پڑی۔ میں نے اسلام کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہر جگہ بس ایک ہی ورد ہوتا تھا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن عملاً خدا کو ہمیشہ بے بس پایا۔ مجھے اس خدا کی عبادت کے لیے کہا جاتا جس کو بعد نماز جمعہ ہم چندے کی صورت میں بھیک دیتے اور دعا میں اسی سے رزق کی بھیک مانگتے تھے۔ میں نے مسجد میں اعتکاف میں بیٹھ کر مشت زنی کرنی چاہی تو بھی ہمارا خدا اپنے گھر کا تقدس پامال ہونے سے نہ بچا سکا۔

دو سال سے میں جاوید چوہدری کے کالم کا دیوانہ بنا ہوا ہوں۔ ان کالمز کے ذریعہ مجھے کافروں سے پیار اور مسلمانوں سے نفرت ہوتی گئی۔

جب وقاص گورایا اور سلمان وغیرہ کو اغوا کیا گیا، تب میں یہ دیکھنے ملحدین کی مسجد میں گھس آیا کہ ان لوگوں کا کیا قصور ہے؟ یہاں آکر واپس نہ جا سکا۔ خدا کی حقیقت آپ کی تحریروں نے بے نقاب کر دی۔ آپ میرے لیے ایک استاد اور محسن کا درجہ رکھتے ہیں۔

جب میں مسلمان تھا تو یکطرفہ سوچ رکھتا تھا۔ خواتین کو وہ اہمیت اور قدر کبھی نہ دے پایا جس کی وہ حقدار ہیں۔ دنیا کو دیکھنے کا اسلام کا ایک الگ ہی نظریہ ہے کہ کافر لوگ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اب میں اپنی ذات کا احتساب بھی کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کی ہر عورت آزاد ہو اور اس کی شروعات میں اپنے آپ سے کروں گا۔ اگر میری بیٹیاں ہوئیں تو اپنی تعلیم کے علاوہ ہر چیز میں وہ خود کو آزاد خیال کریں گی، خواہ کوئی ایکٹرس بنے، ڈانسر بنے یا معلمہ بنے، صرف ایک اچھی انسان ضرور بنے۔ I love you sir Amjad

جتنا پڑھتا رہا مذہبی کہانیاں جھوٹ کا پلندہ لگتی گئیں

علی اسد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
34 سال	مرد	ایم بی اے	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2014

میں عمر بھر ایک راسخ العقیدہ مسلمان رہا ہوں، ابتدا میں گھرانہ کچھ کچھ بریلوی خیالات رکھتا تھا، پھر دیو بندی نظریہ اختیار کیا، اس دور میں دوستوں اور ملنے والوں سے بحث اور مباحثے کیے اور بریلویوں اور شیعہ حضرات کو قائل کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔ تقریباً پچیس سال کی عمر اہل حدیث یا غیر مقلد / سلفی ہو گیا، اب بریلوی، شیعہ اور دیو بندی قصے کہانیوں کو ماننے والے لگنے لگے۔ تقریباً پانچ سال پہلے یاہو آنسرز پر غیر مسلموں کو تائب کرنے کی خاطر جوابات دینے شروع کیے، وہیں ملحد اور اگنوسٹک بھی ملے، ذاکر نائیک کی توجیہات سے انہیں مرعوب کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔ پھر کچھ ناکامی محسوس ہونے پر خود قرآن کو سمجھنے کے لیے ترجمہ تفاسیر کے علاوہ سیرت اور حدیث کا مطالعہ شروع کیا، تاکہ سوالات کا بہتر جواب دے سکوں، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ جتنا پڑھتا رہا مذہبی کہانیاں جھوٹ کا پلندہ لگتی گئیں۔ ساتھ ہی جیالوجی، کوسمولوجی، اوولیوشنری، بائیولوجی وغیرہ کے علم کے حصول نے جو کہ اسلام کو سچا ثابت کرنے کی نیت سے ہی شروع کیا تھا، انھوں نے اسلام کو مکمل خیر آباد کہنے پر مجبور کر دیا، رہی سہی کسر "پاکستان فری تھنکرز" نے پوری کر دی۔

ماں باپ وغیرہ کو تو آگاہ نہیں کیا، کیونکہ عمر کے اس حصے میں وہ شاید اس کو سمجھنے کے قابل نہ ہوں۔ بیوی جو انتہائی سخت قسم کی مسلمان ہے، اسے کچھ اشارے دیے تھے مگر اس کارد عمل جو کہ علیحدگی کی طرف جا رہا تھا، دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا اور اب بظاہر مسلمان ہوں لیکن سوالات کی پھلجھڑیاں چھوڑتا رہتا ہوں۔

کاش اسلام کا گہرا مطالعہ نہ کرتی

نوشابہ شوکت عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
47 سال	عورت	ایم اے	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2007

اللہ میاں کی محبت مجھے لے ڈوبی۔ کاش اسلام کا گہرا مطالعہ نہ کرتی تو اس کے متضاد بیانات اور کمزور تصور جہاد پر نظر نہ پڑتی اور میں ترک اسلام نہ کرتی۔

میرے میاں اور بچوں کو پتہ ہے، باقی خاندان کو شک ہے۔

اب جانوروں سے کراہت محسوس نہیں ہوتی

غنی خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
47 سال	مرد	ایم بی اے فنانس	پاکستان	پاکستان	سرکاری نوکری	2007

حدیث سے پرویز نے جان چھڑائی اور قرآن کے نرالے مفاہیم کا بھی جب آئی-ڈبلیو-لیں کی لیکسیکون کے ذریعہ ترجمہ کیا تو پرویز کا جھوٹ بھی کھل کر سامنے آگیا۔ تب قرآن کا سادہ ترجمہ بغیر ایمان کے پڑھنا شروع کیا کہ شکوک پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ اسلام چھوڑنے کی وجہ قران کا انداز بیان اور ایک بدو جیسی باتیں کرنا، اسلام میں تکریم آدم کی کمی اور پچھلے مذاہب اور لوک کہانیوں کو الہامی کلام گردانا۔ سب سے بڑی وجہ کائنات کے خالق ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود انتہائی بونگی باتیں کرنا۔

الحاد کے بعد میری زندگی بدل گئی، ہر وقت تسبیح اور نماز کی پریشانی اور اللہ کے ڈر کی بجاے ہر پل کا حساب خود رکھتا ہوں۔ میری بیوی کو میرا الحاد اس لیے پسند ہے کہ میری سخت گیری ختم ہو گی اور میں نے انسانوں کو ان کے حقوق دینے شروع کر دیے۔ کسی بھی مذہب کے انسان کے لیے دل میں کوئی نفرت نہیں جاگتی۔ اب جانوروں سے کراہت محسوس نہیں ہوتی بلکہ ان سے بھی رحم کا سلوک روا رکھتا ہوں، تبدیلیاں تو بہت آگئی ہیں مگر یہاں پر میں نے بڑے اختصار سے ذکر کر دیا ہے۔

پھر ان کے سامنے مجھے مسلمان ہونا پڑا

ایان شاہ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
29 سال	مرد	ماسٹرز کرمنالوجی	پاکستان	پاکستان	طالب علم	19 سال کی عمر

اسلام چھوڑنے کی وجہ میری بچپن سے ہی فارمیشن (متھ اینڈ فارمیشن) کو چیلنج کرنے کی عادت ہے۔اسی لیے بہت سارے رسوم ورواج،روایت وغیرہ کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

میری والدہ نے ڈائری پڑھ لی تھی اور انہوں نے رونا دھونا شروع کر دیا تھا۔پھر ان کے سامنے مجھے مسلمان ہونا پڑا۔تاہم میری بہنوں کو علم ہے اور تقریباًوالدہ سمجھتی ہیں کہ میں ہاتھ سے نکل گیا ہوں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے نماز کی ایکٹنگ کرنی پڑتی ہے

بیزار خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	بی کوم	پاکستان	؟	بے روزگار	؟

شروع میں بہت انتہا پسند تھا،بہت بار جہادی تنظیموں کے ساتھ گھوما پھرا۔کالج میں ایک دوست کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا،اس نے سوال کرنا شروع کر دیا جو اکثر ملحد حضرات کرتے رہتے ہیں اور پھر بس کیا تھا زندگی ہی بدل گئی اور باقی معلومات پاکستانی فری تھنکرز سے مل رہی ہیں۔

کبھی بھی کسی سے کھل کر اظہار نہیں کیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے نماز کی ایکٹنگ کرنی پڑتی ہے اور روزہ بھی بظاہر رکھتا ہوں لیکن چوری چھپکے پانی بھی پیتا ہوں اور کھانے کو کچھ مل جائے تو کھا بھی لیتا ہوں،کیونکہ میرا رہنا سہنا انتہائی کٹر مذہب پسندوں کے ساتھ ہے۔کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیسے جان چھڑاؤں ان مذہبی انتہا پسندوں سے۔

جب میں ان سے سوال جواب کرتا ہوں تو وہ سارے بڑبڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یار یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟تم کس قسم کے سوال کر رہے ہو،شاید تم بھٹک گئے ہو اور پھر سارے نکل جاتے ہیں اور پھر میں بھی ان کا جارحانہ موڈ بھانپ کر خاموش ہو جاتا ہوں۔اپنے گھر میں کسی کو بھی میں نے نہیں بتایا ہے کہ میں ملحد ہوں،بظاہر ان کے سامنے میں سب کچھ کرتا ہوں۔

جو مذہب لعنت سے شروع ہو اور گالی پر ختم ہو،وہ صحیح نہیں ہو سکتا

سہیل

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
39 سال	مرد	ایل ایل بی	پاکستان	پاکستان	کاروبار	2014

شیعہ مسلک کو 24 سال کی عمر میں چھوڑ کر moderate سنی ہوا اور تقریباً 2 سے 3 سال پہلے الحاد قبول کیا۔

شیعہ مذہب اس لیے چھوڑا کہ مجھے لگا جو مذہب لعنت سے شروع ہو اور گالی پر ختم ہو، وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مذہب کی کہانیوں پر سوچنا شروع کیا تو لگا جیسے کوئی طلسماتی داستان ہو۔ اس طرح مذہبی اقدار کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ سمجھ سے بالاتر ہیں۔

پھر مشہور و معروف ملحدوں کی تقریریں اور مباحثے سنے اور لگا کہ یہ لوگ صحیح کہتے ہیں۔ آخر میں خدا کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو وہ بھی اس وقت اور اس عمر کی ایجاد محسوس ہوئی جب لوگ چیزوں کو جاننے اور سمجھنے سے قاصر تھے۔

ایک ذاتی اور ضروری وجہ یہ تھی کہ میں ہم جنس gay ہوں. جب مذہب میں اس کی تفصیل پڑھی تو لگا کہ میں تو بہت بڑا گناہ کر رہا ہوں۔ ایک طویل عمر احساس جرم اور گناہ میں گذاری، یہاں تک کہ ذہنی طور پر بیمار ہو گیا۔ اب جب سے مذہب چھوڑا ہے ذہنی جسمانی اور دماغی طور پر خوش ہوں اور اپنے آپ کو صحتمند محسوس کرتا ہوں۔

مذہب کا تصور خدا بہت بھاری مشکل اور عجیب ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ اب میں خوش بھی ہوں اور اچھا محسوس کرتا ہوں۔ اس لیے اپنے محدود علم کی بنیاد پر الحاد کی تبلیغ کر رہا ہوں اور اب تک 2 یا 3 لوگوں کو الحاد کی طرف لا چکا ہوں۔

عملی طور پر مذہبی لوگوں کو میں نے بدترین پایا

آصف مجیب

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
43 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	اسپین	اکاؤنٹس	2013

میں نے بچپن سے ہی استحصال کو محسوس کرنا شروع کیا، اور عملی زندگی میں آنے کے بعد بھی اپنی سادگی کے باعث یہی سمجھتا رہا کہ سب خرابیاں اسلام سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اس دوران میں تین بڑے مکتبہ فکر بریلوی، شیعہ اور دیوبندی سے رجوع کرتا رہا لیکن کوئی حل نہیں ملا۔ کچھ دنوں تک تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت بھی لگایا، لیکن نتیجہ ندارد

۔میں ہر شخص کو اس کے اعمال کے تناظر میں پرکھتا ہوں،نہ کہ نظریات سے،اور عملی طور پر مذہبی لوگوں کو میں نے بدترین پایا۔اپنی بد اعمالی کو کبھی مقدر اور کبھی شیطان کے سر ڈالنا کوئی ان سے سیکھے۔سب کچھ کر کے بھی ان کے ضمیر پہ کوئی بوجھ پڑتے میں نے نہیں دیکھا۔کوئی مرتا مر جائے۔ہر بات تقدیر الٰہی پہ ڈال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔خیر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر وقت یہی سوچ رہتی کہ جھوٹ بول کر کاروبار کرنا حلال ہے یا حرام۔پاکستان چھوڑ کر سعودی عرب چلا گیا،وہاں جھوٹے کلمے اور قسموں کے ساتھ بدترین استحصال نظر آیا۔سب کچھ جائز قرآن کے ریفرنس کے ساتھ۔وہاں احساس ہوا کہ نماز صرف روٹین پریکٹس ہے،اخلاق پہ کوئی اثر نہیں ڈالتی۔وہاں سے واپس آ گیا،لیکن کوئی واضح راہ نہیں تھی۔بس احساس ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ مذہب کے نام پر دھوکہ اور استحصال کر رہے ہیں۔نماز روزے چھوڑ دیے اور اسپین آ گیا۔ایک ایرانی ایتھیسٹ دوست ملا،اس نے بہت سی باتیں مختلف مذاہب کے بارے میں بتائیں ۔عقل تسلیم کرتی تھی لیکن ڈرتا تھا اللہ ناراض نہ ہو جائے،لیکن اتنی مشکلیں جھیلیں کہ وہ دور بھی ختم ہو گیا۔پھر فیس بک پہ زریں حمید صاحبہ نے ایک گروپ کا بتایا۔یہ گروپ اس وقت نہیں تھا لیکن اسی طرز کا تھا،بعد میں بلاک ہو گیا۔وہاں ایاز نظامی صاحب اور غلام رسول اور بہت سے دیگر دوست ملے۔بہت سے بت ٹوٹ گئے اور صحیح معنوں میں جرأت کفر ملی۔اب کسی بھی انسان کو مذہب کی بجائے صرف کردار سے پرکھتا ہوں۔اب بھی اپنے خیالات بہت محتاط طریقے سے کرتا ہوں۔لوگ سننے کو تیار ہی نہیں ہوتے سو اب کسی سے بحث بھی نہیں کرتا۔لیکن ضمیر مطمئن ہے کہ کم از کم مذہب کے نام پر استحصال سے بچ گیا ہوں۔باقی تو جیسی دنیا ہے ویسے ہی چل رہی ہے اور سوائے سائنس کے کوئی قوت اسے بہتر نہیں بنا سکتی۔پلیز میرا اصل نام مت ظاہر کیجیئے گا،ابھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

صرف آپ کا گروپ

گلفام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
30 سال	مرد	بی اے	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2015

ترک اسلام کی وجہ صرف اور صرف آپ کا گروپ ساؤتھ ایشین فری تھنکرز ہے۔چودہ سال کی اسٹڈی نے اتنا کچھ نہیں سکھایا جتنی دو سال میں آپ کی پوسٹوں نے سکھلا دیا،آنکھیں کھل گئیں۔

اب میں ایک نیوٹرل انسان بن چکا ہوں،جسے انسانیت سے محبت ہے۔

اس دن میں کمرے سے پکا کافر بن کر نکلا

سہیل (امسر بن ہشام)

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	ایم فل	پاکستان	پاکستان	؟	2015

کراچی میں پیدا ہوا لیکن 16 سال کی عمر میں پشاور آ گئے اور اب وہیں رہتے ہیں۔ ابو نشیڑی تھے، پیسے نہیں دیتے تھے، ہمیں چھوڑ گئے تھے، لہٰذا غربت کا زمانہ تھا۔ مطالعہ کے دو مواقع میسر تھے۔ ایک دینی مدرسہ جہاں مطالعہ اور علم مفت تھا، دوسرا اعلاقے میں بجلی کے کھمبوں کے ساتھ ڈبوں میں، بعد میں پیسے آئے تو باقاعدہ مطالعہ شروع ہو گیا۔ میں حافظ قرآن بن گیا اور دوسرے علوم کے حصول کے لیے داخلہ لے لیا۔ پشتو میں ہم ان سات سالہ بکواس کو علم کہتے ہیں۔

مجھے سب سے پہلا جھٹکا یہ لگا کہ اسلام میں غلامی کی لعنت جاری ہے اور اس رسم کو کلی طور پر اب تک ختم نہیں کیا گیا۔ دوسرا جھٹکا تب لگا جب پتہ چلا کہ جن بیواؤں کو دے کر نبی نے شادی کی، ان میں سے بعض کو آپ ہی نے بیوہ بنایا تھا۔ تیسرا جھٹکا سیرت ابن ہشام میں بنو قریضہ کا سانحہ پڑھ کر لگا۔ اس طرح بتدریج ایسے سینکڑوں جھٹکے مجھے لگتے رہے، حتیٰ کہ مجھے 2015 کے وسط میں یقین ہو گیا کہ اسلام ایک جھوٹا مذہب ہے اور اس کا اخلاق وغیرہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

پھر میں نے مذہب عیسائیت کا مطالعہ شروع کیا، کچھ وقت کے بعد محسوس ہونے لگا کہ کم و بیش یہ بھی اسلام کی طرح بکواس ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت میں BS کا طالب علم تھا اور سائنس پر بھی عبور رکھتا تھا۔ مجھے سائنس کے بنیادی نظریات کا بخوبی علم تھا لیکن ملحد یا ایتھسٹ نامی مخلوق کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا۔ پھر سر رچرڈ ڈاکنز کی کتاب "The God Delusion" پڑھی، اس دن میں کمرے سے پکا کافر بن کر نکلا۔

مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میری طرح ہزاروں لوگ سوشل میڈیا پر جمع ہیں جو انھی خطوط پر سوچتے ہیں جن پر میں سوچ رہا ہوں۔ یہ جگہ دیکھ کر بہت سکون آیا اور خوشی بھی ہوئی۔

میں اب صد قات 70 لڑکیوں کے لالچ میں نہیں دیتا بلکہ درد محسوس کرتا ہوں۔ میں ایک انسان کے مارنے کو جرم سمجھتا ہوں، خواہ وہ یہودی ہو یا شاتم رسول۔ میں اس وقت دو بندوں کو دین کی حقیقت سمجھا چکا ہوں جن میں سے میرا چھوٹا بھائی بھی شامل ہے جس کی عمر 17 سال ہے۔

سارے خدا، قرآن، وحی، پیغمبر خود ساختہ لگے

بلوچ خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
30 سال	مرد	بی اے	پاکستان	متحدہ عرب امارات	؟	2015

میں نے اسلام میں سچائی نہیں دیکھا۔ سارے خدا، قرآن، وحی، پیغمبر خود ساختہ لگے۔ اسلام میں انسانیت کے فائدے کے لیے کچھ نہ پایا، سب کچھ مسلمانوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کے مفادات کا چکر ہے۔

اسلام ترک کرنے کے بعد مجھے پوری انسانیت سے محبت ہے۔ رنگ، نسل، مذہب میرے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ سارے انسان برابر ہیں، جو معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے، وہ برا ہے، چاہے وہ جس مذہب یا قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

ابھی ترک اسلام نہیں کیا

خالد حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
30 سال	مرد	ایم اے	پاکستان	پاکستان	محکمہ پولیس	؟

ابھی ترک اسلام نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جس معاشرے سے تعلق رکھتا ہوں، وہ کٹر مذہبی ہے اور مذہب ترک کرنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرا مطالعہ اور تلاش جاری ہے۔ لیکن مذہب کے قوانین اور دیگر کئی باتوں سے میرے من میں اختلاف موجود ہے۔

مارک زکربرگ کا بھلا ہو

عبد المجید

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
22 سال	مرد	فضیلت	انڈیا	انڈیا	سیکیورٹی انچارج	؟

اسلام چھوڑنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے، بس میری متجسس طبیعت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ میں بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ میں جس مدرسہ میں زیر تعلیم تھا، وہاں کسی دوسرے فرقہ کی کتاب کو پڑھنا بالکل منع تھا، خاص کر ابتدائی کلاس کے بچوں کے لیے۔ لیکن ذہن میں ایک بات ٹھان رکھی تھی کہ جب بھی موقع ملا، میں دیوبندیوں کی کتاب ضرور پڑھوں گا، چونکہ بریلوی جو پروپگنڈا ان کے خلاف کرتے تھے، میں ان کی باتوں پر یقین نہیں کرپارہا تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ نماز، روزے، حج وغیرہ سارے ارکان پر عمل کرنے والے نبی کی گستاخی یا جس طرح کے الزامات ان پر لگائے جاتے ہیں، وہ واقعی ایسا کرتے ہوں گے۔ ایک دن کتاب توحید ہاتھ لگی، بس اسی دن سے کشمکش شروع ہوگئی۔ جس طرح کی ذہنی آزمائش سے گذرا ہوں، بیان سے باہر ہے۔ یہ کشمکش کافی دنوں تک جاری رہی، پھر میں ہر فرقہ ہر مذہب کو پڑھتا چلا گیا۔ دو تین برسوں کے درمیان نتیجہ یہ نکلا کہ میں اسلام کو لے کر ہی شبہ میں پڑ گیا، ان دنوں میری حالت کافی غیر تھی، پھر میں نے اپنے جیسے گمراہوں کو تلاش کرنا شروع کردیا۔ مارک زکربرگ کا بھلا ہو، جو اس تلاش کے لیے مجھے شہروں شہروں، گاؤں گاؤں خاک چھاننے کی بجائے صرف چند کلکس پر پوری دنیا سامنے لا کھڑا کردی۔ بہت سے ہم خیال مل گئے۔ ملحدوں کے بیچ پہنچ کر بھی بظاہر کچھ دنوں تک اسلام کا دفاع کیا لیکن آخرکار ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ وہ سچ ہی کیا جو سر چڑھ کر نہ بولے۔ کُل ملا کر میں زیادہ پڑھ کر گمراہ ہوگیا۔

آئندہ ہمارے ساتھ بحث مت کرنا

محسن شاہ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
24 سال	مرد	ایم بی اے مارکیٹنگ	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2012

اسلام چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ اسلام سے بہت زیادہ محبت تھی اور ہر وقت بحث مباحثہ کرنے کا شوق تھا اور ہمیشہ اپنے فرقے کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اسلامی کتابوں کی طرف رجحان بڑھا اور ان کو پڑھنا شروع کیا۔ تقریباً ڈھائی سال تحقیق کرنے کے بعد اس مذہب اسلام سے یقین اٹھ گیا۔

میں نے اپنے گھر والوں کو اس کے بارے بتا دیا تھا اور کافی بحث کے بعد انہوں نے کہا تم نے جو کرنا ہے کرو لیکن اس گھر میں رہتے ہوئے آئندہ ہمارے ساتھ بحث مت کرنا۔

جون ایلیا کو پڑھنے کے بعد مجھ میں سوال کرنے کی ہمت پیدا ہوئی

ذیشان علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	بی ٹیک	پاکستان	پاکستان	؟	؟

شکوک و شبہات تو بہت پہلے سے میرے دماغ میں اس لیے چلتے تھے کہ مجھے تحقیق کا شوق تھا، کچھ طبیعت میں بھی اجتہاد موجود ہے۔ لیکن تب میں ڈر جایا کرتا تھا، پھر جون ایلیا کو پڑھنے کے بعد مجھ میں سوال کرنے کی ہمت پیدا ہوئی، تب میری عمر ۲۳ سال تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں کٹر مذہبی سوچ کا حامل تھا، لیکن میں نے دل میں عہد کِیا کہ میں لاکھ براسہی پر میں قیامت کے دن خدا کو اس بات کا جواب سر اٹھا کے دینا چاہتا ہوں جب وہ مجھ سے پوچھے گا کہ میں نے تجھے شعور دیا تھا تو تُو نے کیا کِیا؟ کیا مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کی؟ تو میں کہتا کہ ہاں میں تیری راہ پر چلا۔ یہاں سے میرے سفر کا آغاز ہوا۔

میرے والدہ اور بھائی بہن اس بارے میں مکمل طور پر جانتے ہیں کہ میں کن نظریات کا حامل ہوں، دوست میرے کچھ خاص نہیں ہیں لیکن جتنے ہیں ان میں سے تقریباً سبھی جانتے ہیں۔

مذہب چھوڑنے کی سب سے بڑی وجہ جو مجھے نظر آئی، وہ یہ تھی کہ میرے معاشرے میں اس کے کوئی مثبت پہلو نظر نہیں آتے اور جس خدا کا تعارف یہ کہہ کر کرایا گیا ہے کہ وہ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، وہ کیوں لاچار لوگوں کی مدد کو نہیں آتا؟ کیا وہ بے خبر ہے؟ یا مر گیا ہے؟ اس کے علاوہ تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اسلام اور بانیان اسلام کے قول و فعل میں تضاد کثرت سے نظر آیا۔۔ اور مجھے اس بات کا یقین ہونا شروع ہوا کہ یہ سب کچھ جھوٹ اور

فریب پر مبنی ہے۔ اگرچہ مجھے آج بھی لگتا ہے کہ محمد صلعم نے اس وقت عرب میں تاریخ انقلاب برپا کیا جس کی وہاں ضرورت تھی، البتہ آج مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خدا ہے یا نہیں۔ گویا خدا ہے تو؟ نہیں ہے تو؟؟

قیام سے براہ راست دوزانو بیٹھ کر دونوں طرف سلام کہا

سردار ایاز خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	چین	ذاتی کاروبار	27 سال کی عمر

بچپن میں کہیں سے ایک کتاب ہاتھ لگ گئی ''موت کا منظر''، جس نے راتوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ نمازیں شروع کر دیں۔ پانچوں نمازیں اور خال خال تہجد بھی پڑھ لیتا تھا، ساتھ قیام یعنی راتوں کو کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت۔ پھر یہ ہوا کہ قرآن کو تھوڑا ترجمے سے بھی پڑھنا شروع کر دیا چونکہ کتب بینی کا شوق شروع سے ہی تھا۔ یوں پہلی ضرب ول ڈیورانٹ کی ''نشاط فلسفہ'' نے لگائی جس کا مطالعہ میں ۱۹۹۶ میں کر چکا تھا مگر ۲۰۰۳ میں ایک بت ساٹوٹا۔ بھاگ کر میں اپنے اسٹڈی روم میں گیا اور وہ کتاب کھولی تو وہی سطور میں نے انڈرلائن کی ہوئی تھی۔ اس دوران کئی ایک کتب کا مطالعہ رہا تھا جن میں تاریخ، مذاہب عالم، انسانی ارتقاء کی تاریخ وغیرہ شامل تھیں۔

anthropology پر بھی ایک کتاب پڑھ چکا تھا اور پھر سے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اب کے مطالعہ تنقیدی ہو چکا تھا۔ ساتھ ساتھ کچھ مسائل کے حل کے لیے دعا وغیرہ کرتا رہا اور یہ بھی کہ اللہ میرے ایمان کو محفوظ رکھ وغیرہ وغیرہ مگر بے سود۔ بت تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ پھر اسی طرح میں ایک دن عصر کی نماز ادا کر رہا تھا، جب میں قیام میں تھا کہ اگلی صف میں ایک شخص رکوع پھر سجدے کی حالت میں گیا تو مجھے بہت گھٹیا سی پوزیشن معلوم ہوئی اور سوچا کہ کیا یہی حرکت میں بھی کرنے جارہا ہوں؟ بس پھر کیا تھا خاموشی سے قیام سے براہ راست دوزانو بیٹھ کر دونوں طرف سلام کہا، جیسے نماز ختم ہو گئی ہو اور دل ہی دل میں لعنت بھیجتا ہوا مسجد سے نکل آیا۔ کوئی ڈر تھا نہ خوف بلکہ آزادی کا ایک گہرا احساس تھا جس کا لطف آج بھی نہیں بھول پایا۔

What non sense it was

طارق بیگ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
66 سال	مرد	بی ایل ایل بی	ہندوستان	ہندوستان	ریٹائر	؟

My family was quite open minded, though not non beliver. We use to talk and share ideas. Interestingly when I was 14 or 13, I wrote an essay for my small town school about how a person can live in Jannat in perpetuity just eating and drinking with out getting bored. And mind you in the year 1962 or 63, my Muslim teacher in the small and remote town Nasik, was very happy to hear different concept of Jannat from a small boy. I also remember discussing contradictions in Hadith with another Muslim teacher who would some othetime agree with me, only with caution that one day I will become a non believer. Other factor was a Hindi / Urdu film where hero born to Muslim family is raised by non Muslim Hindu family and becomes fundamentalist hardcore fanatic Hindu till he is told that his parents are Muslim. In college I use to discuss religion with Christian priests and some Muslims from bhora priestly family. In short it was gradual process

My family and friends had no problem. Other Muslims felt I am a non practicing Muslim friends my calls me دھریا muslim, but have no problem with me

As a child I was great fan of history novel writer Sadiq Sardhanvi and Nasim Hijazi. What non sense it was

آج میں اپنے فیصلہ سے خوش ہوں

ارباب تیمور خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	مرد	سافٹ ویئر انجینئر	ہندوستان	ہندوستان	این جی او	2014

میں نے اسلام، اپنی قوم کی حالت کو دیکھ کر چھوڑا۔ میں پشتون ہوں اور آج جو پشتونوں کی حالت ہے پاکستان اور افغانستان میں وہ صرف اور صرف اسی مذہب کی وجہ سے ہے۔ آج یہ لوگ جن تباہیوں کا سامنا کر رہے ہیں، وہ صرف مذہب کو سختی سے پکڑنے کی وجہ سے ہے۔ بس اس سوچ کو لے کر مذہب سے نفرت ہونے لگ گئی۔ پھر میں نے مطالعہ کرنا شروع کر دیا جس نے میری اور زیادہ آنکھیں کھول دیں لیکن اتفاقاً میری نظر "پاکستانی فری تھنکرز" گروپ پر پڑی اور آپ (سید امجد حسین) کے اور غلام رسول صاحب کی تحریروں نے جو رہی سہی کسر باقی تھی وہ پوری کر دی اور میں ملحد بن گیا۔ آج میں اپنے فیصلہ سے خوش ہوں کیوں ایک اچھی اور پر سکون زندگی گذار رہا ہوں۔

میرے ترک اسلام پر میرے والد نے کچھ نہیں کہا، کیوں کہ وہ خود سیکولر ہیں۔ البتہ ماں تھوڑی ناراض ہوئی اور ڈانٹا کے توبہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ بھائی بھی حیران تھے مگر کچھ خاص رد عمل نہیں دکھایا۔

"تحفتہ العوام" اور قرآن

اسلم سالم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
70 سال	مرد	؟	ہندوستان	پاکستان	ریٹائر	1986

میرا مذہبی بیک گراؤنڈ شیعہ مسلک تھا۔ اپنے مسلک کی کتاب "تحفتہ العوام" اور قرآن پڑھنے کے بعد نتیجتاً میں نے ترک اسلام کر دیا۔

اللہ جنت نصیب کرے کارل ساگان کو

ابو جہل

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2013	طالب علم	پاکستان	پاکستان	یونیورسٹی اسٹوڈنٹ	مرد	22 سال

مذہب چھوڑنے کی وجہ تو قصص الانبیا کے قصوں کو پڑھ کر شروع ہوئی۔ چھوٹی عمر میں بڑا ہی متقی و پرہیز گار آدمی تھا۔ محلے اور خاندان کے لوگ میری مثالیں دیتے تھے کہ بچوں کو ایسا نیک ہونا چاہیے، لیکن جیسے جیسے مطالعہ بڑھا تو پتہ چلا کہ انبیا کے یہ قصے بائبل میں بھی لکھے ہیں، مطلب جو دل کیا اسے صحیح مان لیا، خواہ وہ انجیل میں ہی کیوں نہ ہو اور جو لگے ہمارے ایمان کے منافی ہے اسے رد کر دو۔ پھر ایک دن یہ ہوا کہ بایولوجی کے ٹیچر نے ڈارون کو بوزنا ہونے کا طعنہ مارا قران سے کریا یشنزم کو ثابت کیا اور ساتھ ہی ارتقا کا چیپٹر بھی پڑھا دیا۔ ہمارے معصوم ذہن نے سوال داغا کے وہ آدم و حوا والے سین کا کیا؟ فورا گوگل کیا کہ ارتقا کیوں بکواس کہانی ہے؟ گوگل نے وہی جواب دیے جو ہم اس وقت سننا چاہتے تھے۔ اور ثابت ہو گیا کہ ارتقا غلط ہے۔ اللہ جنت نصیب کرے کارل ساگان کو کہ ان کی ڈاکومینٹری "کاسموس" دیکھنی شروع کی، بھلے ہی اس وقت سمجھ کچھ نہیں آتی تھی مگر ارتقا والی باتیں سمجھ آئیں، کیونکہ اب بایولوجی صرف رٹا مار کر پڑھنا چھوڑ دی تھی۔ پھر رچرڈ داکنز کی بکس ارتقا پر کارل ساگان کی بکس وغیرہ پڑھنا شروع کیں۔ غرض سائنس اور مذہب کے اختلافات واضح ہوتے گئے۔ اس سب کے باوجود نبی پاک کے لیے دل سے محبت نہیں نکلی۔ یہ تو برا ہو میرے ایک ٹیچر کا کہ انہوں نے بنو قریضہ اور نبی کی جنگوں کے واقعات بتائے اور پھر ایسا ٹوٹا ہماری تمناؤں کا پندار کہ بس۔ پھر گوگل پر آوارہ گردی کرتے ہوئے ابن وراق کی کتاب "میں مسلمان کیوں نہیں ہوں" پڑھی، ساری رات روتا رہا اور ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتا رہا مگر اللہ پاک نے لفٹ ہی نہیں کرائی۔ اس کے بعد تنقیدی مطالعہ شروع کیا۔ شروع ہی سے مطالعے کا شوقین تھا، لائبریری میں بہت ساری اسلامی کتب موجود تھیں، کچھ ڈاونلوڈ کیں کچھ خرید لیں۔ جب ایمان اور منطق آمنے سامنے ہوئے تو ایمان پاش پاش ہو گیا۔

خیر مسلمانوں کے کرتوت پڑھ کر دل تو ٹوٹا پر ہم کافر ہو گئے۔ اپنے آپ کو اتنا تنہا کبھی محسوس نہیں کیا تھا، یہ تو بھلا ہو یہودی مارک زکربرگ کا کہ، ہم خیال لوگ نظر آنا شروع ہوئے اور تنہائی کا احساس کم ہوا۔ "جرأت تحقیق" کا مطالعہ کر کے میں reactionary atheist نہیں بلکہ convinced قسم کا atheist بن گیا۔ بہر حال ابھی بھی مطالعہ جاری ہے کیا پتہ آگے والے شواہد مجھے غلط ثابت کر دیں، اگر واقعی شواہد ملیں تو آج بھی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔

گھر میں کسی کو نہیں پتہ، البتہ کچھ قریبی دوستوں کو علم ہے پر اب پچھتاتا ہوں کہ مولوی دوستوں کو نہیں بتانا چاہیے تھا۔

کچھ عرصہ لشکر طیبہ کا رکن بھی رہا

مستنصر حیدر خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	مرد	؟	پاکستان	پاکستان	سکیورٹی گارڈ	2015

میرا تعلق شیعہ گھرانے سے رہا ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا خود کو ماتم کرتے پایا۔ اسے پہلے مقدس عمل سمجھتا رہا، پھر الجھن ہوتی گئی۔ الجھن بیزاری میں بدلی اور اہل حدیث بن گیا۔ کچھ عرصہ لشکر طیبہ کا رکن بھی رہا۔ مطالعہ کا شوق لے ڈوبا۔ میرے قریب مذہب ڈرامہ بازی بن کے رہ گیا۔ پریشان تھا کہ اسلام چھوڑوں تو کون سا مذہب پکڑوں؟ فیس بک کے ان پیجز نے مشکل آسان کر دی۔ والد کو بتایا تو وہ قتل کرنے چلے تھے مجھے۔ کمرے میں بند کیا اور شام تک واپس مسلمان ہونے کا بولا، ورنہ مرتد کی سزہ موت کا نعرہ لگا کے گھر سے نکل گئے۔ امی نے دروازہ کھولا اور میں گھر سے بھاگ کر کراچی آ گیا۔ (نام اصل لکھا ہے، ڈر کے جینا پسند نہیں۔)

لوگوں نے ملنا جلنا کم کر دیا

ابجیشا ملک

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
؟	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	؟	2003

جدلیاتی مادیت کے مطالعہ کے بعد آغاز میں بہت جذباتی پن محسوس کیا، دل کرتا تھا کہ ہر کسی سے فلسفیانہ بحث و مباحثہ کرکے اسے ترک مذہب کی طرف مائل کروں؛ چنانچہ ان سے میرے سماجی تعلقات پر بہت برا اثر پڑا۔ چھوٹے سے ٹاؤن میں رہنے کی وجہ سے میرے اور میری فیملی کے تعلق سے طرح طرح کی باتیں ہوئیں، لوگوں نے ملنا جلنا کم کر دیا بلکہ ایک دوسرے کو وہ تلقین کرنے لگے کہ مجھ سے کوئی نہ ملے۔

اسلام چھوڑنے کے بعد خود کو آزاد، جہالت سے دور، خود اعتماد اور حقیقت پسند سمجھتا ہوں۔ البتہ زندہ رہنے کے لیے کچھ اسلامی روایات کی پاسداری کرنی پڑتی ہے، کیوں کہ پاکستان ہم جیسوں کے لیے جہنم ہے۔ ان اسلامی روایات اور پابندیوں کو دل پر بڑا بوجھ سمجھتا ہوں۔

دو ہزار صفحات کی کتاب بھی ناکافی ہے

شفقت حسین

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
57 سال	مرد	میٹرک	کشمیر	کشمیر	کرایہ کی آمدن	؟

ترک اسلام کب کیا، اس کی کوئی حتمی تاریخ نہیں ہے۔ بچپن سے یعنی تین چار سال کی عمر سے والد سے زمین آسمان سورج چاند ستاروں اور دیگر رسم ورواج کے بارے میں کیے گئے سوالات کے غیر منطقی جوابات اور بعد میں بہت سا مطالعہ تبدیلی کا محرک بنا۔ زندگی کے بے شمار تجربات اور مشاہدات کے علاوہ سچائی کے لیے کھوجی طبیعت نے بہت سے حقائق منکشف کیے جنھیں بیان کرنے کے لیے دو ہزار صفحات کی کتاب بھی ناکافی ہوگی۔ اپنی کمیونٹی کی حد تک کھلم کھلا اپنے نظریات کی ترویج دلائل سے کرتا ہوں۔

اگر میں کسی مذہبی بات پر تنقید کروں بھی تو وہ مجھے وہابی بننے کا طعنہ دیتے ہیں

اشعر رانجھا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	مرد	ماسٹرز، ہسٹری ایل ایل بی	پاکستان	پاکستان	؟	2012

مذہب چھوڑنے کی بنیادی وجہ تاریخی حقائق کا غیر جانبداری سے تجزیہ، مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، خدا کی صفات میں تضاد؛ مثلاً خدا میں انسانوں جیسے احساسات کا ہونا، جیسے خوشی اور غصہ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لعن طعن شروع کر دینا۔ میرے گھر والوں کو اس بات کا علم نہیں کہ میں ملحد ہو چکا ہوں۔ اگر میں کسی مذہبی بات پر تنقید کروں بھی تو وہ مجھے وہابی

بننے کا طعنہ دیتے ہیں، کیوں کہ میرے گھر والے سنی بریلوی ہیں اور وہابی دیوبندیوں سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ میری یونیورسٹی کے دوستوں کو میرے ملحد ہونے کا پتہ ہے، جن میں زیادہ تر قائد اعظم یونیورسٹی کے دوست ہیں اور وہ میری باتوں کو برداشت کرتے ہیں۔ بحث و مباحثہ چلتا رہتا ہے۔ میرے لیے مثبت اور حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ میرے حلقۂ احباب میں آٹھ دس لوگ ملحد بن چکے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ میں اس گروپ (پاکستانی فری تھنکرس) کا تقریبا پچھلے تین سال سے ممبر ہوں اور مجھے ملحد بنانے میں فیصلہ کن کردار بھی اسی گروپ کا ہے۔ سماجی دباؤ کے پیش نظر میں گروپ میں کمنٹس نہیں کرتا کیوں کہ میں اپنی اصل شناخت کے ساتھ گروپ کا حصہ ہوں تاہم میں ایک خاموش قاری ہوں اور ہر روز گروپ وزٹ کرتا ہوں۔ ایک اور عرض یہ ہے کہ اگر آپ نے یہ باتیں پبلش کرنی ہیں تو مجھے میرے قلمی نام سے تحریر کیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی بات پوچھنی تو پوچھ سکتے ہیں۔

یہ سوال صرف میری جاگیر نہیں تھے

جیمس واٹسن

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	مرد	سول انجینئرنگ	پاکستان	پاکستان	کوانٹیٹی سرویئر	2012

ایک تو میں بچپن سے ہی اسلام کی خواہ مخواہ کی روک ٹوک سے عاجز تھا۔ اسلامی احکامات کے تعلق سے طرح طرح کے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے۔ ایک دن میرے ہاتھ ''میں نے مذہب کیوں چھوڑا؟'' لگی جو شاید آئزی کشمیری کی تھی۔ اس میں وہ تمام سوالات موجود تھے جو بچپن سے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ سوال صرف میری جاگیر نہیں تھے بلکہ یہ مشترکہ اثاثہ تھے۔ بہر حال، قصہ مختصر یہ کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے ترک اسلام کر دیا۔

میں نے اپنے والدین کو اس بارے میں نہیں بتایا کیوں کہ جانتا ہوں کہ وہ برداشت نہیں کر پائیں گے بلکہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

ایک بار تو جہاد کشمیر کے لیے اپنا نام بھی لکھوا دیا تھا

رائے شاہریز عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	مرد	سافٹ ویئر انجینئر	پاکستان	پاکستان	سی ای او	2014

کبھی کچھ مذہبی تھا۔ ایک بار تو جہاد کشمیر کے لیے اپنا نام بھی لکھوا دیا تھا۔ پھر آئزی کشمیری صاحب کی "میں نے اسلام کیوں چھوڑا" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کافی شاک لگا۔ پھر خود کچھ تحقیق کی تو اندازہ ہوا کہ یہ سب تو فراڈ ہی ہے۔ اُس کے بعد ایاز نظامی صاحب کی کچھ تحریریں پڑھیں اور کچھ مواد پیرومرشد چنگیز صاحب سے ملا۔ تصور خدا نے بتایا کہ انسان اپنے معبود کو کیسے تخلیق کرتا ہے۔ اور بس ایسے ہی آہستہ آہستہ ذہن بنا۔ ویسے میری رائے ہے کہ سب احباب اپنے روشنی تک کے سفر کی داستان شیئر کریں۔ اس کا فائدہ ہے کہ میرے جیسے لوگوں کو اندازہ ہوتا ہے کہ بھئی یہ تو میرے جیسی کہانی ہی ہے۔

میرے بارے میں صرف بیگم کو پتہ ہے اور انہیں تبلیغ جاری ہے۔

ایک سائنس کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے ایسی باتیں کیوں مانوں؟

اسد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
16 سال	مرد	فرسٹ ایئر (جاری)	پاکستان	پاکستان	طالب علم	؟

مجھے الحاد وراثت میں ملا ہے لیکن انھوں نے اپنا نظریہ مجھ پر کبھی تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔

میں پہلے مسجد جایا کرتا تھا اور مولوی صاحب کے خطبے سنا کرتا تھا۔ ایک بار انہوں نے اپنے خطبے میں کسی جنگ کا ذکر کیا کہ ایک صحابی کی آنکھ باہر آگئی، نبی نے اس آنکھ پر ہاتھ رکھ کر دعا کی، پھر اس کے بعد اس میں کبھی درد نہیں ہوا۔ سوال اٹھتا ہے کہ میں ایک سائنس کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے ایسی باتیں کیوں مانوں؟

مذہب کو ہمیشہ غلط ہی پایا

حارث علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	کاروبار	2014

بچپن سے ہی ہر چیز تنقیدی نقطۂ نظر سے پڑھتا تھا اور سوال اٹھاتا تھا لیکن اسلام کو کبھی اس کسوٹی پر نہیں پرکھا تھا۔ مذہب کی بونگیوں اور تضادات پر ذہن میں سوالات آتے تھے تو تربیت کے مطابق شیطان کا وسوسہ سمجھ کے جھٹک دیتا تھا، لیکن ذہن کے کسی گوشے میں وہ سوال وہ بات چبھتی رہتی تھی۔ چند سال پہلے تک پانچ وقت کا نمازی تھا۔ مختلف معاملات میں اچھے نمازی مسلمانوں کی دوغلیت پر بڑا تعجب ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ قرآن پر بھی تنقیدی نظر دوڑانا شروع کی تو اس میں بھی گڑبڑ گھوٹالا نظر آیا۔ تضادات، دوغلیت، انسانیت سے متصادم تعلیمات، دوسرے مذاہب سے خوامخواہ کی نفرت، انتہاپسندانہ رویے، کائنات کی وسعت اور خدا کا انسان کی طرف عجیب ایک چھوٹے انسان کی طرح کا مخاصمانہ رویہ، خونریزی کی تاریخ اور علم کی بجائے تلوار سے دنیا پر قبضے کا فلسفہ، اور بہت کچھ۔ کافی مطالعہ کیا؛ رچرڈ ڈاکنز، سیم ہیرس، ہچنز وغیرہ کی ڈیبیٹس دیکھیں اور ان کے رویے سوچ اور اپروچ کا موازنہ مذہب سے کیا تو مذہب کو ہمیشہ غلط ہی پایا۔ اس گروپ میں ایاز نظامی، سید امجد حسین، غلام رسول، ثنا خان، ثاقب افضل، غالب کمال، یاسر حبیب، دانیال تیموری، فیاماہا اور دیگر تمام سینئر ممبران کا شکر گزار ہوں کہ ان کی تحاریر سے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا۔

الحاد صرف ایک کہانی نہیں

شہاب خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
36 سال	مرد	ایم بی اے	پاکستان	مشرق وسطیٰ	ملازمت	2013

سوالات تو کئی سالوں سے تھے ذہن میں اور کبھی پکا نمازی بھی تھا، اب اتنا زیادہ نہیں رہا، لیکن میں جہاد کلچر سے بہت متاثر تھا۔ ۲۰۱۲ میں جب نبی کے خاکے بنے تو میں نے اس موضوع پر ریسرچ شروع کی، بہت سے ویلڈ سوالات نظر آئے، شروع میں تو لگا جیسے یہ کفار کا کوئی پراپیگنڈہ ہے لیکن جیسے جیسے پڑھتا گیا آنکھیں کھلتی گئیں۔ پھر دیکھا تو بہت سے

ملحدین آئزی کشمیری، غلام رسول وغیرہ موجود تھے، کچھ سرخے بھی تھے جن سے بہت کچھ سیکھا۔ پھر اندازہ ہوا کہ انسان مذہب چھوڑ بھی سکتا ہے، اور الحاد صرف ایک کہانی نہیں۔ یہ قابل عمل زندگی ہے۔ بس اس کے بعد سے صحیح راستے سے جڑ گیا۔

مجھے جس شے نے سب سے زیادہ اسلام سے دور کیا؛ وہ دہشت گردی، نفرت، جھوٹے دعوے، کم عقلی کا کلچر، علم وسائنس سے دشمنی اور نبی کی ذات کے بارے میں بے سروپا کہانیاں ہیں۔ پھر جب علی عباس جلالپوری، سبط حسن، ارشد محمود، مبارک حیدر وغیرہ کو پڑھا تو باقی میل بھی اتر گیا۔ پھر کچھ ڈکنز وغیرہ کو پڑھا اور مغربی لٹریچر کا مطالعہ کیا تو سب پرتیں کھلتی گئیں۔ لونڈیوں کا کلچر اور انسانی غلامی بھی ایک سوال تھا جس پر مسلمانوں کی کسی بھی قسم کی تاویل مجھے متاثر نہیں کر سکی۔

اپنے بارے میں کچھ کو بتایا یعنی بھائی، اس نے کچھ نہیں کہا، وہ خود بھی مذہب چھوڑ چکا ہے۔ بہنوں وغیرہ کو نہیں بتایا، وہ پکی مذہبی ہیں۔ میں سوالات اور طعنوں کے لیے تیار نہیں تھا۔ بیوی کو بتایا لیکن اس نے پہلے تو سنی ان سنی کر دی ، پھر ایک ہی بار بحث ہوئی اور اس نے مجھے چھوڑنے کا اشارہ دے دیا۔ میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم دونوں اس موضوع پر کبھی بات نہیں کرتے۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ میں مسلمان ہی ہوں۔ میں بھی اس کی خوشی کے لیے نماز وغیرہ کا ناٹک کر لیتا ہوں۔ والدین زندہ نہیں اور دیگر رشتہ داروں کو بتانے کی ضرورت نہیں۔

اسلام کی تلاش میں تمام مسلکوں کو خیر آباد کہہ دیا

سید سلیمان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
43 سال	مرد	گریجویٹ	ہندوستان	مسقط	سوپر مارکیٹ پارٹنر	40 سال کی عمر

پہلے بریلوی اس کے بعد تبلیغی، پھر جماعت اسلامی، اور آخر میں اہل حدیث مسلک کو اپنایا۔ اصل اسلام کی تلاش میں تمام مسلکوں کو خیر آباد کہہ دیا، پھر قرآنسٹ کے نام پر پرویزی گروپ میں تقریباً سات سال شامل رہا۔ اس کے بعد قمر الزماں اور ڈاکٹر شبیر احمد کو فالو کرتا رہا مگر چین وسکون واطمینان کہیں نصیب نہیں ہوا۔ حق کی تلاش میں علامہ نیاز فتح پوری کی کتاب ''من ویزداں'' پڑھی۔ علامہ نے شروع میں انکار کرنے کے بعد آخر میں دین اسلام کی طرف رجوع کر لیا

مگر میں نے نہیں کیا۔ ویسے تو غلام جیلانی برق، سر سید احمد خان کی کتب سے بھی استفادہ حاصل کیا مگر نیاز صاحب کی بات ہی کچھ اور تھی۔ آخر میں میرے شک کو فیس بکی ملحدین علما کرام نے یقین میں تبدیل کر دیا جن کا تہہ دل سے میں مشکور ہوں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

مولوی بشیر استرا صاحب، سید امجد حسین صاحب، پلاؤ ڈھونڈ کا صاحب، حضرت ملا منافق رحمتہ اللہ علیہ، چنگیز خان علمدار صاحب، محمد احمد صاحب، علی الماس صاحب، ایاز نظامی صاحب، محمد مصطفٰی صاحب، ارشد محمود صاحب، دانیال تیموری صاحب، محمد رام سنگھ صاحب، ثناء خان صاحبہ، زر تاشیہ صاحبہ وغیرہ وغیرہ، اور بھی چند نام بھول رہا ہوں جو بالکل صراط المستقیم پر چل رہے ہیں۔ نام اس لیے گنایا گیا ہے کہ پہلے ان کا شکریہ ادا کیا جائے پھر جو ان حضرات سے استفادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ان کی ٹائم لائن میں گھس جائیں۔

گھر والے تو لاعلم ہیں مگر بھائی کو پتہ چل گیا. اس کے علاوہ چار دوستوں کو معلوم ہے، گھر والے پنجوقتہ نمازی ہیں، لہٰذا ہنگامہ برپا ہونے کا ڈر ہے اس لیے نہیں بتا پایا۔

سب سے زیادہ مجھے محمد کے کردار نے سوچنے پر مجبور کیا

شہریار اجمل

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
36 سال	مرد	بی اے	پاکستان	پاکستان	کاروبار	2013

طلسمی قسم کے قصے روایات سے تو میں پہلے ہی شک و شبہات میں تھا۔ ایک فیس بکی دوست کے پاس رفیع رضا صاحب ایڈ تھے وہاں سے ان کی پوسٹ پڑھنا شروع کی، وہیں سے باقی دوستوں کی پروفائلز دیکھتا رہا اور آخرکار اسلام سے نجات حاصل ہوئی۔ سب سے زیادہ مجھے محمد کے کردار نے سوچنے پر مجبور کیا؛ شادیاں، لونڈیاں، قتل و غارت، مال غنیمت، جزیے، عورتوں کی تذلیل، انسانوں سے نفرت، عائشہ کے ساتھ ریپ، اوٹ پٹانگ احکام اور باتیں۔

بیوی کو بتایا تھا انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی، بعد میں طلاق۔ باقی کسی کو نہیں پتہ، سوائے میری بیوی اور ساس کے۔ کچھ رشتہ داروں کو شک ہے لیکن میں اقرار نہیں کرتا اور بس ایک دوست کو پتہ ہے جو میرے پاس کام بھی کرتا ہے، قابل اعتماد آدمی ہے۔

تجربے کے طور پر بلا سفیمی کی عادت پڑگئی

شاہد فاروق

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
20 سال کی عمر	تدریس	پاکستان	پاکستان	درس نظامی ماسٹرز انگریزی	مرد	48 سال

میں اوئل عمر ہی سے علم و ادب، لٹریچر، فلسفہ وغیرہ کا شیدائی تھا۔ درس نظامی نے مجھے ایک متشدد و راسخ العقیدہ سنی مسلمان بنا دیا۔ پھر ہمارے نظام کی خوبی یہ تھی کہ علما کی بارگاہ میں کچھ اس قسم کے فتاوی دیے جاتے تھے کہ وہابی یا دیوبندی سے ہاتھ مت ملاؤ، اس کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرو، اس کی خیریت و عافیت سے لا تعلق رہو۔ شومیٔ قسمت خاندان میں متعدد وہابی تھے جن سے اس زمانے میں تعلقات انتہائی کشیدہ رہے۔ پھر شاعری شروع کی، کوئی ۱۹ سال کی عمر، میں اپنے استاذ محترم فرخ اصفہانی سے اصلاح لیتا تھا۔ انہوں نے مجھے سچ کا راستہ دکھایا اور کچھ پرویزی لٹریچر پڑھنے کو دیا۔ اس سے ذرا ذہنی آبیاری ہوئی اور آبائی عقیدہ تاراج ہوا- بعد ازاں سید محمد تقی صاحب کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اینگلز اور مارکس کے خطوط پڑھے، جدلیاتی مادیت اور اور تاریخی، مادی جبریت سے آگاہی ہوئی، رسل کو بالتفصیل پڑھا اور ڈاکٹر فاؤسٹ بچوں کو پڑھائی تو یقین کامل ہو گیا کہ کوئی ہم پر ان معانی میں نگراں نہیں، جس کا ذکر الہامات کہنہ و پارینہ میں در آیا ہے۔ تجربے کے طور پر بلا سفیمی کی عادت پڑ گئی اور جب دیکھا کہ اس طرح تو کوئی رواں تک متاثر نہیں ہوتا، الاّیہ کہ اس کائنات پر کیسے کوئی فرق مرتب ہو گا- پس تب سے شاعری، لٹریچر اور تدریس کو اپنا کر آبائی مذہب کو خیر باد کہا-

میرے گھر والے اس ماہیت قلب سے کماحقہ آشنا و آگاہ ہیں۔ ان کا ردعمل کوئی خاص نہیں تھا، الاّ اس کے کہ جائے نماز، ٹوپی، وغیرہ کا میرے کمرے سے اخراج، اور سحر و افطار و نماز صبح گاہی وغیر ہم سے جان خلاصی۔

دس سال سے میرے خواب میں حضرت عزرائیل آتے تھے

زوہیب احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	ایم بی بی ایس	پاکستان	پاکستان	نیورولوجی	2011

اسکول کالج ٹیوشن سینٹرز میں میرا نام تھا۔ سوال اٹھاتا تھا مذہب پر، لیکن خود بھی خوف کی حالت میں تھا تو کچھ کر نہیں پاتا تھا، ڈرتا تھا۔ دس سال سے میرے خواب میں حضرت عزرائیل آتے تھے اور مجھے مار کر چلے جاتے تھے۔ پھر جب میں ایم بی بی ایس میں منتخب ہوا تو میرے استاد کی مہربانی جنھوں نے میری ذہانت دیکھ کر مجھے مفت پڑھایا۔ اس وقت میرے بھائی بھی فارغ بیٹھے تھے۔ بڑا بھائی گریجویٹ ہو کر بھی ۱۵۰ روپے کی دہاڑی پر مزدوری کرتا تھا اور دوسرا بھائی جسے میرے ایم بی بی ایس والے سال جاب ملی، اس کی تنخواہ صرف ۴۰۰۰ روپے تھی۔ میں نمازی تھا، روزے دار تھا، روز دعائیں مانگتا تھا لیکن قبول کبھی بھی نہیں ہوئیں۔ میری جیب میں دس روپے بھی نہیں ہوتے تھے، ایم بی بی ایس کی فیس شادی شدہ بہنوں کے زیور بیچ کے ادا کی۔ میں جب بھی اپنی آس پاس کالج میں لڑکوں کو ٹویوٹا اور سوزوکی گاڑیوں پر دیکھتا تو اندر ہی اندر جلتا تھا۔ ہاں میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے قران بھی حفظ کیا تھا، پھر بھی میں اپنی فاقہ کشی دیکھ کر دن رات روتا تھا۔ کالج میں ہر کوئی میری ذہین اور نمازی ہونے پر فخر کرتا تھا۔ پھر ایک دوست نے پرویزی طبقے کی کتاب دی۔ ''من ویزداں'' بھی پڑھا۔ میں نے بھی ببانگ دہل قرآن کے وہی معنی سمجھ کر بحث ومباحثہ شروع کر دیے۔ بعد میں ''تصور خدا'' اور جی ایم سید کی سندھی کتاب ''ریلیجن اور ریئلٹی'' ہاتھ میں آئی تو میں ایتھسٹ بن چکا تھا۔ اس کے بعد ہیکل کی ''حیات محمد'' پڑھی لیکن اس نے تو مجھے اور بھی پکا ایتھسٹ بنا دیا۔ میرے بیس پچیس دوست میری وجہ سے ایتھسٹ بنے۔ اپنے کالج میں بدنام ہوں مگر سچ پوچھیں تو سب مجھے آگہی والا سمجھتے ہیں۔

گھر والوں کو پتہ ہے۔ گھر میں ہم تین بھائیوں کا ہی چلتا ہے۔ ابو پانچ وقت کے نمازی ہیں، مگر کچھ کہہ نہیں پاتے۔ دونوں بڑے بھائی مجھے سمجھاتے ہیں لیکن کچھ کر نہیں پاتے۔ میں بھی انھیں حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں لیکن ان کی مرضی۔ بڑا بھائی سعودی میں ایک عرب کے ہاں شاپ چلاتا ہے اور دوسرا پولیس میں ہے۔ دونوں گریجویٹ اور ذہین ہیں لیکن میرٹ کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کرنا پڑا۔ امی ابو نے ان پڑھ ہوتے ہوئے بھی مجھے ڈاکٹر بنا دیا، خاص کر امی کی محنت نے؛ یہ میرے لیے بڑی بات ہے۔

اسلام کا دہشت گردی والا روپ

محمد عمران

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	انٹرمیڈیٹ	انڈیا	انڈیا	کاروبار	2010

اسلام ترک کرنے کی وجہ اسلام کا دہشت گردی والا روپ تھا۔ ترک اسلام کے بعد میں بہت سکون محسوس کرتا ہوں۔

اسلام کے انا پسند خدا کو کسی دو ناچیز مخلوقات کی محبت سے کیا جلن ہے؟

تیسری دجالی آنکھ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	کمپیوٹر انجینئرنگ	پاکستان	یورپ	؟	2014

بچپن سے فطری طور پر سوالات ابھرتے رہے، سائنس کا بچپن سے شیدائی رہا ہوں۔ پہلا زلزلہ ایمان کی زمین پر اس وقت محسوس ہوا جب ۱۵ سال کی عمر میں قرآن میں دسویں پارے کی عربی کی تلاوت کم از کم ۳۰ دن تک اپنی استانی کے سامنے پڑھتا رہا لیکن وہ یہی سمجھتی رہیں کہ میں روز نیا سبق پڑھتا ہوں۔ اس واقعہ سے یہ شک ہوا کہ یہ سب واقعی دھوکہ تو نہیں جو کلام universal ہی نہیں یعنی ایسی زبان جو ہمیں آتی ہی نہیں، خدا ایسا کلام کیوں بھیجے گا؟ پھر اس بات کو بھول گیا۔

وقتاً فوقتاً سوال ابھرتے گئے مگر بیشتر نظر انداز کر دیے۔ آباواجداد کا تعلق ادبی گھرانے اور لکھنؤ سے ہے۔ شاعری، فلسفہ اور کتاب پڑھنے کو مہذب ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے، لیکن مذہب کی ادب وشاعری بمعہ موسیقی سے خوف وبیزاری دیکھ کر عجیب کشمکش میں مبتلا رہا۔ یورپ پہنچ کر مزید فلسفہ پڑھا، سائنس کو مزید کھنگالا۔ آبائی شہر میں ہی کمپیوٹر انجینئرنگ میں لاجک یعنی منطق سے بے تحاشہ محبت ہوگئی۔ مزید شک وشبہات؛ فلسفہ، سائنس اور منطق کے مطالعے سے شروع ہوئے۔ پھر مشہور اسلامی اسپیکر ذاکر نائک کی ظاہری شعلہ بیانی کے راز کھولنے کے لیے کچھ عربی سیکھی، کچھ عربی حضرات سے خاص الفاظ کے معنی پوچھے تو شعلہ بیان ذاکرین کے جھوٹ بھی ثابت ہوتے گئے۔ آدھا یقین تو تھا ہی، مزید احادیث کا مطالعہ اور قران کو فلسفہ ومنطق کے سامنے ایک لاچار مفروضاجات کی کتاب کے طور پر

پایا۔ پھر غیر ملکی و غیر اہل کتاب لڑکی سے محبت، اور ایک سوال ابھرا کہ اسلام کے انا پسند خدا کو کسی دو نا چیز مخلوقات کی محبت سے کیا جلن ہے؟ یعنی جب کوئی ایک معشوق اہل کتاب نہ ہو؟ معشوق کے دشمن کو دشمن پا کر مذہبی تصور خدا سے مزید اکتاہٹ ہو گئی۔ دنیا کے ہر کونے سے دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا انسان سے محبت بڑھاتا گیا۔ مے کدوں اور محفلوں میں زبان سے سچ ادا ہوتا دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ مذہب کو مے اور مے کدے کا ڈر اسی وجہ سے ہے کہ اسے سچ برداشت نہیں اور تنقید سے ڈر ہے۔ نفرت آمیز مذہب سے دوری کو اور انسان سے محبت میں اضافہ کو directly proportional پایا۔ سائنس، منطق، محبت اور فلسفہ، انا پسند تصور خدا کو بے بس کرتا گیا۔

احباب اور گھر والوں کو شک و شبہات سے آگاہ کیا اور مزید آگاہی دینے کا منصوبہ ہے، مگر کسی کو یہ نہیں معلوم کہ مکمل طور پر مذہب سے عقلی، فطری اور علمی عاجزی برپا ہے۔ کچھ قریبی دوستوں کو معلوم ہے اور کچھ دوستوں کو لامذہبیت کی انسانی فطرت کے بارے میں آگاہی دے کر ان کی دین سے منسلک شک و شبہات کی آگ میں تیل بھی چھڑک چکا ہوں۔

مجھے اب ڈر نہیں کہ میں نے پردہ نہ کیا تو کیا ہو گا

زارا دانش

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	عورت	ایم فل اکنامکس	پاکستان	پاکستان	لیکچرار	2015

اسلام کے بارے میں سوالات ہمیشہ سے ذہن میں تھے، بچپن سے ہی سب ڈانٹ کر چپ کرا دیتے تھے، میری تسلی کبھی نہ ہوتی۔ لوگوں کو جب نماز میں سکون ملتا تھا تو میں اور پریشان ہو جاتی تھی کہ میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ ۲۰۰۶ میں، میں نے "النور انٹرنیشنل" سے قران کی تفسیر کا کورس کیا، لیکن اس کے بعد میں مزید الجھن کا شکار ہو گئی کہ یہ سب کچھ تو اب بالکل ہی بے تکا لگتا ہے؛ عورت کی گواہی کم کاؤنٹ ہونا، روزہ رکھ کر بلاوجہ بھوکا رہنا، ہندوؤں کو بتوں کی پوجا کرنے پر برا کہنا لیکن خود ایک چار دیواری کے گرد چکر لگانا، عورت تو جیسے کوئی کمتر چیز ہو، بے انتہا غیر ضروری پابندیاں، میں تنگ آ گئی تھی۔ میں نے کوشش نہیں کی کہ سچ کا پتا لگاؤں لیکن دماغ سکون نہ لینے دیتا۔ آخر میری الجھن کا حل تب نکلنا شروع ہوا، جب میری یونیورسٹی کے ایک ٹیچر نے مجھے ایک کتاب ای میل کی؛ "دی گاڈ ڈیلوین"، رچرڈ ڈاکنز کی۔ پھر میں نے سوچنا شروع کیا اور چار سال بعد میں نے انھی ٹیچر کے کہنے پر یہ گروپ (پاکستانی فری

تھنکرز) جوائن کیا۔ پھر میرے دماغ کے سب سوالوں کے جواب ملنے لگے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اسی وجہ سے الجھن اور ڈر کا شکار تھی۔ مجھے آزادی مل گئی۔ میں اب زیادہ خوش رہتی ہوں۔ مجھے اب ڈر نہیں کہ میں نے پردہ نہ کیا تو کیا ہو گا۔ حلال حرام کی فضول باتوں کا بھی ڈر نہیں۔ مجھے سنی سنائی کہانیوں پر یقین نہیں آتا۔ اپنے سٹوڈنٹس کو بھی سوچنے کا کہتی ہوں۔ میرے اندر آنے والی تبدیلی سے سب کو اچھی لگتی ہوں، البتہ جان کی فکر رہتی ہے، سو دکھاوے کے لیے نماز بھی پڑھ لیتی ہوں۔ میرے سوال اٹھانے سے سب غصہ کرتے ہیں، اس لیے اب تک ظاہر نہیں کر سکی کہ میں آزاد ہو چکی ہوں اس بے وقوفی کی زندگی سے۔

میں نے کبھی کسی سے اس بارے میں بات نہیں کی، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میری فیملی مجھے بہت ڈانٹے گی اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔

اب میرے گھر والے مجھ سے کم ہی بات کرتے ہیں سوائے میری والدہ کے

امیر ایاز

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	ایم فل بین الاقوامی تعلقات	پاکستان	پاکستان	زمین کی خرید و فروخت	2015

میں نے خود اپنے گھر والوں کو اسلام ترک کرنے کا نہیں بتایا بلکہ میرے کچھ رشتہ داروں نے میری غیر اسلامی حرکات اور اسلام پر سوالات کرنے کے بارے میں میرے گھر والوں کو شکایت کی۔ اب میرے گھر والے مجھ سے کم ہی بات کرتے ہیں سوائے میری والدہ کے۔ میں نے اسلام کو موجودہ دور کے تقاضوں پر پورا نہ اترنے اور سائنس و فلسفے کی تعلیم کے بعد چھوڑا۔ مذہب ایسا جھوٹ ہے جس پر لوگ بغیر تحقیق کے ایمان لے آتے ہیں، تاریخ کے مطالعہ نے میری انکھیں کھولنے میں بڑا کردار ادا کیا۔

حوالے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑی

Axcah

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27سال	مرد	بی کوم	پاکستان	پاکستان	سرکاری ملازمت	؟

ایک دوست جو اس گروپ (ساؤتھ ایشین فری تھنکرز گروپ) میں ہے، اسے راہ راست پر لانے کے لیے ملاقات رکھی مگر خود سچ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکا، کیوں کہ اسلام کو خود پڑھ رکھا تھا، اس لیے حوالے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ پھر آہستہ آہستہ اس گروپ سے پتہ چلتا گیا کہ اسلام نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ شروع سے ہی حقیقت پسند اور مشاہدہ کا عادی ہوں، اس لیے اسلام کی حقیقت کا جلد ہی پتہ چل گیا اور یوں سلسلہ وار اسلام مشکوک ہوتا چلا گیا۔

اب میں خود کو دل ہی دل میں اگناسٹک کہتا ہوں۔ خوش ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔

میں مذہب کے خانہ میں مسلم نہیں لکھوانا چاہتا تھا

چشتی باوا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
33 سال	مرد	بی اے	پاکستان	برطانیہ	ملازمت	6سال قبل

شروع سے ہی طبیعت متشکک رہی، مطالعہ کی طرف رجحان رہا۔ کم عمری میں 5 وقت نماز، نفلی روزے، ذکر الٰہی میں مشغول رہنا عادت رہی؛ لیکن مذہبی تعلیمات و معاملات کے errors ہر وقت پریشان رکھتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ جب آئی ڈی کارڈ بنوانے کا وقت آیا تو میں مذہب کے خانے میں مسلم نہیں لکھوانا چاہتا تھا، لیکن پھر بھی مذہب کی طرف رجحان باقی تھا۔

مطالعہ، غور و فکر اور حقیقت پسند طبیعت کی وجہ سے بتدریج ذہن صاف ہوتا گیا۔ تقریباً ستائیس اٹھائیس سال کی عمر میں مکمل طور پر مذہب کو خیر باد کر دیا۔ اب میں ذہنی طور پر آزاد اور مطمئن ہوں۔

میں عقیدے کو انفرادی اور ذاتی عمل سمجھتا ہوں

شہر ویران

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	ایم ایس سی	پاکستان	یورپ	ریسرچ	2012-13

میں نے بچپن سے مذہب اور خدا کو پیار اور صرف پیار کی نظر سے دیکھا اور وہی حالات اور واقعات پڑھے جو مجھے پڑھائے جاتے تھے۔ میں حیران ہوتا تھا کہ کوئی انسان محمد جیسا باکمال اور مکمل فرشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر دنیا میں بڑھتی دہشت گردی اور مسلمانوں کی باتوں نے اسلامی تعلیمات کو گہرائی سے پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ایک لمبا عرصہ کسی نہ کسی طرح ان باتوں کا دفاع کیا، مگر احادیث کی کتابوں اور سیرت ابن ہشام نے اسلام کا وہ چہرہ دکھایا جس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جب میں نے یورپ میں پڑھنا شروع کیا تو انسانیت کا وہ خوب صورت چہرہ بھی دیکھا جو اسلام میں ناممکن تھا۔ مختلف علوم اور بہت سے باکمال انسانوں نے دنیا کے وہ راز بتائے اور سوچنے، سوال کرنے کا حوصلہ دیا۔ لہٰذا مذہب کو خیر باد کہنا کوئی آزمائشی مرحلہ نہیں رہا، سچ تو یہ ہے کہ مذہب کے لیے میرے دل میں کوئی قدر نہیں رہی اور میں نے بغیر کسی قیل و قال کے مذہب چھوڑ دیا۔

میں نے اس بات کا کبھی باقاعدہ اعلان نہیں کیا، کیوں کہ میں عقیدے کو انفرادی اور ذاتی عمل سمجھتا ہوں، البتہ کبھی اپنے گھر والوں سے نہیں چھپایا لیکن کسی کا دل بھی نہیں دکھایا اور نہ ہی ان سے مطالبہ کیا کہ وہ میری تقلید کریں۔

میں انسانوں اور جانوروں سے زیادہ محبت کرنے لگا ہوں، مجھے پیار کا مطلب سمجھ میں آگیا ہے اور مجھے سوال کرنے اور اختلاف کرنے کا حوصلہ ملا ہے۔ اسلام سے دوری نے مجھے سمجھایا کہ کسی انسان سے بغیر کسی دستاویز یا معاہدے کے بھی محبت کی جاسکتی ہے چونکہ انسانیت اور اعتماد کے رشتے اصل محبت ہوتے ہیں۔

میرے والد نے مجھے الحاد کے بارے میں سمجھایا

لادین خٹک

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
25 سال	مرد	سافٹ ویئر انجینئرنگ	پاکستان	پاکستان	بیروزگار	2013

ایک کٹر مسلمان تھا اور بقیہ تمام لوگوں کو کافر اور جہنمی سمجھتا تھا چونکہ کم عمری اور اسکول کی تعلیم کے سبب برین واشڈ تھا۔ پھر میرے والد نے مجھے ایتھزم (الحاد) کے بارے میں سمجھایا اور بتایا کہ اسلام اور دوسرے تمام مذاہب جھوٹے ہیں لیکن میں نہیں مانا بلکہ الٹا انھیں اسلام کی طرف لانے کی کوشش شروع کر دی۔ پھر جب میں نے افریقی بچوں کی حالت زار دیکھی تو کچھ کچھ خدا کے وجود پر شک کرنے لگا، لیکن پھر پوری دھند سائنس کے مطالعہ کے بعد صاف ہو گئی۔ اس کے باوجود اپنی آئی ڈی سے میں اب بھی مسلمان ہوں چونکہ پاکستان میں ملحد ہونا جرم ہے، جس کی سزا موت ہے۔

اسلام چھوڑنے سے پہلے میں ایک جہادی سوچ کا انسان تھا اور جان لینا دینا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، اگر مجھے موقع ملتا تو پتہ نہیں میں کیا کر بیٹھتا۔ شکر ہے کہ میں مسلمان نہیں رہا، اچھا انسان بن گیا ہوں۔

ہر نماز میں تین ہزار کی تسبیح گالیوں کی دیتا تھا

جاوید اختر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
30 سال	مرد	بی اے	پاکستان	خلیجی ملک	؟	2014

گستاخانہ خاکے شائع ہونے کے بعد سوچ کی دھارا بدلتی گئی۔ انڈین فلم "پی کے" نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ پاکستانی فری تھنکرز کے بعد خود اعتمادی بحال ہوئی۔ خوف کے سائے اس وقت ہوا گم ہو گئے، جب خانہ کعبہ اپنی والدہ کے ساتھ گیا اور دل کھول کر اللہ اور تمام پیغمبروں کو آخری نبی کے ساتھ گالیاں دیں۔ پھر تو جیسے معمول ہو گیا تھا کہ ہر نماز میں تین ہزار کی تسبیح گالیوں کی دیتا تھا۔ والدہ بڑی خوش تھیں کہ بیٹا میرے کہنے پر نماز پڑھتا تھا، اور اب خانہ خدا کی زیارت کرنے کے بعد سارا دن تسبیح پڑھتا ہے، کوئی ایک نماز بھی ناغہ نہیں کرتا۔

اسلام ترک کرنے کے بعد خود اعتمادی پیدا ہوئی، زندگی کے دو تین اہم فیصلے خود لیے۔

جہاں اسلام نام کی کوئی چیز نہ ہو

اسلام الدین اظہر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
36 سال	مرد	مڈل	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2014

میں اسلام سے بچپن میں ہی متنفر تھا، وجہ یہ بنی کہ میرے نانا کٹر وہابی اہلحدیث تھے اور دادا جی کہنے کو تو سنی تھے لیکن ان کا اپنے پیشہ زراعت کے علاوہ مذہب کی طرف بالکل رجحان نہیں تھا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر لفظ ملحد اس وقت متعارف ہوتا تو وہ ملحد ہی کہلاتے۔

میرے ایک چچا کی شادی ہوئی، کچھ عرصہ تقریباً دو سال بعد گھریلو ناچاقی کے سبب طلاق واقع ہوگئی۔ اس کے بعد بچوں کو دیکھ کر چچا نے بیوی سے صلح کرنی چاہی لیکن مولویوں نے کہا حلالہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہابی مولویوں نے کہا کہ حلالہ حرام ہے، بریلوی مولویوں نے حلالہ قرآن میں دکھا دیا، پھر کیا تھا، وہابیوں اور بریلیوں کے درمیان لڑائی جھگڑا شروع ہوگیا، میں اس وقت سمجھ گیا کہ یہ شیطانی مذہب ہے۔

دادا اور چچا کسی صورت بھی حلالہ کے حامی نہ تھے، اس لیے چچا اور چچی کے درمیان صلح نہ ہو سکی، میں آج بھی چچا اور ان کے بچوں کی اجڑی زندگی دیکھتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

میری تعلیم کچھ زیادہ نہیں ہے، میٹرک کے بعد ولایت حسین کالج، ملتان میں داخلہ لیا لیکن زیادہ عرصہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا، کیوں کہ دادا جی کی وفات کے بعد اخراجات برداشت سے باہر ہوگئے۔

بعد ازاں، خیر المدارس، ملتان میں قرآن کی تفسیر پڑھی اور یہ امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب حق نواز جھنگوی کے عروج کا دور تھا۔ خیر المدارس میں جھنگوی صاحب نے تقریر کی، ان سے متاثر ہو کر میں نے سپاہ صحابہ میں شمولیت اختیار کی۔

جھنگوی کے قتل کے بعد ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے میں اسلام سے مکمل باغی ہوگیا۔ واقعہ یہ کہ وہابیوں کی ایک مسجد ممتاز آباد میں نمازیوں کو اندھا دھند فائرنگ کر کے شہید کیا گیا، بدلے میں کچھ عرصہ بعد مظفر گڑھ بصیرہ قندرانی میں ریاض بسیرہ اینڈ کمپنی نے امام بارگاہ میں درجنوں شیعوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس کے بعد میرا دل کرتا تھا کہ کسی ایسے ملک نکل جاؤں جہاں اسلام نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ سنگاپور کے لیے کوشش کی، ویزا لگ گیا لیکن امی جی نے کہا تم کہیں نہیں جاؤ گے، اگر جانا ہی ہے تو سعودی عرب جا سکتے ہو۔ لہٰذا ایک طویل عرصہ سعودی عرب میں گذارا لیکن اب اسے بھی الوداع کہہ چکا ہوں۔

میں نے فیس بک پر شروع میں بھی دوستوں سے اپیل کی تھی اور اب بھی وہی ہے کہ اگر کوئی مجھے ایسی جگہ پر بلالے جہاں اسلام کے شر سے بچا جاسکے تو یہ اس کی مجھ پر عنایت ہوگی۔ میری والدہ مجھے اب بھی نہیں جانے دیں گی لیکن کوشش کروں گا کہ انھیں منالوں۔

سوشل میڈیا نے نئے ذہنی افق وا کیے ہیں

سام زیدی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
60 سال	مرد	ایم اے	ہندوستان	آسٹریا	مصوری	1970

جب ساتویں کلاس میں تھا، خلیل جبران، کرشن چندر، ساحر، فیض نے ذرا آزاد خیالی کی بنیاد ڈالی ورنہ میں نجیب الطرفین سید عالموں کے گھرانے کا کٹر شیعہ مومن ہوا کرتا تھا۔

ہائی اسکول کے زمانے میں ہی جب بنگلہ دیش میں اسلام کے بچاؤ کے لیے قتال شروع ہوا تو پیمانہ لبریز ہوا اور قشقہ کھینچا۔

زمانہ طالب علمی میں (1973-80، کراچی) بائیں بازو کی طلبا تحریک سے منسلک رہا۔ اسی ربط سے اسکالرشپ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے مشرقی یورپ پہنچا (1985)۔ فکری محرک کی بنیاد آج بھی مارکسزم سے قریب ترین فلسفہ ہی ہے (کچھ پہلی محبت کا سا معاملہ ہے)۔

روشن خیالی کے فروغ میں بطور فن کار اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ "اسی درد دل کے واسطے پیدا ہوا انسان ہے" کا قائل ہوں، یہی دلی طمانیت کا منبع ہے۔

اب سوشل میڈیا نے نئے ذہنی افق وا کیے ہیں، خصوصاً آپ کی کاوشوں کو دل و جان سے سراہا ہوں، ملاقات کا بھی متمنی ہوں، اگر یورپ آئیں تو میزبانی کا شرف دیں۔

دوستوں سے اب ویسا تعلق نہیں رہا

اویس علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	سول انجینئرنگ	پاکستان	آسٹریا	مترجم	2010

شروع میں فرقہ واریت اسلام بیزاری کا سبب بنی۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے نفرت کرنا، نسل، ذات پات، صوبائی و ملکی بنیادوں پر الپاکستانیوں کا ایک دوسرے سے نفرت کرنا لیکن سب سے خطرناک نفرت مجھے مذہب کے نام پر نظر آئی، پھر خواہ وہ فرقہ واریت کی بنیاد پر مسلمان خود آپس میں کریں یا ہندوستان سے نظریہ پاکستان کی بنیاد پر کریں۔ یہ نفرت اتنی شدید ہوتی ہے کہ انسان دوسرے انسان کو مار کر یا خود مر کر شرمندہ ہونے کی بجائے خوش ہوتا ہے؛ مر گیا تو شہید ورنہ غازی۔ گویا اسلام زندگی سے پیار کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ مرنے مارنے پر خوش ہوتا ہے۔

میں اسلام کو 2008 میں ہی چھوڑ چکا تھا لیکن باقاعدہ اس کا کھل کر اظہار کرنے کا موقع 2010 میں ملا۔ جس مذہب کو آپ نے اپنی مرضی سے قبول ہی نہ کیا ہو، اسے چھوڑنے کی سزا موت ہو تو وہ مذہب کیسے سچا ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ قرآن میں اتنے تضادات کہ اگر آپ کمزور ہیں تو "لکم دینکم ولی الدین" اور اگر مضبوط ہیں تو پھر 76 جنگیں لڑنا اور کہنا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس وقت تک کفاروں سے جنگ کروں جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان نہ لے آئیں۔ پھر یہ کہ مفتوحین کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا، انھیں بازار میں بیچنا، کمسن بچیوں سے شادی اور پھر محمد کے مر جانے کے بعد ان کی بیواؤں پر دوسری شادی نہ کرنے کی پابندی عائد کرنا؛ یہ ساری باتیں مجھے غیر انسانی بلکہ حیوانی لگیں۔

کھودا پہاڑ نکلا چوہا

محمد مصطفیٰ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
33 سال	مرد	ایم فل	پاکستان	پاکستان	سوفٹ ویئر انجینئر	2014

جب تک اسلام کو پڑھا اور پرکھا نہیں تھا، اسلام پر کاربند رہا۔ اسلام کو پڑھنا اور پرکھنا شروع کیا تو پول کھلتا گیا۔ تاریخ، فزکس، ارتقا وغیرہ نے اس کا پول خوب اچھی طرح کھول کر رکھ دیا۔

ترک اسلام کے بعد اب کافی سکون محسوس کرتا ہوں۔ زیادہ پریکٹیکل ہو گیا ہوں، محبت کا عنصر بڑھ گیا ہے، علم کا دروازہ جسے مذہب نے بند کیا ہوا تھا وہ کھل گیا۔ مذہبی لوگوں سے نفرت نہیں کرتا، ان پر ترس آتا ہے۔

فیس بک کو میں انسائیٹ بک سمجھتا ہوں

سید ابو صبیان نقوی

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2017	کاروبار	سعودی عرب	پاکستان	ایم اے اسلامیات	مرد	50 سال

پہلے فرقہ اثنا عشری، پھر وحدت الوجودی۔ جی ایم سید اور کیرن آرم اسٹرانگ کی تحریروں نے متاثر کیا۔ تبدیلی کے بعد "جرات تحقیق" پڑھی۔ پہلے آپریشن گروپ میں کچھ تھوڑا بہت لکھتا تھا، پھر "دین اکبر" میں سید ساجد علی شاہ خدا کے وجود پر مکالمہ رہا۔ آپ کو بھی فالو کرتا رہا اور آہستہ آہستہ اگنوسٹک ہوا۔ خاص کر نظامی صاحب کی گرفتاری کے بعد ان کی فیملی کی تفصیلات مشتہر کرنے پر بہت غصہ آیا۔ تبدیلی کے بعد مجھے دو طرح کے احساسات کا تجربہ ہوا؛ پہلا احساس آزادی، دوسرا زمین کو اپنا گھر اور انسانوں کو بھائی بہن سمجھنا۔ اب یہ اطمینان ہے کہ مرنے کے بعد بھی میں اسی کائنات کا حصہ رہوں گا۔

فیس بک میں "انسائیٹ بک" سمجھتا ہوں۔ تین گروپس چلا رہا ہوں، تہذیبی مکالمہ جس میں میرے ساتھ محمد شفیق اور اعزازی ہاشم ہیں، "نظریاتی اختلاف" اویس علی کے ساتھ، جب کہ "فریڈم آف ایکسپریشن" عامر ریاض صاحب کے ساتھ چلا رہا ہوں۔ اپنے گروپس کے ساتھ ساتھ ساؤتھ ایشین فری تھنکرز، پاکستانی فری تھنکرز، زنجیر شکن اور کیفے سیکولر میں بھی لکھتا رہتا ہوں۔

I enjoy my life without any guilt

وقاص احمد

ترک اسلام	ذریعۂ معاش	رہائش	وطن	تعلیم	جنس	عمر
2016	طالب علم	پاکستان	پاکستان	ایم بی بی ایس	مرد	23 سال

I had more knowledge of Islam than an average muslim because I had read Quran with translation, Ahadees and Fiqah etc. I was favoured by Mufti of local mosque because I used to teach his son. He contributed a lot to my knowledge of Islam. I was introduced to freethinkers group by my colleague, where initially I liked a lot, the articles about relationships, science, economics but I used to get offended when posted against Islam, then I came across an article by I think Ayaz Kashmiri "Why I am not a muslim". That really got me into thinking. I started to research religions and I came to conclusion that all religions are man made and Islam is just plagiarized from Judaism and Christianity. I read Tariq Fateh, Ali Sina, Ibn Warraq, Richard Dawkins, Bertrand Russell, Sam Harris, Hitchens etc, and our brilliant local writer of which Arshad Mehmood sahib really deserves the mention. I really hated my faith due to its treatment with women and the bloody history of Muhammad and Muslims.

After becoming an atheist at first I was angry at my parents and society that they lied to me and I felt disappointed but then I realized that they were brain-washed just like me. Now I enjoy my life without any guilt, I live fear free life because now I know I will not be judged by a sadistic diety. I love humans and biggist thing is I don't hate anyone on basis of gender and religion. I don't get offended and respect everyone's right of free speech. Now I feel I have more to do in my life than worshipping a God.

Forgive me for just writing random things as I am not used to writing and that's the first I spoke my heart about how I feel.

غیرت شلوار میں نہیں دماغ میں آگئی

معظم عباس

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
32 سال	مرد	میٹرک	پاکستان	سعودی عرب	ملازمت	2016

شروع میں بہت خوف محسوس ہوتا تھا۔ ایک فیس بک پیج سونیا فیروز سے ابتدا ہوئی، ان سے جب سوال کیا تو انتہائی احترام سے تسلی بخش جواب ملا۔ آپ کی "اعجاز القرآن: ایک تنقیدی مطالعہ" پڑھی اور گذرے ہوئے کل کو چھانا پھٹکا، مولویوں کی باتیں جھوٹی لگنے لگیں، ہر جگہ تضاد۔ پھر ڈر نکل گیا اور میں خوش رہنے لگا۔

اسلام چھوڑنے کے بعد میں بہت خوش رہتا ہوں، ہر وقت کا خوف ختم اور اب بھی میں انسانیت کے ناتے بنا لالچ وخوف کے اچھے اور برے کا فیصلہ کرتا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ غیرت شلوار میں نہیں، دماغ میں آگئی۔

مجھے کہا گیا کہ زیادہ مت سوچو

علی عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
17 سال	مرد	سافٹ ویئر انجینئر	پاکستان	پاکستان	ہاڈویئر میکنک	؟

مدرسہ کی دنیا میں وقت ضائع کرنے کے بعد کافی کچھ سیکھنے کو ملا۔ وہاں اسلام کا چورن بیچنے والے لوگ بچوں کا بلیک میل کرکے کس طرح انھیں زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں، اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بھی بہت سی وجوہات تھیں۔ مجھے چیزوں کو بارے میں جاننے کا بہت شوق تھا، اکثر اوقات سوال پوچھ لیتا۔ ایک دفعہ اپنے قاری سے میں نے سوال کیا کہ اللہ سے ہمیں ڈرنا چاہیے یا پیار کرنا چاہیے؟ انھوں نے جواب دینے کی بجائے مجھے ذلیل کرکے درجہ سے باہر نکال دیا۔ لیکن سوالوں کا سلسلہ تھما نہیں، جس پر مجھے کہا گیا کہ زیادہ مت سوچو، اس پر بھی سوال اٹھا کہ اگر اللہ نے دماغ دیا ہے تو پھر سوچنا کیوں منع کیا؟

اسلام سے نفرت کی سب سے بڑی وجہ عورت کو اس کے جائز حقوق نہ دینا ہے، خواہ وہ جائیداد کا معاملہ ہو یا شہادت کا یا اس کی زندگی کا۔ اسلام سے دوری کی ایک اور وجہ مشال خان کا قتل بھی تھا۔ اب اسلام کے بعد میری سوچ آزاد ہے، میں اب انسانوں میں فرق نہیں کرتا۔ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اب میرے دوست ہیں جنھیں میں کبھی جہنمی کہتا تھا۔

دوستوں سے اب ویسا تعلق نہیں رہا

محمد ذیشان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
36 سال	مرد	مڈل	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2014

بچپن سے ذہن میں خدشات تھے اسلام کے بارے میں۔ ہم جنسوں کے جہنمی ہونے، ارتقاء اور اس جیسی کئی چھوٹی چھوٹی باتیں ذہن میں اکھٹی ہوتیں گئیں۔ ایک دن "پاکستانی فری تھنکرز" میں آیا، غلام رسول صاحب کی کچھ پوسٹس دیکھیں اور بس اسی دن طے کر لیا کہ بہت ہو گیا۔ وہ ۲۰۱۴ کا رمضان مبارک تھا جب میں نے ترک اسلام کیا۔

بیوی کو پتہ ہے، دو دوستوں کو پتہ ہے اور ایک اگناسٹک رشتہ دار کو پتہ ہے۔ بیوی نے تو نہیں چھوڑا، ہاں مگر دوستوں سے اب ویسا تعلق نہیں رہا۔

I looked Islam from eyes of a kaafir and left this death cult

سام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
34 سال	مرد	انجینئرنگ	پاکستان	آسٹریلیا	الیکٹریکل انجینئر	2015

Three years ago I read "God Delusion" I was still muslim afterwords but started to think. the very first point of shock I got when I read soor-e-kahaf, " sun sets in

murky water" it took me 2 more years to investigate every confusing Quranic verse and no proper justification from muslims, Afterwards I read about Muhammad's character and was never able digest, " brutal slaughtering of banu quraiza children, marrige to Safia. I just imagined if Mirza Qadiyani was alive and his ordered killing of me and my wife's family, after my death under what situation my wife will marry Mirza

Qadiyani, I looked islam from eyes of a kaafir and left this death cult

شروع سے ہی صوفی تھا

ہیڈونسٹ کنگ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	سافٹ ویئر انجینئر	پاکستان	روس	سافٹ ویئر انجینئر	2014

بہت بورنگ کہانی ہے۔ کوئی مرچ مسالہ نہیں۔ شروع سے ہی صوفی تھا۔ ایک دن اسٹیفن ہاکنگ کی کتاب ہاتھ لگی، جس نے سوچنے کا طریقہ واضح کر دیا کہ ماڈرن تھنکنگ ہوتی کیا ہے۔ پھر انہی اصولوں پہ سب کچھ سوچا اور جان چھڑوا لی اپنی۔

گھر والوں کو بس اتنا پتہ ہے کہ میں مذہب اور روایت سے الرجک ہوں مگر گھر والوں کو کھل کر بتا نہیں سکتا، کیوں کہ وہ پڑھے لکھے نہیں ہیں اور خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے۔ ایسا نہیں کہ ان کا کوئی ڈر ہے۔ میں روزے نہیں رکھتا اور نہ ہی نماز پڑھتا ہوں اور انہوں نے کبھی کچھ کہا بھی نہیں۔ دوست احباب جانتے ہیں اور ان کو بھی اس سے کوئی پرابلم نہیں۔

سب سے بڑا جھٹکا لونڈی کے بارے میں پڑھ کر لگا

احتشام

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
26 سال	مرد	الیکٹریکل ڈپلومہ	پاکستان	ابو ظہبی	الیکٹریکل سپروائزر	2015

سب سے بڑا جھٹکا لونڈی کے بارے میں پڑھ کر لگا۔ اس کے بعد تقدیر کا مسئلہ، مرتد کا قتل، صحابہ کی آپسی لڑائیاں، شدت پسند افکار اور فطری خواہشات پر پابندی لگانا جیسے موضوعات نے مجھے بالآخر اسلام سے برگشتہ کر دیا۔ گھر والوں کو اب تک نہیں بتایا۔

شیطان کی کہانی نے سب سے پہلے ذہن میں بے یقینی کا بیج بویا

زاہد کریم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
43 سال	مرد	انجینئرنگ	پاکستان	پاکستان	؟	1985

بارہ سال کی عمر میں شیطان کی کہانی نے سب سے پہلے ذہن میں بے یقینی کا بیج بویا، اس کے بعد جتنا قرآن پڑھتا گیا، سمجھتا گیا اور دور ہوتا گیا۔

گھر والے جانتے ہیں۔ والدہ اور بیوی نصیحت کرتے ہیں۔ والد صاحب روشن خیال ہیں، میرا ساتھ دیتے ہیں، مگر کھلے عام اظہار کرنے سے منع کرتے ہیں۔

ابراہیم تو کبھی مکہ گیا ہی نہیں

دانیال کفیل خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
16 سال	مرد	ایچ ایس سی	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2016

ترک مذہب کی وجہ نویں جماعت میں خراب رزلٹ، حالاں کہ میں پنج وقتہ نمازی تھا اور دل سے دعائیں اور منتیں کرنے کے باوجود دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ اس کے بعد فلم "پی کے" نے بھی دماغ کافی حد تک ٹھکانے لگایا۔ 2014 میں

اور اس کے بعد موبائل اور انٹرنیٹ کنکشن ملتے ہی دوسرے مذاہب کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی شروع کی، پھر تورات کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ ابراہیم تو کبھی مکہ گیا ہی نہیں۔

کاش میں اس مذہب کا نہ ہوتا

انجم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	مرد	چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2014

میں شروع میں تھوڑا متشکک تھا۔ سوالات کرتا تھا تو ڈانٹ پڑا کرتی۔ ایک بار والد سے پوچھا کہ ہمارے اسلامیات کے استاد نے بتایا کہ گھڑی خود نہیں بن سکتی، سائیکل خود نہیں بن سکتی، اس لیے کائنات بھی خود نہیں بن سکتی۔ اس کائنات کا خالق اللہ ہے۔ تو آپ کے خیال میں اللہ تعالیٰ خود کیسے بن گئے؟ والد نے مشورہ دیا کہ اس طرح کے سوالات سوچا نہیں کرتے۔ وہ ہمیں مزید تسلی کے لیے کہتے کہ دیکھو بیٹا، اگر اللہ تعالیٰ نہیں ہوئے تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر ہوئے تو ہم سدا جہنم میں نہیں رہ سکتے، اس لیے مان لینا ہی بہتر ہے اور ہمارے پیارے نبی کریم اتنے اچھے، سچے اور صادق و امین ٹائپ کے تھے تو وہ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں؟ میں اس وقت چھوٹا تھا، دیگر کسی مذہب کا مطالعہ بھی نہ تھا، تو یہ منطق مجھے بہت اچھی لگی اور مجھے لگا کہ میرے تمام شک و شبہات دور ہو گئے، بہت سکون محسوس ہوا۔ بڑے ہوئے تو شیعہ سنی کا پتہ لگا۔ پھر ایک بار نماز سے واپسی پر ایک دوست کے ساتھ دیوبندی بریلوی پر بحث ہوئی تو جناب نے ہمیں کافر قرار دے دیا، لیکن اس میں ہمارا کیا قصور؟ ہم تو پیدا ہی دیوبندی گھر میں ہوئے تھے۔ ہم نے پھر اپنے بزرگوں کو بتایا تو انھوں نے کہا دیوبندی کے علاوہ سب کافر ہیں، ٹینشن نہ لو۔ اب ہمارے دماغ میں یہ بات آچکی تھی کہ سب لوگوں کے لیے وہ ہر شخص کافر ہے جو اس کے عقیدے سے اتفاق نہیں رکھتا۔ ہم نے کچھ اہل تشیع کی کتب کا مطالعہ کیا، پتہ لگا کہ ان کے پاس بھی اسی طرح کے دلائل ہیں جیسے اہل سنت کے پاس ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دیگر فرقوں کے بارے میں معلومات ہوتی گئیں۔ پتہ لگا کہ آنحضرت نے تو 72 فرقوں کی پیشن گوئی کی تھی لیکن ہمارے ہاں 172 فرقوں سے بھی زیادہ موجود ہیں۔ اس دوران کچھ باتیں احادیث سے پتہ لگیں کہ محمد صلعم کا کردار تھوڑا مشکوک لگنے لگا، مثلاً آپ کی محترمہ عائشہ کی صرف 6 سال کی عمر میں شادی، بنو قریضہ کا قتل عام وغیرہ، مگر خود کو یہ سوچ کر تسلی دیتے رہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے،

اس لیے آپ کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود ایمان اب پہلے سا مضبوط نہیں رہا تھا، اس قلعہ میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ پھر ایک بار فیس بک کے کسی گروپ میں ایک عیسائی کو تبلیغ تو اس کے پاس بھی عیسائیت پر مضبوط ایمان تھا۔ وہ بھی اتنا ہی پکا تھا جتنا کوئی راسخ العقیدہ مسلمان۔ بعد میں سیاست میں بھی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ بین الاقوامی منظر نامے پر جنگیں ہی جنگیں اور اکثر جنگ کی وجہ اسلام۔ پھر ذرا نیوٹرل ہو کر سوچا تو معلوم ہوا کہ اسلام تو 1400 سال سے یہی کرتا آیا ہے۔ محمد کی مدینہ ہجرت کے بعد ان کا واحد ذریعہ معاش تلوار اور قتل و غارت ہی تھا۔ اب مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں کس جگہ پیدا ہوا، کاش میں اس مذہب کا نہ ہوتا۔ لیکن کروں تو کیا کروں، مجھے دوسرے مذاہب بھی اتنے ہی ناپسند تھے۔

کالج میں پتہ چلا کہ atheism بھی ایک thought ہے۔ اس کے بارے میں مزید جاننے کے لیے رچرڈ ڈاکنز، سیم ہیرس، ڈاکٹر پرویز ہود بھائی، عاصمہ جہانگیر، تسلیمہ نسرین، ڈینیل ڈینیٹ، حسن نثار وغیرہ کو سنا۔ ایکس مسلم آف نارتھ امریکہ، ایکس مسلمز آف برٹین وغیرہ کا پتہ لگا، پھر میں نے 2014 میں اسلام کو دل ہی دل میں چھوڑ دیا۔ 2015 میں پہلی بار کسی دوست کو بتایا کہ میں اب محمد کے کسی بھی ڈرامے کو نہیں مانتا۔ میں کسی مسلمان کے سامنے گستاخی نہیں کرتا لیکن اکثر دوستوں کے سامنے سیکولر فکر اور برداشت کے حوالے سے ضرور بات کرتا ہوں۔

اسلام چھوڑنے کے بعد مجھ میں جو تبدیلی آئی ہے، وہ یہ ہے کہ میں غیر مسلموں کو بھی اچھا انسان سمجھنے لگا ہوں۔ اسلام سے نفرت کرتا ہوں مگر مسلمانوں سے محبت کرتا ہوں، کیوں کہ انھی کی طرح میں بھی کبھی اسلام کا مریض تھا۔

تصور خدا میرے لیے ذہنی اور نفسیاتی آسودگی کا سبب تھا

عثمان عالم

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
35 سال	مرد	ایم ایس سی سائیکالوجی	پاکستان	پاکستان	میڈیا	2015

میرے اسلام ترک کرنے کی کوئی ایک وجہ نہیں ہے بلکہ بہت سی وجوہات ہیں اور یہ ایک دن کی بات بھی نہیں۔ اس کے پیچھے کئی برسوں کو ذہنی ارتقا رہا۔ پہلا بیج اس وقت بویا گیا جب میں نے میٹرک کی چھٹیوں میں تبلیغی جماعت کے ساتھ عشرہ لگایا۔ میں اپنے بچپن کے مسیحی دوست جمشید گل کے متعلق آخرت کے حوالے سے سوال کیا اور جواب میں

امیر جماعت نے اس کے لیے جہنم کی آگ کی خبر سنائی۔ میرے ذہن میں خدا کا تصور ایک اعلیٰ ترین عادل کا تھا، جو اپنی مخلوق کو بغیر کسی مذہب، نسل، فرقے اور مسلک کے دیکھتا ہے۔ میرا ذہن یہ ماننے سے انکاری تھا کہ میں ہر گناہ اور برائی کرکے صرف مسلمان کے گھر پیدا ہو کر جنت کا حصول کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، جب کہ میرا دوست اچھے اور بہترین کام کرکے بھی ابدی جہنم میں رہے گا۔ یہ بات 1998 کی ہے، بظاہر یہ بات چھوٹی اور معمولی لگتی ہے لیکن اس واقعہ نے میرے دل میں خدا کے الہامی تصور میں پہلی دراڑ ڈال دی۔

میرا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے، والد صاحب کٹر مماتی دیوبندی تھے جن کی نظر میں شیعہ کافر اور سنی بدعتی تھا۔ والدہ جماعت اسلامی کی خواتین کی ونگ میں ایک متحرک کارکن تھیں اور ہیں۔ مجھ سے بڑا اُگی (ہزارہ) مجاہدین کے ٹریننگ کیمپ میں رہا، وہ شباب ملی (جماعت اسلامی) ضلع راولپنڈی کا جنرل سکریٹری بھی رہا۔ اسی وجہ سے میں بھی کچھ وقت تک شباب ملی کا متحرک کارکن اور بعد میں علاقائی یونٹ کا سکریٹری رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ادب اور نفسیات سے میرا تعلق اسکول کے ابتدائی دور میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ غیر نصابی کتب نے ذہن کی تشکیل ایسے کرنا شروع کر دی کہ بغیر جانچ پڑتال اور دلائل کے کچھ بھی قبول نہ کرتا۔ ادب اور نفسیات کے ساتھ ساتھ سوشل سائنسز اور سائنس کے مضامین، دینیات اور ایمانیات میں دلچسپی بڑھتی چلی گئی جس کی وجہ سے ذہن شکی اور تشکیکی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔

قصہ مختصر، جب قرآن اور احادیث کا مطالعہ گہرائی سے شروع کیا تو پہلے مرحلے میں ضعیف احادیث کے ساتھ ساتھ وہ احادیث بھی دماغ سے اترنا شروع ہو گئیں جو بخاری اور مسلم میں سند کا درجہ رکھتی تھیں۔

دوسری طرف فرائڈ، اڈلر اور آٹو رینک دماغ میں چھاتے چلے گئے، پھر پرویز صاحب کی کتاب کے مطالعہ نے غلام جیلانی برق کے "دو قرآن" اور "دو اسلام" نے کاری ضرب لگا دی اور میں احادیث اور سنت سے باغی ہو کر صرف قرآن کو حتمی اور صحیح ماننے تک محدود ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد سے گھر بیٹھے دعوۃ اکیڈمی کے کورسس کرنے لگا، وہیں پر ہی "کرسچن کارسپانڈر راولپنڈی" مطالعہ انجیل اور اصحاب جاری رکھا (عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید)، ان کے مطالعے نے قرآن کو سمجھنے اور پرکھنے میں سہولت اور آسانی پیدا کی۔

دوسری جانب ڈاکٹر مبارک علی، علی عباس جلال پوری اور سبط حسن جیسے نابغہ کی کتب نے ذہن کے دریچے وا کیے۔ حلقہ ارباب ذوق نے تنقید سننے اور برداشت کرنے کا مادہ پیدا کیا۔ اس ادبی فضا میں جہاں میرا افسانہ پروان چڑھ رہا تھا، وہیں پر اب میں ادبی تھیوریز اور تنقید کی جانب متوجہ ہوا۔ ان ادبی تھیوریز کی سمجھ اور مطالعہ نے ادب اور ادیب کی

حقیقت واضح کرنا شروع کر دیا، دوسری جانب قرآنی مطالعہ ذہن میں آئے دن نئے نئے سوالات جنم دے رہا تھا جن کے جوابات بعض تو مغربی مفکرین نے دیے اور بعض کے جوابات اردو کے مستشرقین نے دینا شروع کیے۔ جب تنقیدی تھیوریز کو قرآن پر اپلائی کیا تو قرآن کی آیات ڈی کوڈ ہونا شروع ہو گئیں۔

یہی وہ دور تھا جب مجھے مذہبی و تمدنی تاریخ، علم البشریات اور آرکیالوجی میں دلچسپی پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ ان کے مزید مطالعے سے قرآن کی حقیقت مزید کھل کر میرے سامنے آ گئی۔ ذہن کے بت ایک ایک کر کے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ محمد اور اللہ وہ بت تھے، جب یہ ٹوٹے تو میں ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گیا، جب کہ تصور خدا میرے لیے ایک ذہنی اور نفسیاتی آسودگی کا سبب تھا۔ اس صورت حال نے مجھے اینزائٹی اور پھر ڈپریشن میں مبتلا کر دیا۔ اسی دور میں خودکشی کی بھی کوشش کی، پھر مسلسل ذہنی علاج سے دوبارہ زندگی کی طرف راغب ہو گیا۔ بتانے، سنانے اور لکھنے کو بہت کچھ ہے، انکشافات کے دور میں جب مذہبی ٹیبوز عقلی دلائل سے رد ہو رہے تھے تو ساتھ ساتھ طبیعت میں جذباتیت بھی پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ بچپن اور ادبی دوستوں سے اپنا مطالعہ شیئر کرتا۔ گھر والوں سے اکثر میں چھپاتا اور چند ایک بتا بھی جاتا۔ اس طرح کی شیئرنگ سے بہت سے مسائل پیدا ہو گئے، گھر میں اختلافات بڑھنا شروع ہو گئے۔ قریبی دوست دور ہونا شروع ہو گئے لیکن پھر آہستہ آہستہ ذہنی ٹھہراؤ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ کہاں پر کیا بات کرنی ہے اور کیا نہیں، یہ سمجھ آنے لگی۔ اب زبان کی بجائے یہ ساری باتیں اور افکار افسانوں اور کہانیوں میں سمانے لگے۔ ان افسانوں کے سامنے آتے ہی ادیب دوستوں کی اکثریت نے رافنڈڈ اور سگما فنڈڈ کی گردان الاپنا شروع کر دی۔ خاص طور پر افسانہ "خواب جو سنایا نہ گیا" جو تحریک پاکستان، بانی پاکستان اور پہلے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل کے حوالے سے تھا، اس افسانے کی وجہ سے خفیہ ادارے بھی متحرک ہو گئے اور اکثر ادبی میگزین میرے افسانے چھاپنے سے انکاری ہو گئے۔

اس وقت جو ذہنی آزادی کا تصور ہے، اس کے بارے میں، میں پہلے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ذہنی آزادی کیا چیز ہوتی ہے، اس کا ادراک صحیح معنوں میں گذشتہ دو سالوں میں ہوا۔ گھٹن، فرسٹریشن جاتی رہی، انسانیت کی سمجھ آنے لگی۔

عورت، مرد، قوم، قبیلہ، مذہب، مسالک؛ اب سب کو انسانیت کی بنیاد پر دیکھنا شروع کر دیا اور جن چیزوں کی ممانعت تھیں، سب سے پہلے وہ اپنے اوپر واجب کی، یعنی کھل کر سیکس کیا، جی بھر کر شراب پی، اجتماعی اور انفرادی ڈانس اور میوزک سے محفوظ ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کے کرنے سے عجیب بات یہ ہوئی کہ رشتے ناطے پہلے سے کہیں زیادہ بہتر اور خوب صورت لگنے لگے۔ بیوی اور بچوں کے بارے میں پہلے سے کہیں زیادہ حساس اور کیئرنگ ہو گیا۔ مذہب نے

جو گھٹی میں دنیا اور پیسے سے نفرت ڈالی تھی، اب یہ چیزیں بنیادی ضرورت بنتی چلی گئیں۔ پیسہ کمانے کی خواہش اور معیار زندگی کو بہتر کرنے کی لگن میں تیزی آتی گئی۔

اب تو بیوی بھی واری واری جاتی ہے

تنویر احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
38 سال	مرد	میٹرک	پاکستان	پاکستان	ڈرائیور	2016

میرا فیس بک پر ایک دوست شیطان نام کی آئی ڈی سے بنا جو معاشرے کی برائیاں اجاگر کیا کرتا تھا۔ اس سے ان باکس میں باتیں کرنی شروع کر دیں۔ پہلے اس کی باتیں بڑی عجیب لگیں لیکن ذہن ہر وقت اس کے سوالات میں اٹکا رہتا۔ وہ کبھی کبھی ہی مجھ سے بات کر پاتا تھا، میں نے ایک دن تھوڑی ناراضگی کا اظہار کیا تو وہ بولا یہ معاشرہ مذہبی ہے، میں آپ سے زیادہ بات نہیں کر پاؤں گا۔ پھر اس نے مجھے اس گروپ کا راستہ دکھایا لیکن ہدایت کی کہ کوئی بدتمیزی نہ کرنا۔ مجھے اس وقت فیس بک بھی اچھی طرح چلانے نہیں آتا تھا، کافی کوششوں کے بعد گروپ جوائن کیا۔ یہاں سوال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، چونکہ میرے سارے سوالات کے جواب یہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ یہاں آتے ہی میری نظر سر سید امجد صاحب کی تحریروں پر پڑی، پھر کیا تھا 2 ماہ تک مسلسل ان کی تحریروں کو پڑھتا رہا، نہ کام کا ہوش اور نہ کھانے پینے کا۔ امجد سر کی ایک کتاب پڑھنے کو ملی، تعلیم کم تھی، پڑھنی شروع کی تو الفاظ مشکل لگے، پھر ڈرتے ڈرتے امجد صاحب سے ان باکس میں الفاظ کے معنی پوچھے جس کا جواب سر نے بڑی محبت سے دیا۔ اس کے بعد ایسا لگا جیسے دنیا ہی بدل گئی۔

گھر پر ہمیشہ بیٹیوں پر بے جا سختی، بیوی کو ہر وقت نیچے دبا کر رکھنا، گھر میں کسی نہ کسی طرح کا جھگڑا لگا رہتا تھا۔ اب میں بہت خوش ہوں، میرے بچے بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں اور بیوی بھی واری واری جاتی ہے۔ پہلے یہ تھا کہ اللہ نے جو مقدر میں لکھا ہے، وہی ملنا ہے لیکن ملحد ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ جتنی محنت کرو گے، اتنی خوشحالی آئے گی۔ اب نہ کسی کا ڈر ہے نہ خوف۔ اب اگر کوئی اچھا کام کرتا ہوں تو صرف اس لیے کہ ہماری بقا اسی میں ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ یہ دنیا ہم سب کی ہے، آنے والی نسلوں کے لیے ہمیں اپنا حصہ ڈال کر جانا چاہیے۔ لکھنے کے لیے کافی کچھ ہے لیکن مضمون لمبا ہوا جا رہا ہے۔ آخر میں شکر گذار ہوں اپنے محسن سر امجد کا اور شیطان نام کی آئی ڈی والے دوست کا جن کی بدولت میں آج اچھی اور پُر سکون زندگی گذار رہا ہوں۔

جو کچھ طالبان کہتے ہیں، وہ واقعی قرآن و حدیث میں موجود ہے

حر علی نقوی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
27 سال	مرد	بیچلر ڈگری	پاکستان	پاکستان	این جی او	2012

میں نے ایک ایسے مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی جو شیعہ سنی اتحاد کا عملی نمونہ تھا۔ میں بچپن سے ہی مذہبی تھا۔ باقاعدگی سے نماز روزے کی پابندی کرتا، حسین کے ماتم میں بھی شامل ہوتا اور محفل میلاد میں بھی۔ لیکن پھر سکول کے مذہبی دوستوں نے مجھے سخت گیر وہابی فرقے کی طرف مائل کر دیا۔ 14 سال کی عمر تک میں انتہا پسندی کی جانب راغب ہو گیا تھا۔ پھر ہائی سکول کے دوران ایک دن مجھے نیشنل جیوگرافک کا ٹی وی شو "ایئر کریش انویسٹی گیٹس" دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں مسلمان ہائی جیکرز کے طیارہ اغواء کو دکھایا گیا تھا۔ یہاں میں نے دیکھا کہ فلسطینی "مجاہدین" نے ایک بے گناہ لڑکی کو صرف اس وجہ سے گولی مار کر ہلاک کر دیا کیونکہ اس کے پاس اسرائیلی پاسپورٹ تھا تو زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے یہ احساس ہوا کہ ایسا کرنا غیر انسانی فعل ہے۔ اس کے بعد میں نے دیگر ٹی وی شوز دیکھے، اسلامی احادیث کے علاوہ دیگر کتابیں اور میگزین وغیرہ پڑھے اور یوں اگلے چند سالوں میں انتہا پسندی سے جان چھڑا کر میں "اعتدال پسند" مسلم بن گیا۔

میری زندگی کا دوسرا اہم موڑ 2008 میں اس وقت آیا جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس دور میں پاکستان کے ہزاروں شہری دہشت گرد حملوں کی نظر ہو گئے۔ ایک مرتبہ تو میں خود چند منٹ کے فرق سے خودکش بم حملے سے بال بال بچا۔ یونیورسٹی میں جہاں دیگر طلباء کلاس کے بعد موج مستی کرتے، وہاں میں لائبریری کا رخ کر لیتا۔ یہاں میں نے ایک بار پھر قرآن و حدیث کا بغور مطالعہ کیا تو انکشاف ہوا کہ جو کچھ طالبان کہتے ہیں، وہ واقعی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ معروف سائنسدان نیل ڈی گریس ٹائی سن کے ٹی وی شو "کوس موس" (Cosmos) کی چند اقساط دیکھیں تو "قرآنی سائنس" کے غبارے سے ہوا بھی نکل گئی۔ میں اسلام سے بد ظن تھا لیکن ابھی تک اللہ رسول سے بغاوت کی صورت میں مجھ پر "عذاب علیم" کا خوف طاری تھا۔ اور پھر ممتاز قادری نے گورنر سلمان تاثیر کو ناموس رسالت پر قتل کر دیا۔ اس واقعے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اسی دن میں نے پہلی مرتبہ ترک

اسلام کے بارے میں سوچا۔ میں نے پاکستان میں لادینیت کے بارے میں ریسرچ شروع کی۔ اس وقت سوشل میڈیا پر پاکستانی ملحدین اس طرح منظم نہیں تھے جیسا کہ آج ہیں۔ یہاں مجھے "مولوی استرا" کی کچھ تحریریں پڑھنے کو ملیں اور یوں میں اسلام کی باقی ماندہ زنجیریں بھی توڑنے میں کامیاب رہا۔ 2012 میں غالباً نومبر کا آخری یا دسمبر کا پہلا جمعہ تھا جب میں آخری مرتبہ بوجھل قدموں کے ساتھ نماز پڑھنے مسجد گیا۔ اسلام سے الحاد کا یہ سفر میرے لئے بہت کٹھن تھا، مجھے کسی نے بھی "تبلیغ الحاد" کی دعوت نہیں دی۔ اس سفر کا آغاز میں نے خود کیا اور میں بالکل تنہا تھا لیکن سچائی کی تلاش کے جذبے نے منزل کا حصول ممکن بنادیا!

ترک کے اسلام کے بعد ابتدائی چند ماہ میرے لئے بہت بھاری ثابت ہوئے۔ جب میں نے اپنے والدین اور کالج، یونیورسٹی کے ساتھیوں سے اسلام کے بارے میں تنقیدی سوالات شروع کئے تو مجھے انتہائی سخت ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے معاشرے میں اسلام کے بارے میں سوال کرنا بھی جرم ہے جس کی سزا موت ہوسکتی ہے، اس لئے حقیقی زندگی میں آج تک میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا کہ میں "مرتد" ہوں۔ لیکن تمام تر مشکلات کے باوجود میں خود کو پہلے سے کافی بہتر محسوس کرتا ہوں۔ آج میں عبادت میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے کچھ نیا سیکھنے اور سیر تفریح کو ترجیح دیتا ہوں۔ اب میں صرف جرائم کو برا سمجھتا ہوں، میری نظر میں "گناہ" کی کوئی اہمیت نہیں۔ سماجی تنظیم کے کارکن کی حیثیت سے بلا تفریق انسانیت کی خدمت میری اولین ترجیح ہے۔ ہماری فلاحی سرگرمیوں سے استفادہ کرنے والوں میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو ممتاز قادری جیسی سوچ رکھتے ہیں لیکن میں پھر بھی ان کی مدد کرنے میں برائی محسوس نہیں کرتا کیونکہ میری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ میرا نظریہ ہے کہ اگر اسلام کو شکست دینی ہے تو اسے بے نقاب کرنا ہوگا تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو بغاوت پر اکسا کر اپنا اتحادی بنایا جاسکے!

اسلام چھوڑنے کے بعد لفظ تحقیق سے محبت ہوگئی

علیشا

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
37 سال	عورت	گریجویٹ	پاکستان	یورپ	؟	2010

میرے والد ایک امام مسجد تھے اور ماں بہت اسلامی۔ ہم چار بہن بھائی ہیں، میرا نمبر تیسرا ہے۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے مختلف تھی، انتہائی حساس طبیعت، خاموش گو لیکن ذہن میں سوالوں کا ایک طوفان۔ میں نے اپنے باپ سے

پوچھا، "اللہ کو کس نے بنایا؟" تو مجھے یہ کہہ کر چپ کرا دیا گیا کہ ایسے سوال کرنا گناہ ہے۔ ہمارے گھر میں دو عیسائی لڑکیاں کام کرتی تھیں، ان دونوں سے میری بہت اچھی دوستی تھی۔ جب گھر میں کھانا بنتا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید کھانے کی خوشبو سے ان کا بھی دل کھانے کو للچا رہا ہے۔ چند ایک بار تو میں نے انھیں ساتھ بیٹھ کر کھانے کی دعوت دی لیکن نتیجے میں مجھے کافی اسلامی بھاشن سننے پڑے۔ میں اپنے موقف پر اڑی رہی، پھر فیصلہ یہ کیا گیا کہ انھیں کھانا دے دیا جائے گا لیکن ان کے برتن الگ رکھے جائیں گے۔ میں شش و پنج میں پڑ گئی، بھلا ایسا کیوں؟ ہمارے کھانا کھانے کے بعد بھی تو وہی ہمارے جھوٹے برتن دھوتی ہیں، اس وقت بھی تو وہ ہمارے سارے برتنوں کو چھوتی ہیں۔ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ اس طرح کے منافقانہ رویے میں نے بہت دیکھے ہیں۔

میں ہمیشہ مرد اور عورت کے حقوق کو لے کر پریشان رہی؛ مرد کی چار شادیاں اور محمد کی تو لاتعداد۔ میں نے اپنے باپ کو یہ بھی کہتے سنا، "عورت کو محمد کے لیے پسند فرمایا گیا ہے۔" مجھے ٹین ایج سے ہی یہ سب رام کہانیاں لگتی تھیں، اس لیے غیر شعوری طرف میں مذہب سے بہت دور جا چکی تھی۔

در حقیقت مجھے کبھی بھی براہ راست مذہب میں دلچسپی نہیں رہی، میرا موضوع ہمیشہ خدا رہا ہے لیکن اب تک نہیں سمجھ سکی کہ یہ کیسا خدا ہے جسے میری عبادت کی بھوک ہے، کیا یہ کوئی deal ہے۔ اگر ہے تو پھر خدا کی صفتوں میں یہ خامی ہے لیکن اس کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ وہ ہر خامی سے پاک ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان سب تضادات کو سمجھنے اور پرکھنے کے باوجود میں کہیں نہ کہیں خدا کی ذات پر یقین رکھتی تھی۔ 2007 میں کافی بیمار ہو گئی۔ ایک لمبا عرصہ ہسپتال کے بستر پر گذرا۔ میرے بیڈ کے سامنے ایک ٹی وی رکھا تھا۔ میں زیادہ تر ڈاکیومنٹریز دیکھا کرتی تھی۔ ایک دن جانوروں کی ایک ڈاکیومنٹری میں دیکھا کہ ایک ہرنی اور اس کے بچے کے پیچھے شیروں کا جھنڈ بھاگ رہا ہے۔ شیروں کے جھنڈ سے بچ کر ہرن کے بچے کی ماں زخمی ہونے کے باوجود بھاگتی ہوئی تیزی سے آگے نکل گئی لیکن بچہ شیروں کے ہاتھ لگ گیا۔ اب اس زندہ جان کی چیر پھاڑ کی جا رہی تھی۔ بچے کی آنکھوں میں خوف اور تکلیف کی اس شدت نے مجھے بیڈ پر لیٹے ہوئے تڑپا دیا۔ دوسری طرف ماں دور کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی لیکن بے بسی کی حد یہ کہ وہ اپنی جان دے کر بھی اپنے بچے کو بچا نہیں سکتی تھی۔ میرے اوپر ایک کپکپی سی طاری تھی، آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا جو نہ باہر نکل رہا تھا اور نہ اندر واپس جانے کو تیار تھا۔ اس تکلیف نے خدا کے لیے بہت سارے اہم سوالوں کو میرے اندر جنم دے دیا۔ شیروں نے شکار کیا، کیوں کہ گوشت کھانا ان کی فطرت ہے، وہ یہی فطرت لے کر پیدا ہوئے ہیں، یہی ان کی خوراک ہے، اس لیے ان کا کوئی قصور نہیں، ایک مرے گا تو دوسرے کو

اس کی خوراک ملے گی یعنی شرط ہے کہ ایک مرے گا تو دوسرا زندہ رہے گا۔ لیکن میں نے تو سنا تھا کہ خدا بہت رحیم و کریم ہے، کیا یہ رحم ہے؟ کیا یہ انصاف ہے؟ ہسپتال سے جب میں گھر لوٹی تو بہت سارے سوالوں کو بھی ساتھ لے کر آئی اور ان پر تحقیق کرتے کرتے 2009 یا 2010 میں اس جھوٹے اسلامی خدا کو خیر باد کر دیا۔ جب خدا کو ماننے سے ہی انکار کر دیا تو میرے اندر اس مذہب کا بچا کھچا تھوڑا سا وجود خود بہ خود ہی ختم ہو گیا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ میں نے اس بات کا اظہار پہلی دفعہ کھل کر مشعل خان کے قتل کے بعد کیا۔ یورپ، میں جہاں رہتی ہوں، مجھے کوئی پاکستانی ملحد نہیں ملا اور سوشل میڈیا میں تھی نہیں تو مجھے لگتا تھا کہ صرف میں ہی اکیلی ہوں جو ایسا سوچتی ہوں، میں اکیلی ہوں جس نے مذہب چھوڑا۔ لیکن مشعل خان کے قتل کے بعد میرے اندر بہت غصہ تھا، جس کی وجہ سے میں سوشل میڈیا پر آئی۔ ایک ملحد دوست سے بات ہوئی تو بہت ہمت ملی۔ اس کے بعد میں نے کافی پیجیز جوائن کیے تو خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میرے طرح تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہیں جو میری طرح سوچتے ہیں۔

اسلام کو چھوڑنے کے بعد لفظ "تحقیق" سے محبت ہو گئی، زندگی آزاد لگتی ہے۔

ایک ایک کر کے سب مر گئے

عرفان احمد

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
39 سال	مرد	ماسٹرز	پاکستان	امریکہ	سافٹ ویئر ڈیولپر	2013

میں ایک ہوموفیلک ہوں، شروع سے ہی پریشانی دیکھی ہے، جس ہسپتال (پاکستان) میں میرا علاج ہوتا تھا وہاں اپلاسٹک انیمیا کے مریضوں کا بھی علاج ہوتا تھا۔ کچھ میرے بہت اچھے دوست بھی بن گئے لیکن ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ ایک چھ سال کی بچی دیکھی اپلاسٹک انیمیا کی اور اس کی میرے سامنے ہی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد سب چیز سے ایمان اٹھ گیا، یہ سفر کی شروعات تھی۔

گھر والوں کو پتہ تو ہے کہ میری سوچ کیا ہے، لیکن پھر بھی انشاللہ ماشاللہ کر دیتا ہوں۔

میرے بچے مذہب کے زہر آلود پروپیگنڈہ سے کوسوں دور ہیں

راجہ پورس

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	مرد	ایم اے	پاکستان	پاکستان	ڈائریکٹر، ایڈورٹائزنگ ایجنسی	2013

ابتدائی وجہ شیعہ سنی چپقلش تھی جو کہ ماں اور دادی میں رہتی تھی۔ دادی شیعہ اور ماں بریلوی تھیں میں دونوں سے جذباتی وابستگی کی وجہ سے شش و پنج میں رہتا کہ کون سا عقیدہ درست ہے اور کون سا غلط۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ان دونوں سے متنفر ہوا اور مذہب اور پھر مذاہب کی درک میں پناہ ڈھونڈی اور پھر سب سے بیگانہ ہو گیا۔ جاننے کی خواہش اور مذہب سے دوری نے صحیح معنوں میں انسانیت کے قریب کیا اور آج بہت سے رشتوں سے کٹ کر اور بہت سی صعوبتوں سے گذر کر خوش ہوں، زیادہ خوش اس وجہ سے ہوں کہ میرے بچے میرے رجحان کو سراہتے ہیں اور وہ مذہب کے زہر آلود پروپیگنڈہ سے کوسوں دور ہیں۔

اوائل میں تو بالکل نہیں لیکن گھر والوں کو اندازہ ہو گیا تھا۔ دادی اور والدہ کی وفات کے بعد میں نے کھل کر اظہار کیا لیکن گھر کی حد تک۔ شادی کے بعد بیوی کے ساتھ اختلاف کی بڑی وجہ بھی مذہب ہی رہی، وہ کٹر مذہبی ہے اور میں بالکل مخالف سمت میں بہتا ہوں، کافی عرصہ لگا کمپرومائز کرنے میں، اب بیگم کچھ نہیں کہتی۔

پھر تو نبی نے تمام سیارے بھی دیکھے ہوں گے

فرعون

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
20 سال	مرد	بزنس ایڈمنسٹریشن	پاکستان	پاکستان	طالب علم	؟

ایک دن فزکس کے ٹیچر فزکس کی ایک مساوات پڑھا رہے تھے، جس کے مطابق کائنات کا وقت رک گیا تھا اور جناب نے کہا کہ محمد عرش معلیٰ پر گئے تھے، یہ مساوات اس بات کا ثبوت ہے۔ میں نے ان سے پوچھا، پھر تو نبی نے تمام سیارے بھی دیکھے ہوں گے، آپ نے ان کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں کیا؟ اس بات پر ٹیچر نے مجھے کلاس سے باہر نکال دیا لیکن اس واقعہ نے مجھ میں سچ ڈھونڈنے کی تحریک بخش دی اور اس طرح روشنی کا سفر جاری ہو گیا۔

Then I read about sex with female war captives

جاوید اقبال

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
60 سال	مرد	الیکٹریکل انجینئرنگ	پاکستان	بیرون ملک	ذاتی کاروبار	؟

During my student life I was very religious and had a very close affiliation with Jammat Islami. It took a long time, at least 30 years to conclude that religion is all FAKE. I was just like any common Pakistani emotional Muslim without knowing anything other than hearsay and what I was taught in Islamic Studies, which was all my source of knowledge about Islam. Some 30 years ago I started looking at the things rationally rather arbitrarily and my whole conception started changing. Almost 16 years ago, I started reading Quran with translation and that's it. In the beginning I tried to give my own meanings to what I was reading in Quran but it didn't help. Then I read about sex with female war captives and couldn't justify how would God allow (rather push) the believers to rape the female captives. I read Ahadith also and it confirmed that Islam was manufactured 1400 years ago to simply rule the people. I would add here that your page helped me a lot to further strengthen my conclusion

اسلام کا نام اسلام رکھنا ہی سب سے بڑی منافقت ہے

روحیل خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
23 سال	مرد	بی ایس سی	پاکستان	پاکستان	طالب علم	2014

ہم نے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا اور پھر اس رسی کو توڑ کر چھوڑا۔ وجوہات تو کافی ہیں۔ پہلی خاص وجہ تو یہی ہے کہ اسلام کا نام اسلام رکھنا ہی سب سے بڑی منافقت ہے۔ کیا نام سلامتی رکھ لینے سے امن پرست ہو جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی ماں باپ اپنی اولاد کا نام امن رکھ لیں اور وہ بڑا ہو کر معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب بن جائے۔ میں فرقہ وہابی سے تعلق رکھتا تھا جس میں شدت پسندی، سختی اور غیر مسلموں سے نفرت نے میرے ذہن میں کئی سوال پیدا کرنے شروع کر دیے تھے۔ جہاد، خودکش حملوں نے شک و شبہات کو راستہ دیا جس میں ہزاروں معصوم جانیں ضائع ہو جایا کرتی ہیں، پھر براہ راست اللہ کے وجود پر ہی سوال اٹھانے شروع کر دیے۔ بالآخر مذہب کو خیر باد کہا اور انسانیت سے محبت کو اپنا لیا۔

والد صاحب کو چھوڑ کر سب کو میرے خیالات کا پتہ ہے، بقیہ دوست اسے مذاق سمجھتے ہیں۔ جب بھی کوئی ایسی بات کہتا ہوں تو سب ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ مار کر مجھے پاگل اور سائنس داں کی اولاد کا طعنہ مار کر ہنس دیتے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ ہنس دیتا ہوں اور بات وہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔

I made them unfriend

فرہاد علی

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	؟	پاکستان	پاکستان	ٹیچر, فزکس	2006

I became atheist by studying science deeply , my whole family knows about it and they are comfortable with it, some of my friends are not digesting it so i made them unfriend on facebook

مجاہدین کا ساتھ چھوڑ کر گھر آ گیا

نیاز خان

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
28 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	سرکاری ملازمت	2010

جب میں خدا اور مذہب کی محبت میں پوری دنیا میں اسلام نافذ کرنے کی نیت سے مجاہدین کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا اور پھر مجھے مجاہدین اسلام سے کچھ اختلافات ہو گئے تو انہوں نے مجھے قران و حدیث کے حوالے دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کی تو مجھے قران و حدیث میں کچھ باتیں دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی۔ پھر میں نے خود سارے اسلام کے مطالعے کا فیصلہ کر لیا۔ بس مجاہدین کا ساتھ چھوڑ کر گھر آ گیا اور اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔

جب اسلام کا مطالعہ کیا تو اسلام کی ساری گندگی میرے سامنے آ گئی جسے میں نہ چاہتے ہوئے قبول نہ کر سکا اور کافر ہو گیا۔ اب مجھے کسی مذہب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی پر مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ میں ملحد ہو چکا ہوں۔ مجھے تو الحاد کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا، پھر میں فیس بک پر آیا، اپنے خیالات شئیر کرنے شروع کر دیے، بہت عرصے بعد کچھ ہم خیال لوگوں کے گروپ دیکھنے کو ملے تو پتہ چلا کہ میرے خیالات کے لوگوں کو ملحد کہا جاتا ہے۔

جماعت الدعوہ سے میرا قریبی تعلق رہا ہے

اویس

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
24 سال	مرد	گریجویٹ	پاکستان	پاکستان	کسٹمر سپورٹ	2014

میرے گھر میں مذہب کی شدت بھی بچپن میں میری وجہ سے ہی آئی، جب میں نے یہ حدیث سنی کہ موسیقی حرام ہے تو سب گھر والوں کو ٹی وی پر موسیقی سننے سے روکنے لگا۔ وہاں سے یہ سفر شروع ہوا۔ میرے والد بالکل بھی مذہبی نہیں تھے، نماز کبھی کبھار پڑھتے تھے۔ میری کوششوں سے داڑھی رکھی، سگریٹ چھوڑی میوزک چھوڑا اور نماز

شروع کی اور اس وقت میں صرف گیارہ سال کا تھا۔ اسی شوق کی وجہ سے میں نے قرآن بھی حفظ کیا۔ بنیادی جہادی تربیت بھی حاصل کی۔

جماعت الدعوہ سے میرا قریبی تعلق رہا ہے۔ آج میرا گھرانہ اتنا شدید مذہبی ہو چُکا ہے کہ وہاں میوزک چلانے پر مجھے مار بھی پڑ سکتی ہے۔ میں نے ماضی میں داعش کو بھی سپورٹ کیا۔ پھر میری ایک دوست نے میرے شدت پسندانہ رجحانات کی وجہ سے ہمت کر کے مجھ سے چند سوالات کیے اور ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لیے میں نے ذاکر نائک کا رُخ کیا۔ ذاکر نائک کے کُچھ جوابات نے مجھے بری طرح کنفیوز کر دیا اور میں نے اسلام کو دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ اب میں نے مذہب کو دوسرے فرقوں اور مذہبی لوگوں کے لیے Empathy کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ خود کو ان کی جگہ رکھ کر سوچا۔ غزوۂ بدر کے اسباب نے مجھے سب سے زیادہ جھنجوڑا۔ اس کے بعد پھر تحقیق اور تجسس کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔

کوئی خاص فرق نہیں پڑا گھر والوں کو

زبیر علی عمر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
39 سال	مرد	ایل ایل بی	پاکستان	پاکستان	شعبۂ وکالت	20 سال کی عمر

مذہب چھوڑنے کا واقعہ ایک حادثہ کی صورت ہوا کہ گریجویشن کے دوران ہاسٹل میں ایک رات ایک دوست سے مذہب پر بحث شروع ہو گئی اور خدا کی عدم وجودیت پر دوست کے دلائل کے جواب کے لیے ایک مہینہ تگ و دو کی لیکن ناکام ہو کر مذہب کا دامن چھوڑ دیا۔ گھر والوں کو باقاعدہ تو کبھی نہیں بتایا، نہ بتانے کی کوئی وجہ تھی، البتہ باتوں اور حرکتوں سے انہیں اندازہ ہے۔ کوئی خاص فرق نہیں پڑا گھر والوں کو۔

اگر اللہ ماں سے ستر گناہ زیادہ پیار کرتا ہے تو تکلیف کیوں دیتا ہے

سحر ملک

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
21 سال	عورت	ماسٹر زانگریزی	پاکستان	پاکستان	طالب علم	آٹھ ماہ قبل

اسلام اس لیے چھوڑا کہ سوالات سے دو دو ہاتھ کرنے کی شروع سے عادت تھی۔ مجھے ایک سوال بہت پریشان کرتا تھا، جب خود کو اور لوگوں کو تکلیف میں دیکھتی تھی کہ اگر اللہ ماں سے ستر گناہ زیادہ پیار کرتا ہے تو تکلیف کیوں دیتا ہے، معصوم بچوں کو کیسے بھوکا رہنے دیتا ہے، وہ جس کا دعویٰ پتھر میں موجود کیڑے کو رزق دینے کا ہے۔ پھر لونڈی کلچر اور عورت کی پستی نے رہی سہی کسر پوری کی۔ خوشی اس بات کی ہے کے جو بھی پڑھا اس نے سوچنے پر مجبور کیا۔ ان میں علی عباس جلالپوری، نیاز فتح پوری، سبط حسن اور Samuel Becket کی شکر گزار ہوں، Waiting For Godot نے زندگی کو الگ طرح سے دیکھنے پر مجبور کیا۔ دیگر معلومات میں اضافہ گروپ (پاکستانی فری تھنکرس) کی بدولت ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

گھر والوں کو نہیں بتایا کیونکہ کٹر مذہبی ہیں اور سخت مزاج بھی، ابھی dependent ہوں شاید اپنے پیروں پر کھڑے ہو جانے پر یہ بھی کر گذروں۔

کوئی انسان بغیر آکسیجن کے کیسے رہ سکتا ہے؟

ڈاکٹر بھٹو

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
40 سال	مرد	ماسٹرز	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2014

اسلام چھوڑنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ڈر تھا جو ہر وقت رہتا تھا کہ اگر کچھ رہ گیا تو وہ تل کے مار دے گا۔ پھر معجزوں کے بارے میں سنا تو عقل حیران رہ گئی؛ انسان مچھلی کے پیٹ میں، کوئی انسان بغیر آکسیجن کے کیسے رہ سکتا ہے۔ پھر سب سے اہم وجہ قتل وغارت، محض کسی ان دیکھی ہستی کو خوش کرنے کے لیے اور بدلے میں بہتر حوریں اور عیاشیاں۔ مزید یہ کہ جو لوگ ساری زندگی انسانیت کی خدمت کرتے رہے، وہ محض اس لیے دوزخ میں جلتے رہیں گے کیوں کہ وہ صاحب ایمان نہیں تھے۔ اور بھی بہت ساری باتیں تھیں جن کے سبب مجھے یہاں اپنا ٹکٹ کٹانا پڑا۔

سارا مذہب نکل گیا جب ہم وطن سے نکل گئے

غلام مصطفیٰ چودھری

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
42 سال	مرد	ایم بی اے، آئی ٹی	پاکستان	مختلف ممالک	متفرق ملازمتیں	؟

میرا اسلام سے کافی پرانا تعلق ہے، گلی میں پانچ وقت نماز پڑھنے جانا، مولانا کی محفلوں میں بیٹھنا اور مذہبی تنظیموں کی سربراہی بھی کر چکا۔ سوال کرنے کا کیڑا شروع سے ہی تھا۔ سارا مذہب نکل گیا جب ہم وطن سے نکل گئے۔ دنیا میں نکلے تو پتہ چلا کہ عقیدت کی عینک سے باہر اصلی زندگی ہے۔ بس پھر کیا تھا، ہمارے ترکش میں سجے سوالوں کے تیر وں کا کسی کے پاس جواب نہ تھا۔ ہوائی باتوں سے ہم کہاں متاثر ہونے والے۔ مالی حالات تھوڑے خراب ہیں، اس لیے بیوی صرف یہ کہتی ہے کہ دیکھو تم خدا کو مانتے نہیں، اس لیے تمہارے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔ خاندان کٹر مذہبی ہیں، الفاظ کے ہیر پھیر سے کام چل جاتا ہے۔

بہت مشکل ہوتا ہے بچپن سے جڑے عقائد کو چھوڑنا

اطہر علی شاہ

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
30 سال	مرد	؟	پاکستان	پاکستان	سرکاری ملازمت	2013

میں شروع ہی سے سائنس میں دلچسپی رکھتا تھا اور مذہبی میری سائنسی لاجک پر مبنی سوالات کا جواب نہیں دے پاتے تھے۔ میں نے وہ سوال جب بھی اپنے دوست احباب یا ارد گرد کے لوگوں سے کیے تو مجھے ہمیشہ غیر تشفی بخش جوابات ملے یا پھر مجھے ڈانٹ کر چپ کرا دیا جاتا تھا۔ پھر سوشل میڈیا میں مجھے وہ ماحول میسر آیا اور میں یہاں کھل کر وہ سارے سوال کرنے لگا جو عرصہ دراز سے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں لوگوں کے مباحثے کو غور سے پڑھتا تھا۔ قرآن و احادیث کے بغور مطالعہ کا اشتیاق بھی یہیں سے پیدا ہوا۔ میرا مسلمان اور ایتھسٹ کے بیچ والا عرصہ جو کم و بیش پانچ

سے چھ ماہ پر محیط تھا، بڑا تکلیف دہ گذرا، میں ایک عجیب نفسیاتی الجھن کا شکار ہو گیا، بہت مشکل ہوتا ہے اپنے بچپن سے فالو کیے گئے عقاید کو چھوڑنا۔ ایک طرف اللہ، قبر کے عذاب اور قیامت ڈر تو دوسری طرف تمام ثبوتوں کے ساتھ ننگی حقیقت، سچ مچ بڑا گمبھیر مسئلہ تھا۔

اسلام ترک کرنے کے بعد تمام نفسیاتی مسائل سے باہر نکل آیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ جن دیگر مذاہب کے پیروکاروں، مثلاً ہندوؤں کے لیے ہمیشہ دل میں نفرت محسوس کرتا تھا وہ ختم ہو گئی، ورنہ اس سے پہلے وہ کسی برتن کو ہاتھ لگالیں تو اسے میں اپنے لیے استعمال نہیں کرتا تھا۔ ترک اسلام کے بعد بے شک مسلمانوں کی مخالفت مول لی لیکن دوسرے مذاہب کے کئی روشن خیال لوگ اب میرے دوست ہیں۔

عقیدے کے ساتھ دعا پر یقین بھی ختم ہوا

ذکی حیدر

عمر	جنس	تعلیم	وطن	رہائش	ذریعۂ معاش	ترک اسلام
24 سال	مرد	؟	پاکستان	پاکستان	ملازمت	2012

مذہب انسان کو عقیدے کے عقوبت خانے میں اپنا قیدی بناتا ہے اور غیبی قوتوں کا غلام۔ عقیدہ ختم ہوا تو دعاؤں پر یقین بھی ختم ہو گیا، اب سب کچھ خود آپ پر منحصر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج نہیں تو کل ہم ان بیڑیوں سے مکمل طور پر آزاد ہوں گے اور دنیا کی بقیہ قوموں کے ساتھ ہم بھی ترقی کے سفر میں ان کے ہمراہی ہوں گے۔

ختم شد